

نقل ٹائیٹل باراقل

تصاویر

ازالہ اوقھام

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

الحمد والمنةنت کہ ماہ مبارک ذی الحجہ ۱۳۰۸ کتاب

جامع معارف قرآنی و شایع اسرار کلام ربانی از

تالیفات مرسل یزدانی و مامور رحمانی

جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

مطبع رضویہ امروہہ شیخ محمد امجد علی صاحب المطبعہ امروہہ

قیمت فی جلد عمر

تعداد و جلد ۷۰۰

اے شک کرنے والو!

آسمانی فیصلہ کی طرف آ جاؤ!

اے بزرگو! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے غیظ اور غضب میں اگر کسی سے مت بڑھو میری اس کتاب کے دونوں حصوں کو غور سے پڑھو کہ ان میں خود اور ہدایت کے خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی زبانوں کو تکفیر سے تمام لو۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔

أَمِنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَأْتُكَتِهِ وَكُتِبَہِ وَرَسُولُہِ وَالْبَحْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاشْهَدَانِ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَاشْهَدَانِ مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تَقُولُوا الِستَ مُسْلِمًا وَاتَّقُوا الْمَلِكَ الَّذِي إِلَيْہِ تَرْجِعُونَ۔

اور اگر اب بھی اس کتاب کے پڑھنے کے بعد شک ہے تو آؤ! خدا کے ساتھ میرے مخالف الزمے مولوی اور مہوفیو اور سجادہ نشین جو کفر اور مذہب ہو مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ لوگ مل جل کر یا ایک ایک آپ میں سے ان آسمانی نشانوں میں برسرِ مقابلہ کرنا چاہیں جو اولیاء الرحمن کے لازم حال ہوا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ تمہیں شرمندہ کرے گا اور تمہارے پردوں کو بھاڑ دے گا اور اس وقت تم دیکھو گے کہ وہ میرے ساتھ ہی کیا کوئی تم میں ہے، کہ اس آزمائش کے لئے میدان میں آئے اور عام اعلانِ اجملوں کے ذریعے سے دیکر ان تعلقات قبولیت میں جو مبارکات میرے ساتھ دھتا ہے اپنے تعلقات کا موازنہ کرے۔ یاد رکھو کہ خدا صادق کا مددگار ہے وہ اسی کی مدد کرے گا جسکو وہ سچا جانتا ہے۔ چالاکیوں سے باز آ جاؤ کہ وہ نزدیک ہے۔ کیا تم احسن آدمی ہو گے؟ کیا کوئی متکبرانہ اُچھلنے سے درحقیقت اونچا ہو سکتا ہے؟ کیا صرف زبان کی تیزوئی سچائی کو کاٹ دو گے؟ اس بات سے جس کا غضب میرے غضبوں سے بڑھ کر ہے۔ اِنَّہٗ مِنْ نِّبَاتِ رَبِّہٖ فَاِنْ لَّہٗ جَنَمٌ

لَا یَمُوتُ فِیْہَا وَلَا یَحْیٰی۔ اَللّٰہُ

خاکسار غلام احمد قادیانی از لودھیانہ محلہ اقبال گنج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله والسلام على قومٍ موجه سيماء على امام الاصفياء وسيد الانبياء
محمد المصطفى وآله واصحابه اجمعين۔ اللهم ارزقنا انوار اتباعه واعطنا
ضوءه بجميع انواعه برحمتك عليه واشياؤه۔

اس سوال کا جواب کہ حضرت مسیح بن مریم نے مردوں کو
زندہ کیا اور اندھوں کو آنکھیں بخشیں بہروں
کے کان کھولے ان تمام معجزات میں
سے شیل مسیح نے کیا دکھایا۔

اس جگہ اول تو یہ جواب کافی ہے کہ جس مسیح کے مسلمان لوگ منتظر ہیں اُس کی نسبت ہرگز اسلاف
میں یہ نہیں لکھا کہ اس کے ہاتھ سے مردے زندہ ہوں گے بلکہ یہ لکھا ہے کہ اُس کے دم سے
زندے مریں گے۔ علاوہ اس کے خدائے تعالیٰ نے اسی غرض سے اس عاجز کو بھیجا ہے کہ
سارو معانی طور پر مردے زندہ کئے جائیں۔ بہروں کے کان کھولے جائیں اور مجذوموں کو صاف
کیا جائے اور وہ جو قبروں میں ہیں باہر نکالے جائیں اور نیز یہ بھی وجہ ماثلت ہے کہ جیسے مسیح
بن مریم نے انجیل میں توریت کا صحیح خلاصہ اور مغز اصلی پیش کیا تھا اسی کام کے لئے یہ
عاجز مامور ہے تا غافلوں کے سمجھانے کے لئے قرآن شریف کی اصلی تعلیم پیش کی جائے۔ مسیح
صرف اسی کام کیلئے آیا تھا کہ تورات کے احکام شد و مد کے ساتھ ظاہر کرے۔ ایسا ہی یہ عاجز
بھی اسی کام کیلئے بھیجا گیا ہے کہ تاتقرآن شریف کے احکام بروضا صحت بیان کر دیوے۔ فرق
صرف اتنا ہے کہ وہ مسیح موسیٰ کو دیا گیا تھا اور یہ مسیح شیل موسیٰ کو عطا کیا گیا۔ سو یہ تمام مشابہت

تو ثابت ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں۔ اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آپ حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا۔ سو تم مقابلہ کے لئے جلدی نہ کرو اور دیدہ و دانستہ اس الزام کے نیچے اپنے تئیں داخل نہ کرو جو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَقِفْ مَالِيسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفَوَادِ كُلَّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ بدظنی اور بدگمانی میں حد سے زیادہ مت پڑھو ایسا نہ ہو کہ تم اپنی باتوں سے پکڑے جاؤ اور پھر اس دُکھ کے مقام میں تمہیں یہ کہنا پڑے کہ مَا لَنَا لَا نَرٰ رِجَالًا كُنَّا نَعْبُدُ هُمْ مِنْ اِلٰهٍ شَرًّا رَتَّ

آں زندانی بود گزناش کی بانی نفس
خویشترن راز و تیر بر ضد و انکار آورد
صبر باند طالب حق را کہ تخم اندر جہاں
ہر چه بہنماں خاصیت دارد بہاں بلر آورد
اندکے نور فراست باید ایں جامہ در
تا صداقت خویشترن را خود با ظہار آورد
صادق را صدق پہنانی نے ماند نہاں
نور پہنماں بر جبین مرد انوار آورد
ہرگز دست کسے خود است کا سات وصال
ہر زمان رویش سرور واصل یار آورد

اے مسلمانو! اگر تم سچے دل سے حضرت خداوند تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہو اور نصرت الہی کے منتظر ہو تو یقیناً سمجھو کہ نصرت کا وقت آگیا اور یہ کاروبار انسان کی طرف سے نہیں اور نہ کسی انسانی منصوبہ نے اس کی بنیاد لی۔ بلکہ یہ وہی صبح صادق کا ظہور پذیر ہو گئی ہے جس کی پاک فوشتوں میں پہلے سے خبر دی گئی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے بڑی ضرورت کے وقت تمہیں یاد کیا قریب تھا کہ تم کسی ملک گڑھے میں جا پڑتے مگر اس کے

باشفقت ہاتھ نے جلدی سے تمہیں اٹھالیا سو شک کر دو اور خوشی سے اچھلو جو آج تمہاری زندگی کا دن آگیا۔ خدا تعالیٰ اپنے دین کے بارغ کو جس کے راستبازوں کے خونوں سے آبپاشی ہوئی تھی کبھی ضائع کرنا نہیں چاہتا وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ غیر قوموں کے مذاہب کی طرح اسلام بھی ایک پرانے قصوں کا ذخیرہ ہو جس میں موجودہ برکت کچھ بھی نہ ہو وہ ظلمت کے کامل غلبہ کے وقت اپنی طرف سے نور پہنچاتا ہے کیا اندھیری رات کے بعد نئے چاند کے چرٹنے کی انتظار نہیں ہوتی۔ کیا تم سلخ کی رات کو جو ظلمت کی آخری رات ہے دیکھ کر حکم نہیں کرتے کہ کل نیا چاند نکلے والا ہے۔ افسوس کہ تم اس دنیا کے ظاہری قانون قدرت کو تو خوب سمجھتے ہو مگر اس روحانی قانون فطرت سے جو اُسی کا ہم شکل ہے بالکل بے خبر ہو۔

اسے نفسانی مولویو! اور خشک زاہد و اہم پر افسوس کہ تم آسمانی دروازوں کا کھٹنا چاہتے ہی نہیں بلکہ چاہتے ہو کہ ہمیشہ بند ہی رہیں اور تم پیر مغال بنے رہو اپنے دلوں میں نظر ڈالو اور اپنے اندر کو ٹٹو لکھا تمہاری زندگی دنیا پرستی سے منزہ ہے کیا تمہارے دلوں پر وہ زنگار نہیں جس کی وجہ سے تم ایک تاریکی میں پڑے ہو کیا تم ان فقیہوں اور فریسیوں سے کچھ کم ہو جو حضرت مسیح کے وقت میں دن رات نفس پرستی میں لگے ہوئے تھے۔ پتھر کیا یہ سچ نہیں کہ تم مثیل مسیح کے لئے مسیحی مشابہت کا ایک گونہ سامان اپنے ہاتھ سے ہی پیش کر رہے ہو تا خدا کے تعالیٰ کی حجت بریک طور سے تم پر زار رہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایک کافر کا مومن ہو جانا تمہارے ایمان لانے سے زیادہ تر آسان ہے۔ بہت سے لوگ مشرق اور مغرب سے آئیں گے اور اس عنوانِ نعمت سے حصہ لیں گے لیکن تم اسی زندگی کی حالت میں ہی مر رہے گے کا شتم نے کچھ سوچا ہوتا۔

اور مشابہت کیلئے مسیح کی پہلی زندگی کے معجزات جو طلب کئے جاتے ہیں اس بارے میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ اسیا جسمانی کچھ چیز نہیں اسیا روحانی کے لئے یہ عاجز آیا ہے اہل اس کا ظہور ہوگا ماسوا اس کے اگر مسیح کے اصلی کاموں کو ان حواسی سے الگ کر کے دیکھا جائے جو محض افتراء کے طور پر یا غلط فہمی کی وجہ سے گھڑے گئے ہیں تو کوئی اعجوبہ نظر

نہیں آتا بلکہ مسیح کے معجزات اور پیشگوئیوں پر جس قدر اعتراضات اور شکوک پیدا ہوتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی اور نبی کے خوارق یا معجزات میں کبھی ایسے شبہات پیدا ہوئے ہوں کیا تالاب کا قصبہ مسیحی معجزات کی رونق دُور نہیں کرتا؟ اور پیشگوئیوں کا حال اس سے بھی زیادہ تر ابتر ہے کیا یہ بھی کچھ پیشگوئیاں ہیں کہ زلزلے آئیں گے مری پڑے گی لڑائیاں ہوں گی قحط پڑے گا اور اس سے زیادہ تر قابلِ افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر حضرت مسیح کی پیشگوئیاں غلط نکلیں اس قدر صحیح نہیں نکل سکیں۔ انہوں نے یسوع مسیح کو بڑے گھٹے بارہ تختوں میں سے ایک تخت دیا تھا جس سے آخر وہ محروم رہ گیا اور پطرس کو نہ صرف تخت بلکہ آسمان کی کنجیاں بھی دیدی تھیں اور بہشت کے دروازے کسی پر بند ہونے یا کھلنے اُسی کے اختیار میں رکھے تھے مگر پطرس جس آخری کلمہ کے ساتھ حضرت مسیح سے الوداع ہوا وہ یہ تھا کہ اُس نے مسیح کے رُوبرو مسیح پر لعنت بھیج کر اور قسم کھا کر کہا کہ میں اسی شخص کو نہیں جانتا۔ ایسی ہی اور بھی بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو صحیح نہیں نکلیں مگر یہ بات الزام کے لائق نہیں کیونکہ انہوں نے انہیں کشفیہ میں اجتہاد کی غلطی انبیاء سے بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی بعض پیشگوئیاں بھی اس صورت پر ظہور پذیر نہیں ہوئیں جس صورت پر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں اُمید باندھ لی تھی۔ غایتِ مافیٰ الباب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیشگوئیاں اُوروں سے زیادہ غلط نکلیں مگر یہ غلطی نفسِ العاَم میں نہیں بلکہ سمجھ اور اجتہاد کی غلطی ہے۔ چونکہ انسان تھے اور انسان کی رائے خطا اور صواب دونوں کی طرف جاسکتی ہے اس لئے اجتہاد کی طور پر یہ لغزشیں پیش آگئیں۔

اس مقام میں زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ حضرت مسیح معجزہ غائی سے صاف انکار کر کے کہتے ہیں کہ میں ہرگز کوئی معجزہ دکھا نہیں سکتا مگر پھر بھی عوام الناس ایک انبارِ معجزات کا انکی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ نہیں دیکھتے کہ وہ تو کھلے کھلے انکار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہیلو دیس کے سامنے حضرت مسیح جب پیش کئے گئے تو ہیلو دیس مسیح کو دیکھ کر بہت خوش ہو گیا کہ اُسے اس کی کوئی کرامت دیکھنے کی اُمید تھی۔ پر ہیلو دیس نے ہر چند اس بارہ میں مسیح سے

بہت درخواست کی لیکن اُس نے کچھ جواب نہ دیا تب ہیرودیس اپنے تمام مصاحبوں کے سمیت اُس سے بے اعتقاد ہو گیا اور اُسے ناچیز ٹھہرایا۔ دیکھو لوقا باب ۲۳۔

اب خیال کرنا چاہیے کہ اگر حضرت مسیح میں اقتداری طور پر جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے معجزہ نمائی کی قوت ہوتی تو ضرور حضرت مسیح ہیرودیس کو جو ایک خوش اعتقاد آدمی اور اُن کے وطن کا بادشاہ تھا کوئی معجزہ دکھاتے مگر وہ کچھ بھی دکھانہ سکے۔ بلکہ ایک مرتبہ فقیہوں اور فریسیوں نے جن کی قیصر کی گورنمنٹ میں بڑی عزت تھی حضرت مسیح سے معجزہ مانگا تو حضرت مسیح نے انہیں مخاطب کر کے پُر اشتعال اور پُر غضب الفاظ سے فرمایا کہ اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پتھر یونس نبی کے نشان کے سوائے کوئی نشان انہیں دکھایا نہیں جائیگا۔ دیکھو متی باب ۱۲ آیت ۳۹۔ اور حضرت مسیح نے یونس نبی کے نشان کی طرف جو اشارہ فرمایا تو اس سے حضرت مسیح کا یہ مطلب تھا کہ یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ زندہ رہا اور زندہ نکل آیا ایسا ہی میں بھی صلیب پر نہیں مرونگا اور نہ قبر میں مردہ داخل ہوں گا۔

۴۔ اس جگہ حضرت مسیح کی تہذیب اور اخلاقی حالت پر ایک سخت اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ متی باب ۲۳ آیت ۳ میں وہ فرماتے ہیں کہ نفیہ اور فریسی موشی کی گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں یعنی بڑے بزرگ ہیں اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ لوگ یہودیوں کے مقتدا کھاتے تھے اور قیصر کے دربار میں بڑی عزت کے ساتھ خاص رئیسوں میں بٹھائے جاتے تھے پھر باوجود ان سب باتوں کے انہیں فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کر کے حضرت مسیح نے نہایت غیبر مذہب الفاظ استعمال کئے بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ ان یہودیوں کے معزز بزرگوں نے نہایت نرم اور مؤدبانہ الفاظ سے سراسر انکساری کے طور پر حضرت مسیح کی خدمت میں یوں عرض کی کہ اے اُستاد ہم تم سے ایک نشان دیکھا چاہتے ہیں۔ اسکے جواب میں حضرت مسیح نے

ہم اور ہمارے نکتہ چین

بعض صاحبوں نے نکتہ چین کے طور پر اس عاجز کی عیب شماری کی ہے۔ اور اگرچہ انسان عیب سے خالی نہیں اور حضرت مسیح کا یہ کٹنا سچ ہے کہ میں نیک نہیں ہوں، نیک ایک ہی ہے یعنی خدا۔ لیکن چونکہ ایسی نکتہ چینیاں دینی کاروائیوں پر بد اثر ڈالتی ہیں اور حق کے طالبوں کو رجوع لانے سے روکتی ہیں اس لئے برعایت اعتصار بعض نکتہ چینوں کا جواب دیا جاتا ہے۔

پہلی نکتہ چین اس عاجز کی نسبت یہ کی گئی ہے کہ اپنی تالیفات میں مخالفین کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مشعل ہو کر مخالفین نے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کریم کی بے ادبی کی اور پُر دشنام تالیفات شائع کر دیں۔ قرآن شریف میں صریح حکم وارد ہے کہ مخالفین معبودوں کو سب و شتم سے یا دمت کرو تا وہ بھی بے سمجھی اور کینہ سے خود کے تعالیٰ کی نسبت سب و شتم کے ساتھ زبان نہ کھولیں لیکن اس جگہ پر خلاف طریقہ ماوریہ کے سب و شتم سے کام لیا گیا۔ اما جواب پس واضح ہو کہ اس نکتہ چین میں معترض صاحب نے

انہیں مخاطب کر کے یا الفاظ استعمال کئے کہ اس زمانہ کے بداد و حرامکار لوگ نشانِ دھوٹتے ہیں اور پھر اسی پس نہیں کی بلکہ وہ دنِ معدوم و بزرگوں کو ہمیشہ دشنام دہی کے طور پر یاد کرتے رہے۔ کبھی انہیں کہا اے سانپوٹے سانپ کے بچہ۔ دیکھو متی باب ۲ آیت ۳۲ کبھی انہیں کہا اندھے دیکھو متی باب ۲ آیت ۱۴ کبھی انہیں ضایت فحش کلمات سے یہ کہا کہ گنہگاروں تم سے پہلے خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل ہوئی اور کبھی ان کا نام مسودہ رکھا۔ دیکھو متی باب ۲ آیت ۲۱۔ دیکھو متی باب ۲ آیت ۲۲، کبھی انہیں کہا کہ تم جتنی بود دیکھو متی باب ۲ آیت ۱۶۔ حالانکہ آپ ہی حکم و درخانی نصیحت دیتے ہیں مگر فراموش ہو کر جو کوئی اپنے بھائی کو احمق کے جھم کی لگا کر مسودہ رکھا اس اعتداس کا جواب ان مطالبی کے جواب میں دیا جائیگا جو تندیب کے بارے میں بعض خوش فہم آدمیوں نے اس عاجز کی نسبت کئے ہیں۔ مزہ

وہ الفاظ بیان نہیں فرمائے جو اس عاجز نے بزعم اُن کے اپنی تالیفات میں استعمال کئے ہیں اور درحقیقت سب شتم میں داخل ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا جائے۔ بڑے دھوکے کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اُس کی کسی قدر حرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حاصل ہوا کرتی ہے دشنام ہی تصور کر لیتے ہیں حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے۔ اور اگر ہر ایک سخت اور آزار دہ تقریر کو محض بد بھاشی کے کہ حرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے بھرپور ہے۔ کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بُت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارے میں لعنت و لعنت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے منہ سے بُت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہوں بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے اُن کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدائے تعالیٰ کا کفار کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم لم معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے کیا خدائے تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو شراب پرہیز قرار دینا اور تمام رذیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کے رُوسے دشنام ہی میں داخل نہیں ہوگا؟ کیا خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں داغ و غلط علیہم نہیں فرمایا کیا مومنوں کی علامات میں اشدّاء علی الکفار نہیں رکھا گیا۔ کیا حضرت مسیح کا ہودیوں کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کو موثر اور کُتے کے نام سے پکارنا اور گسیل کے عالی مرتبہ فرمانروا میر و دیس کا لونبری نام رکھنا اور معزز سردار کا ہنوں اور فقیہوں کو

کجبری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ مقتداؤں کو جو قیصری گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کے عزت دار اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے ان کو یہ اہد نہایت دل آزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرام زادے ہو حرام کار ہو شریر ہو بد ذات ہو بے ایمان ہو احمق ہو ریاکار ہو شیطان ہو جہنمی ہو تم سانپ ہو سانپوں کے بچے ہو۔ کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندمی گالیاں نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ معترض کا اعتراض نہ صرف محمد پر اور میری کتابوں پر بلکہ درحقیقت معترض نے خدائے تعالیٰ کی ساری کتابوں پر اور سارے رسولوں پر نہایت درجہ کے جلے سڑے دل کے ساتھ حملہ کیا ہے اور یہ حملہ انجیل پر سب سے زیادہ ہے کیونکہ حضرت مسیح کی سخت زبانی تمام نبیوں سے بڑھی ہوئی ہے اور انجیل سے ثابت ہے کہ اُس سخت کلامی کی وجہ سے کئی مرتبہ یہودیوں نے حضرت مسیح کے مارنے کے لئے پتھر اٹھائے اور سردار کاہن کی بے ادبی سے حضرت مسیح نے اپنے مُنہ پر طمانچے بھی کھائے اور جیسا کہ حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ میں صلح کرانے نہیں آیا بلکہ تلوار چیلانے آیا ہوں سو انہوں نے زبان کی تلوار ایسی چلائی کہ کسی نبی کے کلام میں ایسے سخت اور آزار دہ الفاظ نہیں جیسے انجیل میں ہیں اس زبان کی تلوار چلنے سے آخر مسیح کو کیا کچھ آزار اٹھانے پڑے۔ ایسا ہی حضرت یحییٰ نے بھی یہودیوں کے فقیہوں اور بزرگوں کو سانپوں کے بچے کہہ کر اُن کی شرارتوں اور کارسازوں سے اپنا سر کٹوایا مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ مقدس لوگ پرلے درجہ کے غیر محذب تھے کیا زمانہ حال کی موجودہ تہذیب کی اُن کو بوجھ نہیں پہنچی تھی؟ اس سوال کا جواب ہمارے سید و مولے مادر و پدرم بر او خدا باد حضرت ختم المرسلین سید الاولین والآخرین پہلے سے دے چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب یہ آیتیں اُتریں کہ مشرکین رحس ہیں پلید ہیں شر البریہ ہیں سفہا ہیں اور ذریت شیطان ہیں اور اُن کے معبود و قود النار اور حسب جہنم ہیں تو ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ اے میرے بھتیجے اب تیری

۱۱۱

۱۱۲

دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہو گئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تو نے اُن کے عقلمندوں کو سفیہ قرار دیا اور اُن کے بزرگوں کو شتر البریہ کہا اور اُن کے قابلِ تعظیم معبودوں کا نام ہی مذم جہنم اور وقود النار رکھا اور عام طور پر اُن سب کو جس اور ذریت شیطان اور پلید ٹھہرایا میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا ورنہ میں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ اے چچا یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہارِ واقعہ ہے اور نفس الامر کا عینِ محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رُک نہیں سکتا اور اے چچا اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تو مجھے پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جا بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں میں احکامِ الہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رُکوں گا۔ مجھے اپنے مولیٰ کے احکامِ جہان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر میں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہو کر ہمیشہ اسی راہ میں مرنے لہوں۔ یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہاء لذت ہے کہ اُس کی راہ میں دکھ اٹھاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقت نمایاں ہو رہی تھی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے انتہاء ابوطالب کے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں تیری اس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا تو اور ہی رنگ میں اور اور ہی شان میں ہے جا اپنے کام میں لگا رہ۔ جنتک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا۔ اب حاصلِ کلام یہ ہے

حاشیہ یہ سب مضمون ابوطالب کے قصہ کا اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر یہ تمام میلالتِ الہامی ہے جو

کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے اعتراض کا خود اپنی زبان مبارک سے جواب دیا درحقیقت وہی جواب ہر ایک معترض کے ساکت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے کیونکہ دشنام دہی اور چیز ہے اور بیان واقعہ کا گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شے ہے ہر ایک محقق اور حق گو کا یہ فرض ہوتا ہے کہ سچی بات کو پورے پورے طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں تک پہنچا دیوے پھر اگر وہ سچ گوشتنکافر و خستہ ہو تو ہوا کرے ہمارے علماء جو اس جگہ لاتبوا آیت پیش کرتے ہیں میں حیران ہوں کہ اس آیت کو ہمارے مقصد اور مدعا سے کیا تعلق ہے۔ اس آیت کو یہ میں تو صرف دشنام دہی سے منع فرمایا گیا ہے نہ یہ کہ اظہار حق سے روکا گیا ہو اور اگر نادان مخالف حق کی مرارت اور تلخی دیکھ کر دشنام دہی کی صورت میں اس کو سمجھ لیوے اور پھر مشتعل ہو کر گالیاں دینی شروع کر دے تو کیا اس سے امر معروف کا دروازہ بند کر دینا چاہیے یا کیا اس قسم کی گالیاں

۲۱

۲۲

۱۹ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے دل پر نازل کی صرت کوئی کوئی فقرہ تشریح کے لئے اس عاجز کی طرف سے ہے۔ اس الہامی عبارت سے ابوطالب کی ہمدردی اور دلسوزی ظاہر ہے لیکن کمال یقین یہ بات ثابت ہے کہ یہ ہمدردی تیغی سے اوار نبوت و آثار استقامت دیکھ کر پیدا ہوئی تھی ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا حصہ عمر کا جو جائیش بریں ہے بیکی اور پریشانی اور غمی میں بسر کیا تھا کسی غولیش یا قریب نے اس زمانہ تمنائی میں کوئی حق غولیش اور قربت کا ادا نہیں کیا تھا یہاں تک کہ وہ روحانی بادشاہ اپنی صغریٰ کی حالت میں لاوارث بچوں کی طرح بعض بیابان نشین اور خانہ بدوش محمد قول کے حوالہ کیا گیا اور اسی بے کسی اور غریبی کی حالت میں اس سید الانام نے شیر خوارگی کے دن پھر سے کئے اور جب کچھ سن تمیز پہنچا تو یتیم اور بے کس بچوں کی طرح جن کا دنیا میں کوئی بھی نہیں ہوتا ان بیابان نشین لوگوں نے بکریاں چرانے کی خدمت اس مخدوم العالمین کے سپرد کی اور اُس تنگی کے دنوں میں

۲۳

۲۴

۲۲ پہلے کفار نے کبھی نہیں دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غنی کی تائید کے لئے صرف الفاظ سخت ہی استعمال نہیں فرمائے بلکہ بت پرستوں کے ان بتوں کو جو ان کی نفس میں خدائی کا منصب رکھتے تھے اپنے ہاتھ سے توڑا بھی ہے۔ اسلام نے ملاحنہ کو کب جائز رکھا اور ایسا حکم قرآن شریف کے کس مقام میں موجود ہے بلکہ اللہ جل شانہ ملاحنہ کی حمایت میں صاف فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے باپوں یا اپنی ماؤں کے ساتھ بھی ان کی کفر کی حالت میں ملاحنہ کا برتاؤ کریں وہ بھی ان جیسے ہی بے ایمان ہیں اور کفار مکہ کی طرف سے حکایت کر کے فخر مانتا ہے وَذُو الْقُوَّةِ فَتْدَ هُنَّ فَيُذِّ هُنَّ یعنی اس بات کو کفار مکہ دوست رکھتے ہیں کہ اگر تو حق پوشی کی راہ سے نرمی اختیار کرے تو وہ بھی تیرے دین میں ہاں میں ہاں ملا دیا کریں مگر ایسا ہاں میں ہاں ملا نا خدا نے تعالیٰ کو منظور نہیں۔ غرض آیت قرآنی جو معترض نے پیش کی ہے وہ اگر کسی بات پر دلالت کرتی ہے تو صرف اسی بات پر کہ معترض کو کلام الہی کے

۲۳ بھرا دینی اقسام کے انابوں یا بکریوں کے دودھ کے اور کوئی غذا نہ تھی جس میں بلوغ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے لئے کسی چچا وغیرہ نے باوجود آنحضرت کے اول درجہ کے حسن و جمال کے کچھ منکر نہیں کی بلکہ بچپن میں ہی عمر ہونے پر اتفاقی طور پر محض خدا نے تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک مکہ کی رئیسہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے پسند کر کے آپ سے شادی کر لی۔ یہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابو طالب اور حمزہ اور عباس جیسے موجود تھے۔ اور بالخصوص ابو طالب رئیس مکہ اور اپنی قوم کے سردار بھی تھے اور دنیوی جاہ و شہرت و دولت و مقدرت بہت کچھ رکھتے تھے مگر باوجود ان لوگوں کی ایسی امیرانہ حالت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ انام بڑی مصیبت اور فاقہ کشی اور بے سامانی سے گزرے یہاں تک کہ جنگی لوگوں کی بجائیاں چرانے تک اور بت بچھی اور اس دردناک حالت کو دیکھ کر کسی کے آنسو جاری نہیں ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

سمجھنے کی مس تک نہیں۔ نہیں خیال کرتا کہ اگر یہ آیت ہر ایک طور کی سخت نہانی سے متعلق سمجھی جائے تو پھر امر معروف اور نہی منکر کا دروازہ بند ہو جانا چاہیئے اور نیز اس صورت میں خدا نے تعالیٰ کا کلام دو متناقض امور کا جامع ماننا پڑے گا یعنی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اول تو اُس نے ہر ایک طور کی سخت کلامی سے منع فرمایا اور ہر ایک محل میں کفار کا دل خوش رکھنے کے لئے تاکید کی اور پھر آپؐ ہی اپنے قول کے مخالف کارروائی شروع کر دی اور ہر ایک قسم کی گالیاں منکر و مکشائش بلکہ گالیاں دینے کے لئے تاکید کی سو جانا چاہیئے کہ جن مولویوں نے ایسا خیال کیا ہے کہ گویا عام طور پر ہر ایک سخت کلامی سے خدا نے تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ یہ اُن کی اپنی سمجھ کا ہی قصور ہے ورنہ وہ تلخ الفاظ جو اظہار حق کے لئے ضروری ہیں اور اپنے ساتھ اپنا ثبوت رکھتے ہیں وہ ہر ایک مخالف کو صاف صاف سنا دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب و وقت سے ہے تا دما ہنہ کی بلایاں مبتلا نہ ہو جائیں۔ خدا نے تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ایسی سخت تبلیغ کے وقت میں کسی لاجن کی لعنت اور کسی لائم کی ملامت سے ہرگز نہیں ڈرے کیا معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں

عمر شہاب پہنچنے کے وقت کسی چچا کو خیال تک نہیں آیا کہ آخر ہم بھی تو باپ کی طرح ہیں شلوی وغیرہ امور ضروریہ کے لئے کچھ نہ کر کریں حالانکہ اُن کے گھر میں اور اُن کے دوسرے اقارب میں بھی لڑکیاں تھیں۔ سو اس جگہ باطلیح یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر سردہری اُن لوگوں پر کیوں نمودار ہوئی۔ اس کا واقعی جواب یہی ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک لڑکا یم ہے جس کا باپ نہ ماں نہ بڑے ساماں ہے جس کے پاس کسی قسم کی جمیعت نہیں ناوار پر جس کے ہاتھ پائے کچھ بھی نہیں ایسے مصیبت زدہ کی ہمدردی سے فائدہ ہی کیا ہے اور اس کو اپنا داما و بیٹا مانا تو گویا اپنی لڑکی کو تباہی میں ڈالتا ہے۔ مگر اس بات کی خبر نہیں تھی کہ وہ ایک شہزادہ اور دروہانی بادشاہ کی لڑکا ہے جس کو دنیا کے تمام خزانوں کی گنجیاں دی جائیں گی۔ منہ

جس قدر مشرکین کا کینہ ترقی کر گیا تھا اس کا اصل باعث وہ سخت الفاظ ہی تھے۔ جو ان نادانوں نے دشنام کی صورت پر سمجھ لئے تھے جن کی وجہ سے آخر لسان سے سنان تک نوبت پہنچی ورنہ اول حال میں تو وہ لوگ ایسے نہیں تھے بلکہ کمال اعتقاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کرتے تھے کہ عشقِ محمد علیؐ رتبہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر عاشق ہو گئے ہیں۔ جیسے آج کل کے ہندو لوگ بھی کسی گوشہ نشین فقیر کو ہرگز برا نہیں کہتے بلکہ نذریں نیازیں دیتے ہیں۔

اس جگہ مجھے نہایت افسوس اور غمگین دل کے ساتھ اس بات کے ظاہر کرنے کی بھی حاجت پڑی ہے کہ یہ اعتراء من جو مجھ پر گیا ہے یہ صرف عوام الناس کی طرف ہی کا نہیں بلکہ میں نے سنا ہے کہ بانیِ مہمانی اس اعتراء من کے بعض علماء بھی ہیں۔ سو میں مانگی شان میں یہ تو ظن نہیں کر سکتا کہ وہ قرآن شریف اور کتب سابقہ سے بے خبر ہیں اور نہ کسی طور سے جلتے ظن ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آج کل یورپ کی جھوٹی تہذیب نے

✽ قرآن شریف جس آواز بلند سے سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے ایک غایت درجہ کا لغو بھی اور سخت درجہ کا نادان بھی اس سے بے خبر نہیں رہ سکتا مثلاً زماذ حال کے مذہب کے نزدیک کسی پر لعنت بھیجتا ایک سخت گالی ہے۔ لیکن قرآن شریف کفار کو سننا سنا کر ان پر لعنت بھیجتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا۔ الحجۃ سورۃ بقرہ۔ اُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ الحجۃ نمبر ۱۱۱۔ ایسا ہی ظاہر ہے کہ کسی انسان کو حیوان کہنا بھی ایک قسم کی گالی ہے۔ لیکن قرآن شریف نہ صرف حیوان بلکہ کفار اور منکرین کو دنیا کے تمام حیوانات سے بدر قرار دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اِن شَرَّ اَلْدَّوَابِ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ ایسا ہی ظاہر ہے کہ کسی خاص آدمی کا نام لے کر یا اشارہ کے طور پر اس کو نشانہ بنا کر گالی دینا زماذ حال کی

جو ایسا فی غیور سے بہت دُور پڑی ہوئی ہے ہمارے علماء کے دلوں کو بھی کسی قدر دیا
 لیا ہے۔ اس سخت اندھی کے چلنے کی وجہ سے اُن کی آنکھوں میں بھی کچھ غبار سا پڑ گیا ہے
 اُن کی نظر ترقی کمزوری اس نزلہ کو قبول کر گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ ایسے خیالات پر
 زور دیتے ہیں جن کا کوئی اصل صحیح حدیث و قرآن میں نہیں پایا جاتا ہاں یورپ کی اخلاقی
 کتبوں میں تو ضرور پایا جاتا ہے اور اُن اخلاق میں یورپ نے یہاں تک ترقی کی ہے کہ
 ایک جوان عورت سے ایک ناجحرم طالب کی بجلی دل شکنی مناسب نہیں سمجھی گئی۔ مگر کیا
 قرآن شریف یورپ کے ان اخلاق سے اتفاق رٹے کرتا ہے؟ کیا وہ ایسے لوگوں کا نام و ثبوت
 نہیں رکھتا؟ میں ایسے علماء کو محض شد متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ایسی نکتہ چینیان کرنے اور ایسے
 خیالات کو دل میں جگہ دینے سے حق اور حق دینی سے بہت دُور جا پڑے ہیں اگر وہ مجھ سے
 لڑنے کو تیار ہوں تو اپنی خشک منطقی سے جو چاہیں کہیں لیکن اگر وہ خدائے تعالیٰ سے خوف
 کر کے کسی قدر سوچیں تو یہ ایسی بات نہیں ہے جو اُن کی نظر سے پوشیدہ رہ سکے نیک سخت

تہذیب کے برخلاف ہے لیکن خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض کا نام ابولہب اور بعض کا
 نام کلب اور خنجر کا اور ابو جہل تو خود مشہور ہے ایسا ہی ولید بن مغیرہ کی نسبت نہایت برا ہے کہ سخت
 الفاظ بے صورت ظاہر گندی لایاں معلوم ہوتی ہیں استعمال کئے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے فلا
 کلب تطع المکذبین و ذوالوئد هن فید ہنوں ولا تطع کل حلاف مہین
 ہتاکہ مشاء بنمیم مناع للخیر مضد اثیم عتل بعد ذالک زیم
 سنسمہ علی الخړھوم دیکھو سورۃ القلم الجہونہ ۲۹۔ یعنی تو ان مکذبول کے کہنے پر مت بول

جو بدل اس بات کے آرزو مند ہیں کہ ہمارے محبوب علی کو برا مت کہو اور ہمارے مذہب کی بھج
 مت کرو۔ تو پھر ہم بھی تمہارے مذہب کی نسبت اُن میں اُن عوتے رہینگے انکی جب زبانی کا خیال مت کر
 یہ شخص جو ماہنامہ کا خواستگار ہے جھوٹی قسمیں کھانے والا اور ضعیف الرائے اور دلیل ناکہ ہے
 دوسروں کے عیب ڈھونڈنے والا اور سخن چینی سے لوگوں میں تفرقہ ڈالنے والا اور نیکی کی

انسان کا فرض ہے کہ سچائی کے طور بقول کو ہاتھ سے نہ دیے بلکہ اگر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کی زبان پر کلمہ حق جاری ہو اور اپنے آپ سے غلطی ہو جائے تو بے غلطی کا اقرار کر کے شکر گذاری کے ساتھ اس حق سید آدمی کی بات کو مان لیں اور انا خیر بمنہ کا دعویٰ نہ کرے ورنہ تکبر کی حالت میں کبھی رُشد حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسے آدمی کا ایمان بھی معرض نظر میں ہی نظر آتا ہے۔

اور سخت الفاظ کے استعمال کرنے میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ خفتہ دل اس سے بیدار ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے جو مدامت کو پسند کرتے ہیں ایک تحریک ہوجاتی ہے مثلاً ہندوؤں کی قوم ایک ایسی قوم ہے کہ اکثر ان میں سے ایسی عادت رکھتے ہیں کہ اگر انکو اپنی طرف سے بھیڑا نہ جائے تو وہ مدامت کے طور پر تمام عمر دوست بنی کہ دینی امور میں ہاں سے ہاں ملاتے رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تہنیت اور اس دین کے اولیاء کی مدح و ثنا کرنے لگتے ہیں لیکن دل ان کے نہایت دیر کے سیاہ

راہوں سے روکنے والا زنا کار اور بائیں ہند نہایت درجہ کا بد خلق اور ان سب شیعوں کے بعد ولایت نامی ہے۔ عنقریب ہم اس کے اس ناک پر جو شور کی طرح مدت لمبا ہو گیا ہے داغ لگا دیں گے یعنی ناک سے مراد رسوم اور رنگ و ناموں کی پابندی ہے جو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے (اے خدا کے قادر مطلق ہماری قوم کے بعض ایسی ناک والوں کی ناک پر بھی اُسترا رکھ) اب کیوں حضرت مولوی صاحب کیا آپ کے نزدیک ان جامع لفظوں سے کوئی گالی باہر رہ گئی ہے۔ اور اس جگہ ایک نہایت عمدہ لطیفہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے نرمی اختیار کر کے چاہا کہ ہم سے نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ اس کے جواب میں اس کے تمام پردے کھولے گئے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومنین سے مدامت کی امید مت رکھو۔

اور سچائی سے دور ہوتے ہیں۔ اُن کے رُوبرو سچائی کو اس کی پوری مرارت اور تلخی کے ساتھ ظاہر کرنا اس نتیجہ خیر کا منہج ہو تا ہے کہ اُسی وقت اُن کا ملامتہ دور ہو جاتا ہے اور بالآخر بعضی واشگاف اور علانیہ اپنے کفر اور کینہ کو بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں گویا اُنکی دق کی بیماری محرقہ کی طرف انتقال کر جاتی ہے۔ سو یہ تحریک جو طبیعتِ حیل میں سخت ہوش پیدا کر دیتی ہے اگرچہ ایک نادان کی نظر میں سخت اعتداض کے لائق ہے مگر ایک فہیم آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہی تحریک رُوبختی کرنے کے لئے پہلا زینہ ہے۔ جب تک ایک مرض کے مواد مخفی ہیں تب تک اس مرض کا کچھ علاج نہیں ہو سکتا لیکن مواد کے ظہور اور بروز کے وقت ہر ایک طور کی تدبیر ہو سکتی ہے۔ انبیاء نے جو سخت الفاظ استعمال کئے حقیقت میں اُن کا مطلب تحریک ہی تھا تا خلقِ اشد میں ایک ہوش پیدا ہو جائے اور خوابِ غفلت سے اس ٹھوکر کے ساتھ بیدار ہو جائیں اور دین کی طرف خوض اور فکر کی نگاہیں دوڑانا شروع کر دیں اور اس راہ میں حرکت کریں گو وہ مخالفانہ حرکت ہی ہو اور اپنے دلوں کا اہل حق کے دلوں کے ساتھ ایک تعلق پیدا کر لیں گو وہ عقائد تعلق ہی کیوں نہ ہو یا کسی طرف اشد بے لاش اشارہ فرماتا ہے فی قلوبہم مرض فتدادہم اللہ مراضاً یقیناً سمجھنا چاہیے کہ دین اسلام کو سچے دل سے ایک دل دہی لوگ قبل کیسے جو باعثِ سخت اور پر زور ہجگانے والی تحریکوں کے کتب و فیہ کی ورق گردانی میں لگ گئے ہیں اور ہوش کے ساتھ اس راہ کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں گو وہ مخالفانہ ہی نہیں ہندوؤں کا وہ پہلا طریق نہیں بہت یا اوس کرنے والا تھا جو اپنے دلوں میں وہ لوگ اس طرز کو زیادہ پسند کے لائق سمجھتے تھے کہ مسلمانوں سے کوئی مذہبی بات بحیثیت نہیں کرنی چاہیے اور ہاں میں ہاں ملا کر گزارہ کر لینا چاہیے لیکن اب وہ مقابلہ پر آکر اور میدان میں کھڑے ہو کر ہمارے تیز ہتھیاروں کے نیچے آ پڑے ہیں اور اس صیدِ قریب کی طسج ہو گئے ہیں جس کا ایک ہی ضرب سے کام تمام ہو سکتا ہے انکی آہوانہ سرکشی سے ڈرنا نہیں چاہیے

دشمن نہیں ہیں وہ تو ہمارے شکار ہیں عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ تم نظر اٹھا کر دیکھو گے کہ کوئی ہندو دکھائی دے مگر ان پڑھوں لکھوں میں سے ایک ہندو بھی تمہیں دکھائی نہیں دے گا۔ سو تم اُن کے جوشوں سے گھبرا کر فوسید مت ہو کیونکہ وہ اندر ہی اندر اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہیں اور اسلام کی دیوڑھی کے قریب آپہنچے ہیں۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ مخالفانہ جوش سے بھرے ہوئے آج تمہیں نظر آتے ہیں تھوڑے ہی زمانہ کے بعد تم انہیں نہیں دیکھو گے۔ حال میں جو آریں نے ہم لوگوں کی تحریکات سے مناظرات کی طرف قدم اٹھایا ہے تو اس قدم اٹھانے میں گو کیسی ہی سختی کے ساتھ اُن کا برتاؤ ہے اور گو گالیوں اور گندی باتوں سے بھری ہوئی کتابیں وہ شائع کر رہے ہیں مگر وہ اپنے جوش سے درحقیقت اسلام کیلئے اپنی قوم کی طرف راہ کھول رہے ہیں اور ہماری تحریکات کا واقعی طور پر کوئی بد نتیجہ نہیں ہاں یہ تحریکات کو نظر لوں کی نگاہ میں بد نہاں ہیں مگر کسی دن دیکھنا کہ یہ تحریکات کیونکر بڑے بڑے سنگین دلوں کو اس طرف کھینچ لاتی ہیں۔ یہ رائے کوئی ظنی اور شکلی رائے نہیں بلکہ ایک یقینی اور قطعی امر ہے۔ لیکن افسوس اُن لوگوں پر جو خیر اور شر میں فرق نہیں کر سکتے اور شتاب کاری کی راہ سے اعتراض کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں خدا تعالیٰ نے ہمیں مدد نہ سے تو صاف منع فرمایا ہے لیکن حق کے اظہار سے ہاند نہ اسکی مرارت اور تلخی کے باز آجانے کا کہیں حکم نہیں فرمایا۔ فتدبروا لہا العلماء المستعجلون الا تقدرؤن الفرقان ما لکم کیف تحکمون۔

میرے ایک مخلص دوست مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی جو نو تعلیم یافتہ جوان اور تربیت جدیدہ کے رنگ سے رنگین اور نازک خیال آدمی ہیں جن کے دل پر میرے حب صادق انویم مولوی حکیم نور الدین صاحب کی مربیانہ اور استادانہ صحبت کا نہایت عمدہ بلکہ خارق عادت اثر پڑا ہوا ہے وہ بھی جو اب قادیان میں میرے ملنے کے لئے آئے وعدہ

فرما گئے ہیں کہ میں بھی تہذیب حقیقی کے بارہ میں ایک التالیف کر کے شائع کروں گا کیونکہ مولوی صاحب
 موصوف اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ دراصل تہذیب حقیقی کی راہ وہی راہ ہے جس پر
 انبیا علیہم السلام نے قدم مارا ہے جس میں سخت الفاظ کا داروئے تلخ کی طرح
 نگاہ کا استعمال کہنا حرام کی طرح نہیں سمجھا گیا بلکہ ایسے درشت الفاظ کا اپنے محل پر
 بقدر ضرورت و مصلحت استعمال میں لانا ہر ایک مبلغ اور داعظ کا فرض وقت ہے جس کے
 ادا کرنے میں کسی داعظ کا سستی اور کاہلی اختیار کرنا اس بات کی نشانی ہے کہ غیر اللہ
 کا خوف جو شرک میں داخل ہے اس کے دل پر غالب اور ایمانی حالت اس کی لسی کمزور
 اور ضعیف ہے جیسے ایک کیڑے کی جان کمزور اور ضعیف ہوتی ہے۔ سو میں اس دوست
 کے لئے دعا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس تالیف کے ارادہ میں روح القدس سے اس کی
 مدد فرماوے۔ میرے نزدیک بہتر ہے کہ وہ اپنے اس رسالہ کا نام تہذیب ہی رکھیں
 اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے اس دوست کو یہ جوش ایک مولوی صاحب کے اعتراض
 سے پیدا ہوا ہے جو قادیان کی طرف آتے وقت اتفاقاً لاہور میں مل گئے تھے جنہوں نے
 اس عاجز کی نسبت اسی بارہ میں اعتراض کیا تھا۔ اے خداوند قادر مطلق اگر چہ تیرے
 سے تیسری یہی عادت اور یہی سنت ہے کہ تو بچوں اور اُمیوں کو سمجھ عطا کرتا ہے اور
 اس دنیا کے حکموں اور فاسدوں کی آنکھوں اور دلوں پر سخت پردے تیار کیے ڈال
 دیتا ہے۔ مگر میں تیسری جناب میں عجز اور تضرع سے عرض کرتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے
 بھی ایک جماعت ہماری طرف کیجیجے لا جیسے تو نے بعض کو کھینچا بھی ہے اور ان کو بھی آنکھیں
 بخشیں اور کان عطا کر اور دل عنایت فرماتا وہ دیکھیں اور سنیں اور سمجھیں اور تیسری
 اس نعمت کا جو تو نے اپنے وقت پر نازل کی ہے قدر پہچان کر اس کے حاصل کرنے
 کے لئے متوجہ ہو جائیں۔ اگر تو چاہے تو تو ایسا کر سکتا ہے کیونکہ کوئی بات تیرے
 آگے آن ہوئی نہیں۔ آمین ثم آمین۔

دوسری نکتہ چینی یہ ہے کہ مایخیلیا یا جنون ہو جانے کی وجہ سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو میں کسی کے جنون کہنے یا دیوانہ نام رکھنے سے ناراض نہیں ہو سکتا بلکہ غرض ہوں۔ کیونکہ ہمیشہ سے نا بچھ لوگ ہر ایک نبی اور رسول کا بھی ان کے زمانہ میں یہی نام رکھتے آئے ہیں اور قدیم سے ربانی مصلحوں کو قوم کی طرف سے یہی خطاب ملتا رہا ہے اور نیز اس وجہ سے بھی مجھے خوشی پہنچی ہے کہ آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو براہین میں مسیح ہو چکی ہے کہ تجھے جنون بھی کہیں گے لیکن حیرت تو اس بات میں ہے کہ اس دعوے میں کون سے جنون کی علامت پائی جاتی ہے کون سی خلاف عقل بات ہے جس کی وجہ سے معتز ضنین کو جنون ہو جانے کا شک پڑ گیا۔ اس بات کا فیصلہ ہم معتز ضنین کی ہی کائنات اور عقل پر چھوڑتے ہیں اور ان کے سامنے اپنے بیانات اور اپنے مخالفوں کی حکایات رکھ دیتے ہیں کہ ہم دونوں گروہ میں سے جنون کون ہے اور عقل سلیم کس کی طرز تفسیر کو مجاہدین کی باتوں کے مشابہ سمجھتی ہے اور کس کے بیانات کو قول موجب تفسیر ادا دیتی ہے۔

میسرا بیان مسیح موعود کی نسبت جس کی آسمان سے آنے اور دوبارہ دنیا میں آنے کی انتظار کی جاتی ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میرے پرکھول دیا ہے یہ ہے کہ مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کا تفسیر ان شریفین میں تو کہیں ذکر نہیں قرآن شریف تو ہمیشہ پہلے اُس کو دنیا سے رخصت کرتا ہے۔ البتہ بعض حدیثوں میں جو استعارات سے پُر ہیں مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کے لئے بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے۔ سو ان حدیثوں کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ اس جگہ حقیقت مسیح ابن مریم کا ہی دوبارہ دنیا میں آجانا ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک لطیف استعارہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسے زمانہ میں مسیح ابن مریم کے زمانہ کا ہم رنگ ہو گا۔ ایک شخص

اصلاح خلایق کے لئے دنیا میں آئے گا جو طبع اور قوت اور اپنے منصبی کام میں مسیح بن مریم کا ہم رنگ ہو گا اور جیسا کہ مسیح بن مریم نے حضرت موسیٰ کے دین کی تجدید کی اور وہ حقیقت اور مغروریت کا جس کو یہودی لوگ بھول گئے تھے اُن پر دوبارہ کھول دیا۔ ایسا ہی وہ مسیح ثانی۔ مثیل موسیٰ کے دین کی جو جناب ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تجدید کریگا اور یہ مثیل موسیٰ کا مسیح اپنی سوانح میں اور دوسرے تمام متلج میں جو قوم پران کی اطاعت یا الکی سرکشی کی حالت میں موثر ہوں گے اس مسیح سے بالکل مشابہ ہو گا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا۔

اب جو امر کہ خدایت تعالیٰ نے میرے پرکشٹ کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موجود میں ہی ہوں۔ مسلمانوں کا پرانے خیالات کے موافق جو اُن کے دلوں میں جمے ہوئے چلے آتے ہیں یہ دعویٰ ہے کہ مسیح بن مریم مسیح حج دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ دھرے ہوئے آسمان سے اترے گا اور مارہ مشرقی دمشق کے پاس اٹھوے گا اور بعض کہتے ہیں کہ مارہ پر اترے گا اور وہاں سے مسلمان لوگ زمین کے ذریعے اس کو پہنچے آئیں گے اور فرشتے اُسی جگہ سر رخصت ہو جائیں گے اور عسدر پوشاک پہنے ہوئے اترے گا یہ نہیں کہ منگا ہو۔ اور پھر مہدی کے ساتھ ملاقات اور مزاج پرسی ہوگی اور باوجود اس قدر ملت گزرنے کے وہی پہلی عمر بتیس یا تینتیس برس کی ہوگی اس قدر گردش ماہ و سال نے اُس کے جسم و عمر پر کچھ اثر نہ کیا ہوگا۔ اُس کے ناخن اور بال وغیرہ اس قدر بے نہ بڑھے ہونگے جو مسلمان پر اٹھائے جانے کے وقت موجود تھے اور کسی قسم کا تغیر اس کے وجود میں نہ آیا ہوگا لیکن زمین پر اتر کر پھر سلسلہ تغیرات کا شروع ہوگا۔ وہ کسی قسم کا جنگ و جدل نہیں کریگا بلکہ اس کے منہ کی ہوا میں ایسی تاثیر ہوگی کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچے گی کافر مرتے جائیں گے یعنی اُس کے دم میں ہی یہ خاصیت ہوگی کہ زندوں کو مارے جیسی پہلے یہ خاصیت تھی کہ مردوں کو زندہ کرے۔ پھر ہمارے علماء اپنے اس پہلے قول کو فراموش کر کے یہ دوسرا قول جو اس کا نقیض ہے پیش کرتے ہیں کہ وہ جنگ اور جدل بھی کرے گا اور جدل یک چشم

اس کے ہاتھ سے قتل ہو گا یہودی بھی اس کے حکم سے مارے جائیں گے۔ پھر ایک طرف تو یہ اقرار ہے کہ مسیح موعود وہی مسیح بن مریم نبی اللہ ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی جس کا حضرت جبریل اتر کر تھا جو خدائے تعالیٰ کے بزرگ پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہے اور دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ زمین پر آکر اپنی نبوت کا نام بھی نہیں لے گا بلکہ منصب نبوت سے معزول ہو کر آئے گا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہو کر عام مسلمانوں کی طرح شریعت قرآنی کا پابند ہو گا۔ نماز اوروں کے پیچھے پڑھیں گے جیسے عام مسلمان پڑھا کرتے ہیں۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ حنفی ہو گا امام اعظم صاحب کو اپنا امام سمجھیں گے مگر اب تک اس بارہ میں تصریح سے بیان نہیں کیا گیا کہ چار سلسلوں میں سے کس سلسلہ میں داخل ہو گا۔ آیا وہ قادری ہو گا یا چشتی یا سہروردی یا حضرت مجدد دہلوی کی طرح نقشبندی۔ غرض ان لوگوں نے عنوان میں نبوت کا خطاب جما کر جس درجہ پر پھر اس کا تسنن کیا ہے کوئی قائم الحواس ایسا کام کبھی نہیں کر سکتا۔ پھر بعد اس کے اُس کے خاص کام استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے یہ بیان کئے گئے ہیں کہ وہ صلیب کو توڑے گا خنزیروں کو قتل کرے گا۔ اب جائے تعجب ہے کہ صلیب کو توڑنے سے اس کا کونسا فائدہ ہے ؟ اور اگر اس نے مثلاً دس بیس لاکھ صلیب توڑ بھی دی تو کیا عیسائی لوگ جو صلیب پرستی میں لگی ہوئی ہے اور صلیبیں بنوائیں سکتے۔ اور دوسرا فقرہ جو کہا گیا ہے کہ خنزیروں کو قتل کرے گا یہ بھی اگر حقیقت پر محمول ہے تو عجیب فقرہ ہے۔ کیا حضرت مسیح کا زمین پر اترنے کے بعد عہدہ کام ہی ہو گا کہ وہ خنزیروں کا شکار کھیلے پھر پیٹے اور بہت سے کتے ساتھ ہوں گے اگر یہی سچ ہے تو پھر سکھوں اور جماروں اور سانیوں اور گنڈیلوں وغیرہ کو جو خنزیر کے شکار کو دوست رکھتے ہیں خوشخبری کی جگہ ہے کہ انکی خوب بن آئیگی۔ مگر شاید عیسائیوں کو انکی اس خنزیر کشی سے کچھ چنداں فائدہ نہ پہنچ سکے کیونکہ عیسائی قوم نے خنزیر کے شکار کو پہلے ہی کمال تک پہنچا رکھا ہے بالفعل خاص لندن میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے کیلئے ہزار دکان

موجود ہے اور بذریعہ معتبر خبرسردل کے ثابت ہوا ہے کہ صرف ہی ہزار دوکان نہیں بلکہ پچیس ہزار اور خنزیر ہر روز لندن میں سے مفصلات کے لوگوں کے لئے باہر بھیجا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا نبی اللہ کی یہی شان ہونی چاہیئے؟ کہ وہ دنیا میں اصلاح خلق کے لئے تو آئے مگر پھر اپنی اوقات عزیز ایک مکروہ جانور خنزیر کے شکار میں ضائع کرے حالانکہ توریت کے رو سے خنزیر کو چھونا بھی سخت محصیت میں داخل ہے پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اول تو شکار کھیلنا ہی کار بیکاراں ہے اور اگر حضرت مسیح کو شکار ہی کی طرف رغبت ہوگی اور دن رات یہی کام پسند آئے گا تو پھر کیا یہ پاک جانور جیسے ہرن اور گورخر اور خرگوش دنیا میں کیا کچھ کم ہیں تاہم ایک ناپاک جانور کے خون سے ہاتھ آلودہ کریں۔

۱۲۵

اب میں نے وہ تمام خاکہ جو میری قوم نے مسیح کے ان سوانح کا کھینچ رکھا ہے جو دوبارہ زمین پر اترنے کے بعد ان پر گزریں گے پیش کر دیا ہے عقلمند اس پر غور کریں کہ کہاں تک اس میں خلافت قانون قدرت باتیں ہیں۔ کہاں تک اس میں اجتماع نقیضین موجود ہے۔ کہاں تک یہ شان نبوت سے بعید ہے؟ لیکن اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ یہ تمام ذخیرہ رطب و یابس کا صحیحین میں نہیں ہے۔ امام محمد انجیل بخاری رحمہ اللہ نے اس بارہ میں اشارہ تک بھی نہیں کیا کہ یہ مسیح آئیوالا درحقیقت اور مسیح وہی پسلا مسیح ہوگا بلکہ انہوں نے دو حدیثیں ام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسی لکھی ہیں جنہوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مسیح اول اور ہے اور مسیح ثانی اور۔ کیونکہ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ابن مریم تم میں اترے گا اور پھر بریان کے طور پر کھول دیا ہے کہ وہ ایک تمہارا امام ہوگا جو تم میں سے ہی ہوگا۔ پس ان لفظوں پر خوب غور کرنی چاہیئے جو ام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لفظ ابن مریم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک تمہارا امام ہوگا جو تم میں سے ہی ہوگا اور تم میں سے ہی پیدا ہوگا۔ گویا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم کو دفع کرنے کے لئے جو ابن مریم کے لفظ سیدوں میں گزر سکتا تھا مابعد کے لفظوں میں بطور تشریح فرمادیا کہ اس کو مسیح ابن مریم ہی نہ سمجھو بل ہو

۱۲۶

اما مکہ منکم اور دوسری حدیث جو اس بات کا فیصلہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ سچ اول کا حلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور طرح کا فرمایا ہے اور سچ ثانی کا حلیہ او بطور کا ذکر کیا ہے جو اس عاجز کے حلیہ سے بالکل مطابق ہے۔ اب سوچنا چاہیے کہ ان دونوں حلیوں میں تناقض صریح ہونا کیا اس بات پر پختہ دلیل نہیں ہے کہ درحقیقت سچ اول اور ہے اور سچ ثانی اور۔

ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ ہمارے علماء کی ضد تو اس بات پر ہے کہ ابن مریم کے اترنے کے بارہ میں جو حدیث ہے اسکو حقیقت پر حمل کرنا چاہیے لیکن ان کے بعض عقلمندوں سے جب اس حدیث کے معنی پوچھے جائیں کہ ابن مریم اترے گا اور صلیب کو توڑیگا اور خنزیر کو قتل کرے گا تو ابن مریم کے لفظ کو تو حقیقت پر ہی حمل رکھتے ہیں اور صلیب اور خنزیر کے بارہ میں کچھ دینی زبان سے ہماری طرح استعارہ اور مجاز سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ پس وہ لوگ اپنی اس کارروائی سے خود ملزم ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ان پر یہ حجت وارد ہوتی ہے کہ ان تین لفظوں میں سے جو ابن مریم کا اترنا اور صلیب کا توڑنا اور خنزیروں کا قتل کرنا ہے دو لفظوں کی نسبت تو تم آپ ہی قائل ہو گئے کہ بطور استعارہ ان سے اور معنی مراد ہیں۔ تو پھر یہ تیسرا کلمہ جو ابن مریم کا اترنا ہے کیوں اس میں بھی بطور استعارہ کوئی اور شخص مراد نہیں؟ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان خیالات مجموعہ تناقضات پر جسے رہنا طریق عقلمندی و فرزانگی ہے یا وہ معارف قریب بفہم و مطابق عقل ہیں جو اس عاجز پر کھولے گئے ہیں۔

ماسوا اس کے اور کئی طریق سے ان پرانے خیالات پر سخت سخت اعتراض عقل کے وارد ہوتے ہیں جن سے خلاصی حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ قرآن شریف کے کسی مقام سے ثابت نہیں کہ حضرت مسیح اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھائے گئے بلکہ قرآن شریف کے کئی مقامات میں سچ کے فوت ہو جانے کا صریح ذکر ہے اور ایک جگہ خود سچ کی طرف سے فوت ہو جانے کا اقرار وجود ہے

اور وہ یہ ہے وکنت علیہم شہیداً مادمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علی کل شیء شہیدؑ اب جبکہ فوت ہو جانا ثابت ہوا تو اس سے ظاہر ہے کہ اُن کا جسم اُن سب لوگوں کی طرح جو مرجاتے ہیں زمین میں دفن کیا گیا ہو گا کیونکہ قرآن شریف بصرحت ناطق ہے کہ حفظ اُن کی روح آسمان پر گئی نہ کہ جسم۔ تب ہی تو حضرت مسیح نے آیت موصوفہ بالائیں اپنی موت کا صاف اقرار کر دیا۔ اگر وہ زندوں کی شکل پر خاکی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف پرواز کرتے تو اپنے مرجانے کا ہرگز ذکر کرتے اور ایسا پرگز نہ کہتے کہ میں وفات پا کر اس جہان سے رخصت کیا گیا ہوں۔ اب ظاہر ہو کہ جبکہ آسمان پر اُنکی روح ہی گئی تو پھر نازل ہونے کے وقت جسم کہاں سے ساتھ آجائیگا۔

ازجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرہ زہریہ تک بھی پہنچ سکے۔ بلکہ عالم طبعی کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ بعض بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوتی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ پس اس جسم کا کرہ ماہ متاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔

اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسان پر جانا محالات میں سے ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر لاج اس جسم کے ساتھ کیونکر جائز ہو گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سر معراج اس جسم کشف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جسکو حقیقت بیداری کہنا چاہیے۔ ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کسے آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی اور انتہائی نقطہ تک پہنچی ہوئی تھی اس لئے وہ اپنی معراج میں سر میں معمرہ عالم کے انتہائی نقطہ تک جو عرض عظیم سے تغیر کیا جاتا ہے پہنچ گئے۔ سو حقیقت یہ ہے کہ کشف تھا جو بیداری سے اندر درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے۔ میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے کوئی سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگترین مقام ہے جو حقیقت بیداری بلکہ اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ ماضی اور اعلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔ اس جگہ زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔ انشاء اللہ کسی آہ محفل میں مفصل طور پر بیان کیا جائے گا۔ منہ

از انجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ جو لوگ آسمانوں کے وجود کے قائل ہیں وہ البتہ
 اُن کی حرکت کے بھی قائل ہیں اور حرکت بھی دو لابی خیال کرتے ہیں۔ اب اگر فرض کیا
 جائے کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ہر وقت اُوپر کی
 سمت میں ہی نہیں رہ سکتے۔ بلکہ کبھی اُوپر کی طرف ہوں گے اور کبھی زمین کے نیچے اُجائیگے
 اس صورت میں اس بات پر وثوق بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ ضرور اُوپر کی طرف سے ہی
 اُتریں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ زمین کے سے ہی نکل آویں۔ کیونکہ درحقیقت اُن کا ٹھکانہ تو
 کسی جگہ نہ ہوا۔ اگر صبح آسمان کے اُوپر ہوئی تو شام کو زمین کے نیچے۔ پس ایسی مصیبت
 اُن کے لئے روانہ رکھنا کس درجہ کی بے ادبی میں داخل ہے ؟

از انجملہ ایک یہ اعتراض کہ اگر ہم فرض محال کے طور پر قبول کر لیں کہ حضرت مسیح اپنے
 جسم خاکی کے سمیت آسمان پر پہنچ گئے تو اس بات کے اقرار سے ہمیں چارہ نہیں کہ وہ جسم
 جیسا کہ تمام حیوانی و انسانی اجسام کے لئے ضروری ہے آسمان پر بھی تاثیر زمانہ سے
 ضرور متاثر ہوگا اور بحرور زمانہ لابدی اور لازمی طور پر ایک دن ضرور اس کیلئے موت واجب
 ہوگی۔ پس اس صورت میں اول تو حضرت مسیح کی نسبت یہ ماننا پڑتا ہے کہ اپنی عمر کا دورہ
 پورا کر کے آسمان پر ہی فوت ہو گئے ہوں اور کو اکب کی آبادی جو آج کل تسلیم کی جاتی ہے
 اُنسی کے کسی قبرستان میں دفن کئے گئے ہوں اور اگر پھر فرض کے طور پر اب تک زندہ
 رہنا اُن کا تسلیم کر لیں تو کچھ شک نہیں کہ اتنی مدت گزرنے پر پیر فرقت ہو گئے ہوں گے
 اور اس کام کے ہرگز لائق نہیں ہوں گے کہ کوئی خدمت دینی ادا کر سکیں۔ پھر ایسی
 حالت میں اُن کا دنیا میں تشریف لانا بحرِ ناسخ کی تکلیف کے اور کچھ فائدہ بخش معلوم
 نہیں ہوتا۔

وہ علامات مسیح نے استعارہ کے طو پر اپنے آنیکے بیان کئے ہیں اور نبیؑ سورتہ الزلزال کی تفسیر

مسیح نے اپنے دوبارہ آنے کا نشان یہ بتلایا ہے کہ اُن دنوں میں ثروت مروج اندھیرا ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہیں دیگا اور ستارے آسمان سے گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی تب ابن آدم کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر اُٹھاتے دیکھیں گے اور وہ زینے کے بڑے شور کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کی اس حد سے اس حد تک جمع کریں گے۔ جب تم یہ سب کچھ دیکھو تو جاؤ کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پہنچے ہیں تمہیں مسیحؑ کتابوں کہ جب تک یہ سب کچھ نہ ہوئے اس زمانہ کے لوگ گذر نہ جائیں گے آسمان زمین ٹل جائیں گے پریسری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔ لیکن اُس دن اور اُس گھڑی کو میرے باپ کے سوا آسمان کے فرشتوں تک کوئی نہیں جانتا۔ جیسا نوح کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کا آنا بھی ہوگا کیونکہ جس طرح اُن دنوں میں طوفان کے پہلے کھاتے پیتے بیاہ کرتے بیاہے جاتے تھے اس دن تک کہ نوح کشتی پر چڑھا اور نہ جانتے تھے جب تک کہ طوفان آیا اور اُن سب کو لے گیا اسی طرح ابن آدم کا آنا بھی ہوگا یعنی جس طرح کہ نوح کی کشتی بنانے سے پہلے لوگ امن اور آرام میں بستے تھے کوئی ارضی یا سماوی حادثہ اُن پر وارد نہ ہوا تھا اسی طرح ابن آدم یعنی مسیحؑ بھی لوگوں کے آرام اور خوشحالی کے وقت میں آئے گا اُس کے آنے سے پہلے کسی قسم کا حادثہ لوگوں پر نازل نہیں ہوگا۔ بلکہ معمولی طور پر امن اور راحت ہو دیا اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگی (دیکھو متی باب ۲۴) حضرت مسیحؑ کے اس بیان میں بظاہر صورت جس قدر تناقض ہے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنے اترنے سے پہلے اس امر کو ضروری ٹھہرایا ہے کہ سورج اندھیرا ہو جائے اور

ملہ

مرہ

چاند روشنی نہ دیوے اور ستارے آسمان کے زمین پر گر جائیں۔ سوان علامات کو اگر ظاہر پر حمل کیا جائے تو یہ معنی بدیہی البطلان ہیں کیونکہ جس وقت سورج اندھیرا ہو گیا اور چاند کی روشنی جاتی رہی تو پھر دنیا کیونکر نوح کے زمانے کی طرح امن سے آباد رہ سکتی ہے بھلا یہ بھی جانے دو شاید دنیا سخت مصیبت کے ساتھ گزارہ کر سکے۔ لیکن زمین پر ستاروں کے گرنے سے کیا زمین کے باشندوں میں سے کوئی باقی رہ سکتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ اگر آسمان کا ایک بھی ستارہ زمین پر گرے تو تمام دنیا کے ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ کوئی ستارہ عرض و طول میں زمین کے معمرہ سے کم نہیں ہے ایک ستارہ گر کر زمین کی تمام آبادی کو دبا سکتا ہے پھر جابیکہ تمام ستارے زمین پر گر گئیں اور ان کے گرنے سے ایک آدمی کو بھی آسیب نہ پہنچے بلکہ حضرت نوح کے زمانہ کی طرح سب کے اُترنے سے پہلے امن اور جمعیت سے آباد ہوں اور سچ کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر پڑتے دیکھیں۔

سوائے حق کے طالبو! یقیناً سمجھو کہ یہ سب استعارات ہیں حقیقت پر ہرگز محمول نہیں۔

حضرت سچ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ دین کے لئے ایک تاریکی کا زمانہ ہوگا۔ اور ایسی ضلالت کی تاریکی ہوگی کہ اُس وقت نہ آفتاب کی روشنی سے جو رسول مقبول اور اس کی شریعت اور اس کی کتاب ہے لوگ آنکھیں کھولیں گے کیونکہ ان کے نفسانی مجاہدوں کی وجہ سے آفتاب شریعت ان کے لئے اندھیرا ہو جائے گا اور ماہتاب بھی انہیں روشنی نہیں دے گا یعنی اولیاء کے وجود سے بھی انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ بے دینی کے بڑھ جانے سے مردانِ خدا کی محبت بھی ان کے دلوں میں نہیں رہے گی اور آسمان کے ستارے گر بیٹھے یعنی متحافی علماء فوت ہو جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی یعنی آسمان اوپر کی طرف کسی کو کھینچ نہیں سکیگا۔

دن بدن لوگ زمین کی طرف کھینچے چلے جائیں گے یعنی لوگوں پر نفس اتارہ کے جذبات غالب ہوں گے۔ اُس وقت نہ لڑائیاں ہوں گی اور نہ عامہ حقائق کے امن اور عافیت میں خصل ہوگا بلکہ نوح کے زمانہ کی طرح ایک امن بخش گورنمنٹ

۵۵ کے تحت میں وہ لوگ زندگی بسر کرتے ہوئے جن میں مسیح موعود نازل ہوگا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت نوح کا زمانہ باعث ہمارا اپنی معاشرت کے اصولوں کے نہایت امن کا زمانہ تھا۔ لوگ اپنی ایسی ایسی عموں کو نہایت آسائش اور امن اور خیر و عافیت سے بسر کر رہے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ سخت درجہ کے غافل ہو گئے تھے معلوم نہیں کہ اُس وقت کوئی شخصی سلطنت تھی یا جمہوری اتفاق سے اس درجہ پر عامہ حلاوت کے لئے ہر طرح کی آسودگی پیدا ہو گئی تھی بہر حال اس زمانہ کے لوگ آرام پانے میں اور امن و عافیت میں زندگی بسر کرنے میں اس زمانہ کے اُن لوگوں سے بہت مشابہ ہیں جو گورنمنٹ برطانیہ کے سایہ عافیت کے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے جس قدر اسباب آرام اور امن اور خوشحالی کے رحمت کیئے گئے ہیں ۵۷۔ کئے گئے ہیں اُن کا شمار کرنا مشکل ہے گویا اُن کی اس زندگی کو ایک نمونہ بہشت کا بنا دیا گیا ہے لیکن غایت درجہ آرام پانے سے اور نہایت درجہ امن کی وجہ سے یہ آفت دلوں میں پیدا ہو گئی ہے کہ دنیا کی زندگی نہایت خیر میں مقصور ہو کر دن بدن اس کی محبت دلوں میں بڑھتی جاتی ہے جس طرف نظر ڈال کر دیکھو یہی خواہش جوش مار رہی ہے کہ دنیا کی یہ مراد حاصل ہو جائے وہ مراد حاصل ہو جائے اور باعث امن پھیل جانے کے دنیا کی ہر ایک چیز کا قدر بڑھتا جاتا ہے۔ وہ مزرعہ زمین جس کو سکھوں کے عہد میں کوئی مفت بھی نہیں لے سکتا تھا لاکھوں روپیوں پر فروخت ہو رہی ہو اور یہاں تک مفاد کی راہیں کھل گئی ہیں کہ لوگ

خ میرا یہ دعویٰ ہے کہ تمام دنیا میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرح کوئی دوسری ایسی گورنمنٹ نہیں جس میں پراسا امن قائم کیا ہو جس کا کامتا ہوں کہ جو کچھ ہم پوری آزادی سے اس گورنمنٹ کے تحت میں اشاعت حق کر سکتے ہیں یہ خدمت ہم ۵۸۔ کہ معظمہ یاد رہے ننوہ میں پیشکر بھی ہرگز بجا نہیں لاسکتے اگر امن و آزادی اور بے تعصبی اخفوت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت عرب میں ہوتی تو وہ لوگ ہرگز تلوار سے ہلاک نہ کئے جاتے اگر امن اور آزادی اور بے تعصبی ۵۹۔ اس وقت کے قیصر اور کسریٰ کی گورنمنٹوں میں ہوتی تو وہ بادشاہتیں اب تک قائم رہتیں۔ منہ ۶۰

نجات اور ہڈیوں کی فروخت سے وہ فوائد حاصل کرتے ہیں کہ اس سے پہلے زمانوں میں اعلیٰ درجے کے غلوں کی فروخت میں وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور نہ صرف یہی آرام کی صورتیں ہیں بلکہ نظر اٹھا کر دیکھو تو تمام اسباب معاشرت و حاجات سفر و حضر کے متعلق وہ آرام کی سہیلیں نکل آئی ہیں جو اس سے پہلے قتلوں میں شاید کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں گی پس اس مبارک گورنمنٹ کے زمانہ کو اگر اس امن کے زمانہ سے مشابہت دیں جو حضرت نوح کے وقت میں تھا تو یہ زمانہ بلا و بظہ اس کا ٹیل غالب ہو گا۔

اب جبکہ یہ ثابت ہو چکا کہ مسیح مسیح نے اس زمانہ میں آنے کا ہرگز وعدہ نہیں کیا جو جنگ و جدل اور جو رجحان کا زمانہ ہو جس میں کوئی شخص امن سے زندگی بسر نہ کر سکے اور نیک لوگ پکڑے جائیں اور عدالتوں میں سپرد کئے جائیں اور قتل کئے جائیں بلکہ مسیح نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ ان پُر فتنہ زمانوں میں جھوٹے مسیح عیسائیوں اور یہودیوں میں پیدا ہوں گے جیسا کہ ان پہلے زمانوں میں کئی لوگ ایسے پیدا بھی ہو چکے ہیں جنہوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا اسی وجہ سے مسیح نے تاکید سے کہا کہ میرا آنا ان اوائل زمانوں میں ہرگز نہیں ہو گا اور شور و آوارہ فساد اور جو رجحان اور لڑائیوں کے دنوں میں ہرگز نہیں آوے گا بلکہ امن کے دنوں میں آوے گا ہاں اس وقت بباعث غلبت درجہ کے امن و آرام کے بے دینی پھیلی ہوئی ہوگی اور محبت آبی دلوں سے اٹھی ہوئی ہوگی جیسا کہ نوح کے وقت میں تھا۔ سو یہ ایک نہایت عمدہ نشان ہے۔ جو مسیح نے اپنے آنے کے لئے پیش کیا ہے اگر چاہو تو اس کو قبول کر سکتے ہو۔

اس جگہ اس سوال کا حل کرنا بھی ضروری ہے کہ مسیح کس عمدہ اور اہم کام کیلئے آیا تھا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ دجال کے قتل کرنے کے لئے آئے گا تو یہ خیال نہایت ضعیف اور بودا ہے۔ کیونکہ صرف ایک کافر کا قتل کرنا کوئی ایسا بڑا کام نہیں جس کے لئے ایک نبی کی ضرورت ہو خاص کر اس صورت میں کہ کہا گیا ہے کہ اگر مسیح قتل بھی نہ کرتا تب بھی دجال خود بخود پگھل کر نابود ہو جاتا۔ بلکہ مسیح تو یہ ہے کہ مسیح کا آنا اس لئے خدا نے تعالیٰ کی طرف سے

مقرر کیا گیا ہے کہ تمام قوموں پر دین اسلام کی سچائی کی حجت پوری کرے تا دنیا کی ساری قوموں پر خدا تعالیٰ کا اِزام وارد ہو جائے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ جو کما گیا ہو کسب کے دم سے کافر مینگے یعنی دلائلِ قیئہ اور براینِ قاطعہ کی رو سے وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ دوسرا کام مسیح کا یہ ہے کہ اسلام کو غلطیوں اور الحاقات بے جا سے منزہ کر کے وہ تعلیم جو روح اور راستی سے بھری ہوئی ہے خلیق اللہ کے سامنے رکھے۔

تیسرا کام مسیح کا یہ ہے کہ ایمانی نور کو دنیا کی تمام قوموں کے مستعد دلوں کو بخشے اور منافقوں کو غلطوں سے الگ کر دیوے۔ سو یہ تینوں کام خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے پیرو کئے ہیں اور حقیقت میں ابتداء سے یہی مقرر ہے کہ مسیح اپنے وقت کا مجدد ہو گا اور اعلیٰ درجہ کی تجدید کی خدمت خدا تعالیٰ اُس سے لے گا۔ اور یہ تینوں امور وہ ہیں جو خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے جو اس عاجز کے ذریعہ سے ظہور میں آویں سو وہ اپنے ارادہ کو پورا کرے گا اور اپنے بندہ کا مددگار ہو گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ احادیثِ صاف اور صریح لفظوں میں بتلا رہی ہیں کہ مسیح ابن مریم آسمان سے اترے گا اور دمشق کے منارہ شرقی کے پاس اُس کا اُترنا ہو گا اور دو فرشتوں کے کندھوں پر اُس کے ہاتھ ہونگے تو اس مصرح اور واضح بیان سے کیونکر انکار کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان سے اُترنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ کچھ عجیب خالی وجود آسمان سے اُترے بلکہ صحیح حدیثوں میں تو آسمان کا لفظ بھی نہیں ہے۔ اور یوں تو نزول کا لفظ عام ہے جو شخص ایک جگہ سے چل کر دوسری جگہ ٹھہرتا ہے اس کو بھی یہی کہتے ہیں کہ اُس جگہ اُترا ہی جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں جگہ لشکر اُترا ہے یا ڈیرا اُترا ہے۔ کیا اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ لشکر یا وہ ڈیرا آسمان سے اُترا ہے ماسوائے اس کے خدا تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں صاف فرمادیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آسمان سے ہی اُترے ہیں بلکہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ لو یا بھی تم نے آسمان سے اُترا ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ یہ آسمان سے اُترنا اس

صورت اور رنگ کا نہیں ہے جس صورت پر لوگ خیال کر رہے ہیں اور باوجود عام طور پر استعارات کے پائے جانے کے جن سے حدیثیں پڑ ہیں۔ اور مکاشفات اور روئے صالحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے بھری پڑی ہیں۔ پھر دمشق کے لفظ سے دمشق ہی مراد رکھنا دعوتے بلا دلیل والستزام مالا یلزم ہے اور یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں بعض امور کا اخفا اور بعض کا اظہار ہوتا ہے اور ایسا ہونا شاذ و نادر ہے کہ من کل الوجوہ اظہار ہی ہو۔ کیونکہ پیشگوئیوں میں حضرت باری تعالیٰ کے ارادہ میں ایک قسم کی خلق اللہ کی آزمائش بھی منظور ہوتی ہے اور اکثر پیشگوئیاں اس آیت کا مصداق ہوتی ہیں کہ یفضل بہ کثیراً ویہدی بآیۃ کثیراً اللہ وجہ سے ہمیشہ ظاہر بہت لوگ امتحان میں ہو کر پیشگوئی کے ظہور کے وقت دھوکا کھا جاتے ہیں اور زیادہ تر انکار کر موائے اور حقیقت مقصودہ سے بے نصیب رہنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جو چاہتے ہیں کہ حزن و غم پیشگوئی کا ظاہری طور پر جیسا کہ سمجھا

استعارات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفات اور خوابوں میں پائے جاتے ہیں وہ حدیثوں پر مبنی ہیں پر حقیقی اور پوشیدہ نہیں ہیں۔ کبھی کبھی ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہل قلوب میں دوسوئے کے کرشمے پہنے ہوئے دکھائی دے اور اُن سے دو کتاب مراد لئے گئے جنہوں نے جھوٹے طور پر بغیر ہی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رو یا اور کشف میں گامیاں دیکھتی ہوئی نظر آتیں اور ان سے مراد صحابہ تھے جو جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ ایک بہشتی خوشامخو کا ابو جہل کے لئے ایک دو یا گیا ہے تو اس سے مراد مکرر نکلا۔ اور ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشفی طور پر نظر آیا کہ گویا اپنے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کی ہے کہ وہ آپ کے خیر میں ہے۔ مگر حقیقت اس زمین سے مراد مدینہ منورہ تھا۔ ایسا ہی بہت سی نظیریں دوسرے انبیاء کے مکاشفات میں پائی جاتی ہیں۔ کہ بظاہر صورت اُن پر کچھ ظہور کیا گیا اور دراصل اس سے مراد کچھ اور تھا۔ سو انبیاء کے مکاشفات میں استعارہ اور مجاز کا دخل ہونا کوئی شاذ و نادر امر نہیں ہے۔

گیا ہو پورا ہو جائے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا مثلاً مسیح کی نسبت بعض بائبل کی پیشگوئیوں میں یہ درج تھا کہ وہ بادشاہ ہوگا لیکن چونکہ مسیح غریبوں اور مسکینوں کی صورت پر ظاہر ہوا اس لئے یہودیوں نے اس کو قبول نہ کیا اور اس رد اور انکار کی وجہ صرف الفاظ پرستی تھی کہ انہوں نے بادشاہت کے لفظ کو فقط ظاہر پر محمول کر لیا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ کی تورات میں ہمارے ستید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ پیشگوئی درج تھی کہ وہ بنی اسرائیل میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے پیدا ہوگا اس لئے یہودی لوگ اس پیشگوئی کا منشا یہی سمجھتے رہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے پیدا ہوگا۔ حالانکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں بنی لہیئیل مراد ہیں۔ خدا نے تعالیٰ قادر تھا کہ بجائے بنی اسرائیل کے بھائیوں کے بنی لہیئیل ہی لکھ دیتا

اور نہ کوئی ایسی بات ہے کہ جو تصنیع اور بناوٹ سے گھڑنی پڑتی ہے بلکہ یہ عادت انبیاء کی شائع متعدد ہے کہ وہ روح القدس سے پُر ہو کر مثالوں اور استعاروں میں بولا کرتے ہیں اور وحی آتی کو بھی طرز پسند آئی ہوتی ہے کہ اس جسمانی عالم میں جو کچھ آسمانی سے اتارا جاتا ہے اکثر اس میں استعارات و مجازات پُر ہوتے ہیں عام طور پر جو ہر ایک فرد بشک کوئی نہ کوئی بھی خواب آجاتی ہے جو نبوت کا چھایا دستور حصہ بیان کی گئی ہے اس کے اجزاء پر بھی اگر نظر ڈال کر دیکھو تو شاذ و نادر کوئی ایسی خواب ہوگی جو استعارات اور مجازات سے بچتی خالی ہو۔

اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ دمشق کا لفظ جو مسلم کی حدیث میں وارد ہے یعنی مسیح مسلم میں یہ جو لکھا ہے کہ حضرت مسیح دمشق کے منارہ سفید شرقی کے پاس اتریں گے یہ لفظ ابتداء سے محقق لوگوں کو حیران کرتا چلا آیا ہے کیونکہ بظاہر کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ مسیح کو دمشق سے کیا مناسبت ہے اور دمشق کو مسیح سے کیا خصوصیت۔ ان اگر یہ لکھا ہوتا کہ مسیح مکہ معظمہ میں اترے گا یا مدینہ منورہ میں نازل ہوگا تو ان دونوں کا ظاہر پر حمل کرنا مجرب بھی ہوتا۔ کیونکہ مکہ معظمہ خانہ خدا کی جگہ اور مدینہ منورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت ہے مگر دمشق میں تو کوئی ایسی خوبی کی بات نہیں جس کی وجہ سے تمام امکان متبرکہ کہ چھوڑ کر نزول کے لئے صرف دمشق کو مخصوص کیا جائے۔ اس جگہ بلاشبہ ستارہ کے طور پر کوئی غلطی سے نہ تھی ہیں جو ظاہر نہیں کئے گئے اور یہ عاجز ابھی اس بات کی تفتیش کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا کہ وہ معنی کیا ہیں کہ اسی اشارہ میں میرے ایک دوست

تاکر وڑھا آدمی ہلاکت سے بچ جاتے مگر اُس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس کو ایک عقدہ درمیان میں رکھ کر صاف و قول اور کا ذبول کا امتحان منظور تھا اسی بنا پر اور اسی مدعا کی غرض سے پیش کیے گئے ہیں یا استعارہ کے طور پر بہت باتیں ہوتی ہیں جن پر نظر ڈالنے والے دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک وہ گروہ جو فقط ظاہر پرست اور ظاہرین ہوتا ہے اور استعارات سے بکلی منکر ہو کر اُن پیشگوئیوں کے ظہور کو ظاہری صورت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے کہ جو وقت پر حقیقت حق کے ماننے سے اکثر بے نصیب اور محروم رہ جاتا ہے بلکہ سخت درجہ کی عداوت اور

اور محب و اثن مولوی حکیم نور الدین صاحب اس جگہ تلویح میں تشریف لاتے اور انہوں نے اس بات کے لئے درخواست کی کہ جو سلم کی حدیث میں لفظ دمشق و نیز اور ایسے چند محل الفاظ ہیں اُن کے لفظیات کے لئے جناب اہل میں توجہ کی جائے لیکن چونکہ ان دلوں میں میری طبیعت طویل اور دماغ ناقابلِ جد و جہد تھا اس لئے میں ان تمام مقاصد کی طرف توجہ کرنے سے محض ہوتا صرف توڑی ہی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی تشریح یعنی دمشق کے لفظ کی حقیقت میرے پرکھولی گئی اور نیز ایک صاف اور صریح کشف میں مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ ایک شخص حادث نام یعنی حراثت آنے والا جو ابوداؤد کی کتاب میں لکھا ہے یہ خبر صحیح ہے اور یہ پیشگوئی اور مسیح کے آنے کی پیشگوئی درحقیقت یہ دونوں اپنے مصداق کی رو سے ایک ہی ہیں۔ یعنی ان دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہے جو یہ عاجز ہے۔

سوا قبل میں دمشق کے لفظ کی تعبیر جو الہام کے ذریعے مجھے پرکھولی گئی بیان کرتا ہوں پھر بعد اس کے ابوداؤد والی پیشگوئی جس طور سے مجھے سمجھائی گئی ہے بیان کر دوں گا۔ پس واضح ہو کہ دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر منجانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو زیدی الطبیع اور زیدیہ کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی کچھ محبت نہیں اور احکام الہی کی کچھ عظمت نہیں جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اپنے نفسِ امارہ کے حکموں کے ایسے مطیع ہیں کہ مقدسوں اور پاکوں کا خون بھی اُن کی نظر میں سہل اور آسان امر ہے اور آخرتِ بدایاں نہیں رکھتے اور خدا نے تعالیٰ کا موصوفہ ہونا اُن کی نگاہ میں ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جو انہیں سمجھ نہیں آتا اور جو کہ طیب کو

بغض اور کینہ تک ثوبت پہنچتی ہے جس قدر دنیا میں ایسے نبی یا ایسے رسول آئے مہجی نسبت پہلی کتابوں میں پیشگوئیاں موجود تھیں ان کے سخت منکر اور اشد دشمن وہی لوگ ہوئے ہیں کہ جو پیشگوئیوں کے الفاظ کو ان کی ظاہری صورت پر دیکھنا چاہتے تھے مثلاً ایلیا نبی کا آسمان سے اترنا اور خلیق اللہ کی ہدایت کے لئے دنیا میں آنا بائبل میں اس طرح پر لکھا ہے کہ ایلیا نبی جو آسمان پر اٹھا یا گیا پھر دوبارہ وہی نبی دنیا میں آئے گا۔ ان ظاہری الفاظ پر یہودیوں نے سخت پنجم مارا تھا وہی اور باوجودیکہ حضرت مسیح جیسے ایک بزرگوار نبی نے صاف صاف گواہی

دی کہ وہی ہی کی طرف آنا چاہیے اس لئے ضرور تھا کہ مسیح ایسے لوگوں میں ہی نازل ہو۔ غرض مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دمشق کے لفظ سے دراصل وہ مقام مراد ہے جس میں یہ دمشق والی مشہور عمارت پائی جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ نے مسیح کے اترنے کے جگہ جو دمشق کو بیان کیا تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسیح سے مراد وہی مسیح نہیں ہے جس پر بائبل نازل ہوئی تھی بلکہ مسلمانوں میں سے کوئی ایسا شخص مراد ہے جو اپنی روحانی حالت کی رو سے مسیح سے اور نیز امام حسین سے بھی مشابہت رکھتا ہے کیونکہ وہ دمشق پایہ تخت پر پہنچا ہے اور یزید یوں کا مقصود گاہ جس سے ہزار طرح کے کلمات احکام نافذ ہوئے وہ دمشق ہی ہے اور یزید یوں کو ائمہ یہودیوں سے بہت مشابہت ہے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھی ایسا ہی حضرت امام حسین کو بھی باپتی مظلومانہ زندگی کی رو سے حضرت مسیح سے غایت درجہ کی مماثلت ہے پس مسیح کا دمشق میں اترنا صاف دلائل کرتا ہے کہ کوئی مشیل مسیح جو حسین سے بھی بوجہ مشابہت ائمہ قبل بزرگوں کے مماثلت رکھتا ہے یزید یوں کی تقلید اور ملزم کرنے کے لئے جو مشیل یہودی ہیں اترے گا اور ظاہر ہے کہ یزیدی لطیف لوگ یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ دراصل یہودی ہیں اس لئے دمشق کا لفظ صاف طور پر بیان کر رہا ہے کہ مسیح جو اترنے والا ہے وہ بھی دراصل مسیح نہیں ہے بلکہ عیسائی یزیدی لوگ مشیل یہودی ہیں ایسا ہی مسیح جو اترنے والا ہے وہ بھی مشیل مسیح ہے اور حسین الفطرت ہے یہ نکتہ ایک نہایت لطیف نکتہ ہے جس پر غور کرنے سے صاف طور پر کھل جاتا ہے کہ دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ امام حسین کا مظلومانہ واقعہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں بہت عظمت اور وقعت رکھتا ہے اور یہ واقعہ حضرت مسیح کے واقعہ سے ایسا مرئج ہے کہ عیسائیوں کو بھی اس میں

دی کہ وہ ایلیا جس کا آسمان سے اترنا انتظار کیا جاتا ہے یہی سبھی زکریا کا بیٹا ہو کر جو آپ
 کا مرشد ہے لیکن یہودیوں نے قبول نہ کیا بلکہ انہی باتوں پر حضرت مسیح پر سخت ناراض ہو گئے اور
 حضرت مسیح کی نسبت یہ خیال کرنے لگے کہ وہ توریت کی عبارتوں کو اور اور منے کر کے بھڑانا
 چاہتا ہے کیونکہ انہیں اپنے جسمانی خیال کی وجہ سے بچتہ طور پر امید لگی ہوئی تھی چنانچہ
 ابھی تک وہی خیال خام دل میں ہے کہ مسیح ایلیا یہودیوں کی جماعت کے سامنے آسمان
 سے اترے گا اور فرشتے اُس کے دائیں بائیں اپنے ہاتھوں کا سہارا دے کر بیت المقدس کی

کلام نہیں ہوگی اس لئے خدا نے تعالے نے چاہا کہ آنے والے زمانہ کو بھی اس کی عظمت سے کوئی مشابہت
 سے متنبہ کرے اس وجہ سے دمشق کا لفظ بطور استعارہ لیا گیا تا پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے وہ
 زمانہ آجائے جس میں نبوت مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کی طرح کمال اور جب کے ظلم اور جو جفا
 کی راہ سے دمشق اشقیاء کے محاصرہ میں آکر قتل کئے گئے سو خدا نے تعالیٰ نے اس دمشق کو جس سے ایسے
 پر ظلم احکام نکلتے تھے اور جس میں ایسے سنگدل اور سیاہ درون لوگ پیدا ہو گئے تھے اس غرض سے
 نشانہ بنا کر دکھا کہ اب شیل دمشق عدل اور ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہو گا۔ کیونکہ اکثر نبی ظالموں
 کی بستی میں ہی آتے رہے ہیں اور خدا نے تعالیٰ لعنت کی جگہوں کو برکت کے مکانات بنا کر رکھے
 اس استعارہ کو خدا نے تعالیٰ نے اس لئے اختیار کیا کہ تا پڑھنے والے دو فائدے اس سے حاصل کریں
 ایک یہ کہ امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا دردناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیشگوئی
 اعلان کی طرز پر حدیث نبوی میں شبہ دی گئی ہے اس کی عظمت اور وقت دلول پر کھل جائے۔ دوسرے
 یہ کہ تاریخی طور پر معلوم کر جاویں کہ جیسے دمشق میں رہنے والے دراصل یہودی نہیں تھے مگر یہودیوں
 کے کام انہوں نے کئے۔ ایسا ہی جو مسیح اترنے والا ہے دراصل مسیح نہیں ہے مگر مسیح کی روحانی حالت کا
 شیل ہے اور اس جگہ بغیر اس شخص کے جس کے دل میں واقعہ حسین کی وہ عظمت نہ ہو جو ہونی چاہیے ہر ایک
 شخص اس دمشق خصوصیت کو تو بہر بیان کی ہے بحال انشراح ضرور قبول کر لے گا اور نہ صرف قبول
 بلکہ اس مضمون پر نظر اصرار کرنے سے گو یا حق الیقین تک پہنچ جائے گا اور حضرت مسیح کو جو امام حسین
 رضی اللہ عنہ سے تشبیہ دی گئی ہے یہ بھی استعارہ در استعارہ ہے جس کو ہم آگے چلی کر بیان کریں گے

کسی اونچی عمارت پر آکر اتاریں گے پھر کسی زمین کے ذریعے حضرت ایلیا نیچے اترائیں گے اور یہودیوں کے تمام مخالفوں کو روئے زمین سے نابود کر ڈالیں گے اور چونکہ ان کی کتابوں میں جو کتب الہامیہ ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے اترے اسی وقت کی وجہ سے یعنی اس سبب سے کہ ایلیا ان کے گمان میں اب تک آسمان سے نہیں اُترا مسیح ابن مریم پر وہ ایمان نہیں لائے اور صاف کہہ دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ تو کون ہے کیونکہ وہ مسیح جس کی ہمیں انتظار ہے ضرور ہے کہ اُس سے پہلے ایلیا آسمان سے اتر کر اُس کی راہوں کو

۵۰

اب پہلے ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر نثار فرمادیا ہے کہ یہ قصبہ قادیان جو ہر اس کے لئے کہ اکثر یزیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں دمشق سے ایک مناسبت اور شابت رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تفسیلت میں پوری پوری تطبیق کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ایسا اوقات ایک اونے مماثلت کی وجہ سے بلکہ صرف ایک جزو میں مشارکت کے باعث سے ایک چیز کا نام دوسری چیز پر المطلق کر دیتے ہیں مثلاً ایک ہمارے انسان کو کہتے ہیں کہ یہ شیر ہے اور شیر نام رکھنے میں یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ شیر کی طرح اس کے پنجے ہوں اور کسی ہی بدن پر نہ شمشیر ہوا اور ایک دم بھی ہو بلکہ صرف صفت شجاعت کے لحاظ سے ایسا اطلاق ہو جاتا ہے اور عام طور پر جمیع انواع استعارات میں یہی قاعدہ ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے اسی عام قاعدہ کے موافق اس قصبہ قادیان کو دمشق سے مشابہت دی اور اس بارہ میں قادیان کی نسبت مجھے یہ بھی الہام ہوا کہ اخسوج منه الیزید یون۔ یعنی اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اب اگرچہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں اور نہ ایسی کامل تصریح سے خدا تعالیٰ نے میرے پر کھول دیا ہے کہ دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا نہیں ہوگا بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ کسی آئندہ زمانہ میں خاص کہ دمشق میں بھی کوئی مثیل مسیح پیدا ہو جائے مگر خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے اور وہ اس بات کا شاہد محال ہے کہ اس نے قادیان کو دمشق سے مشابہت دی ہے اور ان لوگوں کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ یہ یزیدی الطبع ہیں یعنی اکثر وہ لوگ جو اس جگہ رہتے ہیں وہ اپنی فطرت میں یزیدی لوگوں کی فطرت سے مشابہ ہیں اور یہ بھی مدت کے الہام ہو چکا ہے کہ انا انزلناہ قریباً من القادیان و باحق انزلناہ و باحق نزل و صان وعد اللہ مفعولاً یعنی ہم نے اُس کو

۵۱

۵۲

درست کرے۔ اس کے جواب میں ہر چند حضرت مسیح نے بہت زور دے کر انہیں کہا کہ وہ ایلیا جو آنے والا تھا یہی یحییٰ زکریا کا بیٹا ہے جس کو تم نے شناخت نہیں کیا۔ لیکن یہودیوں نے مسیح کے اس قول کو ہرگز قبول نہیں کیا بلکہ خیال کیا کہ یہ شخص توریت کی پیشگوئیوں میں الحاد اور تحریف کر رہا ہے اور اپنے مرشد کو ایک عظمت دینے کے لئے ظاہری معنی کو کھینچ مان کر کچھ کا کچھ بنا رہا ہے۔ سو ظاہر پستی کی شامت نے یہودیوں کو حقیقت فہمی سے محروم رکھا اور مجتہد الفاظ پر زور مارنے اور استعارہ کو حقیقت سمجھنے کی وجہ سے ابدی لعنتوں کا ذخیرہ انہیں ملا۔

قادیان کے قریب آمارا ہے اور سچائی کے ساتھ آمارا اور سچائی کے ساتھ آمارا۔ اور ایک دفعہ اللہ کا پورا ہونا تھا۔ اس الامام پر نظر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس عاجز کا ظاہر ہونا الہامی نوشتوں میں بطور پیشگوئی کے پہلے لکھا گیا تھا۔ اب چونکہ قادیان کو اپنی خاصیت کی رو سے دمشق سے مشابہت دی گئی تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قادیان کا نام پہلے نوشتوں میں استعارہ کے طور پر دمشق رکھ کر پیشگوئی بیان کی گئی ہوگی۔ کیونکہ کسی کتاب حدیث یا قرآن شریف میں قادیان کا نام لکھا ہوا نہیں پایا جاتا اور یہ الامام جو براہین احمدیہ میں بھی چھپ چکا ہے بصراحت و باوازا بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں یا احادیث نبویہ میں ہمیشہ پیشگوئی ضرور موجود ہے اور چونکہ موجود نہیں تو سمجھو اس کے اور کس طرف خیال جاننا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے قادیان کا نام قرآن شریف یا احادیث نبویہ میں کسی اور پیرائے میں ضرور لکھا ہوگا اور اب جو ایک نئے الامام کی یہ بات بپا یہ ہوتی ہے گئی کہ قادیان کو خدائے تعالیٰ کے نزدیک دمشق سے مشابہت ہے۔ تو اس پیرائے الامام کے معنی بھی اس سے کھٹل گئے گویا یہ فقرہ جو اللہ جل شانہ نے الامام کے طور پر اس عاجز کے دل پر القا کیا ہے کہ انا انزلنہ قریباً من القادیان اس کی تفسیر یہ ہے کہ انا انزلنہ قریباً من دمشق بطرف شمرقی عند المنارة الیہضاء۔ کیونکہ اس عاجز کی سکوئی جگہ قادیان کے شرقی کنارے پر ہے منارہ کے پاس۔ پس یہ فقرہ الامام الہی کا کہے گا وعد اللہ مفعولاً۔ اس تاویل سے پوری پوری تطبیق کھا کر یہ پیشگوئی واقعی طور پر پوری ہو جاتی ہے اس عبارت تک یہ عاجز پہنچا تھا کہ یہ الامام ہوا قل لو کان الامر من عند غیر اللہ لوجدتم

حالانکہ وہ بجائے خود اپنے تئیں معذور سمجھتے تھے کیونکہ اُن کی بائبل کے ظاہری الفاظ پر نظر تھی۔ افسوس کہ ہمارے مسلمان بھائی بھی اسی گرداب میں پڑے ہوئے ہیں اور حضرت مسیح کی نسبت یہودیوں کی طرح اُن کے دلوں میں بھی یہی خیال جما ہوا ہے کہ ہم انہیں سچے آسمان پر اُترتے دیکھیں گے اور یہ عجوبہ ہم بحیثیت خود دیکھیں گے کہ حضرت مسیح زرد رنگ کی پوشاک پہنے ہوئے آسمان سے اُترتے چلے آتے ہیں اور دائیں بائیں فرشتے اُن کے ساتھ ہیں اور تمام بازاری لوگ اور نہایت کے آدمی ایک بڑے میلہ کی طرح اکٹھے ہو کر دوڑے اُن کو دیکھ رہے ہیں اور

فیہ اختلافاً کثیراً۔ قل لو اتبع الله اھواءکم لفسدت السموات والارض ومن فیھن ولبطلت حکمتہ وکان الله عزیزاً حکیمًا۔ قل لو کان البھی ملاداً لحماۃ ربی لنفد البھی قبل ان تنفذ کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً۔ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یمحبکم الله وکان الله غفوراً رحیمًا پھر اس کے بعد الہام کیا گیا کہ ان علماء نے میرے گھر کو بدل ڈالا۔ میری عبادت گاہ

میں ان کے چولہے ہیں میری پرستش کی جگہ میں اُن کے پیالے اور ٹھہٹھیاں رکھی ہوئی ہیں اور جو ہوں کی طرح میرے بنی کی حدیثوں کو کتر رہے ہیں (ٹھوٹھیاں وہ چھوٹی بیابیاں ہیں جن کو ہندوستان میں سکوریاں کہتے ہیں) عبادت گاہ سے مراد اس الہام میں زمانہ حال کے اکثر مولویوں کے دل ہیں جو دنیا سے بھرے ہوئے ہیں اس جگہ مجھے یاد آیا کہ جس روز وہ الہام مذکورہ بالا جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے ہوا تھا اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم میرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ انا انزلنہ قریباً من القادیان تو میں نے شکر بہت تعجب کیا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو لکھا ہوا ہے تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی ہو جو ہے تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تم مشہرول کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مگر اور طریقہ اور قادیان کی کشف تھا

چھوٹے بڑے چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ وہ آئے وہ آئے یہاں تک کہ دمشق کے شرقی منارہ پر
آؤ آئے آؤ بذرِ یحیٰ زینہ کے چنچے اتارے گئے اور ایک دوسرے کو سلام علیک مزاج پر کسی
ہوئی۔ تعجب کہ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ دنیا میں کہ ایک بار لایلا جگہ ہے ایسے معجزات
ظہور پذیر مگر نہیں ہوتے ورنہ دعوتِ اسلام ایمان بالغیب کی حد سے باہر ہو جائے۔ ہم
پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ کفارِ مکہ نے اسی قسم کا معجزہ ہمارے تین دو مولیٰ حبشی اللہ علیہ وسلم
افضل الرسل سے بھی مانگا تھا جن کو صاف یہ جواب دیا گیا کہ ایسا ہونا صفتِ اللہ ہی باہر ہو۔

جو کئی سال ہوئے کہ مجھے دکھلایا گیا تھا اور اس کشف میں جو میں نے اپنے بھائی صاحبِ مرحوم کو جو کئی سال
سے وفات پا چکے ہیں قرآن شریف پڑھتے دیکھا اور اس الہامی فقرہ کو انکی زبان پر قرآن شریف میں پڑھتے
سنا تو اس میں یہ یقین دہانی ہے جس کو خدا نے تعالیٰ نے میرے پرکھول دیا کہ ان کے نام سے اس کشف کی
تعبیر کو بہت کچھ تعلق ہے یعنی ان کے نام میں جو تادور کا لفظ آتا ہے اس لفظ کو کشفی طور پر پیش کر کے یہ اشارہ
کیا گیا ہے کہ یہ قادرِ مطلق کا کام ہے اس سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے اس کے عجائبات قدرت اسی طرح پر
ہمیشہ ظہور فرماتا ہوتے ہیں کہ وہ غریبوں اور یتیموں کو عزت بخشتا ہے اور بڑے بڑے معززوں اور
بلند مرتبہ لوگوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء اس کے آستانہ فیض سے بکلی
بے نصیب اور محروم رہ جاتے ہیں اور ایک ذلیل حقیر احمی جاہل تالائق ثقیف ہو کر مقبول کی جماعت
میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ ہمیشہ سے اس کی کچھ ایسی ہی عادت ہے اور قیام سے وہ ایسا ہی کرتا
چلا آیا ہے۔ و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

اب میں وہ حدیث جو ابو داؤد نے اپنی صحیح میں لکھی ہے ناظرین کے سامنے پیش کر کے اس کے مصداق
کی طرف انکو توجہ دلاتا ہوں۔ سو واضح ہو کہ یہ پیش گوئی جو ابو داؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص حدیث نام بھی
حراثت ماورد النہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آلِ رسول کو تقویت دے گا جس کی امداد و نصرت
ہر ایک عرصہ میں پورا واجب ہوگی۔ الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کے آنے کی
پیش گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا۔ حداصل یہ دونوں چیزیں گویا متحد الہامی ہیں
اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے مسیح کے نام پر جو پیش گوئی ہر ایک علامات خاصہ و تحقیق و ہدایں

افسوس کہ ہماری قوم کے لوگ استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے سخت پیچیدگی میں پھنس گئے ہیں اور ایسی مشکلات کا سامنا نہیں کر سکتے ہیں۔ کیا ہے کہ اب ان سے بآسانی نکلتا ان لوگوں کیلئے سخت دشوار ہے اور جو نکلنے کی راہیں ہیں وہ انہیں قبول نہیں کرتے۔ مثلاً صحیح مسلم کی حدیث میں جو یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے اترینگے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا اس لفظ کو ظاہری لباس پر حمل کرنا کیسا لغو خیال ہے زرد رنگ پہننے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر اس لفظ کو ایک کشفی استعارہ قرار دے کر مجتہدین کے مذاق اور تجاربے موافق اس کی تعبیر کرنا چاہیں

ایک یہ کہ جب وہ مسیح آئے گا تو مسلمانوں کی اندرونی حالت کو جو اس وقت بغایت طبع بگڑی ہوئی ہوگی دینی صحیح تعلیم سے درست کر دے گا اور ان کے روحانی افلاس اور باطنی ناداری کو عقلی دور فرا کر دے گا اور ان کے علوم و حقائق و معارف ان کے سامنے رکھ دے گا یہاں تک کہ وہ لوگ اس دولت کو لیتے لیتے خفک جائیں گے اور ان میں سے کوئی طالب حق روحانی طور پر مفلس اور نادار نہیں رہے گا بلکہ جس قدر سچائی کے بھوکے اور پیاسے ہیں ان کو بحیثیت طیب غذا صداقت کی اور شربت فیض کی معرفت کا پلا یا جائے گا اور علوم حق کے موتیوں سے ان کی جھولیاں پر کر دی جائیں گی اور جو مغضز اور لب لباب قرآن شریف کا ہے اس عطر کے بھرے ہوئے شیشے ان کو دے جائیں گے۔

دوسری علامت خاصہ یہ ہے کہ جب وہ مسیح موعود آئے گا تو صلیب کو توڑے گا اور خسرو دل کو قتل کریگا اور وہ قاتل یک چشم کو قتل کر ڈالے گا اور جس کا فرنگ اس کے دم کی ہوا پہنچے گی وہ فی الفور مرجائے گا سو اس علامت کی اصل حقیقت جو روحانی طور پر مراد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ سچ دنیا میں اگر صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالے گا اور ان لوگوں کو جن میں خسرو دل کی بے حیائی اور نوکولی کی بے شرمی اور نجاست خوری ہے ان پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کرے گا اور وہ لوگ جو صرف دنیا کی آنکھ رکھتے ہیں مگر دین کی آنکھ بٹکی ندارد۔ بلکہ ایک بدنما ٹیٹ اس میں نکلا ہوا ہے انکو تین جھٹوں کی سیف قاطعہ سے قتل کر کے ان کی منکرانہ ہستی کا خاتمہ کر دے گا اور نہ صرف ایسے ایک چشم لوگ بلکہ ہر ایک کافر جو دین محمدی کو منظر استحقار دیکھتا ہے سبھی دلائل کے جلالی دم سے روحانی طور پر مارا جائے گا۔ غرض یہ سب عبارات استعارہ کے طور پر واقع ہیں جو اس عاجز پر

تو یہ معقول تعبیر ہوگی کہ حضرت مسیح اپنے ظہور کے وقت یعنی اس وقت میں کہ جب دوسج ہونے کا دعویٰ کریں گے کسی قدر بیمار ہوں گے اور حالت صحت اچھی نہیں رکھتے ہوں گے کیونکہ کتب تعبیری رو سے زرد رنگ پوشاک پہننے کی یہی تاویل ^{۱۴۳} ہے اور ظاہر ہے کہ یہی تاویل عالم کشف اور رویہ کے نہایت مناسب حال اور سراسر معقول اور قریب قیاس ہے کیونکہ تعبیر کی کتابیں صاف لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی عالم رویا یا عالم کشف میں زرد رنگ کی پوشاک دیکھی جائے تو اس کی یہ تعبیر کرنی چاہیے کہ وہ شخص بیمار ہے یا بیمار ہونے والا ہے کاش اگر اس محققانہ مذاق

بخوبی کھولی گئی ہیں اب چاہے کوئی اس کو سمجھے یا نہ سمجھے لیکن آخر کچھ مدت اور انتظار کر کے اور اپنی بجے بنیاد امیدوں سے یاس لگی کی حالت میں ہو کر ایک دن سب لوگ اس طرف رجوع کریں گے۔ اُس وقت ان سچی علامات کو دیکھتے دیکھتے مجھے ایک رؤیا صالحمہ اپنی یاد آگئی ہے اور با مذاق لوگوں کے مسرور الوقت کرنے کے لئے اُس کو میں اس جگہ لکھتا ہوں۔

ایک بزرگ غایت درجہ کے صلح جو مردان خدا میں سے تھے اور مکالمہ الہیہ کے شرف سے بھی مشرف تھے اور برترتہ کمال اتباع سنت کرنے والے اور تقویٰ اور طہارت کے جمیع مراتب اور مدارج کو ملحوظ اور مرعی رکھنے والے تھے اور اُن صادقوں اور استبازوں میں سے تھے جن کو خدائے تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے اور پیر لے درجہ کے معمور الاوقات اور یاد الہی میں محو اور غریق اور اسی راہ میں کھوئے گئے تھے جن کا نام نامی عبداللہ غزنوی تھا

کے موافق ہمارے منہ سے اور محدث اس فقرہ کی بھی تاویل کرتے یعنی یہ کہتے کہ جب سچ ظہور فرما کر اپنا سچ موعود ہونا خلق اللہ پر ظاہر کرے گا تو اُس وقت اس کی صحت کی حالت اچھی نہیں ہوگی بلکہ ضرور کسی قسم کی علالت جسمانی اور ضعف بدنی کے شامل حال ہوگا جو اس کے ظہور کے لئے ایک خاص وردی کی طرح ایک علامت اور نشانی ہوگی تو ایسی تاویل کیا عمدہ اور لطیف اور سرسراستی پر مبنی ہوتی۔ لیکن افسوس کہ ہمارے علماء نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ تو اپنی نہایت سادگی اور خام خیالی کی وجہ سے بعینہ یہودیوں کی طرح انتظار کر رہے ہیں کہ کچھ سچ

ایک دفعہ میں نے اُس بزرگ باصفا کو خواب میں اُن کی وفات کے

بعد دیکھا کہ سپاہیوں کی صورت پر بڑی عظمت اور شان کے ساتھ

بڑے پہلوانوں کی مانند مسلح ہونے کی حالت میں کھڑے ہیں تب

میں نے کچھ اپنے الہامات کا ذکر کر کے اُن سے پوچھا کہ مجھے ایک

خواب آئی ہے اس کی تعبیر فرمائیے۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا

ہے کہ ایک تلوار میرے ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میرے پنجہ میں

اور نوک آسمان تک پہنچی ہوئی ہے جب میں اس کو دائیں طرف

چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اس قے قتل ہو جاتے ہیں اور جب

بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزار ہا دشمن اس سے مارے جاتے ہیں

تب حضرت عبداللہ صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میری

جب آسمان سے اترے گا تو ایک زرد رنگ کی پوشاک زعفران کے رنگ سے رنگین کی ہوئی اس کے زیب تن ہوگی۔ کاش اگر ایسے علماء کو کبھی ایسی خواب بھی آئی ہوئی کہ انہوں نے زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور پھر اس کے بعد بیمار بھی ہو جاتے تو آج ان کی نگاہ میں ہماری یہ باتیں قابل قدر ٹھہرتیں لیکن مشکل تو یہ ہے کہ روحانی کوچہ میں ان کو دخل ہی نہیں یہودیوں کے علماء کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی قالب میں ڈھالتے چلتے جاتے ہیں لیکن ایک دوسرا گروہ بھی ہے جن کو خدائے تعالیٰ نے یہ بصیرت اور فراست عطا کی ہے کہ وہ آسمانی باتوں کو آسمانی قانون قدرت کے موافق سمجھنا چاہتے ہیں اور استعارات اور مجازات کے قائل ہیں

خواب کو سنکر بہت خوش ہوئے اور بشارت اور انبساط اور انشراح صدر کے علامات و امارات ان کے چہرہ میں نمودار ہو گئے اور فرماتے تھے کہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ آپ کے بڑے بڑے کام لے گا اور یہ جو دیکھا کہ دائیں طرف تلوار چلا کر مخالفوں کو قتل کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ تمام محبت کا کام ہے کہ جو روحانی طور پر تلوار و برکات کے ذریعے انجام پذیر ہوگا اور یہ جو دیکھا کہ بائیں طرف تلوار چلا کر ہزار بادشمنوں کو مارا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے ذریعے عقلی طور پر خدائے تعالیٰ الزام و اسکات ختم کرے گا اور دنیا پر دونوں طور سے اپنی محبت پوری کر دے گا۔ پھر بعد اس کے انہوں نے

مگر افسوس کہ وہ لوگ بہت تھوڑے ہیں اور اکثر یہی جنس ہماری قوم میں بکثرت پھیلی ہوئی ہے کہ جو جسمانی عیالات پر گرے جلتے ہیں نہیں سمجھتے کہ خدائے تعالیٰ کا عالم قانون قدرت ہوا کی وحی اور اس کے مکاشفات کے متعلق ہے ^{میں} مرعج ^{میں} مرعج اُن کے زعم کے مخالف شہادت دے رہا ہے صد ہا مرتبہ خوابوں میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک چیز نظر آتی ہے اور دراصل اُس سے مراد کوئی دوسری چیز ہوتی ہے۔ ایک شخص کو انسان خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ آگیا اور پھر صبح اس کا کوئی ہمرنگ آجاتا ہے۔ انبیاء کی کلام میں تشبیل کے ساتھ یا استعارہ کے طور پر بہت باتیں ہوتی ہیں دیکھو ہمارے سید و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے نزول مطہرات اُمتات المؤمنین کو فرمایا تھا کہ تم میں سے پہلے اس کی وفات ہوگی جس کے ہاں تھلے ہونگے

۴۵

۴۶

فرمایا کہ جب میں دنیا میں تھا تو میں اُمیدوار تھا کہ خدائے تعالیٰ ضرور کوئی ایسا آدمی پیدا کرے گا پھر حضرت عبداللہ صاحب مرحوم مجھ کو ایک وسیع مکان کی طرف لے گئے جس میں ایک جماعت راستبازوں اور کامل لوگوں کی بیٹھی ہوئی تھی لیکن سب کے سب تلخ اور سپاہیانہ صورت ہیں ایسی چستی کی طرز سے بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کوئی جنگی خدمت بجالانے کے لئے کسی ایسے حکم کے منتظر بیٹھے ہیں جو بہت جلد آنے والا ہے پھر اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

۴۷

یہ روایے صالحہ جو درحقیقت ایک کشف کی قسم ہے استعارہ کے طور پر انہیں علامات پر دلالت کر رہے ہیں جو سچ کی نسبت ہم ابھی بیان کر آئے ہیں یعنی سچ کا خنزیر دہن کو قتل کرنا اور علی العموم تمام کفار کو مارنا انہیں محض کی رو سے ہے کہ وہ حجت الہی اُن پر پوری کرے گا اور یتیمہ کی تلوار سزاؤں کو

۴۸

اور ان تمام اہلبیت کو اس حدیث کے سننے سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ درحقیقت لمبے ہاتھوں سے اُن کا لمبا ہونا ہی مراد ہے یہاں تک کہ آنجناب کی ان پاک دامن بیویوں نے باہم ہاتھ پٹنے شروع کئے لیکن جب سب کے پہلے زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تب انہیں سمجھ آیا کہ لمبے ہاتھوں سے اشار اور سخاوت کی صفت مراد ہے جو زینب رضی اللہ عنہا پر سب کی نسبت زیادہ غالب تھی۔

اور خیال کہ تناسخ کے طور پر حضرت سچ بن مریم دنیا میں آئیں گے سب کے زیادہ ردی اور شرم کے لائق ہے تناسخ کے ماننے والے تو ایسے شخص کا دنیا میں دوبارہ آنا تجویز کرتے ہیں جس کے تزکیہ نفس میں کچھ کسر ہو گئی ہو لیکن جو لوگ بجلی مراحل کمالات طے کر کے اس دنیا سے سفر کرتے ہیں وہ یزعم اُن کے ایک مدت دراز کے لئے مکتی خانہ میں داخل کئے جاتے ہیں۔

قتل کرے گا واللہ اعلم بالصواب۔ اور حارث کے نام پر جو پیش گوئی ہے اُس کے علامات خاصہ پہنچ بیان کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ دسیف کے ساتھ رستخان کے ساتھ بلکہ اپنی قوت ایمان کے ساتھ اور اپنے نور عرق اور رکات، یہاں کے ساتھ حق کے طالبوں اور سچائی کے بھوکوں پیاسوں کو تقویت دے گا اور اپنی مخصوصہ شجاعت اور موندناہ شہادتوں کی وجہ سے اُن کے قدم کو استوار کر دے گا اسی کے موافق جو مومنین قریش نے مکہ معظمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو قبول کر کے اور اپنے ساتھ زور و آزار سے اخلاص اور کامل ایمان کے اظہار دکھلانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوئے دعوت کو قوت و پدید ی قوی اور اسلام کے پیروں کو مکہ معظمہ میں جمادیا تھا۔

دوسری علامت یہ کہ وہ حارث اور ابیہر میں ہو گا جس کی مطلب یہ ہو کہ محمد قندی یا بخاری الاصل ہو گا۔ تیسری علامت یہ ہے کہ وہ زنداری کے ممتاز خاندان میں سے اور کھیتی کرنے والا ہو گا۔ چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہو گا کہ جس وقت میں آل محمد یعنی انبیائے مسلمین جو سادات قوم و مشرقائے ملت ہیں کسی حامی دین اور بزرگ میدان کے محتاج ہونگے۔ آل محمد کے نفع میں ایک افضل اور طبیب جود کو ذکر کر کے کل افراد جو پاکیزگی اور طہارت میں اس جزو سے مناسبت رکھتے ہیں اسی کے اندر داخل کئے گئے ہیں جیسا کہ یہ عام طریقہ متکلمین ہے کہ بعض اوقات ایک جود کو ذکر کر کے کل اُس سے حوالہ لیا جاتا ہے۔ چوتھیں علامت اس حارث کی یہ ہے کہ ہمیر محل اور بادشاہ محل اور یا جمعیت لوگوں کی صورت پر

ماسوائے اس کے ہمارے عقیدہ کے موافق خدائے تعالیٰ کا ہستیوں کے لئے یہ وعدہ ہے کہ وہ کبھی اس سے نکلے نہیں جائیں گے پھر تعجب کہ ہمارے علماء کیوں حضرت مسیح کو اس فردوس بریں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ آپ ہی یہ قصے سناتے ہیں کہ حضرت ادیس جب فرشتہ ملک الموت سے اجازت لے کر بہشت میں داخل ہوئے تو ملک الموت نے چاہا کہ پھر باہر آویں لیکن حضرت ادیس نے باہر آنے سے انکار کیا اور یہ آیت مستادی وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرِجِينَ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا حضرت مسیح اس آیت سے فائدہ حاصل کرنے کے مستحق نہیں ہیں کیا یہ آیت اُن کے حق میں منسوخ کا حکم رکھتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس لئے اس تنزیل کی حالت میں بھیجے جائیں گے کہ بعض لوگوں نے انہیں ناحق خدا بنایا تھا تو یہ اُن کا

۹۵

ظاہر نہیں ہو گا بلکہ اس اعلیٰ درجہ کے کام کی انجام دہی کے لئے اپنی قوم کی امداد کا محتاج ہو گا۔

اب اول ہم ابو داؤد کی حدیث کو اس کے اصل الفاظ میں بیان کر کے پھر جس قدر مناسب اور کافی ہو اپنی نسبت اس کا ثبوت پیش کریں گے سو واضح ہو کہ حدیث یہ ہے عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج رجلاً من وراء الثہر یقال لہ الحارث حزارث علی مقدّمہ رجل یقال لہ منصور یؤطن او یتمکن لایل محمدا کما مکنتم قریش لرسول اللہ صلحہ وجب علی کل مؤمن نصرہ او قال اجابہ تکمینی روایت ہے علی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ افرایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص بھیجے نہر کے سر تک لگایا یعنی بخارا یا سمرقند اس کا اصل وطن ہو گا اور وہ حارث کے نام سے پکارا جاوے گا یعنی با اعتبار اپنے آباد اجداد کے پیشہ کے افواہ عام میں یا اس گورنٹ کی نظر میں حارث یعنی ایک زمیندار کہلائے گا پھر اگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیوں حارث کہلائے گا اس وجہ سے کہ وہ تھلا ہو گا یعنی میت زینداہل میں سے ہو گا اور کھیتی کرنے والوں میں سے ایک معرود غافلان کا آدمی شمار کیا جاوے گا۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار و سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہو گا جس کو اسان پر حضور کے نام سے پکارا جاوے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ اس کے خاوندان راہوں کا جو اس کے دل میں ہونگے آپ ناصر ہو گا۔ اس جگہ اگر یہ اس منصور کو سلاطین کے طور پر بیان کیا ہے مگر

۹۶

۹۷

قبور نہیں ہے لَا تَزِدُ وَازِدَةً وَّزَرَ أَخْرَجَ مَاسِلَے اس کے یہ بات بھی نہایت غور کے قابل ہے کہ یہ خیال کہ مسیح حج مریم ہی بہشت سے نکل کر دنیا میں آجائیں گے تصدیق قرآنہ سے بکلی مخالف ہے۔ قرآن شریف تین جگہ حضرت مسیح کا فوت ہو جانا کھلے کھلے طور پر بیان کرتا ہے اور حضرت مسیح کی طرف سے یہ عذر پیش کرتا ہے کہ عیسائیوں نے جو انہیں اپنے زعم میں خدا بنا دیا تو اس کے مسیح پر کوئی الزام نہیں کیونکہ وہ اس ضلالت کے زمانہ سے پہلے فوت ہو چکا تھا۔ غرض تعلیم قرآن تو یہ ہے کہ مسیح مدت سے فوت ہو چکا ہے اب اگر ہمارے علماء کو قرآن شریف کی نسبت حدیثوں کے ساتھ زیادہ پیار ہے تو ان پر فرض ہے کہ احادیث کے ایسے معنی کریں جن سے قرآن شریف کے مضمون کی ٹکڑی بے لازم نہ آوے میرے خیال میں

اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل ملو نہیں ہے بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اُس حادث کو دی جائیگی جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکمل میں بیٹھے ہیں ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا تب میں نے اُس دوسرے کی طرف رخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اور اُسے میں نے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے وہ میری اس بات کو سنکر بولا کہ ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر چہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں مگر خدا نے تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی كَذَٰلِكَ قَالَ لَهُ فَتَنَٰهُ قَوْلُكَ وَلَٰكِنَّ فِتْنَتَكَ أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّا تَلَا ۙ كَذَٰلِكَ قَالَ لَهُ فَتَنَٰهُ قَوْلُكَ وَلَٰكِنَّ فِتْنَتَكَ أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّا تَلَا ۙ پھر وہ منصوص مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال ہے مگر خدا بیتخالی کی کسی محنت خفیہ نے میری نظر کو اُس کے پہچاننے سے قاصر رکھا لیکن امید رکھتا ہوں کہ کبھی دوسرے وقت دکھایا جائے۔ اب بقیہ ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ حارث جب ظاہر ہوگا تو وہ آل محمد کو آل محمد کے فقر کی تفسیر بیان ہوگی ہے آفت اور ستاری بخشش کا اولین کہنا ہو جائے گا یعنی ایسے وقت میں کہ جب مومنین غربت کی حالت میں ہونگے

جہاں تک میں سوچتا ہوں یقینی طور پر یہ بات متناقض ہے کہ اب تک ہمارے مولویوں نے حدیثوں کو قرآن کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے ایک ذرہ توجہ مبذول نہیں فرمائی جس طرف کسی اتفاق سے خیال کا رجوع ہو گیا اُسی پر زور دیتے چلے گئے ہیں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ ہمارے علماء کے لئے یہ امر کچھ سہل یا آسان بات نہیں کہ وہ قرآن شریف اور اپنے خیالات میں جو ظواہر الفاظ حدیثوں سے انہوں نے پیدا کئے ہیں تطبیق و توفیق کر کے دکھلا سکیں بلکہ جس وقت وہ اس طرف متوجہ ہوں گے تو ان کا نور قلب یا یوں کہو کہ کانٹنشن خود انہیں ملزم کرے گا کہ وہ ان خیالات کو جو جسمانی طور پر ان کے دلوں میں منقش ہیں ہرگز ہرگز مخصوص بیتہ قرآن سے مطابق نہیں کر سکتے اور نہ قرآن شریف کی ان آیات میں کوئی راہ تاویل کی کھول سکتے ہیں اور

اور مہن اسلام جس کی طرح پڑا ہو گا اور چاروں طرف سے مخالفوں کے حملے شروع ہوں گے۔ یہ شخص اسلام کی عزت قائم کرنے کیلئے ثبوت تمام اٹھے گا اور مومنین کو جہل کی زبان سے بچانے کیلئے جوش ایمان کھڑا ہو گا اور نور عنان کی روشنی سے طاقت پا کر انکو مخالفوں کے حملوں سے بچا کر انکو اہل سب کو اپنی حمایت میں لے لیگا اور ایسا انہیں ٹھکانا دے گا جیسے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا یعنی دشمن کے ہر ایک الزام اور ہر ایک باز پرس اور ہر ایک طلب ثبوت کے وقت میں سب مومنوں کے لئے سپر کی طرح ہو جائیگا اور اپنے اُس قوی ایمان سے جو نبی کی اتباع سے اُس نے حاصل کیا ہے صدیق اور فاروق اور حیدر کی طرح اسلامی برکتوں اور استقامتوں کو دکھلا کر مومنوں کے امن میں آجانے کا موجب ہو گا۔ ہر ایک مومن پر واجب ہے جو اس کی مدد کرے یا یہ کہ اس کو قبول کرے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک ایسا عظیم الشان سلسلہ اس حادثہ کے پس پردہ کیا جائے گا جس میں قوم کی اعداء کی ضرورت ہوگی جیسا کہ ہم رسالت مسیح اسلام میں اس سلسلہ کی پانچوں شاخوں کا مفصل ذکر کرتے ہیں اور نیز اس جگہ یہ بھی اشارہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ حادثہ بادشاہوں یا امیروں میں سے نہیں ہو گا تاہم ایسے مصالحت کا اپنی ذات سے متحمل ہو سکے اور اس تاکیہ شدید کے کرنے سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اُس حادثہ کے ظہور کے وقت جو ٹیبل مسیح ہونے کا دعویٰ کرے گا لوگ اتھن میں پڑ جائیں گے اور بہتر سے ان میں سے مخالفت پر کھڑے ہونگے اور مدد دینے سے روکیں گے بلکہ کوشش کریں گے کہ

یہ بات خود ظاہر ہے کہ جب کوئی حدیث پہلے کسی مفہوم کی رو سے قرآن شریف کے مینا سے مخالف واقع ہو تو قرآن شریف پر ایمان لانا مقدم ہے کیونکہ حدیث کا مرتبہ قرآن شریف کے مرتبہ سے ہرگز مساوی نہیں اور جو کچھ حدیثوں کے بارے میں ایسے احتمال پیدا ہو سکتے ہیں جو حدیثوں کے وثوق کے درجہ کو کمزور کریں ان احتمال میں سے ایک بھی قرآن شریف کی نسبت عائد نہیں ہو سکتا پس کیوں نہ ہم ہر حال میں قرآن شریف کو ہی مقدم رکھیں جس کی صحت پر تمام قوم کو اتفاق اور جس کے محفوظ چلے آنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے دلائل ہمارے پاس ہیں اور ہمارے علماء پر یہ بات لازم و واجب ہے کہ قبل اس کے کہ اس بارہ میں اس عاجز پر کوئی اعتراض کریں پہلے قرآن شریف اور احادیث کے مضامین میں پوری پوری تطبیق و توفیق کر کے

اس کی جماعت متفرق ہو جائے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تاکید کرتے ہیں کہ اے مومنوں تم پر اس عادت کی مدد و اسباب ایسا نہ ہو کہ تم کسی کے برکانے سے اس سعادت سے محروم رہ جاؤ۔ اس جگہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جو مومنوں کو اس کے ظہور سے قوت پہنچگی اور اس کے میدان میں کھڑے ہو جانے سے اس تفرق زدہ جماعت میں ایک استحکام کی صورت پیدا ہو جائے گی اور وہ پسر کی طرح جھٹکنے لے ہو جائیگا اور ان کے قدم جم جانے کا موجب ہو گا جیسا کہ مکہ میں اسلام کے قدم چنے کیلئے صحابہ کبار موجب ہو گئے تھے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ نبی اور تبرے حمایت اسلام نہیں کرے گا اور اس کام کے لئے بھیجا جائیگا کیونکہ مکہ میں بیٹھ کر جو مومنین قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی جس حمایت میں کوئی دوسری قوم کا آدمی ان کے ساتھ شریک نہیں تھا الا شاہ و ناہودہ صرف ایمانی قوت اور عرفانی طاقت کی حمایت تھی نہ کوئی تلوار میاں سے نکالی گئی تھی اور نہ کوئی نیزہ انہ میں پکڑا گیا تھا بلکہ انکو جسمانی مقابلہ کرنے سے سخت ممانعت تھی صرف قوت ایمانی اور نور عرفان کے عمکدار ہتھیار اور ان ہتھیاروں کے جوہر جو صبر اور استقامت اور محبت اور اخلاص اور وفا اور محافہ الیہ و متعلق الیہ وغیرہ ان کے پاس موجود تھے لوگوں کو دکھاتے تھے گالیاں سنتے تھے جان کی دھمکیاں دیکر ڈرائے جاتے تھے اور سب طرح کی ذلتیں دیکھتے تھے پر کچھ ایسے نشہ عشق میں مدوش تھے کہ کسی خرابی کی پروا نہیں رکھتے تھے اور کسی ہراساں نہیں ہوتے تھے۔ دنیوی زندگی کے روستے اس قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

دکھلا دیں اور معقول طور پر ہمیں سمجھا دیں کہ جس حالت میں قرآن شریف کھلے کھلے طور پر حضرت مسیح کے وفات پا جانے کا قائل ہے تو پھر یا وہ جو ان کے وفات پا جانے اور بہشت میں داخل ہو جانے کے پھر کیونکر ان کا وہ جسم جو بموجب نفس تسرانی کے زمین میں دفن ہو چکا آسمان سے اتر آئے گا اور اس بلکہ صرف قرآن شریف ہی ان کے مدعا کے منافی نہیں بلکہ احادیث صحیحہ بھی سخت منافی و مبائن پڑی ہیں مثلاً بخاری کی یہ حدیث کہ جو امام مکہ منکر ہے اگر تاویلات کے شکنجہ پر نہ چڑھائی جاوے اور جیسا کہ ظاہر الفاظ حدیث کے ہیں انہیں کے موافق معنی لئے جائیں تو صاف نظر سراسر رہے کہ اس حدیث کے ظاہر ہی معنی ہیں کہ وہ تمہارا امام ہو گا اور تم میں سے ہی ہو گا یعنی ایک مسلمان ہو گا نہ یہ کہ سچے مسیح جس پر پیش نبیل نازل ہوئی ہے

پاس کیا رکھا تھا جس کی توقع سے وہ اپنی جانوں اور عزتوں کو معرض خطر میں ڈالتے اور اپنی قوم سے پڑنے اور پرنے فتنے تعلقات کو توڑ لیتے اُس وقت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی اور عسکر اور کس سپر سداور کس نشا سدا کا زمانہ تھا اور آئندہ کی امیدیں باندھنے کیلئے کسی قسم کے قرآن و علامات موجود تھے سوانہوں نے اس غریب درویش کا زہود و صلہ ایک عظیم الشان بادشاہ تھا ایسے نازک ترین شفا داری کے ساتھ محبت اور عشق سے بھرے ہوئے دل سے جو دامن پکڑا جس زمانہ میں آئندہ کے اقبال کی تو کیا امید خود اس مرد مصاب کی چند روز میں جان جاتی نظر آتی تھی یہ وہ شفا داری کا تعلق محض قوت ایمانی کے جوش سے تھا جس کی سستی سے وہ اپنی جانیں دینے کے لئے ایسے کھڑے ہو گئے جیسے سخت درجہ کبیر یا سلا پشمہ شیریں پر بے اختیار کھڑا ہو جاتا ہے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسی طرح جو وہ عارث آئین کا قودہ مومنین کو تیرہ تیرہ سے ملے نہیں دے گا بلکہ مومنین قریش کی اس مخصوص حالت اور اس مخصوص ماحول کی طرح جو کہیں میں پر گزرتا تھا جبکہ کھٹ کے ساتھ دوسری قوموں میں سے کوئی نہ تھا اور نہ ہتھیار استعمال کئے جاتے تھے بلکہ صرف قوت ایمانی اور عرفانی کی چمکائیں گفتار اور کردار سے دکھلا رہے تھے اور انہیں کے نزدیک سے مخالفوں پر اثر ڈال رہے تھے یہی طریق اس عارث کا بھی مومنین کو اپنی پناہ میں لانے کے بارہ میں ہو گا کہ وہ اپنی قوت ایمانی اور نور عرفانی کے آثار و انوار دکھلا کر مخالفین کے منہ بند کرے گا اور مستعد دلوں پر اس کا اثر ڈالے گا اور اس کی قوت ایمانی اور نور عرفانی کا چشمہ جیسا شجاعت و استقامت محمدی و صفو و محبت و وفا کی

جس کو ایک الگ اُمت دی گئی آسمان سے اُتر آئے گا۔ اس جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ امام محمد باقر علیہ السلام جو اپنی صحیح بخاری میں آنے والے مسیح کی نسبت صرف اس قدر حدیث بیان کر کے چپ کر گئے کہ اُمّامکم منکم اس سے صاف ثابت ہو تا ہے کہ دراصل حضرت اسماعیل بخاری صلیب کا یہی مذہب تھا کہ وہ ہرگز اس بات کے قائل نہ تھے کہ مسیح حج حج ابن مریم آسمان سے اُتر آئے گا بلکہ انہوں نے اس فقرہ میں جو اُمّامکم منکم ہے صاف اور صریح طور پر لہنا مذہب ہر کر دیا ہے ایسا ہی حضرت بخاری صاحب نے اپنی صحیح میں معراج کی حدیث میں جو ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا حال دوسرے انبیاء سے آسمانوں پر لکھا ہے تو اس جگہ حضرت عیسیٰ کا کوئی خاص طور محسوس ہونا ہرگز بیان نہیں کیا بلکہ یہی ہے حضرت ابراہیم

رو سے ہوتا ہوگا ایسا ہی روحانی امور کے بیان کرنے اور روحانی اور عقلی جمہوں کو مخالفوں پر پورا کرنے کے لئے ^{۱۵۱}بڑے زور سے رواں ہوگا اور وہ چشمہ اُسی چشمہ کا ہر رنگ ہوگا جو قریش کے مقدس بزرگوں صدیق اور فادان اور علی مرتضیٰ کو چلا تھا جس کی یگانہ گاہ مسلمان کے فرشتے بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جن کے صافی عرفان میں سے اس قدر علوم و افکار و برکات و شجاعت و استقامت کے چشمے نکلے تھے کہ جس کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں سو ہمارے سید و مولیٰ فرماتے ہیں کہ وہ عمارت بھی جب آگیا تو اسی زمانہ چشمہ و عرفانی نبع کے ذریعے قوم کے پودوں کی آبپاشی کرے گا اور اُن کے مرجھائے ہوئے دلوں کو پھر تازہ کر دے گا اور مخالفوں کے تمام بجا الزامات کو اپنی صداقت کے پیروں کے نیچے کچل دے گا اب اسلام پھر اپنی بلندی اور عظمت دکھائیگا اور بے حیا خنیز قتل کئے جاویں گے اور مومنین کو وہ عزت کی گڑھی مل جائے گی جس کے وہ مستحق تھے۔ الغرض حدیث نبوی کی تیشیں یہ ہے جو اس جگہ ہم نے بیان کر دی اور اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کرتا ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہو چکا ہے بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بزمنازل بلند تر محکم افتاد۔ اور اسی کی طرف وہ الہام بھی اشارہ کرتا ہے جو اس عاجز کی نسبت بحوالہ ایک حدیث نبوی کے جو پیش گوئی کے طور پر مساجد کے حق میں ہے خدائے تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے جو براہین میں درج ہے اور وہ یہ ہے لو کان الایمان معلقاً بالثریا لئلا له رجل من فارس ان الذین

۹۰ اور حضرت موسیٰ کی روح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ ایسا ہی اخیر
ایک ذرہ فرق کے حضرت عیسیٰ کی روح سے ملاقات ہونا بیان کیا ہے۔ بلکہ حضرت موسیٰ کی روح
کا کھلے کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کا مفصل طور پر لکھا ہے پس اس
حدیث کو نہ مکرر شک نہیں ہو سکتا کہ اگر حضرت حج جس کے ساتھ اسمان کی طرف اٹھائے گئے
۱۱۰ ہیں تو پھر ایسا ہی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء بھی اس جسم کے ساتھ اٹھائے
گئے ہونگے کیونکہ معراج کی بات میں وہ نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی رنگ میں
آسمان پر نظر آئے ہیں یہ نہیں کہ کوئی خاص ودی یا کوئی خاص علامت مجسم اٹھائے جانے
کی حضرت حج میں دیکھی ہو اور دوسرے نبیوں میں وہ علامت نہ پائی گئی ہو۔ تمام حدیثوں کے
پڑھنے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی

کفر واد صد و اعن سبیل اللہ ساد علیہم رجل

من فارس شکر اللہ سجد و التوحید

التوحید یا ابناء الفارس اس بابام میں صریح

۱۲۰ اور صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ فارسی الاصل جس کا دوسرا نام عارت بھی پوری خصوصیت

یہ رکھتا ہے کہ اس کا ایمان نہایت درجہ کا قوی ہے اگر ایمان ثریا میں بھی ہوتا تو وہ مرد وہیں اس کو

پالیتا خدا اس کا شکر گزار ہے کہ اس نے دین اسلام کے منکر عمل کے سب الزامات و شبہات کو روک دیا

جس کو پھر دنیا تو حید کو پکڑ کر دے اپنا فارسی یعنی توحید کی راہیں صاف کر دے اور توحید رکھ لے اور

توحید جو دنیا سے گری جاتی اور گم ہوتی جاتی ہے اس کو پکڑ لے یہی سب سے مقدم ہے اور اسی کو لوگ

بھول گئے اور اس جگہ ابن کی جگہ جو آیت کا لفظ اختصار کیا گیا حالانکہ مخاطب صرف ایک شخص کی یعنی

یہ عاجز۔ یہ بطور اعزاز کے حضرت باری تعالیٰ کی طرف سے ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں بجائے اس حدیث
کے کہ لو کان لا یمان معلقا بالثریا لانا لہ رجل من فارس ہو رجل من فارس

رات میں جن جن نبیوں سے ملاقات کی اُن سب کا ایک ہی طرز اور ایک ہی طور پر حال بیان کیا ہے حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت بیان نہیں فرمائی۔ کیا یہ مقام علماء کے توجہ کرنے کے لائق نہیں؟

ایک نہایت لطیف نکتہ جو سورۃ القدر کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے اس سورۃ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرمادیا ہے کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے آسمان سے اُتر کر مستعد لوگوں کو حق کی طرف کھینچتے ہیں پس ان آیات کے مفہوم سے یہ جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر سخت فحالت اور غفلت کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک خارق عادت طور پر انسانوں کے قویٰ میں خود بخود وہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہوئی شروع ہو جائے تو وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی

لکھا ہے وہ بھی درحقیقت اسی اعجاز کے ارادہ سے ہے ورنہ ہر جگہ درحقیقت راجل ہی ملو گی اس تمام تحقیق سے معلوم ہوا کہ عمارت کی نسبت بھی عمدہ علامت احادیث میں ہے کہ ایمانی نمود لیکر دنیا میں آئے گا اور اپنی قوت ایمانی کی شاخیں اودان کے بھل ظاہر کر کے ضعیفوں کو تقویت بخشیگا اور کروڑوں کو نبھال لے گا اور اپنی صداقت کی شعاہوں سے پتھر سیرت مخالفوں کو خیرہ کر دے گا لیکن مومنوں کے لئے آنکھ کی روشنی دے گی کیجئے کہ تھنڈک کی طرح سکینت اور طہینان اور تسلی کا موجب ہوگا اور ایمانی معارف کا معلم بن کر ایمانی روشنی کو قوم میں پھیلانے گا۔ اور ہم درالفتح اسلام میں ظاہر کرتے ہیں کہ درحقیقت مسیح بھی ایک ایمانی معارف کا سکھانے والا اور ایمانی معلم تھا اور یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ مسیح بھی ظہری لڑائیوں کے لئے نہیں آئے گا بلکہ بخاری نے بیض الحسب اس کی علامت بھی ہے اور یہ کہ اُس کا قتل کرنا اپنے دم کی ہوا سے ہو گا نہ تلوار سے یعنی موجبہ ہاتھوں سے روحانی طور پر قتل کرے گا اور عارف کا ان دونوں علامتوں میں مشترک ہونا اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ عمارت اور مسیح موجود در اصل ایک ہی ہیں اور یہ عمارت موجود کی پہلی علامت ہے جو ہم نے لکھی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ نہ سیف کے ساتھ نہ سنان کے ساتھ بلکہ اپنی قوت ایمان کے ساتھ اور اپنے افراد عرفان کے ساتھ اپنی قوم کو تقویت دے گا جیسے قریش نے یعنی مدنی و فاروقی و حمید و کثر و دیگر مومنین کہ نے انہیں صفات استقامت کے ساتھ

آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزل کے وہ حرکت پیدا ہونا ممکن نہیں اور وہ حرکت حسب استعداد و طبائع دو قسم کی ہوتی ہے حرکت تامہ اور حرکت ناقصہ حرکت تامہ وہ حرکت ہے جو روح میں صفائی اور سلوکی بخش کر اور عقل اور فہم کو کافی طور پر تیز کر کے رو بہ حق کر دیتی ہے۔ اور حرکت ناقصہ وہ ہے جو روح القدس کی تحریک سے عقل اور فہم تو کسی قدر تیز ہو جاتا ہے مگر بنا عث عدم سلامت استعداد کے وہ رو بہ حق نہیں ہو سکتا بلکہ مصداق اس آیت کا ہو جاتا ہے کہ ^{۱۵۵} **فَإِنِّي قُلُوبِهِمْ مَقْرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَكْرَضًا** یعنی عقل اور فہم کے جنبش میں آنے سے پچھلی حالت اس شخص کی پہلی حالت کے برابر ہو جاتی ہے جیسا کہ تمام نبیوں کے وقت میں بھی ہوتا رہا کہ جب ان کے نزل کے ساتھ ملائکہ کا نزل ہوتا تو ملائکہ کی اندرونی تحریک سے ہر ایک طبیعت عام طور پر جنبش میں آگئی تب جو لوگ راستی کے فرزند تھے وہ

دین احمدی کے کہ متطلب میں قدم بجا دے تھے۔

اس پہلی علامت کا ثبوت اس عاجز کی نسبت ہر ایک غور کرنے والے پر ظاہر ہو گا کہ یہ عاجز اسی قوت ایمانی کے جوش سے عام طور پر دعوت اسلام کے لئے کھڑا ہوا اور بارہ ہزار کے قریب اشتہارات دعوت اسلام رجسٹری کر کے تمام قوموں کے میٹھاؤں اور امیروں اور عالیان ملک کے نام روانہ کئے تاکہ ان کے ایک خط اور ایک اشتہار بذریعہ رجسٹری گورنمنٹ برطانیہ کے شہزادہ ولی عہد کے نام بھی روانہ کیا اور وزیر عظم تحت انگلستان گلیڈسٹون کے نام بھی ایک پرچہ اشتہار اور خط روانہ کیا گیا۔ رسا ہی شہزادہ ہسار کے نام اور دوسرے نامی افراد کے نام مختلف ملکوں میں اشتہارات و خطوط روانہ کئے گئے جن سے ایک صندوق بھر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کام بجز قوت ایمانی کے انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔ یہ بات خود سوائے کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت نمائی کے طور پر ہے تا حق کے طالبوں پر کوئی بات مستحب نہ رہے۔ ماسوا اس کے قوت ایمانی کے انوار جو تأییدات غیبیہ کے پیرایہ میں بطور عارفی علوت ظاہر ہوتے ہیں جو خدا کے فضل و رحم اور قرب پر دلالت کرتے ہیں ان کے بارہ میں بھی انہیں اشتہارات میں لکھا گیا ہے جو باعث قوت ایمانی و قدم بر صراط تقیم یہ سب نعمتیں اس عاجز کو قاسم طور پر عطا کی گئی ہیں کسی مخالف مذہب کو یہ مرتبہ ہرگز حاصل نہیں اگرچہ یہ قوت وہ مقابل کے لئے کھڑا ہوئے اور اپنی

۱۳۳ اُن راستبازوں کی طرف کھینچ چلے آئے اور جو شرارت اور شیطان کی ذریرت تھوڑے سا تحریک سے خواب غفلت کے جاگ تو اُٹھے اور دینیات کی طرف متوجہ بھی ہو گئے لیکن باعث نقصان استعداد حق کی طرف رُخ نہ کر سکے سو فضل ملائک کا جو ربانی مصلح کے ساتھ اُترتے ہیں ہر ایک انسان پر ہوتا ہے لیکن اس فعل کا نیکوں پر نیک اثر اور بدوں پر بد اثر پڑتا ہے ۵
باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۶ در باغ لالہ رویہ و در شورہ بوم خس
۱۳۵ اور میسا کہ ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں یہ آیت کو کہ فی قلوبہم مرض فزادہم
اللہ مرضاً اسی مختلف طور کے اثر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر نبی کے نزول کے وقت ایک ایسا تقدیر ہوتی جو جس میں
نبی اور وہ کتاب جو اُسکو دی گئی ہے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں

روحانی برکات کا جو اپنے مذہب کی اتباع سے اسکو حاصل ہوں اس عاجز سے موازنہ کر سکتے ہیں کہ ایک
کوئی مقابل نہیں اُٹھا اور نہ انسان ضعیف اور ایسے کی یہ طاقت ہے کہ صرف اپنی نگاہ اور شرارتوں کے
منصوبہ سے یا متعصبانہ ہٹ سے اس سلسلہ کے سامنے کھڑا ہو سکے جس کو خدا نے تعالیٰ نے اپنے اتھ
سے قائم کیا ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی اس سلسلہ کے سامنے اپنی برکات غائی کی رو سے کھڑا ہو
تو نہایت درجہ کی ذلت سے گرا دیا جائیگا کیونکہ یہ کام اور یہ سلسلہ انسان کی طرف سے نہیں بلکہ اُس ذات
ذریعہ اور قوی کی طرف سے ہے جس کے ہاتھوں نے آسمانوں کو اُن کے تمام اجرام کے ساتھ بنایا اور زمین
کو اس کے باشندوں کے لئے بچھا دیا۔ افسوس کہ ہماری قوم کے مولوی اور علماء نہیں تو تکفیر کے لئے بہت جلد
کاغذ اور قلم دوات لیکر بیٹھ جاتے ہیں لیکن ذرہ مچھتے نہیں کہ کیا یہ ہیبت اور عجب باطل میں ہوا کرتا
ہے کہ تمام دنیا کو مقابلہ کے لئے کہا جائے اور کوئی سامنے نہ آئے کیا وہ شجاعت و استقامت جھوٹوں میں
بھی کسی نے دیکھی ہے جو ایک عالم کے سامنے اس جگہ ظاہر کی گئی۔ اگر انہیں شک ہے تو خالین اسلام
کے جس قدر پیشوا اور واعظ اور محکم ہیں اُن کے دعوازہ پر جاتیں اور اپنے ظنون فاسدہ کا سہارا دیکھ انہیں
میرے مقابلہ پر روحانی امور کے موازنہ کے لئے کھڑا کریں پھر دیکھیں کہ خدا نے تعالیٰ میری حمایت کرتا ہے
یا نہیں۔ اسے خشک مولوی اور پُردہ پوش ۱۳۶ زائد ہوا تم پر افسوس کہ تمہاری سبکیں علوم اناس سے زیادہ تو کیا

لیکن سب سے بڑی ایلتہ القدر وہ ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے درحقیقت اس ایلتہ القدر کا دامن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور جو کچھ انسانوں میں ولی اور داعی قوی کی جنبش یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک ہو رہی ہے یہ ایلتہ القدر کی تاثیریں ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ عید میل کے عقلی قوی میں کامل اور مستقیم طور پر وہ جنبشیں ہوتی ہیں اور اشتغیاء کے عقلی قوی یا کسی کج اخلاقیہ طور سے جنبش میں تاتی ہیں اور جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں ایک بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں بلکہ اُسی زمانہ سے کہ وہ نائب رحم ماور میں آوے پوشیدہ طور پر انسانی قوی کچھ کچھ جنبش شروع کرتی ہیں اور حسب استعداد ان میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس نائب کو نیابت کے اختیارات ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے

اُن کے برابر بھی نہیں دیکھ سکتیں آپ ہی یہ حد نہیں سناتے ہو کہ لایات بعد المائیں اور کتے ہو کہ لایہ برس کے صحیح موعود و فیرو نشان میل کا ظاہر ہونا ضروری ہے بلکہ تم میں سے وہ مولوی بھی ہیں جنہوں نے غرضی کتابیں لکھ مائیں اور چھپوا بھی دیں کہ پودھیں صدی کے اقبال میں صحیح اور ہمدی موعود کا ظاہر ہونا ضروری ہے لیکن جب غلاتِ حقانی نے اپنے پاک نشانوں کو ظاہر کیا تو اولیٰ المنکرین تم لوگ ہی ٹھہرے۔ اور قوت ایمانی کے آثار میں سے جو اس عاجز کو دی گئی ہے استجاب دعا بھی ہے اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ جو بات اس عاجز کی دعا کے ذریعہ کر دی جائے وہ کسی اور ذریعہ سے قبول نہیں ہو سکتی اور جو دروازہ اس عاجز کے ذریعہ کھولا جائے وہ کسی اور ذریعہ سے بند نہیں ہو سکتا لیکن یہ قویت کی برکتیں صرف حقان لوگوں پر ہی ماثلاً و اتالی ہیں کہ جو غایت ہمدردی کے دست یا غایت درجہ کے دشمن ہوں جو شخص پورے اخلاص سے رجوع کرتا ہے یعنی ایسے اخلاص سے جس میں کسی قسم کا کھوٹ پوشیدہ نہیں جس کا انجام ہر ملنی و بد اعتقادی نہیں جس میں کوئی پیچھی ہوئی نفاق کی زہر نہیں دو پے خشک حق برکتوں کو کچھ سکتا ہے اور اُن سے حصہ پاسکتا ہے اور وہ بلاشبہ اس چشمہ کو اپنی استعداد کے موافق شائع کرتے گا مگر جو خلوص کے ساتھ نہیں ڈھونڈ لگا وہ اپنے ہی تصور کی وجہ سے محروم رہ جائے گا اور اپنی ہی اجنبیت کے باعث سے بے گمان رہے گا۔

پس نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کے وقت جو ایلیۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ درحقیقت اس ایلیۃ القدر کی ایک شاخ ہے یا توں کہو کہ اس کا ایک نسل ہے جو شخص صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے خدا تعالیٰ نے اس ایلیۃ القدر کی نہایت دور جو کی شان بلند کی ہے جیسا کہ اُس کے حق میں یہ آیت کریمہ ہے کہ فیہا یفرق کل امر حکیم یعنی اس ایلیۃ القدر کے زمانہ میں جو قیامت تک عہد ہے ہر ایک حکمت اور معرفت کی باتیں دنیا میں شائع کر دی جائیں گی اور انواع و اقسام کے علوم غریبہ و فنون نادرہ و صناعات عجیبہ صنفِ عالم میں پھیلانے جائیں گے اور انسانی قوی میں موافق اُن کی مختلف استعدادوں اور مختلف قسم کے امکان بسلط علم اور عقل کے جو کچھ ایاتِ حق میں تھی یا جہاں تک وہ ترقی کر سکتے ہیں سب کچھ منفطوریہ لایا جائیگا لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پرزور تحریکوں سے ہوتا رہیگا کہ جب کوئی نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور ایک پھل قوت ایمانی کا اسرارِ حق و محاربتِ دلیہ کا ذخیرہ ہے جو اس عاجز کو خدا کے تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوا ہے پس جو شخص اس عاجز کی تالیفات پر نظر ڈالے گا یا اس عاجز کی صحبت میں رہے گا اُس پر یہ حقیقت آپ ہی کھل جائیگی کہ کس قدر خدا تعالیٰ نے اُس عاجز کو دقائق و خفایاں سے مہر فرمایا ہے۔ دوسری اور تیسری علامت یعنی یہ کہ سخاری یا سمرقندی الاصل ہونا اور زمیندار اور زمینداری کے نسبتِ خاندان میں سے ہونا یہ دونوں علامتیں صریح اور بین طور پر اس عاجز میں ثابت ہیں اور اس جگہ کے قریب مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آبائی کائنات یعنی سوانح زندگی کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھوں سوچئے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ عرصہ قریب بیس برس کے ہوا ہو گا کہ ایک انگریز سرکاری نام نے بھی جو اس ضلع میں ڈپٹی کمشنر ہو چکا ہے اور ریاست بھوپال اور راجپوتانہ ریاستوں کا زید شہسوار بھی رہا ہے جبکہ ریشوں کا ایک سوانح تاریخ کے طور پر تالیف کر کے چھپوایا تھا اس میں انھوں نے میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ صاحب کا ذکر کر کے کچھ مختصر طور پر اُن کے زمینداری خاندان کا حال اور سمرقندی الاصل ہونا لکھا ہے لیکن میں اس جگہ کسی قدر مفصل بیان کرنے کی غرض سے ان تمام امور کو وضاحت سے لکھنا چاہتا ہوں جو اس حدیث نبوی کی کامل تشریح کیلئے بطور مصداق کے ہیں تا اس عاجز کا بہت سے سمرقندی الاصل ہونا اور اب تلے سے یہ خاندان کی زمینداری خاندان ہونا جیسا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا

دنیا میں پیدا ہو گا وہ حقیقت اسی آیت کو سورۃ الزلزال میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہو کیونکہ سورۃ الزلزال سے پہلے سورۃ القدر نازل کر کے یہ ظاہر فرمایا گیا ہے کہ سنتہ اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام لیلۃ القدر میں ہی نازل ہوتا ہے اور اس کا نبی لیلۃ القدر میں ہی دنیا میں نزول فرماتا ہے اور لیلۃ القدر میں ہی وہ فرشتے اترتے ہیں جن کے ذریعہ سے دنیا میں نیکی کی طرف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ فضیلت کی مظلمت لائے شروع کر کے طلوع صبح صداقت تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے رہیں۔ پھر بعد اس سورۃ کے خدائے تعالیٰ نے سورۃ البقیۃ میں بطور نظیر کے بیان کیا کہ لہذا یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حقاً تا آتیہم البیسۃ یعنی جن سخت بلاؤں میں اہل کتاب اور مشرکین مبتلا تھے ان سے نجات پانے کی کوئی

مشاورہ ہے۔ اچھی طرح لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔

وامنح ہو کر ان کا غلات اور پرانی تحریکات کے ہوا کا براس خاندان کے چھوڑ گئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ بارہ بادشاہ کے وقت میں کہ جو مختلف سلطنت کا مورث اعلیٰ تھا بزرگ اجداد اس نیاز مند الٰہی کے خاص سرفراز سے ایک جماعت کثیر کے ساتھ کسی سبب سے جو بیان نہیں کیا گیا ہجرت اختیار کر کے دہلی میں پہنچے اور اہل یہ بات ان کا غلات کے اچھی طرح وضع نہیں کی کہ کیا وہ بارے کے ساتھ ہی ہندوستان میں داخل ہوئے تھے یا بعد اس کے بلا توقف اس ملک میں پہنچ گئے لیکن یہ امر اکثر کاغذات کے دیکھنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ گو وہ ساتھ پہنچے ہوں یا کچھ دن پہنچے سے آئے ہوں مگر انہیں شاہی خاندان سے کچھ ایسا خاص تعلق تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کا نظریں معزز سواروں میں سے شمار کئے گئے تھے۔ چنانچہ بادشاہ وقت کے پنجاب میں رہت سے وہ بہت بطور جاگیر کے انہیں ملے اور ایک بڑی زمینداری کے وہ تعلق دار ٹھہرائے گئے اور ان دیہات کی وسط میں ایک میدان میں انہوں نے قلعہ کے طور پر ایک قصبہ بنی سکونت کیلئے آباد کیا جس کا نام اسلام پور قاضی ماجھی رکھا یہ اسلام پور سے جو آب کا دیوں کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصبہ کے گرد اگر دیکھیں تو یہی جس کی بلندی میں قلعہ کے قریب ہوئی اور عرض اس قدر تھا کہ تین چھکنے ایک دوسرے کے برابر اس پر چل سکتے تھے چار بڑے جسے مرج تھے۔

سبیل نہ تھی بجز اس سبیل کے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ پیدا کر دی کہ وہ زبردست لڑا
 بھیجی جس کے ساتھ زبردست تحریک دینے والے طائفہ نازل کئے تھے اور زبردست کلام
 بھیجی گیا تھا پھر بعد اس کے آنے والے زمانہ کے لئے خدائے تعالیٰ سورۃ الزلزال میں بشارت
 دیتے ہیں اور اِذَا زُلْزِلَتْ کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تم یہ نشانیاں
 دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ ایسے القدر اپنے تمام تر زور کے ساتھ پھرنا ہر ہوئی ہے اور کوئی تباہی
 مصلح خدا تعالیٰ کی طرف سے مع ہدایت پھیلانے والے فرشتوں کے نازل ہو گیا ہے جیسا کہ
 فرماتا ہے اِذَا زُلْزِلَتْ اَلْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاخْرَجَتْ اَلْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ
 الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُخَدِّثُ اَخْبَارَهَا بَانَ رَبُّكَ اَوْحٰی لَهَا يَوْمَئِذٍ
 يَقْضِى الدَّالِئِ اَشْتَاتًا لِّیُرَ اَعْمَالُہُمْ فَمَنْ یَّحْمِلْ مَثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا

جن میں قریب ایک ہزار کے سوار و پیادہ فوج رہتی تھی اور اس جنگ کا نام جو اسلام پورہ تاجی ماحمی تھا تو اسکی
 یہ وجہ تھی کہ ابتدائ میں شاہی دہلی کی طرف سے اس تمام علاقہ کی حکومت ہمارے بزرگہل کو دی گئی تھی اور
 منصب قضا یعنی رعایا کے مقدمات کا تصفیہ کرنا ان کے سپرد تھا اور یہ طرز حکومت اس وقت تک قائم و
 برقرار رہی کہ جس وقت تک پنجاب کا ملک دہلی کے تخت کا خارج گذار دایکسی بعد اس کے رفتہ رفتہ چشتانی
 گورنٹ میں باعث کاہلی و مستی و بیش پسندی و نالیاتی تخت نشینوں کے مت سافقہ اور آگیا ہو گئی ملک
 ماتہ سے نکل گئے انہیں دونوں میں اکثر حصہ پنجاب کا گورنٹ چشتانی سے منقطع ہو کر ملک ایک ایسی پرموہوت
 کی طرح ہو گیا جس کے سر پر کوئی سرپرست نہ ہوا اور خدا کے تعالیٰ کے اعجاز قدرت نے سکھوں کی قوم کو جو
 دہقان بے تمیز یعنی ترقی دینا چاہتا تھا ان کی ترقی اور تندرستی کے دونوں زمانے پچاس برس کے اندر
 اندر ختم ہو کر ان کا قصہ بھی خواب خیال کی طرح ہو گیا۔ غرض اس زمانہ میں کہ جب چشتانی سلطنت نے اپنی
 نالیاتی اور لیشی و اشتغالی سے پنجاب کے اس حصہ سے کئی دستبرداری اختیار کی تو ان دونوں میں بڑے بڑے
 زمیندار اس فوج کے خود مختار بن کر اپنے اقتدار کا مل کا نقشہ جلنے لگے سوا میں ایام میں بفضل و احسان
 انہی اس ماحز کے پرواد و صاحب مرزا گل محمد مرحوم اپنے تعلقہ زمین داری کے ایک مستقل رئیس اور
 طوائف الملوک میں سے حکمران چھوٹے سے علاقہ کے جو صرف چوراسی یا پچاسی گاؤں رکھتے تھے کامل اختیار

یروہ و من یحمل مشقال ذرۃ شذایرہ۔ یعنی اُن و نون کا چپ آخری زمانہ میں حوالتاً
کی طرف سے کوئی عظیم الشان مصلح آئے گا اور فرشتے نازل ہونگے یہ نشان ہے کہ میں ہمارے ملک اُس
کا بھلا کرنا ممکن ہے بلائی جانگی یعنی طبع متعل اور دلوں اور دماغوں کو فایز و سر پر جنبش دی جائے گی
اور خیالات عقلی اور فکری اور سمعی اور بصری پورے پورے جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے
اور زمین اپنے تمام پوچھوں کو باہر نکل دے گی یعنی انسانوں کے دل اپنی تمام استعدادات مخفیہ
کو بمنصہ ظہور لائیں گے اور جو کچھ اُن کے اندر علوم و فنون کا ذخیرہ ہے یا جو کچھ عمدہ عمدہ دلی
دماغی طاقتیں اور لیاقتیں اُن میں مخفی ہیں سب کی سب ظاہر ہو جائیں گی اور انسانی قوتوں کا
آخری پتھر نکل آئے گا اور جو جو ملکات انسان کے اندر ہیں یا جو جو جذبات اس کی فطرت میں
موجود ہیں وہ تمام ممکن قوت سے تیزتر فعل میں آجائیں گے اور انسانی جو اس کی ہر ایک نوع کی

کے ساتھ فرماں روا ہونگے اور اپنی مستقل ریاست کا کچھ پورا انتظام کر لیا اور دشمنوں کے حملے روکنے کے
لئے کافی فوج اپنے پاس رکھی اور تمام زندگی اُنکی ایسی حالت میں گذری کہ کسی دوسرے بادشاہ کے تحت
نہیں تھے اور نہ کسی کے اخراج گزار بلکہ اپنی ریاست میں خود مختار حاکم تھے اور قریب ایک ہزار کے
سوار و پیادہ اُنکی فوج تھی اور تین توپیں بھی تھیں اور تین چار سو آدمی عمدہ عمدہ مہتمم اور علماء میں
سے ان کے مصاحب تھے اور پانستھ کے قریب قرآن شریف کے حافظ و تلیف خواہ تھے جو اس جگہ قادیان
میں رہ کر تھے اور تمام مسلمانوں کو سخت تقید سے صوم و صلوة کی پابندی اور دین اسلام کے احکام پر چلنے
کی تاکید تھی اور منکرات شرعی کو اپنی حدود میں رائج ہونے نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی مسلمان ہو کر غلات
شعرا اسلام کوئی لباس یا وضع رکھتا تھا تو وہ سخت مورد عتاب ہوتا تھا اور عظیم الجمل اور غرا اور سکن کی
خبر گیری اور پرورش کے لئے ایک خاص سرمایہ نقد اور جنس کا جمع رہتا تھا جو وقتاً فوقتاً ان کو تقسیم
ہوتا تھا۔ یہ ہیں تحریرات کا خلاصہ ہے جو اس وقت کی لکھی ہوئی رسم کوئی ہیں جن کی زبانی طور پر یہ شہادتیں
بطریق مسلسل اب تک پائی جاتی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ان دنوں میں ایک وزیر سلطنت خلیفہ غیاث اللہ اولہ
نہم قادریاں آیا اور میرزا گل محمد صاحب مرحوم کے استقلال و حسن تدبیر و تقویٰ و طہارت و شجاعت و سعادت
کو کچھ کچھ تمام پر تائب ہو گیا اور کہا کہ اگر مجھ پہلے سے خبر ہوتی کہ خادیاں خلیفہ میں سے ایک ایسا ہو جناب کے

تیز زبان اور بشری عقل کی ہر قسم کی باریکد بینیاں نمودار ہو جائیں گی اور تمام دفائن و فحائن و فحائن علوم مخفیہ و فنی ستورہ کے جو چھپے ہوئے چلے آتے تھے ان سب پر انسان فتحیاب ہو جائے گا اور اپنی فکری اور عقلی تدریسوں کو ہر ایک باب میں انتشار تک پہنچا دے گا اور انسان کی تمام قوتیں بوشا و انسانی میں مختصر ہیں صد ہا طرح کی تحریکوں کی وجہ سے حرکت میں آجائیں گی اور فرشتے جو اس سلسلہ القدر میں مروصل کے ساتھ آسمان سے اترے ہوں گے ہر ایک شخص پر اس کی استعداد کے موافق خارق عادت اثر ڈالیں گے یعنی نیک لوگ اپنے نیک خیال میں ترقی کریں گے اور جن کی نگاہیں دنیا تک محدود ہیں وہ ان فرشتوں کی تحریک سے دنیوی عقل اور معاشرت کی تدبیروں میں وہ ید بیضا دکھائی دینگے کہ ایک مرد عارف متحیر ہو کر اپنے دل میں کہے گا کہ عقلی اور فکری طاقتیں ان لوگوں کو کہاں سے ملیں؟ تب اس روز ہر ایک استعداد انسانی زبان حال باتیں کرے گی کہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتیں

ایک گوشہ میں موجود ہے تو میں کوشش کرتا کہ تا وہی دہلی میں تخت نشین ہو جائے اور خاندان غلیہ تباہ ہونے سے بچ جائے غرض مرزا صاحب مرحوم ایک مرد اولیٰ العزم اور متقی اور غایت درجہ کے سید المرزا اور اول درجہ کے بہادر تھے اگر اس وقت مشیت الہی مسلمانوں کے مخالف نہ ہوتی تو بہت امید تھی کہ ایسا بہادر اور اولیٰ العزم آدمی کھول کی بلند شویش سے پنجاب کا دامن پاک کر کے ایک وسیع سلطنت اسلام کی اس ملک میں قائم کر دیتا جس حالت میں ریخت سنگھ نے باوجود اپنی قوم کی بددی ملکیت کے جو صرف نو گاؤں تھے قوم کے ہی عرصہ میں اس قدر بڑھ چکا ہے تھے جو پشاور سے لڑھانہ تک خالص ہی خالص نظر آتا تھا اور ہر جگہ بڑیوں کی طرح سکھوں کی ہی فوجیں دکھائی دیتی تھیں تو کیا ایسے شخص کیلئے یہ فتوحات قیاس سے بعید تھیں؟ جس کی گمشدہ ملکیت میں سے ابھی چوڑا ششی بلوچ ششی گاؤں باقی تھے اور ہزار کے قریب فوج کی جمعیت بھی تھی اور اپنی ذاتی شجاعت میں ایسے مشہور تھے کہ اس وقت کی شملہ قیام سے بہت ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا لیکن چونکہ خدا نے تعالیٰ نے یہی چاہا تھا کہ مسلمانوں پر اکبر بے شمار غفلتوں کی وجہ سے مجبور نازل ہو اس لئے مرزا صاحب مرحوم اس ملک کے مسلمانوں کی ہمدردی میں کامیاب نہ ہو سکے اور مرزا صاحب مرحوم کے حالات عجیبہ میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفین مذہب بھی اپنی نسبت و ولایت کا گمان رکھتے تھے اور انکی بعض خارق عادت اور عام طبعی ردوں میں نقش ہو گئے تھے

میسری طرف سے نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر
 بحسب اس کی حالت کے احمد ہی ہے یعنی صاف نظر آئے گا کہ جو کچھ انسان کے دل و دماغ کام
 کر رہے ہیں یہ اہی طرف سے نہیں بلکہ ایک غیبی تحریر ہے کہ اس سے یہ کام کر رہا ہے۔
 سو اس دن ہر ایک قسم کی قوتیں جوش میں دکھائی دینی دنیا پرستوں کی قوتیں فرشتوں کی تحریک
 سے جوش میں آکر اگرچہ بے باغ و تھان استعمال کے سچائی کی طرف رخ نہیں کریں گی لیکن
 ایک قسم کا ابال من میں پیدا ہو کر اور انجماد اور افسردگی دور ہو کر اپنی معاشرت کے طریقوں میں
 عجیب قسم کی تدریسیں اور صنعتیں اور کلیں ایجاد کر لیں گے اور ٹیکوں کی قوتوں میں خارق عادت
 طور پر الامات اور دکاشفات کا چشمہ صاف صاف طور پر ہوتا نظر آئے گا اور یہ بات شاف و فلور
 ہوگی کہ مومن کی خواب بھوٹی مکے جب انسانی قوتوں کے ظہور و بروز کا دائرہ پورا ہو جائیگا اور جو کچھ

یہ بات شاذ و نادر ہوتی ہے کہ کوئی مذہبی مخالف اپنے دشمن کی کلمات کا قائل ہو لیکن اس رتسم نے
 مرزا صاحب مرحوم کے بعض خارق عادت اہل سکھوں کے منہ سے سنے ہیں جو کے باپ دلو مخالف گروہ
 میں شامل ہو کر لڑتے تھے۔ اکثر آدمیوں کا بیان ہے کہ یہاں اوقات مرزا صاحب مرحوم مرنے کے ہزار ہزار
 آدمی کے مقابل پر میدان جنگ میں محل کران پرستے بیٹھے تھے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ ان کے نزدیک
 آئے اور ہر چند جان توڑ کر دشمن کا لشکر کوشش کرتا تھا کہ توہوں یا بندہ توہوں کی گویوں سو انکو مار دیں
 مگر کوئی گولی یا گولہ ان پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ یہ کرامت اہل کی صد ہا موانعین اور مخالفین بلکہ سکھوں کے منہ
 سے سنی گئی ہے جنہوں نے اپنے لڑنے والے باپ دلوں سے سنا جان کی تھی۔ لیکن میرے نزدیک یہ
 کچھ تعجب کی بات نہیں اکثر لوگ زمانہ دلائی جی فوجوں میں توکر رہ کر مت صاحب اپنی عمر کا طریقوں میں
 بسر کرتے ہیں اور قدرت حق سے کسی ایک خفیہ سازم بھی تھا رہا بندوق کائنات کے بدن کو نہیں پہنچتا۔
 سو یہ کرامت اگر معقول طور پر بیان کی جائے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے دشمنوں کے عملوں سے
 انہیں بچا تا رہا تو کچھ حرج کی بات نہیں اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ مرزا صاحب مرحوم دن کے وقت
 ایک پیمبریت و اوصاف کے وقت ایک باکمال عابد تھے اور معمولات اور مشروعات تھے اس زمانہ
 میں عوام میں یہ دور اسلام چک رہا تھا کہ اگر دگر کے سامنے اس قصہ کو کہہ دیتے تھے۔ لیکن

انسان کے نوع میں پوشیدہ طور پر ودیعت رکھا گیا تھا وہ سب غارِ جہنم میں جلائے گئے ہو جانے کا
تب خدا تعالیٰ کے فرشتے ان تمام راستبازوں کو جو زمین کی چار اہل طرفوں میں پوشیدہ
طور پر زندگی بسر کرتے تھے ایک گروہ کی طرح اکٹھا کر دیں گے اور دنیا پرستوں کا بھی کھلا کھلا
ایک گروہ نظر آئے گا تاہر ایک گروہ اپنی کوششوں کے ثمرات کو دیکھ لیتے ہیں تب آخر ہو جائیگی
یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بنا ابھی سے ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لئے سب سے
پہلے خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو بھیج دیا ہے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ انت اشد
مناسبتہ بعیسیٰ ابن مریم واسمہ الناس بہ خلقا وخلقوا
زماناً مگر یہ تاثیرات اس لیلۃ القدر کی اب بعد اس کے کم نہیں ہوں گی بلکہ بلا اتصال کام کرتی
ریں گی جب تک وہ سب کچھ پورا نہ ہوئے جو خدا تعالیٰ آسمان پر مقرر کر چکا ہے۔

مرزا محمد صاحب مرحوم کے عہد ریاست کے بعد مرزا عطاء محمد صاحب کے عہد ریاست
میں جو اس عاجز کے دادا صاحب تھے یکھ خدا ایک سخت انقلاب آگیا اور ان سکھوں کی بے ایمانی
اور بد فاقی اور عداوت کی وجہ سے جنہوں نے مخالفت کے بعد محض نفاق کے طور پر مصالحت اختیار
کر لیا تھا انواع و اقسام کی مصیبتیں ان پر نازل ہوئیں اور بجز قویان اور چند دیہات کے تمام
دیہات ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ بالآخر سکھوں نے قادیان پر بھی قبضہ کر لیا اور دادا صاحب مرحوم
سے اپنے تمام لواحقین کے جلاوطن کئے گئے اُس روز سکھوں نے ہانسو کے قریب قرآن شریف
آگ سے جلا دیا اور مدت ہی کتنا میں چاک کر دیں اور صاحب دین سے بعض مساجد سنا کر کیں بعض میں
اپنے گھر بنائے اور بعض کو دھرم سلاہ بنا کر قائم رکھا جواب تک موجود ہیں اس ختم کے وقت میں بسندہ
فقر اور علماء و شرفاء و خیر قادیان میں موجود تھے سب نکل گئے اور مختلف بلاد و اعمار میں جا کر
آباد ہو گئے اور یہ جگہ ان شریفوں اور بزرگوں کے لوگوں سے پُر ہو گئی جن کے خیالات میں بجز بدی
اور بدکاری کے اور کچھ نہیں تھا پھر انگریزی سلطنت کے عہد سے کچھ عرصہ پہلے یعنی ان دنوں میں جب کہ
ریجیٹ سنگھ کا غلام تسلط پنجاب پر ہو گیا تھا اس عاجز کے ملا صاحب یعنی میرزا غلام مرتضیٰ صاحب
مرحوم دوبارہ اس قصبہ میں آکر آباد ہوئے اور پھر میری سکھوں کی جو روح جفاکی نش زنی ہوتی رہی ان دنوں میں

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اُترنے کے لئے جو زمانہ انجیل میں بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ وہ حضرت نوح کے زمانہ کی طرح امن و آرام کا زمانہ ہو گا درحقیقت اسی مضمون پر سورۃ الزلزال جس کی تفسیر ابھی کی گئی ہے ولادتِ مسیحی کے طور پر شہادت دے رہی ہو کیونکہ علوم و فنون کے پھیلنے اور انسانی عقل کی ترقیات کا زمانہ درحقیقت ایسا ہی چاہیے جس میں غایت درجہ کا امن و آرام ہو کیونکہ لڑائیں اور فساد اور خوف جان اور خلائق امن و آسائش میں ہرگز ممکن نہیں کہ لوگ عقلی و عملی امور میں ترقیات کر سکیں یہ باتیں تو کامل طور پر قبیح سوچتی ہیں کہ جب کامل طور پر امن حاصل ہو۔

ہمارے علمائے جو ظاہری طور پر اس سورۃ الزلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت

ہم لوگ ایسے ذلیل و خوار تھے کہ ایک گائے کا بچہ جو دو یا ڈیڑھ روپے کو آسکتا ہے صد ہا روپہ زیادہ ہماری نسبت نظر عزت دیکھا جاتا تھا اور اس جانور کو ایک ادنیٰ فرض میں پہنچانے کی وجہ سے انسان کا خون کرنا مباح سمجھا گیا تھا صد ہا آدمی ناکردہ گناہ صرف اس شاکسے قتل کے جاتے تھے کہ انہیں نے اس جانور کے ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی جلیل ریاست کو جو یہ لوگوں کے قتل کے عوض انسان کو قتل کر ڈالتا اپنا فرض سمجھتی تھی اس کو قتل نہیں تھی کہ خدائے تعالیٰ بت عرصت تک اس کو ملت دیتا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس تنبیہ کی صورت کو مسلمانوں کے سر پہ سے مت بلایا تھا لایا اور ابرہہ کی طرح ہمارے لئے انگریزی سلطنت کو دور سے لایا اور وہ بھی اور مرارت جو سکھوں کے عہد میں ہم نے اٹھائی تھی گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ اگر ہم سب بھول گئے۔

اور ہم پر اور ہماری ذریت پر یہ فرض ہو گیا کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکر گزار رہیں۔

انگریزی سلطنت میں تین گاؤں تعلقداری اور ملکیت کا دیان کا حصہ جدی والا صاحبِ موم کو ملے جو اب تک ہیں اور حراثت کے لفظ کے مصداق کے لئے کافی ہیں۔ والا صاحبِ موم اس ملک کے محبت نزدیکی سے شمار کئے گئے تھے گورنمنٹ برطانیہ کو کسی حق تھی اور

زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئے گا اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمینوں میں
 ۱۲۹ ہر زیر و زبر ہو جائے گی اور جو زمین کے اندر چھپیں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی اور
 انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اُس روز زمین باتیں کرے گی
 اور اپنا حال بتائے گی۔ یہ سراسر غلط تفسیر ہے کہ جو قرآن شریف کے سیاق و سباق سے
 مخالف ہے۔ اگر قرآن شریف کے اس مقام پر نظر غور تدبر کرو تو صاف ظاہر ہوتا ہے
 ۱۳۰ کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورہ البینہ اور سورہ الزلزال سورۃ القدس کے متعلق ہیں اور آخری
 زمانہ تک اس کا کل حالات تیار ہی ہیں ماسوا اُس کے کہ ہر ایک عقل سلیم سوچ سکتی ہے کہ
 ایسے بڑے زلزلہ کے وقت میں کہ جب ساری زمین تہ و بالا ہو جائے گی ایسے کافر کہاں

گورنٹ برطانیہ کے وہ بچے شکر گزار اور خیر خواہ تھے جسٹس کے فدر کے ایام میں پچاس
 ۱۳۱ گھوڑے انہوں نے اپنے پاس سے خسرید کر لیا تھا اچھے جوان ہیا کر کے پچاس سوار بطور بد
 کے سرکار کو دئے اس وجہ سے وہ اس گورنٹ میں بہت ہر دل عزیز تھے اور گورنٹ کے
 اعلیٰ حکام دلجوئی کے ساتھ ان کو دتے تھے بلکہ بسا اوقات صاحبان ڈپٹی کمشنر و کمشنر مکان پر
 اگر ان کی ملاقات کرتے تھے۔ اس تمام تفسیر سے ظاہر ہے کہ یہ غلطی ایک محرز خفا ظن
 ۱۳۲ زمینداری ہے۔ جو شاہن سلف کے زمانے سے آج تک آثار عزت کسی قدر موجود رکھتا
 ہے فالحمد للہ الذی اثبت هذه العلامة اثباتاً بلیغاً
 واضحاً من عندہ۔

اور جو تھی اور پانچویں علامت کی تصریح کچھ ضروری نہیں خود ظاہر ہے اور قرآنی کو جو خدا تعالیٰ
 ۱۳۳ نے دمشق کے ساتھ مشابہت دی اور یہ بھی اپنے الہام میں خسرید کیا کہ اس طرح منہ الیزید یون
 یہ تفسیر بوجہ ان طعنون اور شرموں کی ہے جو اس تفسیر میں رہتے ہیں کیونکہ اس تفسیر میں اگرچہ لوگ
 سحرے ہوئے ہیں جن کو موت یاد نہیں۔ حقیقات دنیا کے فریب میں مکر و دھوکہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر
 انتظام گورنٹ انگریزی ماضی ہوتا تو لوگوں کے دل ہر ایک جرم کے کرنے کو تیار ہیں آقا ماثلاً
 ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے وجود سے بگڑے ہوئے ہیں اور کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے

۱۳۳ زندہ رہیں گے؟ جو زمین سے اُس کے حالات استفسار کریں گے کیا ممکن ہے کہ زمین تو
 ۱۳۴ ساری زیر و زبر ہو جائے یہاں تک کہ آؤپر کا طبقہ اندر اور اندر کا طبقہ باہر آجائے اور پھر
 ۱۳۵ لوگ زندہ بچ رہیں بلکہ اس جگہ زمین سے مراد زمین کے رہنے والے ہیں اور یہ عام محاورہ
 ۱۳۶ قرآن شریف کا ہے کہ زمین کے لفظ سے افسانوں کے حل اور انکی باطنی قوی مراد ہوتی ہیں
 جیسا کہ اشد جل شانہ ایک جگہ فرماتا ہے اعلموا ان الله یحیاکما برض بعد موتہما
 اور جیسا کہ فرماتا ہے والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ والذی یحبث

۱۳۷ میں اُن کے دلوں کو دیکھتا ہوں کہ زمانہ سے لے کر غول تا حق تک اگر موقع پائیں اُن کے نزدیک دموت
 ۱۳۸ ہاں بلکہ یہ سب کام تعریف کے لائق ہیں۔ میں اُن کے نزدیک شاید تمام دنیا سے بدتر ہوں مگر
 ۱۳۹ مجھے افسوس نہیں میرے روحانی بھائی مسیح کا قتل مجھے یاد آتا ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے
 ۱۴۰ وطن میں۔ میں سچ کتا ہوں کہ اگر یہ لوگ امام حسینؑ کا وقت جانتے تو میرے خیال میں ہر
 ۱۴۱ کمریزد اور شمر سے پہلے اُن کا قدم ہوتا اور اگر مسیحؑ کے زمانہ کو دیکھتے تو اپنی مکاریوں میں
 ۱۴۲ یہود اسکر لٹی کو پیچھے ڈال دیتے۔ خطائے تھلنے نے جو ان کو یزیدیل سے مناسبت دی
 ۱۴۳ تو بے وجہ نہیں دی اُس نے ان کے دلوں کو دیکھا کہ سیدھے نہیں اُن کے چلن پر نظر ڈالی کہ
 ۱۴۴ درست نہیں تب اس نے مجھے کہا کہ یہ لوگ یزیدی الطبع ہیں اور یہ قصبہ دمشق سے مشابہ ہے۔
 ۱۴۵ سو خطائے تھلنے نے ایک بڑے کام کے لئے اس و دمشق میں اس عاجز کو

۱۴۶ اتارا بطرف شرقی عند المنارة البیضاء من المسجد

الذی من دخلہ کان آمناً فتابک الذی انزلنی فی هذا
 المقام والسلام علی رسولہ افضل الرسل وخیر الامام۔ منہ

لا یمخج الا نكذاً ایسا ہی قرآن شریف میں ہے یسیر علی موجود ہیں جو پتھرنے والوں
 پر پوشیدہ نہیں ماسوا اس کے روحانی و عقلی کاظم ہر ہوتا اور ان کے ساتھ فرشتوں
 کا آنا ایک روحانی قیامت کا نمونہ ہوتا ہے جس سے مردوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے
 اور جو قبروں کے اندر ہیں وہ باہر آ جاتے ہیں اور نیک اور بد لوگ اپنی منزلوں پر پہنچتے
 ہیں۔ سو اگر سورۃ الزلزہ کو قیامت کے آثار میں قرار دیا جائے تو اس میں بھی کچھ شک نہیں
 کہ ایسا وقت روحانی طور پر ایک قسم کی قیامت ہی ہوتی ہے خدائے تعالیٰ کے تائید یافتہ
 بندے قیامت کا ہی روپ بن کر آتے ہیں اور انہیں کا وجود قیامت کے نام پر موعود ہو سکتا
 ہے جن کے آنے سے روحانی موعودے زندہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور نیز اس میں
 بھی کچھ شک نہیں کہ جب ایسا زمانہ آجائے گا کہ تمام انسانی طاقتیں اپنے کمالات کو
 ظاہر کر دکھائیں گی اور جس حد تک بشری عقول اور افکار کا پرواز ممکن ہے اس حد تک
 وہ پہنچ جائیں گی اور جن مخفی حقیقیوں کو ابتدا سے ظاہر کرنا مقدر ہے وہ سب ظاہر ہو جائیں گی
 تب اس عالم کا دائرہ پورا ہو کر یک دفعہ اس کی صف لیٹ دی جائے گی۔

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك والجلال والاکرام

ہمارا مذہب

روحانی فرقان و پیغمبریم ۵ ہمیں آدمیم و ہدیں بگندیم
 ہمارے مذہب کا خلاصہ اور باب الہاب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
 ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق ہاں تعالیٰ
 اس عالم گذشتوں سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت میتھو مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے الکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبت تمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب الہی ہے اور ایک شے یا نقطہ اس کی شراحت اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام مغایب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقائی کی ترمیم یا منسوخ یا کسی ایک حکم کے تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراحت و مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ راہ راست کے اعلیٰ مدارج و معجز اقتدا اس امام الرسل کے حاصل ہو سکیں کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت اور قرب کا بھروسہ اور کامل حقیقت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے ہیں جو کچھ ملتا ہے قلیل اور غلیل طور پر ملتا ہے اور ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ جو راستہ باز اور کامل لوگ شرف و محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو کر تکمیل منازل سلوک کر چکے ہیں ان کے کمالات کی نسبت بھی ہمارے کمالات اگر ہیں حاصل ہوں بطور ملل کے حاق ہیں اور ان میں بعض ایسے جزئی فضائل ہیں جناب ہمیں کسی طرح سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ غرض ہمارا ان تمام باطل پر ایمان ہے جو قرآن شریف میں نجات ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کی طرف سے لائے اور تمام محدثات اور بدعات کی تم ایک فاش ضلالت اور جہنم تک پہنچانے والی راہ یقین رکھتے ہیں مگر افسوس کہ ہماری قوم میں ایسے لوگ بہت ہیں جو بعض حقائق اور معارف قرآنیہ اور حقائق آثار نبویہ کو جو اپنے وقت پر بذریعہ کشف والہام زیادہ تر صفائی سے کھلتے ہیں محدثات اور بدعات میں ہی غافل کر لیتے ہیں حالانکہ معارف و حقیقہ قرآن و حدیث ہمیشہ الٰہی کشف پر کھتے رہے ہیں

۱۷۱

۱۷۲

اور علماء وقت اُن کو تسبیح کرتے رہے ہیں لیکن اس زمانہ کے اکثر علماء کی یہ عجیب عادت ہے کہ اگر خدا نے تعالیٰ کا اہام ولایت جس کا کبھی سلسلہ منقطع نہیں اپنے وقت پر بعض مجلس مکاشفات نبویہ اور استعارات سرستہ قرآنیہ کی کوئی تفسیر کرے تو نظر انکار و استہزاء اس کو دیکھتے ہیں حالانکہ مصلحت میں ہمیشہ یہ حدیث پڑھتے ہیں کہ قرآن شریف کھیلنے نظر و بطن دونوں میں اور اس کے عجائبات قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے اور ہمیشہ اپنے منہ سے اقوال کرتے ہیں کہ اکثر اکابر محدثین کثوف و الہامات اولیاء کو حدیث صحیح کے قائم مقام سمجھتے رہے ہیں۔ ہم نے جو سال فتح اسلام اور تو ضعی مرام میں اس اپنے کشفی و الہامی امر کو شائع کیا ہے کہ مسیح موعود سے مراد یہی عاجز ہے میں نے مشاہدے کے بعض ہمارے علماء اس پر بہت افرغتہ ہوئے ہیں اور انہوں نے اس بیان کو ایسی بدعات میں سے سمجھ لیا ہے کہ جو خارج اجماع اور برائیات عقیدہ متفق علیہا کے ہوتی ہیں حالانکہ ایسا کرنے میں ان کی بڑی غلطی ہے۔

اول تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہماری ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو بلکہ صدائے گویوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں جس زمانہ تک یہ پیش گوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہیں تھا اور جبہ بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا۔ اور پیش گوئیوں کے بارہ میں یہ ضروری نہیں کہ وہ ضرور اپنی ظاہری صورت میں ہی پوری ہوں بلکہ اکثر پیش گوئیوں میں ایسے ایسے اشارے مشہور ہوتے ہیں کہ قبل از ظہور پیش گوئی خود نبیاء کو ہی چند پر وہ وحی نازل ہو جس میں نہیں آسکتے چہ جائیکہ دوسرے لوگ ان کو یقینی طور پر سمجھ لیں۔ دیکھو جس حالت میں ہمارے سید و مولیٰ آپ اس بات کا اصرار کرتے ہیں کہ بعض پیش گوئیوں کو جس نے کسی اور صورت پر سمجھا اور قوموں کا کسی اور صورت پر ہوا۔ تو پھر دوسرے لوگ کو فرض کے طور پر ساری امت ہی کیوں نہ ہو کب ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں غلطی نہیں۔ سلف صالح ہمیشہ اس طریق کو پسند کرتے رہے ہیں

کہ بطور اجمالی پیشگوئی پر ایمان لے آویں اور اس کی تفصیل یا اس بات کو کہ وہ کس طور سے ظہور پذیر ہوگی حوالہ بخدا کریں اور میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ اقرب بامین جس سے ایمان سلامت رہ سکتا ہے یہی مذہب ہے کہ محض الفاظ پیشگوئی پر زور نہ ڈالا جائے اور تحکم کی راہ سے یہی دعویٰ نہ کیا جائے کہ ضرور اس کا ظہور ظاہری صورت پر ہی ہوگا۔ کیونکہ اگر خدا نخواستہ انجام کار ایسا نہ ہوا تو پھر پیشگوئی کی صداقت میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہو کر ایمان ہاتھ سے گیا۔ ایسی کوئی وصیت یا خبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی کہ تم نے پیشگوئیوں کو ظاہر ہو کر حاصل کرتے رہنا کسی استعارہ یا تاویل وغیرہ کو ہرگز قبول نہ کرنا جب سمجھنا چاہیے کہ جب کہ پیشگوئیوں کے سمجھنے کے بارہ میں خود انبیاء سے امکان غلطی ہے تو پھر امت کا کوئی اتفاق یا اجماع کیا جیسز ہے۔

۱۷۳

ماسوا اس کے ہم کئی دفعہ بیان کر آئے ہیں کہ اس پیشگوئی پر اجماع امت بھی نہیں۔ قرآن شریف قطعی طور پر اپنی آیات، بینات میں سچ کے قوت ہو جانے کا قائل اور ہمیشہ کھلے اس کو شہادت کرتا ہے۔ بخاری صاحب اپنی صحیح میں صرف امامکم منکم کہہ کر چُپ ہو گئے ہیں یعنی سچ بخاری میں صرف یہی سچ کی تعریف لکھی ہے کہ وہ ایک شخص تم میں سے ہوگا اور تمہارا امام ہوگا۔ ہاں و مشق میں عند المنارہ کرنے کی حدیث مسلم میں موجود ہے مگر اس پر اجماع امت ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بھی ثابت ہونا مشکل ہے کہ مسلم کا وہ حقیقت یہی مذہب تھا کہ و مشق کے لفظ سے کچھ بھی و مشق مراد ہے اور اگر ایسا فرض بھی کر لیں تو فقط ایک شخص کی رائے ثابت ہوئی۔ مگر یہ پیشگوئیوں کے بارہ میں جبکہ خدائے تعالیٰ کے پاک پیروں کی رائے اجماعی غلطی پر معصوم نہیں ہو سکتی تو پھر مسلم صاحب کی رائے کیونکر معصوم ٹھہرے گی۔

۱۷۴

میں پھر دوبارہ کہتا ہوں کہ اس بارہ میں عام خیال مسلمانوں کا گو ان میں بولیاد بھی داخل ہوں اجماع کے نام سے مہوم نہیں ہو سکتا مسلمانوں نے صورت پیشگوئیوں کو مان لیا ہے ان کی طرف سے یہ ہرگز دعویٰ نہیں اور نہ ہونا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ اس بات پر تدار نہیں

کہ شاید اس پیشگوئی کے ایسے تفصیل مخفی ہوں جو اب تک کلمے نہیں درحقیقت تمام انبیاء کا یہی مذہب ہے کہ وہ پیشگوئی کی اصل حقیقت کو خدا تعالیٰ کے وسیع علم پر چھوڑتے ہے ہیں اسی وجہ سے وہ مقدس لوگ باوجود بشارتوں کے پانے کے پھر بھی دعا سے دستبردار نہیں ہوتے تھے جیسا کہ بدر کی لڑائی میں فتح کا وعدہ دیا گیا تھا مگر ہمارے سید و مولیٰ رو رو کر دعائیں کرتے رہے اس خیال سے کہ شاید پیشگوئی میں کوئی ایسے لمحو مخفی ہوں یا دو کچھ ایسے شرط کے ساتھ وابستہ ہوں جن کا علم ہم کو نہیں دیا گیا اور یہ دعویٰ کہ تمام صحابہ و اہل بیت اسی طرح ملتے چلتے آئے ہیں جیسا کہ ہم یہ باطل لغو اور بلا دلیل ہے۔ فرد فرد کی رائے کا خدا ہی کو علم ہو گا کسی نے ان سب کے اظہار تکھرب قلب بند کئے ہیں یا کب کسی نے اپنے منہ سے ان کے بیانات شکر شائع کئے ہیں یا وجودیکہ صحابی و تنہا ہزار سے بھی کچھ زیادہ تھے مگر اس پیشگوئی کے روایت کرنے والے شاید دو ہزار تک تکلیف تو تکلیف اور ان کی روایت بھی عام طور پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ بخاری جو حدیث کے فن میں ایک ناقد بصیر ہے ان تمام روایات کو معتبر نہیں سمجھتا یہ خیال ہرگز نہیں ہو سکتا کہ بخاری جیسے جند و جہد کرنے والے کو وہ تمام روایات رطب و یابس پہنچی ہی نہیں بلکہ صحیح اور قرین قیاس بھی ہے کہ بخاری نے ان کو معتبر نہیں سمجھا۔ اُس نے دیکھا کہ دوسری حدیثیں اپنی ظاہری صورت میں اہل حکم و منکر کی حدیث سے معارض ہیں اور یہ حدیث فلاح و نجات کی صحت پر پہنچ گئی ہے اس لئے اُس نے ان مخالف المفہوم حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ کر اپنی صحیح کو ان سے برتر نہیں کیا۔

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ہرگز خیر القرن کا اس امر پر اجماع ثابت نہیں ہو سکتا کہ ضرور حضرت مسیح و مشق میں ہی نازل ہونگے کیونکہ بخاری امام فن نے اس حدیث کو نہیں لیا یہاں پر اس حدیث کا مخالف^{۱۳۵} ہے اور بجا آئے و مشق کے بیت المقدس لکھتا ہے اسی طرح کسی کے منہ سے کچھ نکل رہا ہے اور کسی کے منہ سے کچھ پس اجماع کامل ہے ؟ اگر فرض کے طور پر اجماع بھی ہوتا تو پھر بھی کیا حرج تھا کیونکہ ان مرد گول نے کب

دعویٰ کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور معنی نہیں ہو سکتے بلکہ وہ تو مسنون و متفقہ امیل کو حوالہ بخدا کرتے رہے ہیں۔

مگر یہ بھی ہم بخوبی ظاہر کر چکے ہیں کہ اس پیش گوئی کو صرف نیا ہی الفاظ تک محدود رکھنے میں بڑی بڑی مشکلات ہیں قبل اس کے جو کہ آسمان سے اُتوے مدد یا اعتراض پہلے ہی سے اُتر رہے ہیں ان مشکلات میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور ہمیں اس بات کی کیا حاجت؟ کہ ابن مریم کو آسمان سے اُتارا جائے اور ان کا نوٹ کے الگ ہونا عجیب نہ کیا جائے اور ان کی اس طرح پر تحقیق کی جلتے کہ کس شخص امامت کیے اور وہ پیچھے مقتدری نہیں اور اور دوسرا شخص اُن کے ردِ رد لوگوں سے بیعت امامت و خلافت لے اور وہ ہدایتِ حسرت دیکھتے رہیں اور احمد المسلمین بن کر اپنی نبوت کا دم نہ مار سکیں اور ہم اس قریب الشک بلکہ سرِ الشک سے بھرے ہوئے کلمے کو کیوں منہ سے بولیں کہ وہ تعالیٰ کی عطا کیے ہوئے کی طرح اپنے اقتدار سے مردوں کو زندہ کرے گا اور صریح صریح خدا کی علامتیں دکھلاوے گا اور کوئی اُسے یہ نہیں کہیگا کہ اے ایک چشم خدا پہلے تو اپنی آنکھ درست کر کیا وہ تو حیدر و اسلام نے ہمیں سکھائی ہے ایسی قدرتیں کسی مخلوق میں روا رکھتی ہے کیا اسلام نے ایسی باتوں کو اپنے پیروں کے پیچھے کھل نہیں دیا؟ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک خردِ جمال بھی گویا ایک حصہ خدا کی کار رکھتا ہے اور کہتے ہیں کہ اُس خرد کا پیدا کرنا والا تعالیٰ ہی ہے۔ پھر جبکہ وہ جمالِ محیی و حمیت اور خالق بھی ہے تو اس کے خدا ہونے میں کس کی گنجی؟ اور اس گدھے کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ مشرق و مغرب میں ایک روز میں سیر کر سکے گا مگر ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ وہ جمال سے مراد با قبل تو ہیں ہوں اور گدھا تو کا یہی ریل ہو جو مشرق اور مغرب کے ملکوں میں ہزار ہا کو سول تک چلتے دیکھتے ہو پھر سرِ سج کے بارہ میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کیا طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں غنبدیں گے کہ جبکہ تیس یا چالیس فی صد فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسمِ عنصری کے ساتھ

آسمان تک کیونکر پہنچ گئے اور کیا یہ مخالفوں کے لئے ہنسنے کی جگہ نہیں ہوگی کہ علیہ اول اور اخیر کے اختلاف کی وجہ یہ بیان کی جاتے کہ تغیر عمر کے سبب علیہ میں فرق آگیا ہوگا۔

ایک اور بات ہمارے علمائے کرام کے لئے غور کے لائق ہے کہ احادیث میں صرف ایک دلیل کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے دلائل لکھے ہیں اور لکھنا چاہیے کی مثال پر تدریجی نظر ڈال کر یہ بات آسانی سمجھ آسکتی ہے کہ عیسیٰ کے لفظے مثیل عیسیٰ مراد ہونا چاہیے اس ہماری بات کو وہ حدیث اور بھی تائید دیتی ہے جو مثیل مصطفیٰ کی نسبت ایک پیش گوئی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں **مصلیٰ** کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں ایسے لفظ ہیں جن سے بصراحت یہ پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی میں اپنے ایک مثیل کی خبر سے رہے ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ہماری خلق اور خلق میں میری مانند ہو گا یواضحیٰ اسمہ اسمیٰ واسمہ ابیہ اسمہ ابی یعنی میرے نام عیسا اس کا نام ہو گا اور میرے باپ کے نام کی طرح اس کے باپ کا نام۔ اب دیکھو کہ خلاصہ اس حدیث کا یہی ہے کہ وہ میرا مثیل ہو گا اس صورت میں ایک ماننا کو نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ جیسے حدیث میں ایک مثیل مصطفیٰ کا ذکر ہے ویسا ہی مثیل مسیح کا ذکر بھی ہو۔
 دیکھ کہ ایک بزرگ مثیل مصطفیٰ اور دوسری جگہ خود حضرت مسیح ہی آجائیں گے۔ فتدبر۔

اب ظاہر ہے کہ جس قدر ہم نے اپنے الہامی عقیدہ کی تائید میں دلائل عقلی و نقلی و شرعی لکھے ہیں وہ ہمارے اثبات مدعا کے لئے کافی ہیں اور اگر اس جگہ ہم بطور فرض محال تسلیم بھی کر لیں کہ ہم بکلی شہادت ہمیشہ آمدہ کا تصفیہ نہیں کرسکتے تو اس میں بھی اہل اہل کلمہ حرج نہیں کیونکہ الہام الہی و کشف صحیح ہمارا مؤید ہے اس لئے اسی قدر ہمارے لئے کافی ہے۔
 ایک متدین عالم کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ الہام اور کشف کا نام شکر چُپ ہو جاتے اور نہ ہی چون و چل سے باز آجائے مگر مخالف الرائے لوگوں کے ہاتھ میں بعض اعلویش کی رو سے کچھ دلائل ہیں تو ہمارے پاس ایسے نقلی و شرعی دلائل ان سے کچھ تھوڑے نہیں مگر قرین قرین

ہمارے ساتھ ہے اُن کے ساتھ نہیں۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہماری مؤیدیں انکی مؤید نہیں۔
 علاوہ اس کے معقولی ولائل جو تجارب فلسفہ و طبیعہ کے لئے گئے ہیں وہ سب ہمارے پاس
 ہیں اُن کے پاس ایک بھی نہیں۔ اور ان تمام امور کے بعد امام ربانی و کشف اسمانی ہمارے
 بیان کا شاہد ہے اور اُن کے پاس اس اصرار پر کوئی ایسا شاہد نہیں۔

اس جگہ ہم اس بات کا لکھنا بے محل نہیں سمجھتے کہ امام اور کشف کی تحت اور دلیل ہونے
 کے قائل اگرچہ بعض خشک متکلمین اور اصولی نہ ہوں لیکن ایسے تمام محدث اور صوفی جو معرفت
 کامل اور تفرقہ تام کے رنگ سے رنگین ہوئے ہیں بدوق تمام قائل ہیں اس بارہ میں
 ہمارے دوست مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ
 اشاعت السنہ نمبر ۱۱ جلد ۱ میں بہ بسط تمام بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ از جملہ امام عبد اللوہ کا
 شعرانی کی کتاب میزان کبریٰ اور فتوحات شیخ محی الدین کا جو مولوی صاحب
 موصوف نے بتائید اپنی رائے کے ذکر کیا ہے اُن میں جو کسی قدر ناظرین کیلئے لکھتے ہیں۔

امام صاحب اپنی کتاب میزان کے صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں کہ صاحب کشف مقام یقین
 میں مجتہدین کے مساوی ہوتا ہے اور کبھی بعض مجتہدین سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ وہ اسی چشمہ
 سے چلگو بھرتا ہے جس سے شریعت نکلتی ہے۔

اور پھر امام صاحب اس جگہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ صاحب کشف اُن علوم کا محتاج
 نہیں جو مجتہدین کے حق میں اُن کی صحت اجتہاد کے لئے شرط ٹھہرائے گئے ہیں اور صاحب
 کشف کا قول بعض علماء کے نزدیک آیت اور حدیث کے مانند ہے۔

پھر صفحہ ۳۲ میں فرماتے ہیں کہ بعض حدیثیں محدثین کے نزدیک محل کلام ہوتی ہیں
 مگر اہل کشف کو ان کی محنت و مطالعہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اصحابی کا لُجُوم کی حدیث محدثین کے
 نزدیک جرح سے خالی نہیں مگر اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

پھر صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جو کلام اہل کشف کو

رد کرے نہ عقلی نہ نقلی و شرعی۔ کیونکہ کشف کی خود شریعت مؤید ہے۔

پھر صفحہ ۸۸ میں فرماتے ہیں کہ بہتیرے علویہ دانشمندی سے مشتہر ہو چکا ہے کہ وہ آنحضرت صلعم سے عالم ارواح میں یا بطور کشف ہم مجلس ہوتے اور ان کے ہمعصروں نے ان کے دعوے کو تسلیم کیا۔

پھر امام حسین صاحب نے ان لوگوں کے نام لئے ہیں جن میں سے ایک امام محدث جلال الدین سیوطی بھی ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق جلال الدین سیوطی کا دستخطی ان کے صحبتی شیخ عبدالقادر شافعی کے پاس پایا جو کسی شخص کے نام خط تھا جس نے ان سے بادشاہ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی سو امام صاحب نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں تصحیح احادیث کے لئے جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں حاضر ہوا کرتا ہوں چنانچہ اس وقت تک پچھتر دفعہ حالت بیداری میں حاضر خدمت ہو چکا ہوں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں بادشاہ وقت کے پاس جانے کے سبب اس حضور سے رک جاؤں گا تو قطع میں جاتا اور تمہاری سفارش کرتا۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے جو فتوحات میں لا سبارہ میں لکھا ہے اس میں سے بطور خلاصہ یہ مضمون ہے کہ اہل ولایت بذریعہ کشف آنحضرت صلعم سے احکام پوچھتے ہیں اور ان میں سے جب کسی کو کسی واقعہ میں حدیث کی حاجت پڑتی ہے تو وہ آنحضرت صلعم سے علیہ وسلم کی زیارت کے مشرف ہو جاتا ہے پھر جب نزل علیہ السلام نازل ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت جبریل سے وہ مسئلہ جس کی ولی کو حاجت ہوتی ہے پوچھ کر اس ولی کو بتلاتے ہیں یعنی خلقی طور پر وہ مسئلہ بہ نزل جبریل منکشف ہو جاتا ہے۔ پھر شیخ ابن عربی نے فرمایا ہے کہ ہم اس طریق سے آنحضرت صلعم سے احادیث کی تصحیح کرا لیتے ہیں بہتیری حدیثیں ایسی ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ

ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں موضوع ہیں اور
آنحضرت کے قول سے بذریعہ کشف کے صحیح ہو جاتی ہیں تم کلام

اور فتوحات مکبہ میں ابن عربی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اہل ذکر و خلوت پر وہ
علوم لدنیہ کھلتے ہیں جو اہل نظر و استدلال کو حاصل نہیں ہوتے اور یہ علوم لدنیہ اور
اسرار و معارف انبیاء و اولیاء کے مخصوص ہیں اور جنید بغدادی کو نقل کیا ہے
کہ انہوں نے تیس سال اس درجہ میں گزارے کہ بہتیرے حاصل کیا ہے اور ابو یزید بسطامی
نے نقل کیا ہے کہ علماء نے علم مردوں سے لیا ہے اور ہم نے زندہ سے جو
خدا تعالیٰ ہے۔ تم کلام

ایسا ہی مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب نے رئیس محدثین حضرت شاہ ولی اللہ
قدس سرہ کے کلمات قدسید اس بارہ میں بہت کچھ لکھے ہیں اور دوسرے علماء و فقہاء کی
بھی شہادتیں دی ہیں مگر ہم ان سب کو اس رسالہ میں نہیں لکھ سکتے اور نہ لکھنے کی
کچھ ضرورت ہے الہام اور کشف کی عزت اور پایہ عالیہ قرآن شریف کے ثابت ہے وہ
شخص جس نے کشتی کو توڑا اور ایک معصوم بچہ کو قتل کیا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے
وہ صوف ایک ملہم ہی تھا نبی نہیں تھا۔ الہام اور کشف کا مسئلہ اسلام میں ایسا ضعیف
نہیں سمجھا گیا کہ جس کا نورانی شعاع صوف عوام الناس کے منہ کی پھونکوں سے منطقی ہو سکے
یہی ایک صداقت و اسلام کے لئے وہ اعلیٰ درجہ کا نشان ہے جو قیامت تک بے نظیر
شان و شوکت اسلام کی قلب ابر کر رہا ہے یہی تو وہ خاص برکتیں ہیں جو غیر مذہب و لہلوی
میں پائی نہیں جاتیں۔ ہمارے علماء اس الہام کے مخالف ہیں کراحدیث نبویہ کے مکتذب
ٹھہرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر ایک مجدد
کا آنا ضروری ہے اب ہمارے علماء کہہ رہے ہیں ہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف

بتلاویں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدا تعالیٰ سے الہام پا کر جحد ہونے کا دعویٰ کیا ہے یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہو رہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشاء ہے کہ وہ مجدد خدائے تعالیٰ کی طرف سے آئے گا یعنی علوم لدنیہ و آیات سماویہ کے ساتھ۔ اب بتلاویں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر کون آیا جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا کوئی الہامی دعاوی کے ساتھ تمام مخالفوں کے مقابل پر ایسا کھڑا ہوا جیسا کہ یہ عاجز کھڑا ہوا۔ تفکروا و تسد مواد اتقوا اللہ ولا تغلوا اور اگر یہ عاجز سیح موعود ہونے کے دعویٰ میں غلطی پر ہے تو آپ لوگ کچھ کوشش کریں کہ سیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہیں دنوں میں آسمان سے اتر آوے کیونکہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں اور میرے دعویٰ کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر ہی آوے۔
 ۵۵ تا میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح ابن مریم جلد آسمان سے اترے دکھائی دیں اگر آپ حق پر ہیں تو یہ دعا قبول ہو جائے گی کیونکہ اہل حق کی دعا مبطلین کے مقابلہ میں قبول ہو جایا کرتی ہے لیکن آپ یقیناً سمجھیں کہ یہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی کیونکہ آپ غلطی پر ہیں سیح تو آچکا لیکن آپ نے اس کو شناخت نہیں کیا اب یہ امپر موبوم آپ کی ہرگز پوری نہیں ہوگی یہ زمانہ گزر جائے گا اور کوئی ان میں سے سیح کو اترتے نہیں دیکھے گا۔

حالانکہ تیرھویں صدی کے اکثر علماء چودھویں صدی میں اس کا ظہور معین کر گئے ہیں اور بعض تو چودھویں صدی والوں کو بطور وصیت یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اگر ان کا زمانہ پاؤ تو ہمارا اسلام علیکم انہیں کہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب ریس المحدثین ہی انہیں ہی کہیں۔ بالآخر ہم یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی نور بھی

سج کا شیل بن کر آوے کیونکہ نبیوں کے مشیل ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہتے ہیں
 بلکہ خدائے تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری
 ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں سج سے مشابہت ہوگی وہ مسلمان
 سے اترے گا اور زمین والہ کی راہ سیدھی کرے گا وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا
 اور ان کو جو شہادت کے زنجیروں میں مقید ہیں رٹائی دیگا۔ فرزند لبستہ گرامی
 وارجمنہ مظہر الحق والصلاء کان اللہ نزل من السماء لیکن یہ عاجز
 ایک خاص پیش گوئی کے مطابق جو خدائے تعالیٰ کی مقدس کتابوں میں پائی جاتی
 ہے سج موعود کے نام پر آیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔

گویم سخن اگر چہ ندامت بادورم
 کل برگزیدہ راز و صدق مظہر
 حیف است گر بیدہ نہ بیند نظر
 ز انساں کہ آمد است در اخبار و رم
 سید جدا کند ز سحائے احمر
 یوں خود ز مشرق است خجستی تیرم
 عیسیٰ کجاست تابہ نہد پامنبہ رم

جایکہ از سج و نزولش سخن رود
 کا نذر دلم دید خداوند کردگار
 موعودم و بحلیہ ماوراء آدم
 رنگم چون گم است و بوفرق بین است
 امیں مقدم نہ جار شکوشت التباس
 از کلمہ منارہ شرقی عجب مدار
 لینک منم کہ حسب بشارات آدم

۱۵۹ آنرا کہ حق بجنّت خلش مقام داد
 چوں کافر از ستم پیرستد سج را
 بر و یک نظر بجانب فرقان ز غور کن
 یارب کجاست محرم راز مکاشفات
 آن قبلہ رونمود بگیتی بچار دم
 جوشید آن چنان کرم منبع فیوض
 ۱۶۰ اے معترض بخوف الہی صبور باش
 آخر نخواندہ کہ گمان نکو کنسید
 بر من چراکشی تو چنین خجسته زباں
 ۱۶۱ مأمورم و مرا چہ دیرں کار اختیار
 اے آنکہ سقوی من بدویدی بعد تر
 حکم است ز اسمال بزین میرسانش
 ۱۶۲ چوں بر خلاف وعدہ برؤل آرد از ارم
 غیور بی خدا بسرش کرد ہم سرم
 تا بر تو منکشف شود این راز مضمرم
 تا نور باطنش خبر آرد ز خجستم
 بعد از مہزار و تسکنت افکن در حرم
 ۱۶۳ کا مدندائے یار زہر کوئے و معبرم
 تا خود خدا عیان کن دال نور اخترم
 چوں میری برون حد و حدش برادرم
 از خود نیم ز قادر ذوالجہد اکبرم
 ۱۶۴ روایں سخن بگو بہ خداوند آمرم
 از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم
 گر بشنوم نگویش آں را کجا برم

۱۶۳
اے قوم من بگفتہ من تنگدل مباش

من خود گویم ایں کہ بہ لوح خدا ہمیں است

در تنگنای حیت و فکر من قوم خویش

۱۶۴
نہ چشم مانده است نہ گوش نہ نویدل

بدگفتنم ز نوع عبادت شمرده اند

اے دل تو نیز خاطر اینان گاہ دار

۱۶۵
اے منکر پیام سر و شش و ندائے حق

جانم که اخت از غم بمانیے عزیز

خواهی که روشنت شود احوال صدق ما

۱۶۶
گوش دلم بجانب تکفیر کس کجاست

از طعن دشمنان خبر چوں شود مرا

من میزیم و محی خدائے کہ بل من است

از اول چنین جوش بسیں تا بہ آخرم

گر طاقت محو کن آن نقش داورم

یارب عنایتی که ازین فکر مضطرم

جز یک زبان نشان که نیز زویدم

در چشم شاں پدید ترا زهر مزورم

کاخر کنند دعویٰ حقیقت ہمیںم

از من خطا میں کہ خطا در تو بسنگرم

و این طعن سر تر کہ من بگمان تو کافرم

روشن دلی نخواه از ازل ذات ذوالکرم

من مست جامہائے عنایات بلبرم

کاند خیال دوست خواب خوش اندم

پیغام دوست بول نفس روح پورم

^{۱۷۶} من رخت بردہ ام بجاالت یار خویش
 عشقش بتار و پود دل مجنوں شد آ
 راز محبت من او فاش گر شد
 ابنائے روزگار ندانند راز من
 بعد از رہم ہر آنچہ پسندید هیچ نیست
 ہر خطہ میخویم ز جام وصال دوست
 باد بہشت بر دل پر سوز من و زود
 بد بوئے حاسداں نہ سازند ذیل یمن
 کارم ز قرب یار بجائے رسید است
 پایم ز لطف یار بخت خضر یہ است
 جو شس اجایش کہ بوقت دعا بود
 ہر سوئے و ہر طرف رخ آں یار بگرم

^{۱۷۷} دیگر خبر میرس از من تیرہ کشورم
 ہر ش شد است در رو دین مہر انورم
 بسیار تین کہ جلال بفشانند و بریں درم
 من نور خود ہفتہ ز چشمان شہرم
 بد قسمت آنکہ در نظرش هیچ محترم
 ہر دم امیں یار علی رغم مست کرم
 صد نگہمت لطیف و ہر دود مجہرم
 من ہر زماں ز نافہ یادش معظرم
 کا بنجا رفہم و دانش باغبان برترم
 وار فضل آں حبیب بدست ساغر
 زلال گو نہ زایم نشنید است مادر م
 آں دیگرے کجاست کہ آید بخاطر م

وقتے بہریندم کہ ازین خاک بگذرم
 هست آرزو کہ تیر بروم ہم دیں سترم
 یارب نجات بخش ازین روز پر شرم
 کامروز تر شد است ازین درد بستم
 دریاب چونکہ جز تو نماد است دیگرم
 این شب مگر تمام شود روز محشرم
 و از عالمان کج کہ گرفتند چنبرم
 ہر عالم و فقیہ شد بچو چاکرم
 بے بہرہ این کسل ز کلام مؤثرم
 این علم تیرہ را بہ پیشینے نیخرم
 عدوے بگریہ یاد کند وقت خوشترم
 تا دست خود بجز بہر تو گستم

اے حسرت این گروہ عنبر ز الہ مرانید
 گر خون شد است گل ز غم و دل چید
 ہر شب ہزار غم بمن آید ز درد قوم
 یارب باب چشم من این کسل فلان شو
 دریاب چونکہ آب ز بہر تو بچیم
 تاریکی غموم با خبر نمی رسد
 دل خون شد است از غم این قوم ناشناس
 گر علم خشک و کوری باطن نہ زوے
 برنگ میکند اثر این منطقہ مگر
 علم آں بود کہ نور فرست یقی است
 امروز قوم من نشناسد مقام من
 اے قوم من بعد نظر توئے غیب دار

۱۴۱

۱۴۲

۱۴۳

اگر تھو خاک پیش تو قدرم بود چہ باک ^{۱۴۵}
 لطفت فضل او کہ نواز د و گر نہ من
 زانگونہ دست او دلم از غیر خود کشید
 بعد از خدا بعشق محمد ^{۱۴۶} خسترم
 ہر تار و پود من بسراید عشق او
 من در حسیم قدس چراغ صد اتم
 ہر دم فلک شہادت صدقم ہمیدہ ^{۱۴۷}
 واللہ کہ ہمچو کشتی تو جسمم کردگار
 این آتش کہ دامن آفریناں بسوخت
 من تیرم رسول دنیاوردہ ام کتاب ^{۱۴۸}
 یارب بترایم نظر کن بلطف فضل
 جانم فدای شود برو دین مصطفیٰ

چوں خاک کے کا زخس و خاشاک کترم ^{۱۴۵}
 کہ رم نہ آدمی صدف استم نہ گوہرم
 کوئی گئے نہ بود دگر در تصورم
 کہ کفر لیں بود بخدا سخت کافر ^{۱۴۶} م
 از خود تھی و از غم آں ہستال پریم
 دستش محافظ است زہر با و صرم
 نہ نیم کد ام غم کہ زین گشت میں کرم ^{۱۴۷}
 میدلت آنکہ دوبرماند زلس گرم
 انو بسر چارہ اش بخدا نہر کو روم
 اہل ظلم استم و ز خداوند منذر م ^{۱۴۸}
 بخودست رحمت تو دگر کیست یاورم
 این است کام دل اگر آید میترم

۱۴۹ قریب تے با من و نزدیک تے بسعادت کون لوگ ہیں
کیا وہ لوگ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح معبود ہونا
مان لیا یا وہ لوگ مسیح جو کہ ہو گئے



واضح ہو کہ یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح معبود ہونا مان لیا ہے وہ لوگ ہر ایک خطرہ کی حالت کے محفوظ اور محصوم ہیں اور کئی طرح کے ثواب اور اجر اور قوت ایسانی کے وہ مستحق ٹھہر گئے ہیں۔

اول یہ کہ انہوں نے اپنے بھائی پر سن ظن کیا ہے اور اس کو مفتری یا کذاب نہیں ٹھہرایا اور اس کی نسبت کسی طرح کے شکوک فاشدہ کو دل میں جگہ نہیں دی اس وجہ سے اس ثواب کا انہیں استحقاق حاصل ہوا کہ جو بھائی پر نیک ظن رکھنے کی حالت میں ملتا ہے۔

دوسری یہ کہ وہ حق کے قبول کرنے کے وقت کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے نہیں ڈرے اور نہ نفسانی جذبات مان پر غالب ہو سکے اس وجہ سے وہ ثواب کے مستحق ٹھہر گئے کہ انہوں نے دعوت حق کو پا کر اور ایک ربانی مناد کی آواز سن کر یہ ختم کو قبول کر لیا اور کسی طرح کی روک سے رک نہیں سکے۔

تیسری یہ کہ یہ گنہگار کے مصلحت پر ایسا ظن لانے کی وجہ سے وہ ان تمام دلوں سے غلطی پا گئے کہ جو انظار کرتے کرتے ایک دلوں پیدا ہو جاتے ہیں اور آخری اس کی حالت میں ایمان دور ہو جانے کا موجب ٹھہرتے ہیں اور ان سعید لوگوں نے نہ صرف خطرات مذکورہ بالا سے غلطی پائی بلکہ خدائے تعالیٰ کا ایک نشان دہاں اس کے نبی کی پیش گوئی اپنی زندگی میں پوری

ہوتی دیکھ کر ایمانی قوت میں بہت ترقی کر گئے اور ان کے سماعی ایمان پر ایک معرفت کا رنگ آ گیا۔ اب وہ ان تمام حیرتوں سے چھوٹ گئے جو ان پریش گوئیوں کے بارہ میں دلوں میں پیدا ہوا کرتی ہیں جو پوری دنیا میں نہیں آتیں۔

چوتھی یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ کے پیچھے ہوئے بندہ پر ایمان لا کر اس سنگھار و غضب الہی سے بچ گئے جو ان نافرمانوں پر ہوتا ہے کہ جن کے حصہ میں بجز تکذیب و انکار کے اور کچھ نہیں۔

پانچویں یہ کہ وہ ان فیوض اور برکات کے مستحق ٹھہر گئے جو ان مخلص لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو حسن ظن سے اس شخص کو قبول کر لیتے ہیں کہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

یہ تو وہ فوائد ہیں کہ جو انشاء اللہ الکریم ان سید لوگوں کو بفضلہ تعالیٰ لیں گے جنہوں نے اس عاجز کو قبول کر لیا ہے لیکن جو لوگ قبول نہیں کرتے وہ ان تمام سعادتوں سے محروم ہیں اور ان کا یہ وہم بھی لغو ہے کہ قبول کرنے کی حالت میں نقصان دین کا اندیشہ ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ نقصان دین کس وجہ سے ہو سکتا ہے۔ نقصان تو اس صورت میں ہوتا کہ اگر یہ عاجز بر خلاف تعلیم اسلام کے کسی اور نئی تعلیم پر چلنے کے لئے انہیں مجبور کرتا۔ مثلاً کسی حلال چیز کو حرام یا حرام کو حلال بتلاتا یا ان ایمانی عقائد میں جو

نجات کے لئے ضروری ہیں کچھ فسق و افتاد یا یہ کہ علوم و مسلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ اعمال شریعہ میں کچھ بڑھاتا یا گھٹا دیتا مثلاً پانچ وقت کی نماز کی جگہ دن و رات کی نماز دیتا یا دو وقت ہی رہنے دیتا یا ایک عینہ کی جگہ دو عینے کے روزے فرض کر دیتا یا اس سے کم کی طرف

توجہ دلاتا تو بے شک سراسر نقصان بلکہ کفر و خسران تھا لیکن جس حالت میں یہ عاجز بار بار یہی کہتا ہے کہ اے بھائیو! میں کوئی نیادرین یا نئی تعلیم لے کر نہیں آیا بلکہ میں بھی تم میں ہوں اور تمہاری طرح ایک مسلمان ہوں اور ہم مسلمانوں کے لئے بجز قرآن شریف کے اور کوئی دیکھی کتاب نہیں جس پر عمل کریں یا عمل کرنے کے لئے دوسروں کو ہدایت دیں اور بجز

جناب ختم المرسلین احمد عربی صلعم کے اور کوئی ہمارے لئے ہادی اور مقتدا نہیں جس کی پیروی ہم کریں یا دھڑکوں سے کرنا چاہیں تو پھر ایک مدت میں مسلمان کیلئے میرے اس دعوے پر ایمان لانا جس کی الہام آئی پر بنا ہے کوئی اندیشہ کی جگہ ہے بفرض محمل اگر میرا یہ کشف اور الہام غلط ہے اور جو کچھ مجھے حکم ہو رہا ہے اُس کے سمجھنے میں میں نے دھوکہ کھایا ہے تو ماننے والے کا اس میں سچ ہی کیا ہے کیا اُس نے کوئی ایسی بات مان لی ہے جس کی وجہ سے اُس کے دین میں کوئی رخنہ پیدا ہو سکتا ہے اگر ہماری زندگی میں سچ کچھ حضرت مسیح ابن مریم ہی آسمان سے اتر آئے تو دل ماشا و وحش ہم ماروٹیں ہم اور ہمارا گروہ سب سے پہلے ان کو قبول کرنے کا اور اس پہلی بات کے قبول کرنے کا بھی ثواب پائے گا جس کی طرف محض نیک فہمی اور خدا تعالیٰ کے خوف سے اُس نے قدم اٹھایا تھا بہر حال اس غلطی کی صورت میں بھی (اگر فرض کیا جائے) ہمارے ثواب کا قدم آگے ہی رہا اور ہمیں دو ثواب ملے اور ہمارے مخالف کو صرف ایک۔ لیکن اگر ہم سچے ہیں اور ہمارے مخالف آئندہ کی امیدیں باندھنے میں غلطی پر ہیں تو ہمارے مخالفوں کا ایمان سخت خطرہ کی حالت میں ہے۔ کیونکہ اگر سچ کچھ انہوں نے اپنی زندگی میں حضرت مسیح ابن مریم کو بڑے استقبال و جلال کے ساتھ آسمان سے اترتے دیکھ لیا اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ فرشتوں کے ساتھ اترتے چلے آتے ہیں تب تو ان کا ایمان سلامت رہا ورنہ دوسری صورت میں یہ ممکن سلامت رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اگر اخیر زندگی تک کوئی آدمی آسمان سے اترتا نہیں دکھائی نہ دیا بلکہ اپنی ہی طیاری آسمان کی طرف چلنے کے لئے ٹھہر گئی تو ظاہر ہے کہ کیا کیا شکوک و شبہات ساتھ لے جاتیں گے ایسی صداقت کی پیش گوئی کے بارہ میں کیا کیا دساؤں دل میں پڑیں گے اور قریب ہے کہ کوئی ایسا سخت و سوسہ پڑ جائے کہ جس کے ساتھ ایمان ہی برپا نہ ہو۔ کیونکہ یہ وقت انجیل اور احادیث کے اشارات کے مطابق وہی وقت ہے جس میں سچ اترنا چاہیے ہی وہ جسے سلف صلح میں سے بہت سے صاحب کشف و کشف کے

آنے کا وقت چھوڑ دیں صدی کا شروع سال بتلا گئے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب
محدث دہلوی قدس سرہ کی بھی یہی رائے ہے اور مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے بھی
اپنے ایک رسالہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور اکثر محدثین اس حدیث کے معنی میں کہ جو آیات
بعد الماتین سے اسی طرف گئے ہیں۔ اگر یہ کہو کہ مسیح موعود کا آسمان پر دمشق کے
منارہ کے پاس اترنا تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے تو اس کا جواب میں اسی رسالہ میں
لکھ چکا ہوں کہ اس بات پر ہرگز اجماع نہیں قرآن شریف میں اس کا کہاں بیان ہو ہاں تو
صرف موت کا ذکر ہے بخاری میں حضرت یحییٰ کی روح کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی روح کو دوسرے
آسمان پر بیان کیا ہے اور دمشق میں اترنے سے اعراض کیا ہے اور ابن ماجہ صاحب
بریت المقدس میں ان کو نالال کر رہے ہیں اور ان سب میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا
کہ یہ تمام الفاظ و اسما غضا ہر وہی محمول ہیں بلکہ صرف صورت پیشگوئی پر ایمان لے آئے
ہیں پھر اجماع کس بات پر ہے۔ ہاں تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا آنا ایک اجماعی
عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔ سو اگر یہ عاجز مسیح موعود نہیں تو پھر آپ لوگ مسیح موعود کا آسمان پر
اتار کر دکھا دیں۔ صالحین کی اولاد ہو مسجد میں بیٹھ کر تضرع اور زاری کروں گا کہ عیسیٰ بن مریم
آسمان سے فرشتوں کے کا ندھوں پر اتھر رکھے ہوئے قشربین لادیں اور تم سچے ہو جاؤ ورنہ
کیوں ناحق پٹنی کرتے ہو اور زیر الزام آیت کہ **يَمْحُكُم بِمَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ**
آتے ہو خدا کے تعالے سے ڈرو۔

لطیفہ چند روز کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا
کا جو آیات بعد الماتین سے ایک یہ بھی منشاء ہے کہ تیرہویں صدی کے
اواخر میں مسیح موعود کا ظہور ہو گا اور کیا اس حدیث کے معنوم میں بھی یہ عاجز داخل ہے
تو مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام کے اعداد حروف کی طرف دلائل گئی کہ دیکھ ہی
مسح ہے کہ جو تیرہویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا پہلے ہی تاریخ

ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی اور وہ یہ نام ہے غلام احمد قادیانی اس نام کے مدد پر
تین ستر سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا غلام احمد نام نہیں بلکہ
میرے محل میں دلا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی
نام نہیں اور اس عاجز کے ساتھ اکثر یہ غلوٹ اٹھ جا رہی ہے کہ وہ سچا اور بعض اسرار اعداد و حروف
توحہ میں میرے پر ظاہر کر دیتا ہے۔ ایک دفعہ میں نے آدم کے سن پیدائش کی طرف توجہ کی تو
مجھے اشارہ کیا گیا کہ ان اعداد پر نظر ڈال جو سورۃ القصص کے حروف میں ہیں کہ انہیں میں کو وہ تاریخ نکلتی ہے۔
ایک مرتبہ میں نے اس مسجد کی تاریخ جس کے ساتھ یہ امکان ملتی ہے الہامی طور پر معلوم کرنی
چاہی تو مجھے الہام ہوا مبارک و مبارک و کل امر مبارک یجعل فیہ یہ وہی مسجد ہے جس
کی نسبت میں اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں کہ یہ امکان اس قصبہ کے شرقی طرف آبادی کے آخری
کنارہ پر واقع ہے اسی مسجد کے قریب اور اس کے شرقی منارہ کے نیچے میساکہ ہمارے
سید مولوی کی پیش گوئی کا مضمون ہے صلے اللہ علیہ وسلم۔

اور ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد توحہ
میں مجھے خبر دی جس کا حاصل یہ ہوا کہ کلاب یحیٰ موت علی کلاب یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مر گیا
جو پچاس سال پر حالات کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر باطن سال سے تجاوز نہیں کرے گی جب باطن سال
کے اندر قدم دھرے گا تب اسی سال کے اندر اندر وہ اپنی ملک بقا ہو گا۔

اب پھر میں تقریباً ایک طرف رجوع کر کے کتا ہوں کہ ہمارا اگر وہ ایک سید گروہ ہے جس نے
اپنے وقت پر اس زندہ ماحول کو قبل کر لیا ہے جو اسلحہ اور زمین کے غلام نے سچا ہوا اور ان کے حلوں نے
قبل کر نہیں کچھ ہنگامی نہیں کی کیونکہ وہ سید تھے اور خدا تعالیٰ نے اپنے لئے انہیں چن لیا تھا یعنی توحہ
نے انہیں قوت دی اور دوشن کو انہیں دی اور انکا سینہ کھل دیا اور دوشن کا نہیں کھولا سو جنہوں نے
لے لیا انہیں اور بھی دیا جائیگا اور ابھی برصغیر ہوگی مگر جنہوں نے انہیں لیا ان کو وہ بھی لیا جائیگا جو ان کے
پس پہلے تھا بہت سے استبدادوں نے ان کو لیا کہ اس زمانہ کو دیکھیں مگر وہ نہ سکے مگر انہیں کلان لوگوں نے

دیکھا مگر قبول نہ کیا انکی حالت کو میں کس قوم کی حالت تشبیہ و تمثیل انکی نسبت یہ تھی شبیکہ اتنی بڑی کہ ایک بادشاہ نے لپٹے وعدہ کے موافق ایک شہر میں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کر کے بھیجا تا وہ فی کس کو تحقیق مطلع کیں ہے اور تا فرماں کوئی اور تا ان تمام جھگڑوں کا تصفیہ بھی ہو جائے جو ان میں واقع ہو رہے ہیں چنانچہ وہ حاکم عین اس وقت میں جبکہ اس کے آنے کی ضرورت تھی آیا اور اس نے اپنے آقا کے ناظر کا پیغام پہنچا دیا اور سب لوگوں کو راہ راست کی طرف بلایا اور اپنا حکم ہوتا ان پر ظاہر کر دیا لیکن وہ اس کے ملازم سرکاری ہونے کی نسبت شک میں پڑ گئے تب اس نے ایسے نشانی دکھائے جو ملازموں سے ہی خاص ہوتے ہیں مگر انہوں نے نہ مانا اور اسے قبول نہ کیا اور اس کو کہتے ہیں کہ اس کی نظر سے دیکھا اور اپنے نہیں بڑا بھلا اور اس کا حکم ہونا اپنے لئے قبول نہ کیا بلکہ اس کو پکڑ کر بے عزت کیا اور اس کے منہ پر تھوکا اور اس کے مارنے کے لئے دوڑے اور بہت سی تحقیر و تذلیل کی اور بہت سی سخت زبانی کے ساتھ اس کو جھٹلایا تب وہ ان کے ہاتھ سے وہ تمام آزار اٹھا کر جو اس کے حق میں مقتدر تھے اپنے بادشاہ کی طرف واپس چلا گیا اور وہ لوگ جنہوں نے اس کا راسخا بڑا حال کیا کسی اور حاکم کے آئیے منتظر بیٹھے رہے اور بہت سی باتیں خیال باطل ہو گئیں رہے کہ یہ تو حاکم نہیں تھا بلکہ وہ شخص ہے جو ایسا بگاڑی انتھاری ہیں کہ ان کے چاہیے سو وہ سارا دن اس شخص کی انتظار کئے گئے اور اٹھا اٹھ کر دیکھتے رہے کہ کب آتا ہو اور اس وعدہ کا باہم ذکر کرتے رہے جو بادشاہ کی طرف سے تھا یہاں تک کہ انتھار کرتے کرتے سو بجی غروب ہونے لگا اور کوئی نہ آیا آخر شام کے قریب بہت سے پولیس کے سپاہی آئے جن کے ساتھ بہت سی ہتھیاروں بھی تھیں سوانہوں نے آتے ہی ان شرمندوں کے شہر کو پھونک دیا اور پھر سب کو پکڑ کر ایک ایک کو ہتھکڑی لگا دی اور عدالت شاہی کی طرف بجرم عدول بھی اور مقابلہ ملازم سرکاری چلان کر دیا جہاں سے انہیں وہ سزائیں مل گئیں جن کے وہ سزاوار تھے۔

سو میں بھیج گئے ہیں کہ یہی حال اس زمانہ کے جھاکار سنگھوں کا ہوگا ہر ایک شخص اپنی زبان اور قلم اور ہاتھ کی شامت سے پکڑا جائیگا جس کے کان سننے کے ہوں سننے۔

۱۹۰ علمائے ہند کی خدمت میں نمانامہ

اے برادرانِ دین و علمائے شیعہ متین! آپ صاحبانِ میری ان محرومات کو متوجہ ہو کر سنیں کہ اس عاجز نے بوٹیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سُنا گیا ہو بلکہ یہ وہی پرانا امامِ ہر جو میں نے خدائے تعالیٰ سے پاکر براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر تصریح درج کر دیا تھا جس کے شائع کرنے پر سات سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گزر گیا ہو گا میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ کے خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں جن کی تصریح انہیں رسالہ میں کر چکا ہوں میری زندگی کو مسیح ابن مریم کی زندگی سے اشتداد مشابہت ہے اور یہ بھی میری طرف سے کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی کہ میں نے ان رسالہ میں اپنے تئیں وہ موعود ٹھہرایا ہے جس کے آنے کا قرآن شریف میں اجمالاً اور احادیث میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے کیونکہ میں تو پہلے بھی براہین احمدیہ میں تصریح لکھ چکا ہوں کہ میں وہی مثیل موعود ہوں جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہو چکی ہے۔ تعجب کہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحبِ بٹالوی اپنے رسالہ اشاعت المسندہ نمبر ۶ جلد سات میں جس میں براہین احمدیہ کا ریویو لکھا ہے ان تمام اہامات کی اگرچہ ایمانی طور پر نہیں مگر امکانی طور پر تصدیق کر چکے اور بدل و جان ملان چکے ہیں مگر پھر بھی سنا جاتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب موصوف کو بھی اور لوگوں کا شور اور غوغا دیکھ کر

۱۹۴

۱۹۵

سنلقی فی قلوبہم الرعب قل جاءکم نور من اللہ - اپنے نشانوں اور عجائبات کے قادیان کے قریب آتا رہا
 فلا تکفروا ان کنتم مؤمنین ہے اور سچائی کے ساتھ آتا رہا اور سچائی کے ساتھ آتا رہا اور
 والذین آمنوا ولم یلبسوا اس کے رسول کے وعدے جو قرآن اور حدیث میں تھے
 ایمانہم بظلم اولئک آج سچے ہو گئے اور خدائے تعالیٰ کا وعدہ اور امر ایک
 لہم الا من وہم مہتدون اور ہم نے اپنے سلف صالح سے اسکو نہیں سنا - انکو کہہ کہ خدا تعالیٰ
 ویخوفونک من دونہ کی شان عجیب ہے تم اسے اسرار تک پہنچ نہیں سکتے جسکو چاہتا
 ائمة الکفر ثبت یدہا ہوا اپنے منہ میں سمجھ لیتا ہے اس کے پاس اپنے بندوں
 ابی لہب وتب ما کان کی کچھ کمی نہیں اور اس کے کاموں کی اس سے کوئی باز پرس نہیں
 لہ ان یدخل فیہا الا کر سکتا کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہیں کیا اور وہ اپنے
 خائف و ما اصابہ فمن اللہ الفتنۃ بندوں کے افعال و افعال کی باز پرس کرتا اور مقرر ہے ہم ان کے
 ھمنا فا صبر کما اوللہم الرعب ڈال دیئے انکو کہدے کہ یہ نور اللہ تعالیٰ کی
 صبر اولوا العزم اکا طرفہ کیا ہوا اگر تم مومن ہو تو اس سے انکار مت کرو اور وہ
 انھا فتنۃ من اللہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ظلم کو نہیں لایا وہ اپنی
 لیحب حباجما حباً کی حالت میں ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں اور انکو ہر طرف سے پیشوا
 من اللہ العزیز اکاکرم تجھے ڈرائیئے ہلاک ہوئے دونوں ہاتھ اپنی لہجے اور آپ بھی
 وفی اللہ اجرک ویرضی ہلاک ہوا اُسے نہیں چاہیئے تھا کہ اس معاملہ میں بیاری ہو اپنے تئیں
 عنک ربک ویتما اسمک داخل کرنا بلکہ ڈرتا اور کچھ تجھے لوگوں کی باتوں سے آزار پہنچے گا
 وان لم یعصمک الناس وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اس جگہ اپنی لہجے
 فیعصمک اللہ من عندہ مراد ایسے لوگ ہیں کہ جو مخالفانہ تحریر میں کے لئے بغیر بغیر کا کامل

وما کان اللہ لیتوکلک حتی یمیز الخبیث من الطیب وعلی ان تکرموا شیئا وهو خیر لکم و اللہ یعلم و انتم لا تعلمون رب اغفر واسرحم من السماء رب انی مغلوب فانتصر ایلی ایلٰی لما سبقتی رب انی کیف تحیی الموتی رب لا تذرنی فردا و انت خیر الوارثین ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفا تحین بشری لک یا احمدی انت مرادی ومعی غریبت کرامتک بیدی انت وجیه فی حضرتی	کے کھڑے ہو جائینگے اور لا تقف ما لیس لک بہ علم کی نہی سے نہیں ڈریں گے اور احسن ظن کی پےھا نہیں رکھیں گے اور متشابہات امر تفنا زعم فیہ کو حوالہ بخدا نہیں کریں گے۔ پھر فرمایا کہ جب لوگ مخالفت پر آمادہ ہو جائینگے تو یہ ایک آزمائش کی جگہ ہوگی پس اسوقت تو صبر کر جیسا کہ اولو العزم رسول صبر کرتے رہے ہیں یاد رکھ کہ میں بجانب اللہ آزمائش ہے تا وہ کامل طور پر تجھ سے محبت کرے یہ وہ محبت ہے جو خداوند غالب اور بہت بزرگ کی طرف سے تیرا اجر خدا دیکھا اور تیرا رب تجھ سے راضی ہوگا اور تیرا نام پورا کرے گا اور خدا تجھے بچا لے گا اگرچہ لوگ تیرے بچانے سے دریغ ہی کریں اور خدا ایسا نہیں ہو کہ قبل اسے جو نبیث اور طیب میں فرق کر کے دکھلائے تجھے چھوڑ دیوے اور ایسا ہو سکتا ہو کہ تم ایک امر کو جو تم پر وارد ہو کر وہ سمجھو اور تمہارے دل کو اچھا نہ لگے مگر دراصل وہ تمہارے لئے اچھا ہوا اور خدا تعالیٰ حقیقت اسرار جانتا ہو اور تم نہیں جانتے رہے میرے رب میرے گناہ بخش اور آسمان سے مجھ پر رحم نازل کر اور میرے لئے کھڑا ہو کہ میں مغلوب ہوں اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا دیارِ ایشہ اس مشابہت کی طرف سے کہ جو اس عاجز کو حضرت مسیح سے جو کیونکہ ایلٰی ایلٰی دعا و حقیقت مسیح نے اپنی تنگی کے وقت کی تھی اور پھر اس عاجز کی طرف سے خدا تعالیٰ نے الہامی طور پر یہ دعا ظاہر کی کہ مجھے دکھلا کر تو کیونکر مردوں کو زندہ کرتا ہو یہ بھی مسیحی مشابہت کی طرف اشارہ ہے اور پھر اس عاجز کی طرف سے الہامی طور پر یہ دعا ظاہر کی کہ مجھے کیسا ملت چھوڑا اور تو خیر الوارثین جو مجھ میں اور میری قوم میں بچا فیصلہ کر تو خیر الفا تحین ہے۔ اے میرے احمد تجھے بشارت ہو
---	---

اخترتك لنفسى شانك

عجيب، و اجرتك قريب الارض

والسمااء معك كما هو معي

جری اللہ نے

حلل الانبياء

لا تحف انتك انت الاعلى

ينصرك الله في مواطن ان

يومى بفضل عظيم كتب الله

لا غلبن انا ورسلى الا ان

حزب الله هو الغلبون

تو میری ہر اد اور میرے ساتھ ہے میں نے تیری کرامت

کا درخت ثابت اور مستحکم کر دیا تو میری درگاہ میں وحی پہ

میں نے تجھے اپنے لئے چنا تیری شان عجیب اور تیرا اجر

قريب ہے۔ تیرے ساتھ زمین و آسمان ایسا ہے جیسا کہ وہ

میرے ساتھ ہے۔ تو خدا کا پہلوان ہے نبیوں کے مخلوق میں

مت خوف کر کہ غلبہ تجھ کو ہے۔ خدا کئی میدانوں میں تیری

مدد کرے گا۔ میرا دن بڑے فیصلہ کا دن ہے۔ میں نے

لکھ چھوڑا ہے کہ ہمیشہ میں اور میرے رسول ہی غالب

رہیں گے۔ یاد رکھ کہ خدا کا ہی گروہ غالب رہا کرتا ہے۔

یہ وہ الہامات ہیں جو براہین میں صفحات مذکورہ بالا میں ہم لکھ چکے ہیں۔ جو
صراحتاً و کمائیاً اس عاجز کے قبل موعود ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

ہاں براہین میں اس بات کا الہامی طور پر کچھ فیصلہ نہیں کیا گیا کہ حضرت مسیح ابن مریم
کے نزول کے جو لوگ منتظر ہیں کہ وہی مسیح مجبشت سے نکل کر فرشتوں کے کنہوں پر ہاتھ
رکھے ہوئے آسمان سے زمین پر اتر آئیں گے اس کی اصل حقیقت کیا ہے بلکہ میں نے براہین
میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ
کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آج کل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔

سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھ دیا تھا کہ میں صرف مثیل موعود ہوں۔
اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے لیکن جب مسیح آئے گا تو اس کی ظاہری اور سماوی
دو نقلی طور پر خلافت ہوگی۔ یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی
کی وجہ سے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے

۱۹۷

۱۹۸

لازم ہے کیونکہ جو لوگ خدائے تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر مٹائے نہیں ہوتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے اسی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک خدائے تعالیٰ کی طرف سے بعض عبادات کے ادا کرنے کے بارہ میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی تب تک اہل کتاب کی سنسن دہن پر قدم مارنا باہتر جانتے تھے اور بروقت نزول وحی اور دریافت اہل حقیقت کے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ سو اسی لحاظ سے حضرت مسیح بن مریم کی نسبت اپنی طرف سے براہین میں کوئی بحث نہیں کی گئی تھی۔ اب جو خدا تعالیٰ نے حقیقت امر کو اس عاجز و پرظاہر فرمایا تو عام طور پر اس کا اعلان از بس ضروری تھا لیکن مجھے اگر کچھ افسوس ہے تو اس زمانہ کے اُن مولوی صاحبان پر ہے کہ جنہوں نے قبل اس کے جو میری تحریر پر غور اور غور کی نگاہ کیوں رد لکھنے شروع کر دیے ہیں مصنفین اور محققین خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر حال کے بعض مولوی صاحبوں نے مجھے اپنی دیرینہ رائے کا مخالف ٹھہرایا ہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ درحقیقت اتنی بڑی مخالفت نہیں ہے جس پر اتنا شور مچایا گیا۔ میں نے صرف شیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف شیل ہو نامیرے پر ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی شیل مسیح آجائیں ہاں اس زمانہ کے لئے میں شیل مسیح ہوں اور دوسرے کی انتظار بے سود ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ کچھ میرا ہی خیال نہیں کہ شیل مسیح بہت ہو سکتے ہیں بلکہ احادیث نبویہ کا بھی یہی فساد پایا جاتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا کے اخیر تک قریب تیس کے دجل پیدا ہوں گے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تین دجل کا آنا ضروری ہے تو بحکم **لِكُلِّ دَجَالٍ عِيسَىٰ** تین مسیح بھی آنے چاہئیں پس اس بیان کے رد سے ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس کی حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت

کے ساتھ نہیں آیا اور ویشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر علماء کے لئے اشکال ہی کیا ہے ممکن ہے کہ کسی وقت ان کی یہ مراد بھی پوری ہو جائے بل ان کی یہ خاص مراد کشف الدماء و عقلا و فرقاناً مجھے پوری ہوئی نظر نہیں آتی کہ وہ لوگ سچائی کی دن حضرت مسیح ابن مریم کو آسمان سے اترتے دیکھ لیں گے سو انہیں اس بات پر ضد کرنا کہ ہم تب ہی ایمان لائیں گے کہ جب سچ کو اپنی آنکھوں سے آسمان سے اترتا ہوا مشاہدہ کریں گے ایک خطرناک ضد ہے اور یہ قل ان لوگوں کے قل سے ملتا جلتا ہے جن کا خود ذکر اللہ جل شاد نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ وہ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللّٰهُ جَهَنَّمَ کَتَمَتْ اَنْفُسُہُمْ اور ایمان لانے سے بے نصیب رہے۔

اب میں نصیحتاً شہ اپنے عزیز علماء کی خدمت میں صحیحین کی وہ حدیثیں عرض کرنا چاہتا ہوں جن کی نسبت ان کا یہ خیال ہے کہ ان سے ہمارا دعویٰ مسیح ابن مریم کے آسمان سے اترنے کا بخوبی ثابت ہوتا ہے اور جن پر زور مار کر وہ بار بار کہہ رہے ہیں کہ انکو اپنے دعاوی کی ان احادیث کی رو سے ڈگری ملتی ہے سو وہ حدیثیں مع ترجمہ کے ذیل میں لکھتا ہوں۔

ترجمہ

صحیح بخاری صفحہ ۴۹۰

والذی نفسی بیدہ
لیوشکن ان یمنزل
فیکم ابن مریم حکماً
عدلاً فیکم الصلیب
ویقتل المنافزیر ویضع
الحرب کیف انا تم انزل
ابن مریم فیکم واما مکم منکم
یعنی قسم ہر اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہو کہ تم میں ابن مریم
نازل ہوگا اور تمہارے ہر ایک کے لئے مختلف فیہ کا عدالت کے ساتھ فیصلہ کریگا
اور باطل پرستوں کو الگ اور حق پرستوں کو الگ کر دیگا پس وہ اسی حکم
ہوئے گی جسے صلیب کو توڑیگا اور خنزیر قتل کو ماریگا اور روز کے
جھگڑوں کا خاتمہ کر دیگا۔ تمہارا اُس دن کیا حال ہوگا جس دن ابن مریم
تم میں نازل ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے وہ تمہاری ایک
امام ہوگا اور تم میں سے ہی اُسے امتی لوگوں پیدا ہوگا۔

یہاں تک بخاری کی حدیث کا ترجمہ ہو چکا اور آپ لوگوں نے سمجھ لیا ہو گا کہ امام بخاری صاحب امامکم منکم کے لفظ سے کس طرف اشارہ کر گئے ہیں الحاصل یہ کہ فی الواقعہ اب مسلم کی حدیث کا ترجمہ متوجہ ہو کر سنیں اور وہ یہ ہے۔

ترجمہ

صحیح مسلم

وعن النّوّاس بن سَمْعَانَ اور نوّاس بن سَمْعَانَ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر میری زندگی میں دجال نکل آوے تو میں تمہارے والد دجال فقال ان يخرج و سامنے اس سے جھگڑوں گا یہ فقرہ آئندہ کی پیشگوئی کو جو ضرور سچ ہو گا کہ انما فيكم فانما يخرجوه دونكم کے نازل ہونے کے وقت دجال نکلے گا ضعیف کرتے ہیں بلکہ اس سے وان يخرج ولست فيكم معلوم ہوتا ہے کہ دراصل دجال کے نکلنے کی کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا گیا۔ فكل امرء حجيجه فكم تب ہی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود پر بھی دجال نفسہ واللہ خليفتي ہونے کا گمان کیا تھا۔ اُس وقت سچ کہاں تھا؟ اور پھر فرمایا اگر علیٰ كل مسلم اثمہ دجال نکلا اور میں تم میں نہ ہوا تو ہر ایک شخص اپنی ذات پر اُس سے شاب قطط عينه لٹے گا یعنی دلائل عقلیہ و شرعیہ کے ساتھ۔ اور فرمایا کہ میرے بعد طایفہ کافی اُشبہتہ خدا نے تعالیٰ ہر ایک مسلمان پر میرا خلیفہ ہے اور پھر فرمایا کہ اس بعبد العزّی ابن کے بال بہت مڑے ہوئے ہیں اور آنحضرت پھولی گویا میں قطن فمن ادسا کہ (عالم کشف میں) عبد العزّی ابن قطن کے ساتھ اس کو نشیہ دیتا ہوں۔ منکم فليقرء عليه تشریح

فواخ سورة الكهف تا علی قاری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو خطاب فانها جواركم من فتنة یا کشف کی حالت میں دیکھا تھا اور چونکہ وہ ایک مثالی عالم ہے اسلئے

و حاشیہ بانی ہائی اس تمام روایت کا صرف نوّاس بن سَمْعَانَ ہی کو کوئی نہیں ہے یہ بات نہایت عجیب ہے کہ اس روایت کی نسبت اجماع صحابہ کا خیال کیا جاتا ہو اور تقریب معلوم ہو گا کہ یہ اور روایتوں کے برخلاف ہے۔ منہج

انہ خارج خلۃ بین الشام والعراق فحاث یمینا وعات شمالا یاعباد اللہ فاثبتوا قلنا یا رسول اللہ مال بشہ فوالارض قال اربعون یوماً

آنحضرت صلعم نے اس کا علیہ بیان کرنے کے وقت لفظ کافی یعنی گویا کا لفظ بتا دیا تا اس بات پر دلالت کر سکے کہ یہ روایت حقیقی روایت نہیں بلکہ ایک امر تعبیری طلب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی پر مصلح رستہ کی بہت سی حدیثیں یقینی اور قطعی دلالت کر رہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت عیسیٰ اور وہابی کی نسبت امور معلوم ہوئے تھے وہ حقیقت میں سب مکاشفات نبویہ تھے جو اپنے محل پر مناسب تاول و تعبیر رکھتے ہیں انہیں میں سے یہ دمشق حدیث بھی ہے جو سلم نے بیان کی ہے جس کا اس وقت ہم ترجمہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس بیان پر کہ یہ تمام پیش گوئیاں مکاشفات نبویہ ہیں اور رؤیا صالحہ کی طرح بالترتیب قرائن محتاج تعبیر ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات مقدسہ شاہد ناطق ہیں جیسا کہ یہ حدیث مندرجہ ذیل جو صحیحین میں درج ہے اور وہ یہ ہے۔

وعن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رأیتنی اللیلۃ عند الکعبۃ فرایت رجلاً آدم کاحسن ما انت رأی من قل کالغیث استدرتہ الريح فیاتی علی القوم فیدعوهم فیؤمنون بہ فیاہل السامۃ فتمطروا الارض فتغبت فتروح علیہم سارحتہم اطول ما کانت

نہ

۳۵

ذریٰ واسبغہ ضرعاً و امدہ ثم
یا اقوم فیدعوهم فیردون
علیہ قولہ فیمنعتہم فیصنمون
ممنعین لیس یالیدہم شیء
من اموالہم و یمیر بالخربۃ فیقول
لہا اخرجی کنوزک فتتببعہ
کنوزہا کی عاسیبالعل^{۲۰۴} شہدوہ و جلا
ممتلاً شباباً فیضیہ بالسیف
فیقطع جزلتین رمیتہم للخرن ثم
یدعوہ فیقبل ویتهلل وجہہ
یضحک فبینما ہو کذلک اذ یبش
العلیہ المسیح ابن مریم فینزل
عند المنارۃ البیضاء شرقی دمشق
بین مہزودتین واضعاً کفہ
علی اجنحتہ ملکین اذا طاطا
لا یسقطہ و اذا رفعہ تحدرد
منہ مثل جمان حکاللولوہ
فلایحل لکافر یجد من ریح^{۲۰۵}
نفساً کلامات و نفسہ ینتہی
حیث یشقی طوقہ فیطلبہ حتی
یلد کہ بباب لد فیقتلہ

من الناس با بن قطن واضعاً یدہ علی منکبہ
رجلین یطوف بالبیۃ فسألت من هذا فقالوا
هذا المسیح الدجال متفق علیہ و فیروایۃ
قال فی الدجال رجل احمر جسیم جعد الراس
اعور العین الیمنی اقرب الناس بہ
شہا ابن قطن۔

یعنی عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج کی رات خواب میں یا ازراہ
مکاشفہ اپنے تئیں کعبہ کے پاس دیکھا اور وہاں مجھے ایک شخص
گندم گون نظر آیا جس کا رنگ گندم گون مردوں میں سے
اول درجہ کا معلوم ہوتا تھا اور اس کے ہال ایسے صاف حلوم
ہوتے تھے کہ جیسے کنگھی کی ہوتی ہے اور اُن میں سے پانی پلکتا ہے
اور میں نے دیکھا کہ وہ شخص دو آدمیوں کے مونڈھوں پر بٹکیہ
کر کے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے پس میں نے پوچھا
کہ یہ کون ہے تو مجھے کہا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہے پھر اُنسی
خواب میں ایک شخص پر میں گدلا جس کے بال ٹسے ہوئے
تھے اور وہ اپنی آنکھ اُس کی کافی تھی گویا آنکھ اُس کی انگو
ہے پھر بھولا ہوا بے نور اُن لوگوں کی بہت شاہ تھا جو میں
نے ابن قطن کے ساتھ دیکھے ہیں اور اس نے دونوں ہاتھ
دو شخصوں کے مونڈھوں پر رکھے ہوئے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کر رہا
تھا اور میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا کہ یہ مسیح دجال ہے۔

اب اس تمام حدیث پر نظر غور ڈال کر معلوم ہو گا کہ جو کچھ مطلق حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اشتعال اس حدیث میں درج ہیں اور جو خبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح طور پر اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ یہ میرا ایک مکاشفہ یا ایک خواب ہے پس اس جگہ سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق و حلب حدیث جو پہلے ہم لکھ آئے ہیں وہ حقیقت وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خواب ہی ہے جیسا کہ اُس میں یہ اشارہ بھی کافی کا لفظ بیان کر کے کیا گیا ہے اور یہ حدیث جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاف اور صریح طور پر فرماتے ہیں کہ میرا یہ ایک کشف یا خواب ہے اس کو بخاری اور مسلم دونوں نے اپنی صحیحین میں لکھا ہے اور علماء نے اس جگہ ایک اشکال پیش کر کے کہ یہ لطیف طور پر اس کا جواب دیا ہے جو ہمارے دعویٰ کا ایسا مؤید ہے کہ گویا ہم میں اور ہمارے مخالفین میں فیصلہ کرنے والا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو متفق علیہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے مسیح ابن مریم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور پھر بعد اس کے فرماتے ہیں کہ ایسا ہی میں نے مسیح و جال کو بھی خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ اس بیان سے یہ لازم آتا ہے کہ مسیح ابن مریم اور مسیح و جال کا مدعا و مقصد ایک ہی ہو اور وہ دونوں صراطِ مستقیم پر چلنے والے اور اسلام کے سچے تابع و موافق حالانکہ دوسری حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جالِ خدائی کا دعویٰ کرے گا پھر اس کو خانہ کعبہ کے طواف کیا کام ہے۔ اس کا علم دینے یہ جواب دیا ہے کہ ایسے الفاظ و کلمات کو غلطابہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے یہ تو درحقیقت مکاشفات اور خوابوں کے ہیرا پھیر ہیں۔ یہ باتیں ہیں جن کی تعبیر و تاویل کرنی چاہیے جیسا کہ عام طور پر خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے سو اس کی تعبیر یہ ہے کہ طواف لغت میں گرد پھرنے کو کہتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزل کے وقت میں اشاعتِ دین کے کام کے گرد پھریں گے اور اس کا انجام پذیر ہو جانا چاہیں گے۔ ایسا ہی مسیح و جال ہی

اپنے ظہور کے وقت اپنے فتنہ اندازی کے کام کے گرد پھر لگا اور اُس کا انجام پڑ رہا تھا چارہ گاہ
 اب کہاں ہیں وہ حضرات مولوی صاحبان جو ان حدیثوں کے
 الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے معانی کو
 ظاہر عبارت سے پھیرنا کفر و الحاد سمجھتے ہیں ذرہ ^{۲۰۹} اپنے
 گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ سلف صالح نے اس
 حدیث کے معنی کرنے کے وقت مسح و جال کے طواف
 کرنے کو ایک خواب کا معاملہ سمجھ کر کیسی اس کی تعبیر
 کر دی ہے جو ظاہر الفاظ سے بہت بعید ہے۔ پھر جس
 حالت میں لاپچار ہو کر اُن مکاشفات کی ایک جزو کی تعبیر
 کی گئی تو پھر کیا وجہ کہ باوجود موبود ہونے و تر اُن قویہ کے
 دوسری جزو ^{۲۱۰} کی تعبیر نہ کی جائے۔

دافع ہو کہ جس طرح ہمارے علماء نے مسح و جال کے طواف کو ایک کشتی لے کر سمجھ کر اُس کی
 ایک روحانی تعبیر کر دی ہے ایسا ہی خود جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے
 کئی مقامات میں ظاہر فرمادیا کہ جو کچھ میرے بار کشتی طور پر کھلتا ہے جب تک منجانب اللہ
 قطعی اور یقینی معنی اس کے معلوم نہ ہوں میں ظاہر پر حمل نہیں کر سکتا۔ مثلاً اس حدیث کو
 دیکھو جو صحیح بخاری کے صفحہ ۵۵۱ میں درج ہے اور وہ یہ ہے حدیثنا معلقہ علی حال حدثنا

وہیب عن ہشام بن عمرو عن ابيه عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہا اریتک فی المنام مرتین اری انک فی سرقۃ من حریر ویقول ہذا امرأتک فاکشف عنہا فاذا ہی انت فاقول ان ینک هذا من عند اللہ یعنفہ یعنی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے عائشہؓ تو خواب میں مجھے دو دفعہ دکھائی گئی اور میں نے تجھے ایک ریشم کے ٹکڑے پر دکھا اور کہا گیا کہ یہ تیری عورت ہے اور میں نے اس کو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تو ہی ہے اور میں نے کہا کہ اگر خدا ^{تعالیٰ} کے تعلق کی طرف سے یہی تعبیر ہے جو میں نے سمجھی ہے تو ہو رہے گی یعنی خوابوں اور مکاشفات کی تعبیر ضرور نہیں کہ ظاہر پر ہی واقعہ ہو کبھی تو ظاہر پہلی واقعہ ہو جاتی ہے اور کبھی غیبی ہر پر وقوع میں آتی ہے سو اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی سچائی میں شک نہیں کیا کیونکہ نبی کی خواب تو ایک قسم کی وحی ہوتی ہے بلکہ اس کے طرز وقوع میں تردد بیان کیا ہے کہ خدا جانے اپنی ظاہری صورت کے لحاظ سے وقوع میں آوے یا اُس کی اور کوئی تعبیر پیدا ہو اور اس جگہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے یہ بھی بخوبی ثابت ہو گیا کہ جو وحی کشف یا خواب کے ذریعے کسی نبی کو ہووے اس کی تعبیر کرنے میں غلطی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ اسی صفحہ ۵۵ میں ایک دوسری حدیث میں ایسی غلطی کے بارہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے اور وہ یہ ہے قال ابو موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رايت فی المنام انی اهاجر من مکة الى ارض بھانخل فذهب وھلی الى انھا الیسامة اوھجر فاذاھی المدینۃ یتشرّب یعنی ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کرتا ہوں جس میں کجوریں ہیں پس میرا وہم اس طرف گیا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہو گا مگر آخر وہ مدینہ نکلا جس کو یشرب بھی کہتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

صاف طور پر فہم فرمادیا کہ کشفی امور کی تعبیر میں انبیاء سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اور ان احادیث سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح ابن مریم اور مسیح و جلال کی نسبت پیشگوئیاں فرمائی ہیں حقیقت میں وہ سب مکاشفات نبویہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مذکورہ بالا میں صریح اور صاف طور پر اس بات کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ان مکاشفات کو صرف ظاہر پر حمل نہ کر بیٹھنا ان کی روحانی تعبیر میں ہیں اور یہ سب امور اکثر روحانی ہیں جو ظاہری اشکال میں متمثل کر کے دکھلانے گئے ہیں مگر انفسوس کہ ہمارے آج کل کے علماء ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا نہیں چاہتے اور خواہ سنجیدہ کشفی استعارات کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں۔

واضح ہو کہ عالم کشف میں بڑے بڑے عجائبات ہوتے ہیں اور رنگارنگ کی تخلیقات دکھائی دیتی ہیں بعض اوقات عالم کشف میں ایسی چیزیں مجسم ہو کر نظر آ جاتی ہیں کہ دراصل وہ روحانی ہوتی ہیں اور بعض وقت انسان کی شکل پر کوئی چیز دکھائی دیتی ہے اور اصل وہ انسان نہیں، ہوتا مثلاً زرارہ صحابی کا نعمان بن المنذر کو جو ایک عرب کا بادشاہ تھا تمام تر آرائش کے ساتھ خواب میں دیکھنا اور اس کی تعبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمانا کہ اس سے مراد ملک عرب ہے جو پھر اپنی زینت اور آرائش کی طرف عود کر آیا ہے یہ صریح اس بات کی دلیل ہے کہ کشفی امور میں کہیں کی کہیں تعبیر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ اس عاجز کو بھی اس بات کا ذاتی تجربہ ہے کہ بعض اوقات خواب یا کشف میں روحانی امور جسمانی شکل پر متعطل ہو کر مثل انسان نظر آ جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد صاحب غفرلہ جہاں ایک محترم رئیس اور اپنی نواح میں عزت کے ساتھ مشہور تھے انتقال کر گئے تو ان کے فوت ہونے کے بعد دوسرے یا تیسرے روز ایک عورت نہایت خوبصورت خواب میں نے دیکھی جس کا علیہ ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے اور اس نے بیان کیا کہ میرا نام رانی ہے اور مجھے اشارت سے کہا کہ میں اس گھر کی عزت اور وجاہت ہوں

اور کہا کہ میں چلنے کو تھی مگر تیرے لئے رہ گئی۔ انہیں دونوں میں میں نے ایک نہایت خوبصورت مرد دیکھا اور میں نے اُسے کہا کہ تم ایک عجیب خوبصورت آدمی ہو تب اُس نے اشارہ میسرے پر ظاہر کیا کہ میں تیرا بخت بیدار ہوں اور میرے اس سوال کے جواب کہ تو عجیب خوبصورت آدمی ہے اُس نے یہ جواب دیا کہ میں دشمنی آدمی ہوں اور ابھی تھوڑے دن گزرے کہ ایک مدقوق اور قریب الموت انسان مجھے دکھائی دیا اور اس نے ظاہر کیا کہ مسرہ نام دین محمد ہے اور میرے محل میں ڈالا گیا کہ یہ دین محمدی ہے جو مجسم ہو کر نظر آیا ہے اور میں نے اس کو تسلی دی کہ میرے ہاتھ سے شفا پا جائے گا علیٰ ہذا قیاس کبھی اعمال نیک یا بد بھی اشکال جسمانیہ میں نظر آجایا کرتے ہیں اور قبر میں اعمال کا متشکل ہو کر نظر آنا عام عقیدہ مسلمانوں کا ہے اسی بنا پر آنحضرت صلعم خوبوں کی تعبیر میں اشخاص مریدہ کے ناموں سے اشتقاق خیر یا شر کا کر لیا کرتے تھے۔

اب پھر ہم دمشق حدیث کے بغیر ترجمہ کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے اس کو یعنی وصال کو پاوے تو چاہیے کہ اس کے سامنے سورہ کف کی پہلی آیتیں پڑھے کہ اس میں اس کے فتنہ سے امان ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اصحاب کف کی طرح استقامت اختیار کرے کیونکہ ان آیتوں میں اُن لوگوں کی استقامت کا ہی ذکر ہے جو ایک مشرک بادشاہ کے ظلم سے ڈر کر ایک غار میں چھپ گئے تھے (اے میرے دوستو! اب تم بھی ان آیات کو پڑھا کر وہ کمیت سے وصال تمہارے سامنے ہیں) پھر فرمایا رسول نبی اُمّی نے فداء لے کر آؤ گی کہ اُرتقی کہ وصال اس راہ سے نکلنے والا ہے کہ جو شام اور عراق کے درمیان واقع ہے اور دائیں بائیں فساد ڈال دے گا (یہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ کاشفیات میں عام استعارات و کنایات ہوا کرتے ہیں) پھر بعد اس کے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! تم نے اُس وقت ثابت قدم رہنا جیسے اصحاب الکھف ثابت قدم رہے تھے سزاویں کتابا ہو

کہ یا رسول اللہ کس مدت تک و قیل دنیا میں ٹھہرے گا تو آپ نے فرمایا کہ چالیس دن لیکن
تشریح السنہ میں اسناد بنت یزید سے روایت ہے کہ چالیس برس ٹھہرے گا مگر درحقیقت
ان روایات میں کسی قسم کا اختلاف یا تناقض نہیں سمجھنا چاہیئے اور اس بات کا علم حوالہ بخدا
کرنے چاہیئے کہ ان چالیس دن یا چالیس برس سے کیا مراد ہے

اور مسلم کی حدیث کا بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ و قیل کا ایک دن برس کے برابر ہوگا اور ایک
دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر باقی دن معمولی دنوں کے موافق (یہ
سب استعارات و کنایات ہیں) پھر راوی کہتا ہے کہ ہم نے عرض کی کہ کیا ان لمبے دنوں
میں ایک دن کی نماز پڑھنا کافی ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ نماز کے وقتوں کے مقدار
پر اندازہ کر لیا کرنا (واضح ہو کہ یہ بیان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا علی سبیل الاحتمال ہے یعنی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لحاظ وسعت قدس الہی کشفی امر کو مطابق سول مسائل کے
ظاہر و محمول کر کے جواب دے دیا ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث عائشہ
رضی اللہ عنہا میں جو بخاری کے صفحہ ۱۵۵ میں درج ہے صاف طور پر تصریح فرما چکے ہیں کہ
مکاشفات کی تعبیر کبھی تو ظاہر اور کبھی غیبی ظاہر و قیاس میں آجایا کرتی ہو اور درحقیقت
یہی مذہب تمام نسب یا رد اوئیاد کا آج تک چلا آیا ہے سو یہ جواب جو نمازوں کا اندازہ کر لیا
گیا آپ نے فرمایا یہ سائل کے فہم اور استعداد اور رجوع خیال کے موافق بر طبعی

بے خوف سے مراد محلیف اور مصیبت کے بھی ہوتے ہیں بعض مصیبتیں ایسی دردناک ہوتی ہیں کہ ایک دن
ایک برس کے برابر دکھائی دیتا ہے اور بعض مصیبتیں ایسی کہ ایک دن ایک مہینہ کی مانند معلوم ہوتا ہو
اور بعض مصیبتوں میں ایک دن ایک ہفتہ عیسایا سمجھا جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ صبر پیدا ہو جاتا ہے
وہی بے دن معمولی دن دکھائی دینے لگتے ہیں اور مہر کرنے والوں کے لئے آخر وہ گھٹائے جاتے ہیں
غرض یہ ایک استعارہ ہے اس پر غور کرو کہ درحقیقت یہ لمبے دن ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے فرمایا
تھا کہ میری بیویوں سے پہلے وہ فوت ہوگی جس کے اتنے لمبے ہیں۔ منہ

تکلموا الناس علی قدر عقولہم کے دیا گیا ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کشتی بھر کو جب تک عدائے تعالٰیٰ خاص طور پر ظاہر نہ کرے کبھی ظاہری مصلحت تک محدود نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ مذکور احادیث میں یہ طریق اور علوت نبویہ مقدسہ ثابت ہو رہی ہے۔

پھر راوی کہتا ہے کہ ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ و جال کس قدر جلد زمین پر چلیگا اور اس کے جلد چلنے کی کیفیت کیا ہے تو اپنے فرمایا کہ اُس مینہ کی طرح تیز چلے گا جس کے پیچھے ہوا ہو یعنی ایک دم میں ہزاروں کو س بھر جائے گا اور ایک قوم پر گذر کر ان کو اپنے دین کی طرف دعوت کرے گا اور وہ اُس پر ایمان لے آویں گے تب وہ باطل کو حکم کرے گا تا ان کے لئے مینہ برساوے اور زمین کو حکم کرے گا تا ان کے لئے کھیتیاں اُگاوے۔ (یہ سارے استعارات ہیں جو شیار ہو دھوکہ نہ کھانا) پھر فرمایا کہ ایسا ہوگا کہ وقت پر بارشیں ہونے کی وجہ سے جو مویشی صبح چرنے کے لئے جاویں گے وہ شام کو ایسے تازہ و توانا ہو کر آئیں گے کہ بوجہ فرہی کو بان ان کی دروازہ ہو جائیں گی اور پستان دودھے بھر جائیں گے اور بیاعت بست سیر شکم ہونے کے کو گیس لگی ہوئی ہوں گی۔

پھر و جال ایک اور قوم کی طرف جائے گا اور اپنی الوہیت کی طرف ان کو دعوت کو دے گا پھر وہ لوگ اُس کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے اور اُس پر ایمانی نہیں لادیں گے۔ سو و جال ان سے بارش کو روک لے گا اور زمین کو کھیتی نکالنے سے بند کر دے گا اور وہ قحط کی طام میں مبتلا ہو جائیں گے اور کھانے پینے کے لئے ان کے پاس کچھ نہ رہے گا۔ پھر و جال ایک ویرانہ پر گذرے گا اور اس کو کہیگا کہ اپنے خزانے کو نکال۔ تب فی الفور سب خزانے اُس ویرانہ سے نکل کر اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیں گے اور ایسے اُس کے پیچھے چلیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اُس بڑی مکھی کے پیچھے چلتی ہیں جو ان کی سرور ہوئی ہے۔ پھر و جال ایک شخص کو بلانے گا جو اپنی جوانی میں بھرا ہوا ہوگا اور اُس کو تلوار سے قتل کر دے گا اور اُس کے دو ٹکڑے کر کے تیر کی مار پر علیحدہ علیحدہ پھینک دے گا پھر اس کی لاش کو ٹٹائے گا

تب وہ شخص زندہ ہو کر ایک روشن اور چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ اس کے سامنے آجائیگا اور اس کی الوہیت سے انکار کرے گا سو وہ جال اسی قسم کی گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوگا کہ ناگہاں سچ ابن مریم ظاہر ہو جائے گا اور وہ ایک منارہ سفید کے پاس دمشق کے مشرقی طرف اترے گا مگر ابن ماجہ کا قول ہے کہ بیت المقدس میں اترے گا اور بعض کہتے ہیں کہ نہ بیت المقدس اور نہ دمشق بلکہ ^{۱۹}مسلمانوں کے لشکریں اترے گا جہاں حضرت حمادی ہونگا اور پھر فرمایا کہ جس وقت وہ اترے گا اُس وقت اس کی زرد پوشاک ہوگی۔ یعنی زرد رنگ کے دو کپڑے اُس نے پہنے ہوئے ہوں گے (یہ اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اُس کی صحت کی حالت اچھی نہیں ہوگی) اور دونوں مقبیل اُس کی دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہوں گی۔ مگر بخاری کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مریم کو بجائے دو فرشتوں کے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کرتے دیکھا۔ پس اس حدیث کے نصابت صفائی سے یہ بات کھلتی ہے کہ دمشق حدیث میں جو دو فرشتے لکھے ہیں وہ دراصل وہی دو آدمی ہیں کہ دوسری حدیث میں بیان کئے گئے ہیں اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسیح کے مددگار اور انصار ہو جائیں گے۔

اور پھر فرمایا کہ جس وقت مسیح اپنا سو جھکائے گا تو اُس کے پسینہ کے قطرات مترشح ہوں گے اور جب اوپر کو اٹھائے گا تو بالوں سے قطرے پسینہ کے چاندی کے دانوں کی طرح گریں گے جیسے موتی ہوتے ہیں اور کسی کافر کے لئے ممکن نہیں ہوگا کہ ان کے دم کی ہوا پا کر جیتا رہے بلکہ فی الفور مر جائے گا اور دم ان کا ان کی حد نظر تک پہنچے گا۔ پھر حضرت ابن مریم جہاں کی تلاش میں لگیں گے اور لڑکے دروازہ پر جو بیت المقدس کے دیہات میں ہی ایک گاؤں ہے اس کو جا پکڑیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔ مقت توجمة الحدیث۔ یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المؤمنین

امام محمد اسماعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے اس جگہ حیدرانی کا یہ مقام ہے کہ جو کچھ دجال کی حالت و صفات اس حدیث میں لکھے گئے ہیں اور جس طرح اس کے آنے کی خبر بتائی گئی ہے یہ بیان دوسری حدیثوں کے بیان سے بالکل منافی اور مبائن اور مخالف پایا جاتا ہے کیونکہ صحیحین میں یہ حدیث بھی ہے وعن محمد بن المنکدر قال رايت جابرا بن عبد الله يخلف بالله ان ابن صياد الدجال قلت تخلف بالله قال اني سمعت عمر يخلف علي ذالك عند النبي صلى الله عليه وسلم فلم ينكره النبي صلى الله عليه وسلم متفق عليه اور ایک دوسری حدیث یہ بھی ہے علی نافع قال كان ابن عمر يقول والله ما أشك ان المسيح الدجال ابن صياد رواه ابو داود والبيهقي في كتاب البعث والنشور۔

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد بن منکدر تابعی سے روایت ہے کہ کہا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ کو دیکھا کہ خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا تھا کہ ابن صیاد ہی دجال مہود ہے اور محمد بن منکدر کہتا ہے کہ میں نے جابر کو کہا کہ کیا تو خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے یعنی یہ سرتو غنی ہے زقیفی پھر قسم کیوں کھاتا ہے۔ جابر نے کہا کہ میں نے عمر کو بخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بارہ میں قسم کھاتے سنا یعنی عمر رضی اللہ عنہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قسم کھا کر کہا کرتا تھا کہ ابن صیاد ہی دجال مہود ہے۔ پھر دوسری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر کہتے تھے کہ مجھے قسم ہے اللہ کی کہ میں ابن صیاد کے مسیح دجال ہونے میں شک نہیں کرتا۔ پھر ایک اور حدیث میں جو شرح السنین لکھی ہے یہ فقرہ درج ہے لم یزل رسول الله صلى الله عليه وسلم مشفقاً انه هو دجال یعنی ہمیشہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس خوف میں تھے کہ ابن صیاد دجال ہو گا یعنی انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ گمان غالب ہی رہا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ اب جبکہ خاص صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ ابن صیاد ہی دجال مہود ہے بلکہ صحابہ نے

قسمیں کھا کر کہا کہ یہی دجال معبود ہے تو کیا اس کے دجال معبود ہونے میں کچھ شک رہ گیا ہے۔ اب ابن صیاد کا حال سنئے کہ اس کا انجام کیا ہوا سو یہ مسلم کی حدیث سے واضح ہوتا ہے اور وہ یہ ہے و عن ابی سعید الخدری قال صحبت ابن صیاد الی مکة فقال لی ما لقیتم من الناس یرزعمون انی الدجال الست سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ لا یولد لہ وقد ولد لی الیس قد قال وہو کافر وانا مسلم اولیس قد قال لا یدخل المدینة ولا مکة وقد اقبلت من المدینة وانا ارید مکة اور ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے بھراہی ابن صیاد کے معزم کہ سفر کیا تب اس سفر میں ابن صیاد نے مجھ کو کہا کہ لوگوں کی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان باتوں سے مجھے بہت ایذا پہنچتی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ دجال مسہود میں ہی ہیں اور تم جانتے ہو کہ اصل حقیقت اس کے برخلاف ہے تو نے سنا ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دجال اولادِ مرگ اور میں صاحبِ اولاد ہوں اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دجال کافر ہو گا اور میں مسلمان ہوں اور فرمایا تھا کہ دجال مدینہ اور مکہ میں داخل نہیں ہو سکیگا اور میں مدینہ سے تو آیا ہوں اور مکہ کی طرف چلا جاتا ہوں۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ کیسا عجیب معاملہ ہے کہ بعض صحابہؓ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال ہے اور صحیحین میں برعایت جابرؓ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے قسم کھانے پر کہ دجال معبود ہی شخص ہے خاموشی اختیار کر کے لہنی رائے ظاہر کر دی کہ درحقیقت دجال معبود ابن صیاد ہی تھا اور صحیح مسلم میں ابن صیاد کا مشرف باسلام ہونا

کے ابن صیاد کا یہ بیان کہ لوگ مجھے دجال معبود سمجھتے ہیں صاف دلیل میں بات یہ ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو دجال معبود سمجھتے تھے نہ کوئی اور دجال اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسی بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معبود ہے۔ منسلک

اور صاحب اولاد ہونا اور مکہ اور مدینہ میں جانا بوضاحت تمام لکھا ہے اور نہ صرف یہی بلکہ انہی حدیثوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابن صیاد مدینہ منورہ میں فوت ہو گیا اور اس پر نماز پڑھی گئی اب ہر ایک منصف بنظر انصاف دیکھ سکتا ہے کہ جن کتابوں میں دجال کے آخری زمانہ میں ظاہر ہونے اور حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے مارے جانے کی خبر لکھی ہے انہیں کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا موجود ہے کہ وہ جلال معہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی ظاہر ہو گیا تھا اور مشرف باسلام ہو کر فوت ہو گیا تھا اور اس کا مشرف باسلام ہونا بھی لازم ہے اس پیش گوئی کے ضروری تھا جو بخاری اور مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ پیرایہ ایک خواب کے بیان ہو چکی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عالم رویا میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا تھا۔ بہر حال جبکہ انہیں حدیثوں میں دجال معہود کا اس طرح پر فیصلہ کیا گیا ہے تو پھر دوسری حدیثوں پر جو ان کی ضد واقع ہیں کیونکر اعتبار کیا جائے۔ ہاں اگر علماء ان حدیثوں کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری صحیح و موضوع ٹھہرا کر خارج کر دیں تو البتہ ان کے دعویٰ کے لئے ایک بنیاد پیدا ہو سکتی ہے مگر یہ اذاتنا عرضاً تساقطاً پر عمل کر کے دونوں قسم کی حدیثوں کو ساقط از اعتبار کرنا چاہیئے اور اس مقام میں زیادہ تر تعجب کی یہ جگہ ہے کہ امام مسلم صاحب تو یہ لکھتے ہیں کہ دجال معہود کی پیشانی پر لکھا ہوا ہو گا مگر یہ دجال تو انہیں کی حدیث کی رو سے مشرف باسلام ہو گیا پھر مسلم صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال معہود باطل کی طرح جس کے پیچھے ہٹا ہوتا ہے مشرق مغرب میں پھر جائے گا مگر یہ دجال تو جب کہ سر مدینہ کی طرف گیا تو ابی سعید سے کچھ زیادہ نہیں چل سکا جیسا کہ مسلم کی حدیث سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی کسی نے اس کی پیشانی پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہوا نہیں دیکھا۔ اگر ابن صیاد کی پیشانی پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہوا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کرنے سے کیوں منع کرتے اور کیوں فرماتے کہ تم میں اس کے حال میں ابھی

اشتبہا ہے اگر یہی دجال معبود ہے تو اس کا صاحب عیسیٰ بن مریم ہے جو اسے قتل کرے گا
ہم اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ تعجب تو یہ ہے کہ اگر ابن صیاد کی پیشانی پر ک۔ف۔ رکھا ہوا
نہیں تھا تو اس پر شک کرنے کی کیا وجہ تھی اور اگر لکھا ہوا تھا تو پھر اس کو دجال معبود یقین
نہ کرنے کا کیا سبب تھا۔ لیکن دوسری حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بالآخر اس پر یقین کیا
گیا کہ یہی دجال معبود ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہمیں اب اس میں
شک نہیں کہ یہی دجال معبود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آخر یقین کر لیا
مگر یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے کہ دجال کی پیشانی پر ک۔ف۔ رکھا ہوا
ہوگا تو پھر اوّل دونوں میں ابن صیاد کی نسبت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوں شک اور
تردد میں رہے اور کیوں یفسر کیا کہ شاید یہی دجال معبود ہو اور یا شاید کوئی اور ہو۔ گمان
کیا جاتا ہے کہ شاید اس وقت تک ک۔ف۔ اس کی پیشانی پر نہیں ہوگا۔ میں سخت متعجب اور حیران
ہوں کہ اگر سچ مچ دجال معبود آخری زمانہ میں پیدا ہونا تھا یعنی اس زمانہ میں کہ مسیح بن مریم
ہی آسمان سے اتریں تو پھر قبل از وقت یہ شکوک اور شبہات پیدا ہی کیوں ہوئے اور زیادہ تر
عجیب یہ کہ ابن صیاد نے کوئی ایسا کام بھی نہیں دکھایا کہ جو دجال مہوکی نشانہوں میں سے سمجھا جاتا
یعنی یہ کہ ہشت اور دوزخ کا ساتھ ہونا اور خسراول کا پیچھے پیچھے چلنا اور مردوں کا زندہ کرنا
اور اپنے حکم سے مینہ کو برسانا اور کھیتوں کو اگانا اور شراب کے گدھے پر سوار ہونا۔

اب بڑی مشکلات یہ درپیش آتی ہیں کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح
سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں ان کی موضوع ٹھہرتی ہیں اور
اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ناشائڈ ہے اگر یہ متعارض و متناقض
حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں صرف دوسری صحیحوں میں ہوتیں تو شاید ہم ان دونوں میں
کی زیادہ تر پاس خاطر کر کے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے مگر اب
مشکل تو یہ آپڑی ہے کہ انہیں دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسموں کی حدیثیں موجود ہیں۔

اب جب ہم ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈال کر گرداب حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس کو صحیح سمجھیں اور کون صحیح تب عقل خدا داد ہم کو یہ طریق فیصلہ کا بتلاتی ہو کہ جن احادیث پر عقل اور شریع کا کچھ اعتراض نہیں انہیں کو صحیح سمجھنا چاہیے سوا اس طریق فیصلہ کی رو سے یہ حدیثیں جو ابن صیاد کے حق میں وارد ہیں قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ابن صیاد اپنے اوائل ایام میں بے شک ایک دجال ہی تھا اور بعض شیاطین کے تعلق سے اُس سے امور عجیبہ ظاہر ہوتے تھے جس سے اکثر لوگ فتنہ میں پڑتے تھے لیکن بعد اس کے خدا داد ہدایت سے وہ مشرف باسلام ہو گیا اور شیطانی طریق سے نجات پا گیا اور مسلمان ہو کر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اُسے دیکھا تھا ایسا ہی اُس نے طواف بھی کر لیا اور اُس کے معاملہ میں کوئی ایسا امر نہیں جو شانِ قدرت اور عقل سے باہر ہو اور نہ اُس کی تعریف میں ایسا غلو کیا گیا ہے جو شمرک میں داخل ہو لیکن جب ہم اُن دوسری حدیثوں کو دیکھتے ہیں جو دجال معبود کے ظاہر ہونے کا وقت اس دنیا کا آخری زمانہ بتلاتی ہیں تو وہ سراسر ایسے مضامین سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں کہ جو نہ عند العقل درست و صحیح ٹھہر سکتی ہیں اور نہ عند الشرع اسلامی توحید کے موافق ہیں چنانچہ ہم نے قسم ثانی کے ظہور و جلال کی نسبت ایک لمبی حدیث مسلم کی لکھ کر مع اُس کے ترجمہ کے ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے ناظرین خود پڑھ کر سوچ سکتے ہیں کہ کہاں تک یہ اوصاف جو دجال معبود کی نسبت لکھے ہیں عقل اور شرع کے مخالف پڑے ہوئے ہیں یہ بات بہت صاف اور روشن ہے کہ اگر ہم اس مشقی حدیث کو اُس کے ظاہری معنوں پر حمل کر کے اس کو صحیح اور فرمودہ خداوند سبیل مان لیں تو ہمیں اس بات پر ایمان لانا ہو گا کہ فی الحقیقت دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی اور زمین و آسمان اُس کا کہا مانیں گے اور خدائے تعالیٰ کی طرح فقط اس کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا جائے گا بارش کو کہیں گے ہو تو ہو جائے گی بادلوں کو حکم دے گا کہ

فلان ملک کی طرف چلے جاؤ تو فی الفور چلے جائیں گے زمین کے بخارات اس کے حکم سے
آسمان کی طرف اٹھیں گے اور زمین کو کیسی ہی کڑھ شور ہو فقط اس کے اشارہ سے عمدہ
۲۱۵ اور اقل ورجہ کی زراعت پیدا کرے گی غرض جیسا کہ خدا نے تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ
إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ اسی طرح وہ بھی
کن فیکون سے سب کچھ کر دکھائے گا۔ مارنا زندہ کرنا اُس کے اختیار میں ہوگا ہشت
اور دوزخ اُس کے ساتھ ہوں گے۔ غرض زمین اور آسمان دونوں اُس کی مرضی میں آجائیں گے
اور ایک عرصہ تک جو چالیس برس یا چالیس دن ہیں بخوبی خدائی کا کام چلائے گا اور
الوہیت کے تمام اختیار و اقتدار اُس سے ظاہر ہوں گے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ مضمون جو اس حدیث کے ظاہر لفظوں سے نکلتا ہے اس
موحدانہ تعلیم کے موافق و مطابق ہے جو قرآن شریف میں دیتا ہے کیا صدا آیات قرآنی
ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ ناطق نہیں سناتیں کہ کسی زمانہ میں بھی خدائی کے اختیارات
انسان یا لکۃ الازدات باطلۃ الحقیقت کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ کیا یہ مضمون ظاہر پر حمل کیا
جائے تو قرآنی توحید پر ایک سیاہ دھبہ نہیں لگاتا؟ تعجب کہ ایک طرف ہمارے
بھائی موحدین اس بات کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم نے شرک سے کتنی کنارہ کیا ہے اور دوسرے
۲۳۰ لوگ مشرک اور بدعتی اور ہم موحد اور قبیح سنت ہیں اور ہر ایک کے آگے بکمال فخر
اپنے اس موحدانہ طریق کی ستائش اور تعریف بھی کرتے ہیں پھر ایسے پُر شرک اعتقولات
ان کے دلوں میں جمے ہوئے ہیں کہ ایک کافر حقیر کو الوہیت کا تمام تخت و تاج سپرد
کر رکھا ہے اور ایک انسان ضعیف البنیان کو اپنی عظمتوں اور قدرتوں میں خدائے تعالیٰ
کے برابر سمجھ لیا ہے۔ اولیاد کی کرامات سے منکر ہو بیٹھے مگر وہ جال کی کرامات کا کلمہ پڑھ
رہے ہیں اگر ایک شخص انہیں کہے کہ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے
بارہ برس کے بعد کشتی غرق ہوئی ہوئی زندہ آدمیوں سے بھری نکالی تھی اور ایک دفعہ

ملک الموت کی ٹانگ توڑ دی تھی اس غصہ سے کہ وہ بلا اجازت آپ کے کسی مرید کی لوح نکال کر لے گیا تھا تو ان کراماتوں کو ہرگز قبول نہیں کریں گے بلکہ ایسی مناجاتوں کے پڑھنے والوں کو مشرک بنائیں گے لیکن وہ حال طعون کی نسبت کھلے کھلے طور پر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ملک الموت کیا تمام ملائک اور سارے فرشتے زمین و آسمان کے جو آفتاب اور مہتاب اور بادلوں اور ہواؤں اور دریاؤں وغیرہ پر موقوف ہیں سب اس کے حکم کے تابع ہو جائیں گے اور بحکمال اطاعت اس کے آگے سجدہ میں گرے گئے۔ سوچنا چاہیے کہ یہ کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہا بھی ہے؟ افسوس کہ ان لوگوں کے دلوں پر کیسے پڑے پڑ گئے کہ انہوں نے استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے ایک طوفان شرک کا ہرپاکو دیا ہے اور باوجود قرآنِ قویہ کے ان استعارات کو قبول کرنا نہ چاہا جنکی حمایت میں قرآنِ کریم شمشیر برہنہ توحید کی لے کر کھڑا ہے۔

افسوس کہ اکثر لوگ خشک تلاؤں کی پیروی کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایسے مضامین کو ظاہر و حمل کرنے سے کیا کیا خرابیاں پھیلیں گی وہ رسولِ کریم (مادر و پدرم فدائے او باد) جس نے ہمیں لا الہ الا اللہ سکھا کر تمام غیر اللہ کی طاقتیں ہمارے پیروں کے نیچے رکھ دیں اور ایک زبردست معبود کا دامن پکڑ کر ہماری نظریں ماسوا کا قدر ایک مرے ہوئے کپڑے سے بھی کمتر کر دیا کیا وہ مقدس نبی ہمارے ڈرنے کو آخری زمانہ کے لئے یہ ہوتا چھوڑ گیا۔ پھر میں کتنا ہوں کہ وہ موحّدوں کا بادشاہ جس نے ہماری رگ و ریشہ میں ہمیشہ کے لئے یہ دھنسا دیا کہ اتنی طاقتیں کسی مخلوق میں آہی نہیں سکتیں کیا وہ اپنی متواتر تعلیموں کے برخلاف ہمیں ایسا سبق دینے لگا؟ سوائے بھائی و یقیناً سمجھو کہ اس حدیث اور ایسا ہی اس کی کشاکش کے ظاہر میں مجھے ہرگز مراد نہیں ہیں۔ اور قرآنِ قویہ ایک شمشیر برہنہ کی طرح اس کو چہ کی طرف جلنے سے روک رہے ہیں بلکہ یہ تمام حدیث ان مکاشفات کی قسم میں سے ہے جن کا لفظ لفظ تعبیر کے لائق ہوتا ہے جیسا کہ

میں ایک دوسری مسلم کی حدیث لکھ کر ابھی ثابت کر آیا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اقرار اس بات کا فرماتے ہیں کہ یہ سب بیانات میرے مکاشفات میں سے ہیں اور اس دمشق حدیث میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کافئی کا لفظ موجود ہے وہ بھی آواز بلند پکار رہا ہے کہ یہ سب باتیں عالم رویا اور کشف میں سے ہیں جن کی مناسب طور پر تاویل ہونی چاہیے چنانچہ طاہلی قاری نے بھی یہی لکھا ہے اور خدا تعالیٰ کا قانون قدرت جو موافق آیت کریمہ خلق الانسان ضعیفاً انسان کی کمزوری پر شاہد ناطق ہے کسی آدم زاد کے لئے ایسی قوت و طاقت تسلیم نہیں کرتا کہ وہ ہوا کی طرح ایک دم میں مشارق و مغارب کا سیر کر سکے اور آسمان کے سب اجرام اور زمین کے سب ذرات اس کے تابع ہوں۔ تعجب کہ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مضمون اس حدیث کا از قبیل کشوف و رویائے صالحہ ہے یعنی قابل تعبیر ہے تو پھر کیوں خواہ مخواہ اس کے فطہ ہر مضمون پر زور ڈالا جاتا ہے اور کیوں خوابوں کی طرح اس کی تعبیر نہیں کی جاتی؟ یا کشوف متشابہ کی طرح اس کی حقیقت حوالہ بخدا نہیں کی جاتی؟ زکریا کی کتاب کو دیکھو جو ملاکی سے پہلے ہے کہ کس قدر اس میں اسی قسم کے مکاشفات لکھے ہیں مگر کوئی دانشمند انکو ظاہر پر حمل نہیں کرتا۔ ایسا ہی حضرت یعقوب کا خدا تعالیٰ کے کشتی کرنا جو قریت میں لکھا ہے کوئی عقلمند اس کشف کو حقیقی معنی پر حمل نہیں کر سکتا۔

سوائے بھائیو! میں محض نصیحتاً شہ پوری ہمدردی کے جوش سے جو مجھے آپ کے اور اپنے پیارے دین اسلام سے ہے آپ لوگوں کو سمجھاتا ہوں کہ آپ لوگ غلطی کر رہے ہیں اور سخت غلطی کر رہے ہیں کہ محض شکم کی وجہ سے مکاشفات نبویہ کو صرف ظاہری الفاظ پر محدود خیال کر بیٹھے ہیں یقیناً سمجھو کہ ان باتوں کو حقیقت پر حمل کرنا گویا اپنی ایمانی عمارت کی اینٹیں اکھیرٹا ہے۔ میں متعجب ہوں کہ اگر آپ استعارات کو قبول نہیں کر سکتے تو کیوں ان امور پر ترازم کی تفسیر کو حوالہ بخدا نہیں کرتے اس میں آپ کا

یا آپ کے دینی جوش کا کیا حرج ہے؟ کس نے آپ پر زور ڈالا ہے یا کب اور کس وقت آپ کو رسول کریم کی طرف سے ایسی تاکید کی گئی ہے کہ منور ایسے الفاظ کو حقیقت پر ہی حمل کرو؟

آپ صاحبوں کا یہ عذر کہ اس پر اجماع سلف صالح ہے یہ ایک عجیب عذر ہے جس کے پیش کرنے کے وقت آپ صاحبوں نے نہیں سوچا کہ اگر فرض کے طور پر اجماع بھی ہو جو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا پھر بھی ظاہری الفاظ پر اجماع ہو گا نہ یہ کہ فرد فرد نے حلف اٹھا کر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ سے جو ظاہری معنی نکلتے ہیں وہ حقیقت وہی مراد ہیں۔ اُن بزرگوں نے تو ان احادیث کو امانت کے طور پر پہنچا دیا اور ان کی اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے رہے۔ اجماع کی تہمت اُن بزرگوں پر کس قدر بے اصل تہمت ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ اجماع تو ایک طرف اس قسم کی حدیثیں بھی عام طور پر صحابہ میں نہیں پھیلیں تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہوتا کہ وہ جلال معبودِ آخری زمانہ میں نکلے گا اور حضرت مسیح اس کو قتل کریں گے تو پھر حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ انس حضرت علی رضی اللہ عنہ وسلم کے روبرو کیوں قسم کھا کر کہتے کہ وہ جلال معبودِ جو آنے والا تھا وہ یہی ابن صیاد ہے جو آخر مشرف باسلام ہو کر مدینہ منورہ میں فوت ہو گیا؟ بھائیو! یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں لکھی ہے اور ابوداؤد اور بیہقی میں بھی ناخ کی روایت سے یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ مجھے خدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ مجھے اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ مسیح وہ جلال ہی ابن صیاد ہے۔ بھلا اس موزن الذکر حدیث کو جانے دو کیونکہ یہ ایک صحابی ہیں ممکن ہو کہ انہوں نے غلطی کی ہو۔ لیکن اُس حدیث کی نسبت کیا عذر پیش کرو گے جس کو ابھی میں ذکر کر چکا ہوں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود جناب راس الثاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

محضور میں قسم کھا کر کہا تھا کہ دجال محمود ہی ابن صیاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چپ رہنے اور انکار کرنے کی وجہ سے اس قسم پر مہر لگا دی اور حضرت عمرؓ کے خیال سے اپنا اتفاق رائے کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ جانتے ہو کہ صحابہ میں کس قدر بڑا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ان کی رائے کے موافق قرآن شریف نازل ہو جایا کرتا تھا اور ان کے حق میں یہ حدیث ہے کہ شیطان عمرؓ کے سایہ سے بھاگتا ہے دوسری یہ حدیث ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ تیسری یہ حدیث ہے کہ پہلی امتوں میں محدث ہوتے ہی ہیں اگر اس امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ اب سوچو اور خیال کرو کہ نواس بن مہران کو پایہ عالیہ عمرؓ سے کیا مناسبت ہے؟ جو فہم قرآن اور حدیث کا حضرت عمرؓ کو دیا گیا تھا اس سے نواس کو کیا نسبت ہے؟ ماسوا اس کے یہ حدیث متفق علیہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں نے لکھی ہے اور نواس کی دشمنی حدیث جس میں دجال کی تعریفیں خلافت و خلافت تو حید درج ہیں صرف مسلم میں لکھی گئی ہے ماسوائے اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ انکار نہ کرنا اس بات کا فیصلہ دیتا ہے کہ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اور نیز صحابہ کرام کی نگاہ میں دجال محمود ابن صیاد ہی تھا اور حدیث شرح السنہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ اور مدت العمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر اسی بات سے ہر اس بات سے کہ ابن صیاد دجال محمود ہے اب جبکہ ابن صیاد کا دجال محمود ہونا ایسے قطعی اور یقینی طور سے ثابت ہو گیا کہ اس میں کسی طور کے شک و شبہ کو راہ نہیں تو اس جگہ بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ دجال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو کر اور مشرف باسلام ہو کر اور آخر مدینہ میں فوت بھی ہو گیا تو حضرت حج کے ہاتھ سے جن کے آنے کی علت غائی دجال کا مارتا ظاہر کیا جاتا ہے کون قتل کیا جائے گا کیونکہ دجال تو موجود ہی نہیں جس کو

وہ قتل کر دیں اور یہی ایک خدمت تھی جو ان کے سپرد کی گئی تھی۔ اس سوال کا جواب ہم منجبر اس صورت کے اور کسی طور سے دے نہیں سکتے کہ آخری زمانہ میں دجال معبود کا آنا سرسری غلط ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہے کہ وہ دمشق حدیث جو امام مسلم نے پیش کی ہے خود مسلم کی دوسری حدیث سے ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ تو اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا۔ کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے مگر انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث کو نہایت قطعی اور یقینی اور صاف اور صریح سمجھتے تھے اور نو اس بن سمعان کی حدیث کو از قبیل استخارات و کنایات خیال کرتے تھے اور اس کی حقیقت حوالہ بخدا کرتے تھے۔

غرض اے بھائیو! ابن عدینوں پر نظر ڈال کر ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ کبھی صدر الاول کے لوگوں نے دجال معبود کے بارہ میں ہرگز اس بات پر اتفاق نہیں کیا کہ وہ آخری زمانہ میں آئے گا اور مسیح ابن مریم ظہور فرما کر اس کو قتل کرے گا بلکہ وہ تو ابن صیاد کو ہی دجال معبود سمجھتے رہے اور یہ بات خود ظاہر ہے کہ جب انہوں نے ابن صیاد کو دجال معبود یقین کیا اور پھر یہ بھی اپنی زندگی میں دیکھ لیا کہ وہ مشرف باسلام ہو گیا اور پھر یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مدینہ منورہ میں فوت بھی ہو گیا اور مسلمانوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی پھر ایسی صورت میں ان بزرگوں کا اس بات پر کیونکر ایمان یا اعتقاد ہو سکتا تھا کہ مسیح ابن مریم آخری زمانہ میں دجال معبود کے قتل کرنے کے لئے آسمان سے اتریں گے کیونکہ وہ بزرگوار لوگ تو پہلے ہی دجال معبود کا فوت ہو جانا تسلیم کر چکے تھے پھر اس اعتقاد کے ساتھ یہ دوسرا اعتقاد کیونکر جوڑ لکھا سکتا ہے کہ ان کو مسیح ابن مریم کے آسمان سے اترنے اور دجال معبود کے قتل کرنے کی انتظار لگنی ہوئی تھی یہ تو صریح اجتماع فتدین ہے اور کوئی دانشمند اور قائم الحواس آدمی ایسے دو متضاد اعتقاد ہرگز نہیں رکھ سکتا۔

۲۲۵

۲۲۳

اب سوچنا چاہیے کہ یہ بیان کہ صحابہ کرام کا دجال معبود اور مسیح ابن مریم کے آخری زمانہ میں
ظہور فرمانے کا ایک اجماعی اعتقاد تھا کس قدر مان بزرگوں پر تہمت ہے؟

پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
تھا کہ ہر ایک نبی اپنی قوم کو دجال کے نکلنے سے ڈراتا آیا ہے اور میں بھی تم سب کو ڈراتا
ہوں کہ دجال آخری زمانہ میں نکلے گا تو چاہیے تھا کہ اس نصیحت اور تبلیغ کو تمام
صحابہ اپنے نفس پر ایک واجب تبلیغ سمجھ کر تابعین تک پہنچاتے اور آج ہزاروں
صحابہ کی روایتوں سے یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہوتی حالانکہ بخاری و مسلم بن حبان
اور ایک دو ائمہ دیلمیوں کے کسی نے اس حدیث کی روایت نہیں کی بلکہ نو اس بن حبان اپنی
تمام روایت میں منفر د ہے۔ اب سوچو کہ ایک طرف تو یہ بت لایا جاتا ہے کہ اس حدیث کے
بارہ میں عام طور پر تمام صحابہ کو تاکید ہوئی تھی کہ تم نے اس مضمون کو تابعین تک پہنچا دینا۔
اور دوسری طرف جب ہم دیکھتے ہیں تو بخاری ایک دو آدمیوں کے کوئی پہنچانے والا نظر نہیں
آتا۔ اس صورت میں جس قدر ضعف اس حدیث میں پایا جاتا ہے وہ محققین کی نظر سے
پوشیدہ نہیں رہ سکتا پھر تو اتر کا دعویٰ کرنا اگر پرلے درجہ کا تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

اب اسے لوگو! خدا تعالیٰ سے ڈرو اور صحابہ اور تابعین پر تہمت مت لگاؤ کہ ان
سب کو اس مسئلہ پر اجماع تھا کہ مسیح ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور دجال ایک چشم
خدائی کے کرشمے دکھانے والے کو قتل کریں گے ان بزرگوں کو تو اس اعتقاد کی خبر
بھی نہیں تھی اگر انہیں خبر ہوتی اور جیسا کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے انہیں وصیت فرمائی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس واجب تبلیغ
امر کو تابعین تک نہ پہنچاتے اور پھر تابعین مسیح تابعین کو اس کی خبر نہ کرتے؟ صاف ظاہر
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل نہ کرنا سخت معصیت میں داخل ہے پھر
کیونکر ممکن تھا کہ ایسا معصیت کا کام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہوتا پس صاف ظاہر ہے

کہ اس تبلیغ کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی تاکید نہیں ہوئی اور نہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اس کو تابعین تک پہنچانے کے لئے اپنے مجموعی جوش سے متوجہ ہوئے اور یہاں تک مضمون اس حدیث کا نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہیں ملی کہ مسیح ابن مریم دمشق کے مشرقی کنارہ میں منارہ کے پاس اترے گا اور جتنے خدا تعالیٰ سے کام دنیا میں ہو رہے ہیں وہ سب دجال دکھاوے گا۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ اس حدیث کے مضمون پر اجماع کا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اسی پر اتفاق اکابر اسلام رہا ہے کس قدر افتراء ہے بلکہ یہ حدیث تو ان متواتر حدیثوں ہی سے کالعدم ہو جاتی ہے جن میں بروایت ثقات صحابہ دجال کی نسبت یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ وہ درحقیقت ابن صیاد ہی تھا جو یزید پلید کے عہد سلطنت میں مدینہ منورہ میں فوت ہو گیا اور اُس کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن شریف تو با و از بلند مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا بیان کر رہا ہے اور احادیث صحیحہ مسلم و بخاری باتفاق ظاہر کر رہی ہیں کہ دراصل ابن صیاد ہی دجال معہود تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ صحابی رو برو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کی قسم کھا رہے ہیں کہ درحقیقت دجال معہود ابن صیاد ہی ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسکی تصدیق کر رہے ہیں کہ درحقیقت ابن صیاد ہی دجال معہود ہے جو انجام کار

مسلمان ہو گیا اور اسلام کی حالت میں ہی مدینہ میں مرا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا مگر پھر بھی ہمارے مسلمان بھائی اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ بھائیو!! اس بحث کی دو ٹانگیں تھیں (۱) ایک تو مسیح بن مریم کا آخری زمانہ میں جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے اترنا۔ سو اس ٹانگ کو تو قرآن شریف اور نیز بعض احادیث نے بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے کی خبر دے کر توڑ دیا۔

(۲) دوسری ٹانگ دجال معبود کا آخری زمانہ میں ظاہر ہونا تھا سو اس ٹانگ کو صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی متفق علیہ حدیثوں نے جو صحابہ کبار کی روایت سے ہیں دو ٹکڑے کر دیا اور ابن صبیاد کو دجال معبود ٹھہرا کر آخر مسلمانوں کی جماعت میں داخل کر کے مار بھی دیا۔ اب جبکہ اس بحث کی دو ٹانگیں ٹوٹ گئیں تو پھر اب تیرہ سو برس کے بعد یہ مُردہ جس کے دونوں پیر نہیں کیوں اور کس کے سہارے سے کھڑا ہو سکتا ہے۔

اتَّقُوا اللَّهَ! اتَّقُوا اللَّهَ!! اتَّقُوا اللَّهَ!!!

اور سچ ابن مریم کے فوت ہو جانے کے بارہ میں ہمارے پاس اس قدر یقینی اور قطعی ثبوت ہیں کہ ان کے مفصل لکھنے کے لئے اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں پہلے قرآن شریف پر نظر غور ڈالو اور ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ کیونکر وہ صاف اور تین طور پر عیسیٰ بن مریم کے مرجانے کی خبر دے رہے ہیں جس کی ہم کوئی بھی تاویل نہیں کر سکتے۔ مثلاً یہ جو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کی طرف سے فرماتا ہے فَلَمَّا تَوَقَّيْتَنِي كُنْتُ أَفْتَرُ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کیا ہم بلکہ تَوَقَّيْتَنِي سے عند مراد لے سکتے ہیں؟ کیا یہ معنی اس بلکہ موزون ہوں گے کہ جب تُو نے مجھے سلاویا اور میرے پرستار غالب کر دی تو میرے سونے کے بعد تُو اُن کا نگہبان تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ تُو فی کے سیدھے اور صاف معنی جو موت ہے وہی اس جگہ چسپاں ہیں۔ لیکن موت سے مراد وہ موت نہیں جو آسمان سے اترنے کے بعد پھر وارد ہو۔ کیونکہ جو سوال اُن سے کیا گیا ہے یعنی اُن کی اُمت کا بگڑ جانا اُس وقت کی موت سے اس سوال کا کچھ علاقہ نہیں۔ کیا نصاریٰ اب مراطِ ستقیم پر ہیں؟ کیا یہ سچ نہیں کہ جس امر کے بارے میں خدا تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم سے سوال کیا ہے وہ امر تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہی کمال کو پہنچ چکا ہے۔

ماسوا اس کے حدیث کی رو سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فوت ہو جانا ثابت ہے چنانچہ تفسیر معالم کے صفحہ ۶۲ میں زیر تفسیر آیت یٰ عیسیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ اَفْعَلُ اِلَیْیَ لکھا ہے کہ علی بن طلحہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اِنِّیْ مَمِیْتُکَ یعنی میں تجھ کو مارنے والا ہوں اس پر دوسرے اقوال اللہ تعالیٰ کے کلمات کرتے ہیں قُلْ یَتَوَفَّیْکُمْ مَلٰئِکَةُ الْمَوْتِ۔ الذِّیْنَ تَتَوَفَّیْہُمُ الْمَلٰئِکَةُ طٰیِبٰتٌ۔ الذِّیْنَ تَتَوَفَّیْہُمُ الْمَلٰئِکَةُ ظَالِمِی الْفَسَمِ۔ عرض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اعتقاد یہی تھا کہ تَوَفَّیْہُمُ لفظ سے آئندہ جس بلکہ تَوَقَّی کا لفظ یا ہوں تمام قلت میں توفی کے معنی مرید ہو گئے ہیں۔ منہ

کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور ناظرین پر واضح ہو گا کہ حضرت ابن عباس قرآن کریم کے سمجھنے میں اول نمبر والوں میں سے ہیں اور اس بارہ میں اُن کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بھی ہے۔

۲۲۵
پھر اسی معاملہ میں لکھا ہے کہ وہب سے یہ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ تین گھنٹہ کے لئے مر گئے تھے اور محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ نصاریٰ کا یہ گمان ہے کہ سات گھنٹہ تک مرے رہے مگر مؤلف رسالہ ہذا کو تعجب ہے کہ محمد بن اسحاق نے سات گھنٹہ تک مرنے کی نصاریٰ کی کن کتابوں سے روایت لی ہے کیونکہ تمام فرقہ نصاریٰ کے اسی قول پر متفق نظر آتے ہیں کہ تین دن تک حضرت عیسیٰ مرے رہے اور پھر قبر میں سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور چاروں انجیلوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عیسیٰ انجیلوں میں اپنی تین دن کی موت کا افسار بھی کرتے ہیں بہر حال موت اُن کی ثابت ہے اور ماسوا ان دلائل مستذکرہ کے یہود و نصاریٰ کا بالاتفاق اُن کی موت پر اجماع ہے اور تائیدی ثبوت بتواتر اُن کے مرنے پر شاہد ہے اور پہلی کتابوں میں بھی بطور پیش گوئی اُن کے مرنے کی خبر دی گئی تھی۔

۲۲۹
اب یہ گمان کہ مرنے کے بعد پھر اُن کی روح اُسی جسم خاکی میں داخل ہو گئی اور وہ جسم زندہ ہو کر آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ یہ سراسر غلط گمان ہے یہ بات بالاتفاق جمیع کتب الہیہ ثابت ہے کہ انبیاء و اولیاء مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں یعنی ایک قسم کی زندگی انہیں عطا کی جاتی ہے جو دوسرے کو نہیں عطا کی جاتی۔ اسی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ مجھے قبر میں میت رہنے نہیں دے گا اور زندہ کر کے اپنی طرف اٹھائے گا اور زبور نمبر ۱۶ میں بھی حضرت

پہ شایہ اصل ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ میری عزت خدا تعالیٰ کی جناب میں اس سے زیادہ ہے کہ مجھ جیسے دن تک قبر میں رکھے یعنی میں اس حدیث کے اندر اندر ذمہ ہو کر آسمان کی طرف اٹھایا جاؤں گا۔ اب دیکھنا چاہیئے

داؤد علیہ السلام بھی اتنی یہ فرماتے ہیں کہ تو میری جان کو قبر میں رہنے نہیں دے گا اور تھپانے قدوس کو سرنے نہیں دے گا یعنی بلکہ تو مجھے زندہ کرے گا اور اپنی طرف اٹھایا گیا
 اسی طرح شہداء کے حق میں بھی قرآن کریم فرماتا ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ یعنی جو
 لوگ خدا تعالیٰ کے راہ میں قتل کئے گئے تم انکو مروتے نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کی طرف سے رزق مل رہا ہے۔

کہ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر میں زندہ ہو جانے اور پھر آسمان کی طرف اٹھانے جانی
 نسبت کج کے اٹھانے جانے میں کوئی زیادتی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم کی حیات حضرت موسیٰ
 کی حیات سے بھی درجہ میں کمتر ہے اور انتقاد صحیح (جس پر اتفاق سلف صلی علیہ وسلم کا ہے اور نیز معراج کی
 حدیث بھی اس کی شاہد ناقل ہے) یہی ہے کہ انبیاء و بیات جی مشابہات جی زیادتی زندہ ہونے اور شہداء کی نسبت
 ان کی زندگی و احوالی کے اور بے زیلہ کمال و اتونی و اثر و زندگی ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 نفسی والی و احوالی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت کج و صرف دوسرے آسمان میں اپنے خاں زاد بھائی
 اور نیز اپنے مرشد حضرت یحییٰ کے ساتھ مقیم ہیں لیکن ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے
 اعلیٰ مرتبہ پر آسمان میں جس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں تشریف فرما ہیں عند سداۃ المنتظمی
 بالرفیق الاعلیٰ اور اُن کے حکم و صلوات برابر انھیں کے حضور میں پہنچائے جاتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ
 عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَکْثَرَ حَاصِلِیْتَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْ اَنْبِیَآءِکَ
 وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اور یہ خیال کہ انبیا و زندہ ہو کر قبر میں رہتے ہیں صحیح نہیں ہے ان کے ایک قسم
 کا اُن کا تعلق باقی رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کشفی طور پر اپنی اپنی قبروں میں نظر آتے ہیں مگر یہ نہیں کہ
 وہ قبور میں ہوتے ہیں بلکہ وہ تو طائف کی طرح آسمانوں میں جو بہشت کی زمین ہے اپنے اپنے مرتبہ
 کے موافق مقام رکھتے ہیں اور بیداری میں پاک دل لوگوں سے کسی کسی زمین پر آکر ملاقات بھی کر لیتے ہیں
 ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر بولیا مے عیب بیداری کی حالت میں ملاقات کرنا کتابوں میں بھلوٹا
 ہے اور مولف رسلہ ہذا بھی کئی دفعہ اس شرف سے مشرف ہو چکا ہے واللہ و اللہ علیٰ خالقہ۔ اور

ایک اور حدیث بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر ولادت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ سے ستواہر سال تک تمام بنی آدم پر قیامت آجائے گی اور یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ سو برس کے عرصہ سے کوئی شخص زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی بنا پر اکثر علماء و فقہاء اسی طرف گئے ہیں کہ خضر بھی فوت ہو گیا کیونکہ محب صابوق کے کلام میں کذب جائز نہیں مگر افسوس کہ ہمارے علماء نے اس قیامت سے بھی مسیح کو باہر رکھ لیا تعجب کہ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی نسبت مسیح کو کیوں زیادہ عظمت دی جاتی ہے بلکہ اس پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہمارے بھائی مسلمان کسی ایسے زمانہ سے کہ جب سے بہت سے عیسائی دین اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے اور کچھ کچھ حضرت مسیح کی نسبت اپنے مشرکانہ خیالات ساتھ لائے ہوئے اس بے جا عظمت دینے کے عادی ہو گئے ہیں جس کو قرآن شریف تسلیم نہیں کرتا اس لئے خاص طور پر مسیح کی تعریف کے بارہ میں ان میں حد موزوں سے زیادہ غلو پایا جاتا ہے انصاف کی نظر سے دیکھنا چاہیے کہ کتاب براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو آدم صغی اللہ کا مثیل قرار دیا اور کسی کو علماء میں سے اس بات پر زور نہ رکھ دل میں نہیں گذرا اور پھر مثیل نوح و قسار دیا اور کوئی رنجیدہ نہیں ہوا اور پھر مثیل یوسف علیہ السلام قرار دیا اور کسی مولوی صاحب کو اس سے غصہ نہیں آیا اور پھر مثیل حضرت داؤد علیہ السلام قرار دیا اور کوئی علماء میں سے رنجیدہ خاطر نہیں ہوا۔ اور پھر مثیل موسیٰ کے بھی اس عاجز کو پکارا تو کوئی فقیہوں اور محدثوں میں مشتعل نہیں ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو مثیل ابراہیم بھی کہا تو کسی شخص نے ایک

حدیث نبوی گائیہ فقرو میں چالیس دن تک قبر میں نہیں رہ سکتا۔ اس بات کی طرف اشارہ ہو گا کہ چند روز گو کیسا ہی مقدس آدمی ہو قبر سے اور اس عالم خالی سے ایک بیٹھا ہوا تعلق رکھتا ہے۔ کوئی دینی خدمات کی زیادہ پیمائش کی وجہ سے اور کوئی ناف اور جوہ سے اور پھر جو تعلق انہیں ہم سے جو تعلق ہے کہ گویا وہ صاحب قبر قبر میں محض جاتا ہو نہ روح تو مرنے کے بعد اسی وقت بلا توقف آسمان پر اپنے نفسی اقدار پر جاٹھرتی ہے۔ منہ

زور بھی غیظ و غضب ظاہر نہیں کیا اور پھر آخر میں ٹھیکے کی پہل تک نوبت پہنچی کہ بار بار
 یا احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے غلطی طور پر مثیل سید الانبیاء و امام الاصفیاء حضرت
 مقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا تو کوئی ہمارے مفسر طہ اور محمد ٹیل میں سے جوش و خروش
 میں نہیں آیا اور جب خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو عیسیٰ یا مثیل عیسیٰ کر کے پکارا تو سب کے
 شدت طیش اور غضب کی وجہ سے چہرے سرخ ہو گئے اور سخت درجہ کا اشتعال پیدا ہو کر
 کسی نے اس عاجز کو کافر ٹھہرا دیا اور کسی نے اس عاجز کا نام ملحد رکھا جیسا کہ مولوی
 عبدالرحمن صاحب غلف مولوی محمد لکھو کے والد نے اس عاجز کا نام ملحد رکھا اور
 جا بجا یہ بھی ذکر کیا کہ شخص بہت خراب آدمی ہے چنانچہ ایک شخص عبدالقادر نام شریف پور
 ضلع لاہور کے رہنے والے کے پاس بھی یہی ذکر کیا کہ یہ شخص ملحد اور بد مذہب اور خراب اور
 ملاقات کے لائق نہیں۔ علاوہ اس کے ان لوگوں نے اشتعال کی حالت میں اسی پر یس نہیں
 کی بلکہ یہ بھی چاہا کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے بھی اس بارہ میں کوئی شہادت ملے تو بہت
 خوب ہو۔ چنانچہ انہوں نے غصہ بھرے دل کے ساتھ استخارے کئے اور جو کوہ قدیم سے
 قانون قدرت خدا تعالیٰ کا یہی ہے کہ جو شخص نفسانی تمنا سے کسی امر غیب کا منکشف ہونا
 چاہتا ہے تو شیطان اس کی تمنا میں ضرور دخل دیتا ہے بجز انبیاء اور محدثین کے کہ
 ان کی وحی شیطان کے دخل سے منترہ کی جاتی ہے پس اسی وجہ سے حضرت عبدالرحمن صاحب
 اور ان کے رفیق بیت میاں عبدالحق غزنوی کے استخارہ پر وہ بس القرین ثروت حاضر ہو گیا
 اور ان کی زبان پر جاری کر دیا کہ وہ شخص یعنی یہ عاجز جتنی ہے اور ملحد ہے اور ایسا کافر ہے
 کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہو گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا علماء کے لئے عند الشرع یہ جائز ہے کہ
 کسی ایسے مسئلہ میں جو خیر القرون کے لوگ ہی اس پر اتفاق نہ رکھتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم
 کا اس پر اجماع ثابت نہ ہو ایک ایسے ملہم کی نسبت جو بعض احادیث اور قرآن کریم کا کافی طور
 پر اس کے صدق پر شاہد ہوں مخفیہ کافوتی لگاویں یہ بات سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ

غلیل موعود ہونے کے بارہ میں اس عاجز کا الہام حدیث اور قرآن کے ہرگز مخالف نہیں اور کتب حدیث کو محمل اور بے کار نہیں کرتا بلکہ اُن کا مصدق اور اُن کی سچائی کو ظاہر کرنے والا ہے کیا یہ سچ نہیں کہ نذرانِ کویم مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا بیان کر رہا ہے اور دجال موعود کا مرجانا خود صحیح مسلم کی بعض حدیثیں ثابت کر رہی ہیں پھر قرآن اور بعض حدیث میں تطبیق کرنے کے لئے بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ ابن مریم کے اُترنے سے اس کے کسی مثیل یا کئی مثیلوں کا اُترنا مراد لیا جاوے۔ پھر جبکہ الہام بھی اسی راہ کی طرف رہنمائی کرے تو کیا وہ حدیث اور قرآن کے موافق ہونا یا مخالف؟

اب رہا یہ امر کہ کسی نبی کا اپنے تئیں مثیل ٹھہرانا عند اللہ شرع جائز ہے یا نہیں۔ پس واضح ہو کہ درحقیقت اگر غور کر کے دیکھو تو جس قدر انبیاء دنیا میں بھیجے گئے ہیں وہ اسی غرض سے بھیجے گئے ہیں کہ تالوگ اُن کے مثیل بننے کے لئے کوشش کریں اگر ہم ان کی پیروی کرنے سے اُن کے مثیل نہیں بن سکتے بلکہ ایسے خیال سے انسان کا فروط محمد ہو جاتا ہے تو اس صورت میں انبیاء کا آنا عبث اور ہمارا اُن پر ایمان لانا بھی عبث ہے۔ قرآن شریف صاف یہی ہدایت فرماتا ہے اور ہمیں سورۃ فاتحہ ام الكتاب میں مثیل بن جانے کی امید دیتا ہے اور ہمیں تاکید فرماتا ہے کہ: *بِیْنِیْ وَبَیْنِکُمْ مِیْزَاتٌ* تم میری تصویر میں کھڑے ہو کر اپنی نماز میں مجھ سے

یہ دعا مانگو کہ *اٰتٰیْنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ مِیْرَاطُ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ* یعنی اے میرے خداوند رحمن و رحیم ہمیں ایسی ہدایت بخش کہ ہم آدم صلی اللہ کے مثیل ہو جائیں۔ شیخ نبی اللہ کے مثیل بن جائیں حضرت نوح آدم ثانی کے مثیل ہو جائیں۔ ابراہیم خلیل اللہ کے مثیل ہو جائیں موسیٰ کلیم اللہ کے مثیل ہو جائیں۔ عیسیٰ روح اللہ کے مثیل ہو جائیں اور جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ حبیب اللہ کے مثیل ہو جائیں۔ اور دنیا کے ہر ایک سدید و شہید کے مثیل ہو جائیں اب ہمارے علماء و جو مثیل ہونے کے دعویٰ کو کفر و الحاد خیال کرتے ہیں اور جس شخص کو الہام الہی کے ذریعے سے اس ممکن الحصول مرتبہ کی بشارت دی جائے اس کو محمد اور کافراور جنمی ٹھہرتے ہیں۔

ذرا سوچ کر بتلاؤں کہ اگر اس آیت کریمہ کے یہ معنی نہیں ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں تو اور کیا معنی ہیں اور اگر یہ معنی صحیح نہیں ہیں تو پھر اللہ جل شانہ کیوں فرماتا ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ یعنی ان کو کہہ دو کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو او میری پیروی کرو تا خدا تعالیٰ بھی تم سے محبت رکھے اور تمہیں اپنا محبوب بنا لیوے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ جس وقت انسان ایک محبوب کی پیروی سے خود بھی محبوب بن گیا تو کیا اس محبوب کا مثیل ہی ہو گیا یا ابھی غیش شیل رہا۔ افسوس ہمارے پر کلینہ مخالفت ذرا نہیں سوچتے کہ طالب مولیٰ کے لئے یہی تو عمدہ اور اعلیٰ خواہش ہے جو اس کو محابدات کی طرف رغبت دیتی ہے اور یہی تو ایک زور آور انجمن ہے جو تقویٰ اور طہارت اور اخلاص اور صدق اور صفا اور استقامت کے مراتب عالیہ کی طرف کھیپتا چلا جاتا ہے اور یہی تو وہ پیاس لگانوالی آگ ہے جس سے ظاہر و باطنی سالک کا بھر ملک اٹھتا ہے اگر اس مقصد کے حصول سے یاس کٹی ہو تو پھر اس محبوب حقیقی کے سچے طالب جیتے ہی مرجائیں۔ آج تک جس قدر اکابر متصوفین گذرے ہیں ان میں سے ایک کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ اس میں متبعین میں شیل الانبیاء بننے کی راہ کھلی ہوئی ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم روسانی اور ربانی علماء کے لئے یہ خوشخبری فرما گئے ہیں کہ علماء اُمتی کا نبیاء بنی اسرائیل اور حضرت بائید بسطامی قدس سرہ کے کلمات طیبہ مندرجہ ذیل جو تذکرۃ الاولیاء میں حضرت فیرید الدین عطار صاحب نے بھی لکھے ہیں اور دوسری معتبر کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں اسی بناء پر ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں کہ میں ہی آدم ہوں میں ہی شیدیت ہوں میں ہی نوح ہوں میں ہی ابراہیم ہوں میں ہی موسیٰ ہوں میں ہی عیسیٰ ہوں میں ہی محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ اخوانہ اجمعین اور اگرچہ انہیں کلمات کی وجہ سے حضرت بائید بسطامی مستمر تبرہ کا فرغیہ اگر بسطام سے جو ان کے رہنے کی جگہ تھی شہر بدر کئے گئے اور میاں عبدالرحمن خلف مولوی محمد کی طرح ان لوگوں نے بھی بائید بسطامی کے کافر اور طحہ بنانے میں سخت غلو کیا

۲۵۸

۲۵۹

۲۶۰

لیکن اُس زمانہ کے گزرنے کے بعد پھر ایسے معتقد ہو گئے کہ جس کا حد انتہاء نہیں اور اُن کے شرطیات کی بھی تاویل کرنے لگے۔

ایسا ہی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ انسان بحالت ترک نفس و اطلاق و فتائی اللہ تمام انبیاء کا قلیل بلکہ انہیں کی صورت کا ہو جاتا ہے اور اس عاجز کے دوست مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی اپنے رسالہ اشاعت السنۃ النبویہ جلد ۱ میں جواز و امکان مثیلیت کے بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے اور اگرچہ اس عاجز کے اس دعویٰ کی نسبت جو مثیل موعود ہونے کے بارہ میں براہین میں درج ہے اور تصریح ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم اور حدیث نبویہ میں اس عاجز کی نسبت بطور پیشگوئی خبر دی گئی ہے مولوی صاحب موصوف نے کھلے کھلے طور پر کوئی اشارہ نہیں کیا لیکن امکانی طور پر تسلیم کر گئے ہیں کیونکہ اُن کا اس معرض بیان میں جو منصب ریویو لکھنے کے اُن کیلئے ضروری تھا سکوت اختیار کرنا اور انکار اللہ منع سے زبان نہ کھولنا دلیل قویٰ اس بات کی ہے کہ وہ اس بات کے بھی ہرگز مخالف نہیں کہ یہ عاجز مجازی اور روحانی طور پر وہی مسیح موعود ہے جس کی قرآن اور حدیث میں خبر دی گئی ہے کیونکہ براہین میں صاف طور پر اس بات کو تذکرہ کر دیا گیا تھا کہ یہ عاجز روحانی طور پر وہی مسیح موعود ہے جس کی اللہ و رسول نے پہلے سے خبر دے رکھی ہے۔ ہاں اس بات سے اُس وقت انکار نہیں ہوا اور نہ اب انکار ہے کہ شاید پیشگوئیوں کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے کوئی اور مسیح موعود بھی آئندہ کسی وقت پیدا ہو مگر فرق اُس وقت کے بیان اور براہین احمدیہ کے بیان میں اس قدر ہے کہ اُس وقت باعث اجمال الہام کے اور نہ معلوم ہونے ہر ایک پہلو کے اجمالی طور پر لکھا گیا تھا اور اب مفصل طور پر لکھا گیا۔ بہر حال مولوی صاحب موصوف نے اس عاجز کے مثیل مسیح ہونے کے بارے میں امکانی ثبوت پیدا کرنے کے لئے بہت زور دیا ہے چنانچہ ایک جگہ وہ محی الدین ابن عربی صاحب کے

کلام کو بغرض تائید مطلب ہذا فتوحات مکیہ باب ۲۲۳ سے نقل کرتے ہیں اور وہ عبارت مع ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

غایۃ الوصلۃ ان یکون الشئ عین ما ظہر ولا یعرف کما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد عانق ابن حزم المحدث فغاب احدہما فی الآخر فلم نر الا واحدًا و هو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہذا غایۃ الوصلۃ و هو المعبر عنہ بالاتحاد (نہات مکیہ) یعنی نہایت درجہ کا اتصال یہ ہے کہ ایک چیز بعینہ وہ چیز ہو جائے جس میں وہ ظاہر ہو اور خود نظر نہ آوے جیسا کہ میں نے خواب میں آنحضرت کو دیکھا کہ آپ نے ابو محمد بن حزم محدث سے مصافحہ کیا۔ پس ایک دوسرے میں غائب ہو گیا۔ بجز ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظر نہ آیا۔ پھر بعد اس کے مولوی صاحب موصوف اپنے بیان کی تائید میں نواب صدیق حسن مرحوم کی کتاب اتحاف النبلا میں سے ایک عربی رباعی مع ترجمہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

توہم را شینا بلبل مزارہ فہم یسعی بیننا بالتباعد
فعاقت حتی اتحدنا تحانقًا فلما اتانا ما رأی غیر واحد
جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ہمارے بدگو (رقیب) نے شب کو ہمارے پاس چارے معشوق کے آنے کا گمان کیا تو ہم میں بھڑائی ڈالنے میں کوشش کرنے لگا۔ پس میں نے اپنے معشوق کو گلے سے لگایا۔ پھر وہ رقیب آیا تو اس نے بجز تجھ ایک کے کسی کو نہ دیکھا۔ پھر یہ شعر فارسی نقل کیا ہے۔

بہرہ شوق بحدیست میان من و تو کہ رقیب آمد و نشست نشان من و تو
اس کے بعد یہ جملہ دعائیہ لکھا ہے رزقنا اللہ من ہذا الاتحاد فی الدنیا والاخرۃ
یعنی خدا تعالیٰ ہم کو بھی ایسا ہی اتحاد دینا اور آخرت میں نصیب کرے۔

پھر میں سیح ابن مریم کے فوت ہو جانے کی نسبت تتمہ کلام بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ گو احادیث اور فرقان اور انجیل کی رو سے

مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی فرقان حمید میں رافضی کا لفظ بھی تو موجود ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہو کر پھر آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔

اس وہم کا جواب یہ ہے کہ آسمان کا تو کہیں اس جگہ ذکر بھی نہیں اس کے معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ میں اپنی طرف تجھے اٹھا لوں گا اور ظاہر ہے کہ جو نیک آدمی مرتا ہے اُسی کی طرف روحانی طور پر اٹھایا جاتا ہے کیا خدا تعالیٰ دوسرے آسمان پر بیٹھا ہوا ہے جہاں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کی روح ہے اور نیز جس حالت میں قرآن شریف اور حدیث کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ فوت ہو گئے تھے تو پھر اس ثبوت کے بعد رفع سے مراد جسم کے ساتھ اٹھایا جانا کمالی درجہ کی غلطی ہے بلکہ صریح اور بدیہی طور پر سیاق و سباق قرآن شریف سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے فوت ہونے کے بعد ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ وجہ یہ کہ قرآن شریف میں صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ ہر ایک مومن جو فوت ہوتا ہے تو اس کی روح خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْمِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّاتٍ يَدْخُلُ فِيهَا رِجَالٌ مِّنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ دُخِلُوا فِيهَا يَمْشُونَ فِيهَا وَعِلْمٌ مِّنْ رَبِّهِمْ لَمْ يُنْزِلْ بِهِ سُلُوكٌ مِّنْ دُونِ سُلُوكِ الْمَلَائِكَةِ وَفِيهَا هُمْ خَالِدُونَ
رب کی طرف چلا آ۔ تو اس سے راضی ہو تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں اندر آ۔ اس جگہ صاحب تفسیر معالم اس آیت کی تفسیر کر کے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۹ میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندہ مومن وفات پانے پہ ہوتا ہے تو اس کی طرف اللہ جل شانہ دو فرشتے بھیجتا ہے اور ان کے ساتھ کچھ بہشت کا تحفہ بھی بھیجتا ہے اور وہ فرشتے آکر اس کی روح کو کہتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ تو روح اور ریحان اور اپنے رب کی طرف جو تجھ سے راضی ہے نکل آ۔ تب وہ روح مشک کی اس خوشبو کی طرح جو بہت لطیف اور خوش کرنے والی ہو

ہونا کہ میں پہنچ کر دماغ کو معطر کر دیتی ہو باہر نکل آتی ہے اور فرشتے آسمان کے کناروں پر کہتے ہیں کہ ایک روح چلی آتی ہے جو بہت پاکیزہ اور خوشبودار ہے۔ تب آسمان کا کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا جو اس کے لئے کھولا نہ جائے اور کوئی فرشتہ آسمان کا نہیں ہوتا کہ اس کے لئے دعائے کرے یہاں تک کہ وہ روح پایہ عرش الہی تک پہنچ جاتی ہو تب خدائے تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے پھر میکائیل کو حکم ہوتا ہے کہ جہاں اور روحیں ہیں وہیں اس کو بھی لے جا۔

اب قرآن شریف کی اس آیت اور حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ روح مومن کی اس کے فوت ہونے کے بعد بلا توقف آسمان پر پہنچائی جاتی ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے تو پھر قرآن شریف کی اس آیت کو کہ **يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قُمْ مَعَ رُسُلِنَا** یا عیسیٰ بن مریم اے عیسیٰ اس آیت کو کہ **يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قُمْ مَعَ رُسُلِنَا** یا عیسیٰ بن مریم اے عیسیٰ اس طرف کھینچنا کہ گویا حضرت عیسیٰ جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے تھے صریح حکم اور زبردستی ہوگی کہ جبکہ بر طبق روایت ابن جبرس و سیاق و سباق کلام الہی **قُمْ مَعَ رُسُلِنَا** کے معنی یہی ہیں کہ میں تجھے ماروں گا تو پھر صاف ظاہر ہے جیسا کہ ابھی ہم بحوالہ کلام الہی لکھ چکے ہیں کہ موت کے بعد نیک بختوں کی روح بلا توقف آسمان کی طرف جاتی ہے یہ تو نہیں کہ فرشتہ ملک الموت روح کو نکال کر کئی گھنٹہ تک وہیں کھڑا رہتا ہے۔ اب اگر ہم فرض کے طور پر وہب کی روایت کو قبول کر لیں کہ حضرت عیسیٰ تین گھنٹہ تک مرے رہے یا سات گھنٹہ تک مردہ پڑے رہے تو کیا ہم یہ بھی قبول کر سکتے ہیں کہ تین گھنٹہ تک یا سات گھنٹہ تک فرشتہ ملک الموت انہی روح اپنی مٹھی میں لے کر اسی جگہ بیٹھا رہا۔ یا جہاں جہاں لاش کو لوگ لے جاتے رہے ساتھ پھرتا رہا اور آسمان کی طرف اس روح کو اٹھا کر نہیں لے گیا۔ ایسا وہم سراسر غلاف نص و حدیث اور مخالف تمام کتب الہامیہ ہے اور جبکہ ضروری طور پر یہی ماننا پڑا کہ ہر ایک مومن کی روح مرنے کے بعد آسمان کی طرف اٹھانی جاتی ہے تو اس سے صاف طور پر کھل گیا کہ **رَأَيْتُكَ** الی کے یہی معنی ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے تو ان کی روح

۷۶۵

آسمان کی طرف اٹھائی گئی بلاشبہ ہر ایک شخص کا نور قلب اور کاشفس بلا تردد اس بات کو سمجھ لیتا اور قبول کر لیتا ہے کہ ایک شخص مومن کی موت کے بعد شرعی اور طبعی طور پر یہی ضروری امر ہے کہ اس کی روح آسمان کی طرف اٹھائی جائے اور اس طریق کا انکار کرنا گویا اہمات مسائل دین کا انکار ہے اور نص اور حدیث سے کوئی ثبوت اس بات کا نہیں مل سکتا اگر حضرت عیسیٰ حقیقت میں موت کے بعد پھر جسم کے ساتھ اٹھائے گئے تھے تو قرآن شریف میں عبارت یوں چلائی تھی یا عیسیٰ بنی متوفیک ثم عیدک ثم رافعک مع جسدک الی السماء یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا پھر زندہ کروں گا پھر تجھے تیرے جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھا لوں گا۔ لیکن اب تو مجرّد رافعک کے جو متوفیک کے بعد ہے کوئی دوسرا لفظ رافعک کا تمام قرآن شریف میں نظر نہیں آتا جو ثم عیدک کے بعد ہو اگر کسی جگہ ہے تو وہ دکھانا چاہیے۔ میں بدعویٰ کہتا ہوں کہ اس ثبوت کے بعد کہ حضرت عیسیٰ فی الحقیقت فوت ہو گئے تھے یقینی طور پر یہی ماننا پڑے گا کہ جہاں جہاں رافعک یا بل رفعہ اللہ الیہ ہے اس سے مراد اُن کی روح کا اٹھایا جانا ہے جو ہر ایک مومن کے لئے ضروری ہے۔ ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری کا خیال دل میں لانا سراسر جہل ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تمام نبی خدا تعالیٰ کی طرف ہی اٹھائے جاتے ہیں۔

۷۶۵

اب ہم بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر چلا گیا تھا قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا صرف یہود اور بے اصل اور متناقض روایات پر اس کی بنیاد معلوم ہوتی ہے مگر اس فلسفی الطبع زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہنی تیزی اپنے ساتھ رکھتا ہے ایسے عقیدوں کے ساتھ دینی کامیابی کی اُمید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے اگر افریقہ کے ریگستان یا عرب کے صحرائیں اُمیوں اور بدوؤں میں یا سمندر کے جزیروں کے اور حشری لوگوں کی جماعتوں میں یہ بے سرو پا باتیں پھیل جائیں تو شاید آسانی سے پھیل سکیں لیکن ہم ایسی تعلیمات کو جو عقل اور تجربہ اور طبعی اور فلسفہ سے

بکلی مخالف اور نیز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت نہیں ہو سکتیں بلکہ اُن کے مخالف حدیثیں ثابت ہو رہی ہیں تعلیم یافتہ لوگوں میں ہرگز پھیلنا نہیں سکتے اور نہ یورپ امریکہ کے محقق طبع لوگوں کی طرف جو اپنے دین کے لغویات سے دست بردار ہو رہے ہیں بطور ہدیہ و تحفہ بھیج سکتے ہیں جن لوگوں کے دل و دماغ کو نئے علوم کی روشنی نے انسانی قوتوں میں ترقی دے دی ہے وہ ایسی باتوں کو کیونکر تسلیم کریں گے جن میں ہر اس سر خدا نے تعالیٰ کی توہین اور اس کی توحید کی اہانت اور اس کے قانون قدرت کا ابطال اور اس کے کتابی اصول کی تنسیخ پائی جاتی ہے۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان سے اُترنا اُس کے جسم کے ساتھ چڑھنے کی فرع ہے لہذا یہ بحث بھی اِک مسیح اُسی جسم کے ساتھ آسمان سے اُترے گا جو دنیا میں اُسے حاصل تھا، اس دوسری بحث کی فرع ہوگی جو مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھایا گیا تھا۔ جبکہ یہ بات قرار پائی تو اول ہمیں اُس عقیدہ پر نظر ڈالنی چاہیے جو اصل قرار دیا گیا ہے کہ کہاں تک وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ کیونکہ اگر اصل کا کما حقہ تصفیہ ہو جائے گا تو پھر اُس کی فرع ماننے میں کچھ تامل نہیں ہوگا اور کم سے کم امکانی طور پر ہم قبول کر سکیں گے کہ جب کہ ایک شخص کا جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے جانا ثابت ہو گیا ہے تو پھر اُسی جسم کے ساتھ واپس آنا اُس کا کیا مشکل ہے لیکن اگر اصل بحث قرآن اور حدیث سے ثابت نہ ہو سکے بلکہ حقیقت امر اس کے مخالف ثابت ہو تو ہم فرع کو کسی طرح سے تسلیم نہیں کر سکتے۔ اگر فرع کی تائید میں بعض حدیثیں بھی ہوں گی تو ہم پر فرض ہوگا کہ اُن کو اصل سے تطبیق دینے کے لئے کوشش کریں اور اگر برعایت اصل وہ حدیثیں حقیقت پر حمل نہ ہو سکیں تو پھر ہم پر واجب ہوگا کہ انہیں استعارات و مجازات میں داخل کر لیں اور بجائے مسیح کے اُترنے کے کسی مثیل مسیح کا اُترنا مان لیں جیسا کہ خود حضرت مسیح نے ایلیاء نبی کی نسبت مان لیا۔ حالانکہ تمام یہودیوں کا اسی پر اجماع تھا اور اب تک ہے کہ ایلیاء آسمان سے اُتر آئے گا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ایلیا کا آسمان پر جانا اور پھر آسمان سے کسی زمانہ میں اترنا بطور پیشگوئی ایک وعدہ تھا اور یہودیوں کا اجماعی عقیدہ مسلمانوں کی طرح اب تک یہی ہے کہ حضرت ایلیا جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے اور پھر آخری زمانہ میں اُسی جسم کے ساتھ پھر آسمان سے اُتریں گے چنانچہ ایلیا کا جسم کے ساتھ آسمان پر جانا سلاطین ۲ باب ۱۱ آیت ۱۱ میں مندرج ہے اور پھر اس کے اُترنے کا وعدہ صحیفہ ملاکی کے باب ۴ آیت ۵ میں بطور پیشگوئی کے دیا گیا ہے جس کے اب تک یہودی لوگ منتظر ہیں اور حضرت مسیح نے جو حضرت یحییٰ کی نسبت کہا کہ ایلیا جو انبیا تھا یہی ہے یہ کلمہ جہود پر یہود کے اجماع کے برخلاف تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے مسیح کو قبول کیا نہ یحییٰ کو۔ کیونکہ وہ تو آسمان کی راہ دیکھ رہے تھے کہ کب ایلیا فرشتوں کے کندھوں پر اُترتا ہے اور بڑی مشکلات اُن کو یہ پیش آگئی تھیں کہ اسی طور کے اُترنے پر اُن کا اجماع ہو چکا تھا اور ظواہر نصوص صحیفہ سلاطین و صحیفہ ملاکی اسی پر دلالت کرتے تھے۔ سو انہوں نے اس آزمائش میں ہار کر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قبول نہ کیا بلکہ مسیح کی نبوت بھی انکاری رہے کیونکہ اُن کی کتابوں میں لکھا تھا کہ ضرور ہے کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے اُتر آوے۔ سو چونکہ ایلیا کا آسمان سے اُترنا جس طرح انہوں نے اپنے دلوں میں مقرر کر رکھا تھا اُسی طرح ظہور میں نہ آیا۔ اس لیے ظاہر پرستی کی شامت سے یہودیوں کو دوسرے نبیوں کی نبوت سے منکر رہنا پڑا یعنی مسیح اور یحییٰ سے۔ اگر وہ لوگ اس ظاہر پرستی سے باز آکر سلاطین اور ملاکی کی عبارتوں کو استعارات و مجازات پر حمل کر لیتے تو آج دنیا میں ایک بھی یہودی نظر نہ آتا سب کے سب عیسائی ہو جاتے کیونکہ صحیفہ سلاطین اور صحیفہ ملاکی میں ایلیا نبی کے دوبارہ آنے سے درحقیقت مراد یہی تھی کہ ظلی اور مثالی وجود کے ساتھ پھر ایلیا دنیا میں آئے گا جس سے مراد حضرت یحییٰ کا آنا تھا جو باعتبار اپنے روحانی خواص کے مثیل ایلیا تھے لیکن یہودیوں نے اپنی بدقسمتی اور بے سعادتگی کی وجہ سے اُن روحانی مخلوق کی طرف رخ نہ کیا۔ اور ظاہر پرستی میں بھٹنے رہے۔ اور درحقیقت ذرہ غور سے دیکھیں تو یہودیوں کو حضرت یحییٰ کے

قبول کرنے کے بارے میں جو مشکلات پیش آگئے تھے اتنے بڑے مشکلات ہمارے بھائی مسلمانوں کو ہرگز پیش نہیں آئے کیونکہ سلاطین ۲ باب ۲ میں صاف طور پر لکھا ہوا اب تک موجود ہے کہ ایلیا نبی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور چار اُس کی زمین پر گر پڑی اور پھر ملاکی باب ۴ آیت ۵ میں ایسی ہی صفائی کے ساتھ وعدہ دیا گیا ہے کہ پھر وہ دنیا میں آئے گا اور مسیح کے لئے راہ درست کرے گا لیکن ہمارے بھائی مسلمان ان تمام مشکلات سے بالکل آزاد ہیں کیونکہ قرآن شریف میں جسم کے ساتھ اٹھائے جانے کا اشارہ تک بھی نہیں بلکہ مسیح کے فوت ہونے کا تبصرہ دگر ہے اگرچہ حدیثوں کی بے سرو پا روایتوں میں سند منقطع کے ساتھ ایسا ذکر بہت سے تناقض سے بھرا ہوا کہیں کہیں پایا جاتا ہے لیکن ساتھ اس کے انہیں حدیثوں میں مسیح کا فوت ہونا بھی بیان کیا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ باوجود اس تعارض اور تناقض کے ضرورت ہی کیا ہے جو غیر معقول شق کی طرف توجہ کی جائے؟ جس حالت میں قرآن اور حدیث کے رو سے وہ راہ بھی کھلی ہوئی نظر آتی ہے جس پر کوئی اعتراض شیعہ اور عقل کا نہیں یعنی مسیح کا فوت ہو جانا اور روح کا اٹھایا جانا تو کیوں ہم اُسی راہ کو قبول نہ کریں جس پر قرآن شریف کی بینات زور دے رہی ہیں؟

ہم نے ایلیا کے صعود و نزول کا قصہ اس غرض سے اس جگہ لکھا ہے کہ تاہم ہمارے بھائی مسلمان ذرہ غور کر کے سوچیں کہ جس مسیح ابن مریم کے لئے وہ لڑتے مرتے ہیں اُسی نے یہ فیصلہ دیا ہے اور اسی فیصلہ کی قرآن شریف نے بھی تصدیق کی ہے۔ اگر آسمان سے اترنا اسی طور سے جائز نہیں جیسے طور سے ایلیا کا اترنا حضرت مسیح نے بیان فرمایا ہے تو پھر مسیح منجانب اللہ نبی نہیں ہے بلکہ نعوذ باللہ قرآن شریف پر بھی اعتراض آتا ہے جو مسیح کی نبوت کا مصدق ہو اب اگر مسیح کو سچا نبی ماننا ہے تو اس کے فیصلہ کو بھی مان لینا چاہیے زبردستی سے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ ساری کتابیں محرف و مبتدل ہیں بلاشبہ ان مقامات سے تحریف کا کچھ علاقہ نہیں اور دونوں فریق یہود و نصاریٰ ان حباروں کی صحت کے قائل ہیں اور پھر ہمارے امام المحدثین

۲۴۳

حضرت اسماعیل صاحب اپنی صحیح بخاری میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کتابوں میں کوئی لفظی تحریف نہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے اور پہلے بھی ہم کئی مرتبہ ذکر کرتے ہیں کہ جس قدر پیش گوئیاں خدا تعالیٰ کی کتابوں میں موجود ہیں اُن سب میں ایک قسم کی آزمائش ارادہ کی گئی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر کوئی پیشگوئی صاف اور صریح طور پر کسی نبی کے بارہ میں بیان کی جاتی تو سب سے پہلے مستحق ایسی پیشگوئیوں کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے کیونکہ اگر مسیح کے اُترنے سے انکار کیا جائے تو یہ امر کچھ مستوجب کفر نہیں لیکن اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کیا جاوے تو بلاشبہ وہ انکار جاودانی جہنم تک پہنچا کرے گا مگر ناظرین کو معلوم ہو گا کہ تمام توریت و انجیل میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور ایسا ہی حضرت مسیح کی نسبت بھی کوئی ایسی کھلی کھلی اہد صاف پیشگوئی نہیں پائی جتنی جس کے ذریعے ہم یہودیوں کو جا کر گردن سے پکڑ لیں۔ حضرت مسیح بھی بار بار یہودیوں کو کہتے رہے کہ میری بابت موسیٰ نے توریت میں لکھا ہے مگر یہودیوں نے ہمیشہ انہیں یہی جواب دیا کہ اگرچہ مسیح ہے کہ ہماری کتابوں میں ایک مسیح کے آنے کی خبر بھی دی گئی ہے مگر تم خود دیکھ لو کہ مسیح کے آنے کا ہمیں یہ نشان دیا گیا ہے کہ ضرور ہے اس سے پہلے ایلیا آسمان سے اُترے جس کا آسمان پر جانا سلاطین کی کتاب میں بیان کیا گیا ہے اس کے جواب میں ہر چند حضرت مسیح ہی کہتے رہے کہ وہ ایلیا یوحنا یعنی یحییٰ زکریا کا بیٹا ہے مگر اس دور دراز تاویل کو کون سنتا تھا اور ظاہر تقریر کے رُوسے یہودی لوگ اس عذر میں سچے معذور ہوتے تھے سو اگرچہ خدائے تعالیٰ قادر تھا کہ ایلیا نبی کو آسمان سے اُتارتا اور یہودیوں کے تمام وساوس بکلی رفع کر دیتا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا تا صداق اور کاذب دونوں آزمائے جائیں کیونکہ شدید آدمی صرف ظاہری حجت کی رُوسے بے شبہ ایسے مقام میں سخت انکار کر سکتا ہے لیکن ایک راست باز آدمی کے سمجھنے کے لئے یہ راہ کھلی تھی کہ آسمان سے اُترنا کسی اور طور سے تعبیر کیا جائے اور ایک نبی جو دوسری علامات صدق اپنے ساتھ رکھتا ہو

۲۴۵

اُن علامات کے لحاظ سے اُس پر ایمان لایا جاوے ہاں یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ اگر سلاطین اور ملاکی کے بیانات کو مسلمان لوگ بھی یہودیوں کی طرح معمول پر ظاہر کریں تو وہ بھی کسی طرح یحییٰ بن زکریا کو مصداق اُسکی پیش گوئی کا نہیں ٹھہرا سکتے اور اس پیچ میں اگر مسیح ابن مریم کی نبوت بھی ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ قرآن شریف نے مسیح کی تاویل کو جو ایلیا نبی کے آسمان سے اُترنے کے بارہ میں انہوں نے کی تھی قبول کر لیا اور مسیح کو اور یحییٰ کو سچائی ٹھہرایا اور نہ اگر قرآن شریف ایلیا کا آسمان سے اُترنا اسی طرح معتبر سمجھتا یعنی ظاہری طور پر جیسا کہ ہمارے بھائی مسلمان مسیح کے اُترنے کے بارہ میں سمجھتے ہیں تو ہرگز مسیح کو نبی قرار نہ دیتا کیونکہ سلاطین اور ملاکی آسمانی کتاب میں ہیں اگر ان مقامات میں اُن کے ظاہری معنی معتبر ہیں تو ان معانی کے چھوڑنے سے وہ سب کتاب میں نکمی اور بیکار ٹھہر جائیگی۔ **میسر دومت مولوی محمد حسین صاحب اس مقام میں بھی غور کریں**؛ اور اگر یہ کہا جائے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ سلاطین اور ملاکی کے وہ مقامات محرف و مبدل ہوں تو جیسا کہ ابھی میں لکھ چکا ہوں تو یہ سراسر وہم و گمان باطل ہے کیونکہ اگر وہ مقام محرف و مبدل ہوتے تو مسیح بن مریم کا یہودیوں کے مقابل پر یہ عہدہ جواب تھا کہ جو کچھ تمہاری کتابوں میں ایلیا کا آسمان پر جانا اور پھر اُترنے کا وعدہ لکھا ہے یہ بات ہی غلط ہے اور یہ مقامات تحریف شدہ ہیں۔

بلکہ مسیح نے تو ایسا عذر پیش نہ کرنے سے اُن مقامات کی صحت کی تصدیق کر دی۔ ماسوا اس کے وہ کتابیں جیسے یہودیوں کے پاس تھیں ویسے ہی حضرت مسیح اور اُن کے خواری اُن کتابوں کو پڑھتے تھے اور اُن کے نگہبان ہو گئے تھے اور یہودیوں کے لئے ہم کوئی ایسا موجب عند المنقل قرار نہیں دے سکتے جو ان مقامات کے محرف کرنے کے لئے انہیں بیقرار کرتا۔ اب حاصل کلام یہ کہ مسیح کی پیش گوئی کے بارہ میں ایلیاہ کے قصہ نے یہودیوں کی راہ میں ایسے پتھر ڈال دئے کہ اب تک وہ اپنے اس راہ کو صاف نہیں کر سکے اور بیشمار رو جس اُن کی کفر کی حالت میں اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔

اب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بار میں توریت کی پیشگوئیوں پر نظر ڈالیں کہ اگرچہ توریت کے دو مقام میں ایسی پیشگوئیاں ملتی ہیں کہ جو خور کرنے والوں پر بشتر طیکہ منصف بھی ہوں ظاہر کرتے ہیں کہ درحقیقت وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں لکھی گئی ہیں لیکن کچھ بحثی کے لئے ان میں گنجائش بھی بہت ہے۔ مثلاً توریت میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی قائم کرے گا۔ اس پیشگوئی میں مشکلات یہ ہیں کہ اُسی توریت کے بعض مقامات میں بنی اسرائیل کو ہی بنی اسرائیل کے بھائی لکھا ہے اور بعض جگہ بنی اسمعیل کو بھی بنی اسرائیل کے بھائی لکھا ہے ایسا ہی دوسرے بھائیوں کا بھی ذکر ہے۔ اب اس بات کا قطعی اور بدیہی طور پر کیونکر فیصلہ ہو کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مراد فقط بنی اسمعیل ہی ہیں۔ بلکہ یہ لفظ کہ ”تیرے ہی درمیان سے“ لکھا ہے زیادہ عبارت کو مشتبہ کرتا ہے اور گو ہم لوگ بہت سے دلائل اور قرائن کو ایک جگہ جمع کر کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ میں جو مماثلت ہے بپایہ ثبوت پہنچا کر ایک حق کے طالب کے لئے نظری طور پر یہ بات ثابت کر دکھاتے ہیں کہ درحقیقت اس جگہ پیشگوئی کا مصداق ہجر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی شخص نہیں لیکن یہ پیشگوئی ایسی صاف اور بدیہی تو نہیں کہ ہر ایک اہل اور احمق کو اس کے ذریعہ سے ہم قائل کر سکیں۔ بلکہ اس کا سمجھنا بھی پوری عقل کا محتاج ہے اور سمجھنا بھی پوری عقل کا محتاج۔ اگر خدا نے تعالیٰ کو ابتداء خلق اللہ کا منظور نہ ہوتا اور ہر طرح سے کھلے کھلے طور پر پیشگوئی کا بیان کرنا ارادۃ الہی ہوتا تو پھر اس طرح پر بیان کرنا چاہیے تھا کہ اے موسیٰ میں تیرے بعد بائیسویں صدی میں ملک عرب میں بنی اسمعیل میں سے ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو گا اور ان کے باپ کا نام عبد اللہ اور دادا کا نام عبد المطلب اور والدہ کا نام آمنہ ہو گا۔ اور وہ مکہ شہر میں پیدا ہوں گے

اور اُن کا حلیہ ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ایسی کوئی پیشگوئی تو ریت میں لکھی جاتی تو کسی چون پر اگر لکھی حاجت نہ رہتی اور تمام شریروں کے ہاتھ پیر باندھے جاتے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا خدا تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر نہ تھا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بلاشبہ قادر تھا بلکہ اگر چاہتا تو اس سے بڑھ کر ایسے صاف صاف اور کھلے کھلے نشان لکھ دیتا کہ سب گردنیں اُن کی طرف جھک جاتیں اور دنیا میں کوئی منکر نہ رہتا۔ مگر اُس نے اس تصریح اور توضیح سے لکھنا اس لئے پسند نہیں کیا کہ ہمیشہ پیشگوئیوں میں ایک قسم کا ابتلاء بھی اُسے منظور ہوتا ہے تاکہ مجھے والے اور حق کے سچے طالب اسکو سمجھ لیں۔ اور جن کے نفسوں میں نخوت اور تکبر اور جلد بازی اور ظاہر بینی ہے وہ اسکو قبول کرنے سے محروم رہ جائیں۔

اب یقیناً سمجھو کہ یہی حال اس پیشگوئی کا ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ اس مریم دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے شرقی طرف منارہ کے پاس اُترے گی کیونکہ اگر ایسی طور اور اسی ظاہری صورت پر پیشگوئی نے پورا ہونا ہے تو پھر ایسے طور سے اُترنے کے وقت میں دنیا کے باشندوں میں سے کون منکر رہ سکتا ہے؟ تمام قوموں کو جو اب دنیا پر بستی ہیں کیا یہودی اور کیا عیسائی اور کیا ہندو اور بدھ مذہب والے اور مجوسی غرض سب فرقوں کو پوچھ کر دیکھ لو کہ اگر اس طور سے اُترتا کوئی نبی نہیں دکھا دے تو کیا پھر بھی تم اس کی نبوت اور اس کے دین میں کچھ شک اور شبہ رکھتے رہو گے؟ بلاشبہ تمام لوگ یہی جواب دیں گے کہ اگر ہم ایسا بزرگ فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اُترتا ہوا دیکھ لیں تو بلاشبہ ایمان لے آئیں گے حالانکہ اللہ جل شانہ، قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے یا حسرةً علی العباد ملیناً تیہم من رسول الا کاذابہ یستہزءون یعنی اے حسرت مندوں پر کہ ایسا کوئی نبی نہیں آتا جس سے وہ ٹھٹھا نہ کریں۔ ایسا ہی قرآن شریف کے دوسرے مقامات میں

جا بجا لکھا ہوا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کو لوگوں نے بالاتفاق مان لیا ہو۔ اب اگر حضرت مسیح ابن مریم نے درحقیقت ایسے طور سے ہی اترنا ہے جس طور سے ہمارے علماء یقین کئے بیٹھے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے کوئی فرد بشر انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمارے علماء کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ اگر میں فرشتوں کو بھی زمین پر نبی مقرر کر کے بھیجتا تو انہیں بھی التیاس اور اشتباہ سے خالی نہ رکھتا۔

۲۸۱

یعنی ان میں بھی شبہ اور شک کرنے کی جگہ باقی رہتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہی معجزہ آسمان سے اترنے کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مانگا گیا تھا اور اس وقت اس معجزہ کے دکھلانے کی بھی ضرورت بہت تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار رسالت کرنے سے جہنم ابدی کی سزا تھی مگر پھر بھی خدا تعالیٰ نے یہ معجزہ نہ دکھلایا اور سائلوں کو صاف جواب ملا کہ اس دارالابتلاء میں ایسے کھلے کھلے معجزات خدا تعالیٰ ہرگز نہیں دکھاتا۔ تا ایمان بالغیب کی صورت میں فرق نہ آوے۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک بندہ اترتا ہوا دیکھ لیا اور فرشتے بھی آسمان سے اترتے ہوئے نظر آئے تو پھر تو بات ہی بکلی فیصلہ ہو گئی۔ تو پھر کون بد بخت ہے جو اس سے منکر رہے گا؟ قرآن شریف اس قسم کی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں لکھا ہے کہ ایسے معجزات دکھانا خدا تعالیٰ کی عادت نہیں ہے اور کفار مکہ ہمیشہ ایسے ہی معجزات مانگا کرتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ برابر انہیں یہ کہتا تھا کہ اگر تم چاہیں تو کوئی نشان آسمان سے ایسا نازل کریں جس کی طرف تمام مسکروں اور کافروں کی گردنیں جھک جائیں۔ لیکن اس دارالابتلاء میں ایسا نشان ظاہر کرنا ہماری عادت نہیں۔ کیونکہ اس سے ایمان بالغیب جس پر تمام ثواب مترتب ہوتا ہے ضائع اور دور ہو جاتا ہے۔ سو اسے بھائیو! میں محض نصیحتاً کہتا ہوں کہ اس خیال محال سے باز آجاؤ۔ ان دو قرینوں پر متوجہ ہو کر نظر ڈالو کہ کس قدر قوی اور

۲۸۲

کھلے کھلے ہیں۔ اول ایلیانہبی کا آسمان سے اترنا کہ آخر وہ اترے تو کس طرح اترے۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال ہونا اور قل سبحان ربی اس کا جواب ملنا۔ اپنے دلوں میں سوچو کیا یہ اس بات کے سمجھنے کے لئے قرآنِ فہم اور دلائل کافیہ نہیں؟ کہ آسمان سے اترنے سے مراد حقیقی اور واقعی طور پر اترنا نہیں بلکہ مثالی اور ظنی طور پر اترنا مراد ہو۔ ابتدائے عالم آفرینش سے آج تک اسی طور سے مقدس لوگ آسمان سے اترتے رہے ہیں۔ اور مثالی طور پر ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ یہ آدم ثانی آیا ہے اور یہ یوسف ثانی اور یہ ابراہیم ثانی لیکن آدم زاد کا جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے اترنا اب تک کسی نے مشاہدہ نہیں کیا۔ پس وہ امر جو اصول نظام عالم کے برخلاف اور قانون قدرت کے مبائن و مخالف اور تجارب موجودہ و مشہودہ کا ضد پڑا ہے اس کے ماننے کے لئے صرف ضعیف اور متناقض اور رکیک روایتوں سے کام نہیں چل سکتا۔ سو یہ امید مت رکھو کہ سچ مح اور حقیقت تمام دنیا کو حضرت مسیح ابن مریم آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اترتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ اگر اسی شرط سے اس پیش گوئی پر ایمان لانا ہے تو پھر حقیقت معلوم، وہ اتر چکے تو تم ایمان لا چکے ایسا نہ ہو کہ کسی غبارہ (بیلون) پر چڑھنے والے اور پھر کھارے سامنے اترنے والے کے دھوکہ میں آ جاؤ۔ سو ہوشیار رہنا آئندہ اس اپنے جے ہونے خیال کی وجہ سے کسی ایسے اترنے والے کو ابن مریم نہ سمجھ بیٹھنا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو شخص سچ کو قبول نہیں کرتا پھر دوسرے وقت میں اس کو جھوٹ قبول کرنا پڑتا ہے۔ جن بے سعادت اور بد بخت لوگوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کیا تھا انہوں نے مسلمان کذاب کو قبول کر لیا حتیٰ کہ چھ سات ہفتہ کے اندر ہی ایک لاکھ سے زیادہ اس پر ایمان لے آئے۔ سو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور الگ الگ گوشوں میں بیٹھ کر فکرو کہ اب تک سنت اور عادت الہی کس طرح پر چلی آئی ہے۔ اور یہ بھی سوچو کہ صحیح حیثیتوں میں آسمان سے اترنے کا بھی کہیں ذکر نہیں اور صرف نزل یا نزل کا لفظ آسمان سے اترنے پر

۲۸۲

۲۸۳

ہرگز دلالت نہیں کرتا اور اگر فرض کے طور پر آسمان کا لفظ بھی ہوتا تب بھی ہمارے مطلب کو مضرومخل نہیں تھا۔ کیونکہ نورت وانجیل میں ایسی آیتیں بہت سی پائی جاتی ہیں جن میں نبیوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ آسمان سے ہی اترتے ہیں مثلاً یوحنا کی انجیل میں حضرت یحییٰ کی طرف سے یہ قول لکھا ہے کہ وہ جوزین سے آتا ہے وہ زمینی ہے اور زمین سے کہتا ہے وہ جو آسمان سے آتا ہے سب کے اوپر ہے (یعنی نبیوں کا قول دوسرے عقلمندوں کے قول پر مقدم ہے۔ کیونکہ نبی آسمان سے اترتا ہے) دیکھو یوحنا باب آیت ۳۱۔ پھر دوسرا قول یہ ہے۔ میں آسمان پر اس لئے نہیں اترتا کہ اپنی مرضی پر چلوں۔ یوحنا باب آیت ۱۱۔ پھر تیسرا قول یہ ہے کہ کوئی آسمان پر نہیں گیا سوائے اُس شخص کے کہ جو آسمان پر سے اترے۔ یوحنا باب آیت ۱۳۔ اور فقط یہ کہنا کہ ہم نے اُتارا یا اُترنا اس بات پر ہرگز دلالت نہیں کرتا کہ آسمان سے اُتارا گیا ہے کیونکہ قرآن شریف میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ہم نے لوہا اُتارا اور چار پائے (مویں) اُتارے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ تمام مویشی تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں کسی شخص نے گھوڑا یا بیل یا گدھا وغیرہ آسمان سے اُترتا کبھی نہیں دیکھا ہوگا حالانکہ اس جگہ صریح لفظ نزول کا موجود ہے اور کوئی شخص اس آیت کو ظاہر پر حمل نہیں کرتا۔ پھر جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی کلام میں ایسے ایسے استعارات و مجازات و کنایات بھی موجود ہیں جن کے ظاہر لفظوں میں صریح اور صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ لوہا اور تمام مویشی

قال الله تعالى (۱) و انزلنا الحديد سورة الحديد الحزبہ نمبر ۴۰ (۲) قد انزلنا عليك الكتاب بالبرهان (۳) و انزل لکم من الانعام سورة الزمر الحزب نمبر ۳۹ (۱) یعنی ہم نے لوہا (۲) انار (۳) اور ہم نے تم پر کھانسی (۴) اور تمہارے لئے چار پائے (۵) آگے۔ ایسا ہی تورات میں یہ فقرات ہیں۔ ہمارا انترنا بیان ان میں گنتی باب ۱ آیت ۱۲۵ کے یوحنا کے پار انترنا نہ ہوگا۔ استثنیٰ باب آیت ۲۲۔ چارے آگے کی جگہ ہے۔ پیرا میں ۲۴۔ ۲۵۔ اب ان تمام آیات کا ترجمہ ہے کہ آگے کا لفظ آگے پر ہر گز دلائل نہیں کرتا کہ آگے کے ساتھ آگے کا لفظ زیادہ کر لینا ایسا ہے جیسا کسی جھوٹے سے پوچھا جائے کہ وہاں دو کتنے ہوتے ہیں تو وہ جواب دے کہ چار و پانچ ہیں۔

ہم نے اُترے ہیں اور مراد اس سے کوئی اور کھی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ
 اسی طرح پر واقع ہے کہ اُترنا کسی چیز کا بیان فرماتا ہے اور اصل مقصود اس اُترنے سے کچھ
 اور ہی ہوتا ہے۔ انصاف کرنا چاہیے کہ کیا حضرت مسیح کا آسمان سے اُترنا ان آیات کی نسبت
 زیادہ صفائی سے بیان کیا گیا ہے؟ بلکہ مسیح کا اُترنا صرف بعض حدیثوں کی روش سے خیال کیا جاتا ہے
 اور حدیثیں بھی ایسی ہیں جن میں آسمان کا ذکر ہی نہیں صرف اُترنا لکھا ہے لیکن گدھوں اور
 بیلوں کا آسمان سے اُترنا قرآن کریم آپ فرما رہا ہے۔ پس سوچ کر دیکھو کہ کس طرف کو ترجیح
 ہے۔ اگر حضرت مسیح کا آسمان اُترنا صرف اس لحاظ سے ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس سے زیادہ
 صاف گدھوں اور بیلوں کا اُترنا ہے۔ اگر ظاہر پر ہی ایمان لانا ہے تو پہلے گدھوں اور بیلوں
 پر ایمان لاؤ کہ وہ حقیقت میں آسمان سے اُترتے ہیں یا اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے یوں کرو کہ
 انزلنا کے لفظ کو مضارع استقبال کے معنوں پر حمل کر کے آیت کی اس طرح تفسیر
 کر لو کہ آخری زمانہ میں جب حضرت مسیح آسمان سے اُتریں گے تو ساتھ ہی بہت سے
 گدھے خاص کر سواری کا گدھا ایسا ہی بہت سے بیل اور گھوڑے اور خچر ہیں اور لوہا بھی
 آسمان سے اُترے گا تا آیات اور حدیث کی معانی میں پوری تطبیق ہو جائے ورنہ ہر ایک
 شخص اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہے کہ قرآن شریف میں کیوں معنی آیات کے ظاہر سے
 باطن کی طرف پھیرے جلتے ہیں اور حدیثوں میں جو حضرت عیسیٰ کے اُترنے کے بارے میں
 وہی الفاظ ہیں کیوں ان کے ظاہر ہی معنی اپنی حد سے بڑھ کر قبول کیے جاتے ہیں؟ حالانکہ
 قرآنِ قویہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر ہرگز نہیں گیا اور نہ آسمان کا
 لفظ اس آیت میں موجود ہے بلکہ لفظ تو صرف یہ ہے یا عیسیٰ الٰہی متوفیک و
 رافعک الٰہی پھر دوسری جگہ ہے بل رفعہ اللہ الیہ جس کے یہ معنی ہیں
 کہ خدائے تعالیٰ نے مسیح کو موت دے کر پھر اپنی طرف اٹھالیا جیسا کہ یہ عام محاورہ ہے
 کہ نیک بندوں کی نسبت جب وہ مرجاتے ہیں یہی کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کو خدا تعالیٰ نے

اپنی طرف اٹھا لیا ہے جیسا کہ آیت ارجعی اِلٰی رَبِّکَ اِسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔
خدا تعالیٰ تو ہر جگہ موجود اور حاضر ناظر ہے اور جسم اور جسمانی نہیں اور کوئی جہت نہیں رکھتا۔
پھر کیونکر کہا جائے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا ضرور اس کا جسم آسمان میں پہنچ
گیا ہوگا۔ یہ بات کس قدر صداقت سے بعید ہے؟ راستباز لوگ روح اور روحانیت
کی رو سے خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں نہ یہ کہ ان کا گوشت اور پوست اور اُن کی
ہڈیاں خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ خود ایک آیت میں فرماتا ہے لٰکن ینال اللہ
لحمہما ولا دما عھا ولکن ینالہ التَّقْوٰی منکم یعنی خدا تعالیٰ تک گوشت اور
خون قربانیوں کا ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اعمال صالحہ کی رُوح جو تقویٰ اور طہارت سے وہ
تمہاری طرف سے پہنچتی ہے۔

اس تمام تقریر سے ایک سچائی کے طالب کے لئے ایک پوری پوری اطمینان اور تسلی
ملتی ہے کہ جہاں جہاں قرآن شریف اور حدیث میں کسی مجسم چیز کا آسمان سے اتارا جانا لکھا ہو
خواہ حضرت مسیح ہیں یا اور چیزیں وہ سب الفاظ ظاہر پر ہرگز محمول نہیں ہیں۔ چنانچہ جہاں
علماء بھی ایک سچ کو باہر نکال کر باقی تمام مقامات میں ظاہر معانی کو باطن کی طرف پھیر لیتے
ہیں۔ فقط مسیح کی نسبت کچھ ایسی ضد اور چڑاں کی طبیعتوں میں بیٹھ گئی ہے کہ مجیز اس کے
راضی نہیں ہوتے کہ اُن کے جسم کو آسمان پر پہنچادیں اور پھر کسی نامعلوم زمانہ میں اُسی جسم کا
آسمان سے اُترنا یقین رکھتے ہیں۔

ہمارے علماء خدا نے تعالیٰ ان کے حال پر رحم کیسے ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کے مرتبہ اور شان کو نہیں دیکھتے کہ سب زیادہ خدا نے تعالیٰ کا انہیں فیض تھا مگر باوجودیکہ آنحضرت
کے رُخ جسمی کے بارہ میں یعنی اس بارہ میں کہ وہ جسم کے سمیت شب معراج میں آسمان کی طرف
اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا جیسا کہ مسیح کے اٹھائے جانے کی نسبت
اس زمانہ کے لوگ اعتقاد رکھتے ہیں یعنی جسم کے ساتھ اٹھائے جانا اور پھر جسم کے ساتھ اترنا۔

لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ وہ ایک رویائے
 صالحہ تھی اور کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ کا نام نعوذ باللہ ملحدہ یا ضالہ نہیں رکھا اور نہ اجماع
 کے برخلاف بات کرنے سے انہیں ٹوٹ کر پڑ گئے۔ اب اے منصوفو! اسے حق کے طالبو!
 اے خدائے تعالیٰ سے ڈرنے والے بندو! اس مقام میں ذرہ ٹھہر جاؤ!!! اور آہستگی
 اور تدبیر سے خوب غور کرو کہ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر جسم کے ساتھ چڑھ جانا
 اور پھر جسم کے ساتھ اترنا ایسا عقیدہ نہیں ہے جس پر صدر اقل کا اجماع تھا اور بعض صحابی
 جو اس اجماع کے مخالف قائل ہوئے کسی نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ نہ ان کا نام ملحد اور ضال اور
 مآول مخطیٰ رکھا۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی معراج کا
 مسئلہ بالکل مسیح کے جسمانی طور پر آسمان پر چڑھنے اور آسمان سے اترنے کا مشکل ہے اور
 ایک مشکل مقدمہ کے بارے میں بعض صحابہ جلیلہ کا ہماری رائے کے مطابق رائے ظاہر کرنا
 درحقیقت ایک دوسرے پر لایہ میں ہماری رائے کی تائید ہے یعنی حضرت عائشہ صدیقہ
 رضی اللہ عنہا کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کی نسبت انکار کرنا درحقیقت
 اور دوسرے دھسک کے جسمانی رف و معراج سے بھی انکار ہے۔ سو ہر ایک ایسے مومن کے لئے جو
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور عزت مسیح کی عظمت اور عزت سے برتر اور بہتر سمجھتا ہے
 طریق ادب یہی ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ جو مرتبہ قرب اور کمال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے لئے جائز نہیں وہ مسیح کے لئے بھی بوجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس حالت میں مسلمانوں کا
 عام طور پر یہ مذہب ہے کہ مسیح ابن مریم آخری زمانہ میں ایک اُمتی بنکر آئے گا
 اور مقتدی ہوگا نہ مقتدای العیسیٰ نمازیں۔ پس اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ
 اس شخص کا درجہ کہ جو آخر اُمتی بن کر آئے گا اُس دوسرے شخص کے درجہ سے نہایت ہی کمتر
 اور فروتر ہونا چاہیے جس کو اُمتی کا نبی اور رسول اور پیشوا ٹھہرایا گیا ہے یعنی ہمارے سید
 مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور بڑے تعجب کا مقام ہوگا کہ ایک اُمتی کی وہ تعریفیں کی جائیں

۲۹۵

۲۹۶

ہو اس کے رسول کی نہیں کی گئیں۔ اور وہ عظمت اس امتی کو دی جائے جو اسکے رسول کو نہیں دی گئی۔
 اور اگر یہ کہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امتی کر کے کہاں بیکار آگیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ
 صحیح بخاری کی وہ حدیث دیکھو جس میں امام مکہ منکہ موجود ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ
 منکہ کے خطاب کے مخاطب امتی لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے دنیا
 کے اخیر تک ہوتے رہیں گے۔ اب ظاہر ہے کہ جب مخاطب صرف امتی لوگ ہیں اور یہ امتیوں
 کو خوشخبری دی گئی کہ ابن مریم جو آئیوا لا ہے وہ تم میں سے ہی ہوگا اور تم میں سے ہی پیدا ہوگا
 تو دوسرے لفظوں میں اس فقرے کے یہی معنی ہوئے کہ وہ ابن مریم جو آنے والا ہے کوئی نبی
 نہیں ہوگا بلکہ فقط امتی لوگوں میں سے ایک شخص ہوگا۔

۲۹۲

اب سوچنا چاہیے کہ اس سے بڑھ کر اس بات کے لئے اور کیا قرینہ ہوگا کہ ابن مریم سے
 اس جگہ وہ نبی مراد نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی کیونکہ نبوت ایک عطاء غیر مجذوبہ ہے اور
 نبی کا اس عطاء سے محروم و بے نصیب کیا جانا ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر فرض کر لیں کہ وہ نبی ہونے
 کی حالت میں ہی آئینگے اور بحیثیت نبوت نزول فرماوینگے تو ختم نبوت اس کا مانع ہے۔ سو
 یہ قرینہ ایک بڑا بھاری قرینہ ہے بشرطیکہ کسی کے دل و دماغ میں خدا داد تقویٰ و فہم موجود ہو۔

میرے دوست مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب اپنے ایک خط میں مجھے لکھتے ہیں کہ
 اگر آپ کا قبیل موعود ہونا مان لیا جائے تو پھر بخاری و مسلم و دیگر صحاح نسکی و بیکار ہو جائیں گی۔
 اور ایک سخت تفرقہ اُحمات مسائل دین میں پڑے گا۔ سو اول میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ
 میرے دوست وہی مولوی صاحب ہیں کہ جو اپنے اشاعت السنۃ نمبر، جلد ۱ میں امکانی طور پر
 اس عاجز کا مثیل مسیح اور پھر موعود بھی ہونا تسلیم کر چکے ہیں۔ کیونکہ براہین احمدیہ میں
 جس کا مولوی صاحب نے ریلو لکھا ہے ان دونوں دعووں کا ذکر ہے یعنی اس عاجز نے
 براہین میں صاف اور صریح طور پر لکھا ہے کہ یہ عاجز مثیل مسیح ہے اور نیز موعود بھی ہے۔
 جس کے آنے کا وعدہ قرآن شریف اور حدیث میں روحانی طور پر دیا گیا ہے۔

۲۹۳

اب مجھے مولوی صاحب کے اس بیان پر کہ اس عاجز کے مثیل مسیح ماننے سے صحیح بخاری و صحیح مسلم بے کار ہو جائیں گی دینی عقائد میں ابتری پڑ جائے گی سخت تعجب ہے کیونکہ ہم نے اب ان رسالوں میں کوئی نئی بات تو نہیں لکھی۔ یہ تو وہی پرانی باتیں ہیں جو میں اس سے پہلے براہین احمدیہ میں لکھ چکا ہوں جن کی نسبت مولوی صاحب موصوف اپنے ریویلو کے معرض بیان میں سکوت اختیار کر کے اس عاجز کی صداقت دعویٰ کی نسبت شہادت دے چکے ہیں۔ بلکہ امکانی طور پر مثیل مسیح ہونا اس عاجز کا اپنے صریح بیان میں تسلیم کیے چکے ہیں۔ ہاں اس رسالہ میں میں نے خدا تعالیٰ سے علم قطعی و یقینی پاکر براہین احمدیہ کے مضمون سے اس قدر زیادہ لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم مثالی اور ظلی وجود کے ساتھ آئے گا نہ وہی اصلی مسیح۔ سو میں نے اجماعی عقیدہ کی (اگر اجماع فرض کیا جائے) ایک تفسیر کی ہے نہ اس کے بخلاف کچھ کہا ہے۔ اور مولوی صاحب کو معلوم ہو گا کہ برخلاف اجماع صحابہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے دونوں ٹکڑوں کی نسبت یہی رائے ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسم کے ساتھ نہ بیت المقدس میں گئے نہ آسمان پر بلکہ وہ ایک رؤیا صالحو تھی۔ اظہار ہے کہ عائشہ صدیقہ کا یہ قول بخاری اور مسلم کا کچھ خلل انداز نہیں ہوا اور نہ صحاح ستہ کو اس نے نکمٹا اور بے کار کر دیا۔ تو پھر اس عاجز کے اس دعویٰ اور اس الہام سے صحیح رہے کیونکہ کئی اور بے کار ہو جائیں گی؟ مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان پر جانا کہاں ایسا ثابت ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا؟ سو اسے میرے عزیز بھائی اس مقام میں تامل کر اور جلدی نہ کرے۔

تامل کنناں در خط و صواب بہ اثر از خایان حاضر جواب

اور اگر مولوی صاحب یہ عذر پیش کریں کہ ہم نے اگرچہ اپنے ریویلو میں امکانی طور پر مثیل مسیح ہونا آپ کا مان لیا ہے اور ایسا ہی ظلی اور روحانی طور پر مسیح موعود ہونا بھی مان لیا۔ لیکن ہم نے یہ کتب مانا ہے کہ آپ ہمہ وجہ ان پیش گوئیوں کے مصداق کامل ہیں جو مسیح ابن مریم کے بارے میں صحاح میں موجود ہیں؟

۲۹۵

اس عذر کا جواب یہ ہے کہ اس عاجز کی طرف سے بھی یہ دعویٰ نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پر ہی خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا بلکہ میں تو ماننا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کچھ دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آسکتا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال اور اقبال کے ساتھ بھی آئے اور ممکن ہے کہ اول وہ دمشق میں ہی نازل ہو مگر اے میرے دوست مجھے اس بات کے ماننے اور قبول کرنے سے معذور تصور فرمائیے کہ وہی مسیح ابن مریم جو فوت ہو چکا ہے اپنے خاکی جسم کے ساتھ پھر آسمان سے اُترے گا۔ اسلام اگرچہ خدائے تعالیٰ کو قادر مطلق بیان فرماتا ہے اور فرمودہ خدا اور رسول کو عقل پر فوقیت دیتا ہے مگر پھر بھی وہ عقل کو معطل اور بے کار ٹھہرانا نہیں چاہتا اور اگر صاف اور صریح طور پر کوئی امر خلاف عقل کسی الہامی کتاب میں واقع ہو اور ہم اس کے چاروں طرف نظر ڈال کر اس حقیقت تک پہنچ جائیں کہ دراصل یہ امر خلاف عقل ہے برتر از عقل نہیں تو ہمیں شریعت اور کتاب الہی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس امر غیبی معقول کو حقیقت پر حمل کر بیٹھیں بلکہ قرآن شریف میں ہمیں صاف تاکید فرمائی گئی ہے کہ آیات متشابہات یعنی جن کا سمجھنا عقل پر مشتبہ رہے ان کے ظاہری معانی پر ہرگز زور نہیں دینا چاہیے کہ درحقیقت یہی مطلب اور مراد خدا تعالیٰ کی ہے۔ بلکہ اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کی اصل حقیقت کو

۲۹۶

۲۹۷

بعض لوگ موحیدین کے فرقہ میں سے بحوالہ آیات قرآنی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم انواع و اقسام کے پرندے بنا کر اور ان میں چھوٹک مار کر زندہ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر اس عاجز پر اہم اعتراض کیا ہے کہ جس حالت میں مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر آپ بھی کوئی مٹی کا پرندہ بنا کر پھر اس کو زندہ کر کے دکھائیے۔ کیونکہ جس حالت میں حضرت مسیح کے کر دیا کر دے بنائے ہوئے ایک موجود ہیں جو ہر طرف پر دیا کرتے نظر آتے ہیں تو پھر مثیل مسیح بھی کسی پرندہ کا خالق ہونا چاہیے۔

ان تمام وہام باطلہ کا جواب یہ ہے کہ وہ آیات جن میں ایسا لکھا ہے متشابہات میں سے ہیں اور ان کے یہ معنی کہ ناکہ گویا خدا تعالیٰ نے اپنے ارادہ اور اذن سے حضرت عیسیٰ کو صفات حقیقت میں شریک کر رکھا تھا صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ اپنی صفات خاصہ الہیہیت بھی دوسرے کو دے سکتا ہے

۲۹۸

حوالہ بخدا کر دینا چاہیے۔ اب دیکھو کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی کامل تعلیم ہے کہ اُسی کی برکت سے ہم ہزار ہا ایسے جھگڑوں سے نجات پاسکتے ہیں جو قصص ماضیہ یا پیش گوئیوں کی نسبت اس زمانہ میں پیدا ہو رہے ہیں کیونکہ ہر ایک اعتراض خلاف عقل محض کو حقیقت پر حمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جبکہ ہم نے اس ضد کو ہی چھوڑ دیا اور اپنے مولیٰ کی ہدایت کے موافق تمام مشابہات میں جن کا سمجھنا عقل پرستہ رہتا ہے یہی اصول مقرر کر رکھا کہ ان پر اجمالی طور پر ایمان لاویں اور ان کی اصل حقیقت حوالہ بخدا کریں تو پھر اعتراض کے لئے کوئی بنیاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ایک صحیح حدیث میں یہ لکھا ہو کہ اگر دُش اور دُش کو جمع کریں تو وہ بیس

۲۹۷

۲۹۸

تو اس کی خدائی باطل ہوتی ہے اور مورد صراحت یہ عذر کہ ہم ایسا اعتقاد نہیں رکھتے کہ اپنی ذاتی طاقت سے حضرت عیسیٰ خالق طیور تھے بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ طاقت خدا تعالیٰ نے اپنے اذن اور ارادہ سے ان کو دے رکھی تھی اور اپنی مرضی سے ان کو اپنی خالقیت کا حصہ دار بنا دیا تھا اور یہ اسکو اختیار ہے کہ جس چاہے اپنا مشیل بنا دیوے قادر مطلق ہو ہوا۔ یہ سراسر مشرکانه باتیں ہیں اور کفر سے بدتر۔ اس موجد کو یہ بھی کہا گیا کہ کیا تم اب شناخت کر سکتے ہو کہ ان پر بندوں میں سے کون سے ایسے پرندے ہیں جو خدا تعالیٰ کے بندے ہوئے ہیں اور کون سے ایسے پرندے ہیں جو ان پر بندوں کی نسل ہیں جس کے حضرت عیسیٰ خالق ہیں؟ تو اس نے اپنے ساکت رہنے سے یہی جواب دیا کہ میں شناخت نہیں کر سکتا۔

۲۹۹

اب واضح رہے کہ اس زمانہ کے بعض موعودین کا یہ اعتقاد کہ پرندوں کے نوع میں سے کچھ تو خدا تعالیٰ کی مخلوق اور کچھ حضرت عیسیٰ کی مخلوق ہے۔ سراسر فاسد اور مشرکانه خیال ہے اور ایسا خیال رکھنے والا بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور یہ عذر کہ ہم حضرت عیسیٰ کو خدا تو نہیں مانتے بلکہ یہ مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بعض اپنی خدائی کی صفتیں انکو عطا کر دی تھیں نہایت مکروہ اور باطل عذر ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ اپنے اذن اور ارادہ سے اپنی خدائی کی صفتیں بندوں کو دے سکتا ہے تو بلاشبہ وہ اپنی ساری صفتیں خدائی کی ایک بندہ کو دے کر پورا خدا بنا سکتا ہے۔ پس اس صورت میں مخلوق پرستوں کے کل مذاہب سچے ٹھہر جائیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ کسی بشر کو اپنے اذن اور ارادہ سے خالقیت کی صفت عطا کر سکتا ہے پھر تو وہ اس طرح کسی کو اذن اور ارادہ سے اپنی طرح عالم الغیب بھی بنا سکتا ہے اور اس کو ایسی قوت بخش سکتا ہے جو خدا تعالیٰ

۳۰۰

نہیں بلکہ پندرہ ہوں گی تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس حدیث کے مضمون کو حقیقت پر حمل کر بیٹھیں اور ناحق بے جا قہر کرنے سے مخالفوں سے ہنسی کرائیں۔ ہمارے لئے قرآن کریم کی تعلیم سے یہ راہ کھلی ہے کہ ہم اس حدیث کو متشابہات میں داخل کریں اور سنہ سے اپنے تمثیل بجا دیں۔ لیکن اگر ہم علم میں ایسے رستے کئے جائیں جو الہامی طور پر ہمیں وہ معقولی راہ دکھلائی جائے جس سے لوگ مطمئن ہو سکتے ہیں تو پھر کچھ ضرورت نہیں کہ ہم ایسی آیت یا حدیث کو متشابہات میں داخل رکھیں بلکہ ان معقولی معنوں کو جو الہام کے ذریعہ سے ظاہر ہوئے ہیں شکر کے ساتھ ہم قبول کر لیں گے۔

کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر ہو اور ظاہر ہے کہ اگر خدائی کی صفیت بھی بندوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں تو پھر خدا تعالیٰ کا وحدہ لا شریک ہونا باطل ہے جس قدر دنیا میں مخلوق پرست ہیں وہ بھی یہ تو نہیں کہتے کہ ہمارے معبود خدا ہیں بلکہ ان کو محدود کی طرح جان کا بھی حقیقت یہی قول ہے کہ ہمارے معبودوں کو خدا تعالیٰ نے خدائی کی طاقتیں دے رکھی ہیں۔ اب اعلیٰ درجہ تو وہی ہے اور یہ صرف چھوٹے چھوٹے خدا ہیں۔ تعجب کہ یہ لوگ بیا رسول اللہ کہنا شریک کا کلمہ سمجھ کر منع کرتے ہیں لیکن مریم کے ایک عاجز بیٹے کو خدائی کا حصہ دار بناتا ہے۔ بھلا تو آپ لوگوں کا در اصل یہی مذہب ہے کہ خدائی بھی مخلوق میں تقسیم ہو سکتی ہے اور خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی صفت خالقیت و رازقیت و عالیت و قدرت وغیرہ میں ہمیشہ کیلئے شریک کر دیتا ہے تو پھر آپ لوگوں نے اپنے بدعتی بھائیوں سے اس قدر جنگ جمل کیوں شروع کر رکھی جو وہ بیکارہ بھی تو اپنے اولیاد کو خدا کر کے نہیں ماننے صرف یہی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے اذن اور ارادہ سے کچھ خدائی طاقتیں انہیں دے رکھی ہیں اور انہی طاقتوں کی وجہ سے جو باذن الہی ان کو حاصل ہیں وہ کسی کو بیٹا دیتے ہیں اور کسی کو بیٹی۔ اور ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ نذریں نیازیں لیتے ہیں اور درویش دیتے ہیں سب اگر کوئی طالب حق یہ سوال کرے کہ اگر ایسے عقائد سراسر باطل اور مشرکانہ خیالات ہیں تو ان آیات فرقانیہ کے صحیح معنے کیا ہیں جو میں لکھا ہے کہ سیح ابن مریم مٹی کے پرندے بنا کر پھونک ان میں مارتا تھا تو وہ باذن الہی پرندے ہو جاتے تھے۔

سو واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو شخص سماوی ہو رہتے ہیں۔

اور اگر یہ کہا جاوے کہ قرآن شریف کے ایسے معنی کرنا کہ جو پہلوں سے منقول نہیں ہیں الحاد ہے جیسے مولوی عبد الرحمن صاحبزادہ مولوی محمد لکھنوالہ نے اس عاجز کی نسبت لکھا ہے تو میں کہتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسے اجنبی معنی نہیں کئے جو مخالف اُن معنوں کے ہوں جن پر صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کا اجماع ہو۔ اکثر صحابہ مسیح کا فوت ہو جانا مانتے رہے، دجال معبود کا فوت ہو جانا مانتے رہے پھر مخالفانہ اجماع کمال سے ثابت ہوا۔ قرآن شریف میں تیسٹل کے قریب ایسی شہادتیں ہیں جو مسیح ابن مریم کے فوت ہونے پر دلالت تین کر رہی ہیں۔ غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور اسی جسم کے ساتھ اترے گا نہایت لغو

جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شق القمر جو ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کو دکھایا تھا (۲) دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس عاقل و عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں بوالہام آہی سے ملتی ہے جیسے حضرت سلیمان کا یہ معجزہ جو صرّح محمد زکریا قوادیر ہے جس کو دیکھ کر بغیض کو ایمان نصیب ہوا۔

اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمان کے معجزے کی طرح صرف عقلی تھا۔ تاہم سچ سے ثابت ہے کہ اُن دونوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے کہ جو شعبہ بازی کی قسم میں سے اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے۔ وہ لوگ جو فرعون کے وقت میں مصر میں ایسے ایسے کام کرتے تھے جو سانپ بنا کر دکھلا دیتے تھے اور کئی قسم کے جانور پیدا کر کے ان کو زندہ جانوروں کی طرح چلا دیتے تھے۔ وہ حضرت مسیح کے وقت میں عام طور پر یہودیوں کے ملکوں میں پھیل گئے تھے اور یہودیوں نے اُن کے بہت سے ساتھ ان کام سیکھ لئے تھے جیسا کہ قرآن کریم بھی اس بات کا شاہد ہے۔ سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی جو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کُل کے دبائے یا کسی بھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک

اور بے اصل بات ہے صحابہ کا ہرگز اس پر اجماع نہیں۔ بھلا اگر ہے تو کم سے کم تین نسو
یا چار نسو صحابہ کا نام لیجئے جو اس بارہ میں اپنی شہادت ادا کر گئے ہیں ورنہ ایک یا دو آدمی
کے بیان کا نام اجماع رکھنا سخت ^{بلا} بددیانتی ہے۔ ماسوا اس کے یہ بھی ان حضرات کی سراسر
غلطی ہے کہ تین سال کریم کے معانی کو بڑا زمانہ گزشتہ محدود و مقید سمجھتے ہیں مگر اس خیال
کو تسلیم کر لیا جاوے تو پھر قرآن شریف معجزہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر ہو بھی تو شاید ان
عزیزوں کے لئے جو بلاغت شناسی کا مذاق رکھتے ہیں۔

جانتا چاہیے کہ کھلا کھلا اعجاز قرآن شریف کا جو ہر ایک قوم اور ہر ایک اہل زبان پر روشن

عجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ برہمنی کا کام و حقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں
کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے اور جیسے انسان میں قوت
موجود ہوں انہیں کے موافق ایجاد کے طور پر بھی مدد ملتی ہے جیسے ہمارے سید مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے روحانی قوتی جو دقائق اور محارف تک پہنچنے میں نہایت تیز و قوی تھے سو انہی کے موافق قرآن
شریف کا معجزہ دیا گیا۔ جو جامع جمیع دقائق و محارف الہیہ ہے۔ پس اس سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے
کہ حضرت یحییٰ نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہوا اور اس معجزہ
دکھلانا عقل سے بعید بھی نہیں کیونکہ حال کے زمانہ میں بھی دکھا جاتا ہے کہ اکثر متعلم ایسی چڑیاں
بنالیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ہتی بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں اور میں نے سنہ ۱۸۷۵ء کے بعض
چڑیاں گل کے ذریعہ ہوا ز بھی کرتی ہیں۔ جمعی اور گلگتہ میں ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں اور
یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں بکثرت ہیں اور ہر سال نئے نئے نکلتے آتے ہیں۔ اور جو کہ قرآن شریف
اکثر استعارات سے بھرا ہوا ہے اس لئے ان آیات کے روحانی طور پر معنی بھی کر سکتے ہیں کہ مٹی
کی چڑیوں سے مراد وہ آدمی اور نادان لوگ ہیں جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا رفیق بنایا اور اپنی صحبت
میں لے کر برہمنوں کی صورت کا خاکہ کھینچا پھر ہدایت کی روح ان میں پھونک دی جس سے وہ
بروز اکیلے نکلے۔

ماسوا اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعمال و طریق عمل الترتیب سے کرنا اور

ہو سکتا ہے جس کو پیش کر کے ہم ہر ایک ملک کے آدمی کو خواہ ہندی ہو یا پارسی یا یورپین یا امریکن یا کسی اور ملک کا ہو ملزم و ساسکت و لا جواب کر سکتے ہیں۔ وہ غیر محدود معارف و حقائق و علوم حکمیہ قرآنیہ ہیں جو ہر زمانہ میں اس زمانہ کی حاجت کے موافق کھلتے جاتے ہیں اور ہر ایک زمانہ کے خیالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد سپاہیوں کی طرح کھڑے ہیں اگر قرآن شریف اپنے حقائق و دقائق کے لحاظ سے ایک محدود چیز ہوتی تو ہرگز وہ حجرۂ نامتہ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ فقط بلاغت و فصاحت ایسا امر نہیں ہے جس کی اعجازی کیفیت ہر ایک خواندہ ناخواندہ کو معلوم ہو جائے کھلا کھلا اعجاز اس کا تو یہی ہے کہ وہ غیر محدود معارف و دقائق

۳۰۶

۳۰۷

سے بطور ہوا و لعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آسکیں کیونکہ عمل الترب میں جس کو زمانہ حال میں سمریم کہتے ہیں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔ انسان کی روح میں کچھ ایسی خاصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کی گرمی ایک جہاد پر جو بالکل بے جان ہے ڈال سکتی ہے۔ تب جہاد سے وہ بعض حرکات صادر ہوتی ہیں جو زندگی سے صادر ہوا کرتی ہیں۔ راقم رسالہ بڑانے اس علم کے بعض مشق کرنے والوں کو دیکھا ہے جو انہوں نے ایک لکڑی کی تپائی پر ہاتھ رکھ کر ایسا اپنی حیوانی روح سے اُسے گرم کیا کہ اس نے چار پالوں کی طرح حرکت کرنا شروع کر دیا اور کتنے آدمی گھوڑے کی طرح اس پر سوار ہوئے اور اسکی تیزی اور حرکت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ سو یقیناً طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص اس فن میں کامل مشق رکھنے والا مٹی کا ایک پرندہ بنا کر اس کو پرواز کرتا ہوا بھی دکھا دے تو کچھ بعید نہیں کیونکہ کچھ اندازہ نہیں کیا گیا کہ اس فن کے کمال کی کہاں تک انتہا ہے۔ اور جبکہ ہم ہمیشہ خود دیکھتے ہیں کہ اس فن کے ذریعہ سے ایک جہاد میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے تو پھر اگر اس میں پرواز بھی ہو تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جاوے اور عمل الترب سے اپنی روح کی گرمی اس کو پہنچائی جاوے وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا بلکہ بدستور بے جان اور جہاد ہوتا ہے صرف حامل کے روح کی گرمی بارود کی طرح اُس کو جنبش میں لاتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے

۳۰۸

۳۰۹

اپنے اندر رکھتا ہے جو شخص قرآن شریف کے اس اعجاز کو نہیں مانتا وہ علم قرآن کو سخت بے نصیب ہے ومن لم یؤمن بذاک الا عجز فواللہ ما قدر القرآن حق قدرہ وما عرف اللہ حق معرفتہ وما وقر الرسول حق توقیرہ۔

اے بندگانِ خدا! یقیناً یاد رکھو کہ قرآن شریف میں غیر محدود و معارف و حقائق کا اعجاز ایسا کامل اعجاز ہے جس نے ہر ایک زمانہ میں تلوار سے زیادہ کام کیا ہے اور ہر ایک زمانہ اپنی نئی حالت کے ساتھ جو کچھ شبہات پیش کرتا ہے یا جس قسم کے اعلیٰ معارف کا دعویٰ کرتا ہے اس کی پوری مدافعت اور پورا الزام اور پورا پورا مقابلہ قرآن شریف میں موجود ہے کئی شخص

ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان کا ہٹنا اور جنبش کرنا بھی بے پایہ ثبوت نہیں پہنچتا اور نہ درحقیقت ان کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ اس جگہ پر بھی جانا چاہیئے کہ سلبِ امراض کرنا یا اپنی روح کی گرمی جماد میں ڈال دینا درحقیقت یہ سب عملِ الترب کی شاخیں ہیں۔ ہر ایک زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جو اس ربانی عمل کے ذریعہ سلبِ امراض کرتے رہے ہیں اور مصلوح امیر و مصلح مدقوق وغیرہ ان کی توجہ سے اچھے ہوتے رہے ہیں جن لوگوں کے معلومات و وسیع بینش وہ میرے اس بیان پر شہادت دے سکتے ہیں کہ بعض فقہاء نقشبندی و نہروردی وغیرہ نے بھی ای مشقوں کی طرف بہت توجہ کی تھی اور بعض ان میں یہاں تک مشاق گذرے ہیں کہ صد ہا سالوں کو اپنے یمن و یسار میں بٹھا کر صرف نظر سے اچھا کر دیتے تھے اور محی الدین ابن عربی صاحب کو بھی اس میں خاص درجہ کی مشق تھی۔ اولیاء اور اہل سلوک کی قواعد و قواعد اور سوانح پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کالمیں ایسے عملوں سے پرہیز کرتے رہے ہیں مگر بعض لوگ اپنی ولایت کا ایک ثبوت بنانے کی غرض سے یا کسی اور نیت سے ان مشقوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور اب یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن و حکم الہی الیسع نبی کی طرح اس عملِ الترب میں کمال رکھتے تھے گو الیسع کے درجہ کا طے سے کم رہے ہوئے تھے۔ کیونکہ الیسع کی لاش نے بھی مجروح و کھلا لاش کی ہڈیوں کے گٹھے سے ایک مودہ زندہ ہو گیا مگر چوروں کی لاشیں مسیح کے جسم کے ساتھ گٹھے سے ہرگز زندہ نہ ہو سکیں۔ یعنی وہ دو چار جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ بہر حال مسیح کی یہ تری کا دروایان زمانہ کے مناسب عمل بطور خاص مصلحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں۔ جیسا کہ

برہمویا بدھ مذہب والایا آریہ یا کسی اور رنگ کا فلسفی کوئی ایسی الہی صداقت نکال نہیں سکتا جو قرآن شریف میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ قرآن شریف کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور جس طرح صحیفہ فطرت کے عجائب و غرائب خواہ کسی پہلے زمانہ تک ختم نہیں ہو چکے بلکہ جدید در جدید پیدا ہوتے جاتے ہیں یہی حال ان صحف مطہرہ کا ہے تا خدا نے تعالیٰ کے قول اور فعل میں مطابقت ثابت ہو۔ اور میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ قرآن شریف کے عجائبات اکثر مذہبیہ الہام میرے پر کھلتے رہتے ہیں اور اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ تفسیروں میں ان کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ مثلاً یہ جو اس عاجز پر کھلا ہوا کہ ابتدائے خلقت آدمی جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حمام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکر وہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید تھی کہ کتنا تھا کہ ان مجبورہ نمایوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مارا ہے اور حضرت مسیح نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے باذن و حکم الہی اختیار کیا تھا ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔ واضح ہو کہ اس عمل جسمانی کا ایک نہایت بُرا خاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے اور جسمانی مرضوں کے رفع دفع کرنے کے لئے اپنی ہی دو مافی طاقتوں کو تخریج کرتا رہے وہ اپنی ان روحانی تاثیرات میں جو روح پر اثر ڈال کر روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں بہت ضعیف اور کمزور جاتا ہے اور مرتدیر باطن اور تزکیہ نفوس کا جو اصل مقصد ہے اس کے ساتھ بہت کم انجام پذیر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے مگر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کے کامل طور پر دل میں قائم کرنے کے بارے میں انکی کاروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب نامکام کے رہے۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ان جسمانی امور کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور تمام زور اپنی روح کا دلوں میں ہدایت پیدا ہونے کیلئے ڈالا اسی وجہ سے تکمیل نفوس میں سب سے بڑھ کر رہے اور ہزار ہا بند گمان خدا کو مکمل کے درجہ تک پہنچا دیا اور اصلاح خلق اور اندرونی تبدیلیوں میں وہ یدِ بیضا و دکھلا یا کہ جس کی ابتدائے دنیا سے آج تک نظیر نہیں باقی جاتی حضرت مسیح کے عمل الترب سے وہ مردے جو زندہ ہوتے تھے یعنی وقرب الموت آدمی جو گویا نئے سرے زندہ ہو جلتے تھے وہ بلا توقف

اگر دوسرے معنی بھی ہوں تو ان دونوں معنوں میں کوئی تناقض پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہدایت قرآنی میں کوئی نقص عائد حال ہوتا ہے بلکہ ایک نور کے ساتھ دوسرا نور مل کر عظمت و رفائی کی روشنی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے اور چونکہ زمانہ غیر محدود و انقلابات کی وجہ سے غیر محدود خیالات کا بالطبع محرک ہے لہذا اس کا نئے پیرایہ میں ہو کر جلوہ گر ہونا یا سنسنے علوم کو بمعندہ ظہور لانائے نئے بدعات اور محدثات کو دکھلانا ایک ضروری امر اس کے لئے پڑا ہوا ہے۔ اب اس حالت میں ایسی کتاب جو خاتم المکتب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اگر زمانہ کے ہر ایک رنگ کے ساتھ مناسب حال اس کا تدارک نہ کرے تو وہ ہرگز خاتم المکتب نہیں

۳۱۵

۳۱۶

۳۱۷

اب دیکھو خدائے تعالیٰ صفات صاف طور پر فرما رہا ہے کہ بجز میرے کوئی اور خالق نہیں بلکہ ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ تمام جہاں مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ اور صاف فرماتا ہے کہ کوئی شخص موت اور حیات اور ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اس جگہ ظاہر ہے کہ اگر کسی مخلوق کو موت اور حیات کا مالک بنادینا اور اپنی صفات میں شریک کر دینا اس کی عادت میں داخل ہوتا تو وہ بطور استغناء ایسے لوگوں کو ضرور باہر رکھ لیتا اور ایسی اعلیٰ توحید کی ہمیں ہرگز تعلیم نہ دیتا۔ اگر یہ وسوسا اس دل میں گزرے کہ پھر اللہ جل شانہ نے مسیح ابن مریم کی نسبت اس قصہ میں جہاں پر زندہ بنانے کا ذکر ہے تخلیق کا لفظ کیوں استعمال کیا جس کے بظاہر یہ معنی ہیں کہ تو پیدا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہو کہ اس جگہ حضرت عیسیٰ کو خالق قرار دینا بطور استعارہ ہے جیسا کہ اس دوسری آیت میں فرمایا ہے فتبارک الله احسن الخالقین بلاشبہ حقیقی اور سچا خالق خدا تعالیٰ ہے۔ اور جو لوگ مٹی یا لکڑی کے کھلونے بناتے ہیں وہ بھی خالق ہیں مگر جھوٹے خالق۔ جن کے فعل کی اصلیت کچھ بھی نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کہیں بطور معجزہ جانو نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اذن اور ارادہ الہی سے حقیقت میں پرندے بنا لیتے ہوں اور وہ پرندے ان کی اعجازی پھونک سے پرواز کر جاتے ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے اذن اور ارادہ سے کسی شخص کو موت اور حیات اور ضرر اور نفع کا مالک نہیں بناتا۔ نہی لوگ دعا اور تضرع سے معجزہ مانگتے ہیں۔ معجزہ نمائی کی ایسی قدرت نہیں کہ جس کا انسان کو ماتمہ پیر ملانے کی قدرت ہوتی ہے۔ غرض معجزہ کی حقیقت اور مرتبہ سے بیابان بالا تر

ٹھہر سکتی اور اگر اس کتاب میں مخفی طور پر وہ سب سامان موجود ہے جو ہر ایک حالت زمانہ کے لئے درکار ہے تو اس صورت میں ہمیں ماننا پڑے گا کہ قرآن باریب غیر محدود و محارف پر مشتمل ہے اور ہر ایک زمانہ کی ضرورت لاحقہ کا کامل طور پر مشتمل ہے۔

اب یہ بھی یاد رہے کہ عادت اللہ ہر ایک کامل ملہم کے ساتھ ہی رہی ہے کہ عجائبات مخفیہ فرقان اس پر ظاہر ہوتے رہے ہیں بلکہ بسا اوقات ایک ملہم کے دل پر قرآن مشرین کی ریت الہام کے طور پر اتار دیتی ہے اور اصل معنی سے پھیر کر کوئی اور مقصود اس سے نوتا ہے۔ جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ

اور ان صفات خاصہ خدا تعالیٰ میں سے ہے جو کسی حالت میں بشر کو مل نہیں سکتیں معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ایک امر خارق عادت یا ایک امر خیال اور محمان سے باہر اور امید سے بڑھ کر ایک لمحے رسول کی عزت اور صداقت ظاہر کرنے کے لئے اور اس کے مخالفین کی عجز اور مغلوبیت بتلانے کی غرض سے اپنے ارادہ خاص سے یا اس رسول کی دعا اور درخواست سے آپ ظاہر فرماتا ہے مگر ایسے طور سے جو اس کی صفات و حدائیت و تقدس و کمال کے منافی و مغائر نہ ہو اور کسی دوسرے کی وکالت یا کار سازی کا اس میں کچھ دخل نہ ہو۔

اب ہر ایک دانشمند سوچ سکتا ہے کہ صورت ہرگز معجزہ کی صورت نہیں کہ خدا تعالیٰ کو ایسی طور پر ایک شخص کو اجازت اور اذن دیدے کہ تو مٹی کے پرندے بنا کر بھونک مارا کر وہ حقیقت میں جفاور بن جایا کریں گے اور ان میں گوشت اور ہڈی اور خون اور تمام عضا و جانوروں کے بن جائیگے۔ ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ پرندوں کے بنانے میں اپنی خالقیت کا کسی کو کھیل ٹھہرا سکتا ہے تو تمام امور خالقیت میں وکالت تندر کا عمدہ بھی کسی کو دے سکتا ہے۔ اس صورت میں خدائے تعالیٰ کی صفات میں شک ہو نا جائز ہو گا گو اس کے حکم اور اذن سے ہی اسی اور نیز ایسے خالقوں کے سامنے اور قضاہ اخلق میلم کی محسوری سے خالق حقیقی کی معرفت مشتبه ہو جائے گی۔ غرض یہ اعجاز کی صورت نہیں یہ تو خدائی کا حصہ دار بنانا ہے۔

بعض دانشمند شرک سے بچنے کے لئے یہ مذہر پیش کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ جو پرندے بناتے تھے وہ بہت دیر تک جیتے نہیں تھے ان کی عمر چھوٹی ہوتی تھی تھوڑی مسافت تک پہنچا کر کہہ کر کہ مرنے لگے۔

الہام ہوا قلنا یا نار کوئی بردا و سلا مگر میں اس کے معنی نہ سمجھا پھر الہام ہوا قلنا یا
صبر کوئی بردا و سلا ماتب میں سمجھ گیا کہ نار سے مراد اس جگہ صبر ہے اور پھر فرماتے
ہیں کہ ایک دفعہ مجھے الہام ہوا رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق
اور اس سے مراد اصلی معنی نہیں تھے بلکہ یہ مراد تھی کہ مولوی صاحب کو ہستان ریاست کا بل
سے پنجاب کے ملک میں زیر سایہ سلطنت برطانیہ آجائیں گے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے الہامات
میں کئی آیات تفسر قافی لکھی ہیں اور ان کے اصلی معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی مراد لیتے ہیں۔

لیکن یہ غور یا کل فضول ہے اور صرف اس حالت میں ماننے کے لائق ہے کہ جب یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان پرندوں
میں واقعی اور حقیقی حیات پیدا نہیں ہوتی تھی بلکہ عقلمند اور مجازی اور جھوٹی حیات جو عمل الترب کے ذریعے پیدا ہو سکتی
ہے ایک جھوٹی بھلائی کی طرح ان میں نمودار ہو جاتی تھی پس اگر اتنی ہی بات ہے تو ہم اس کے پہلے کے تسلیم کر چکے ہیں
ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ عمل الترب کے ذریعے بھونک کی جھان میں وہ قوت پیدا ہو جائے جو اس دُخان میں
پیدا ہوتی ہے جس کی تحریک کے غبارہ اوپر کو چڑھتا ہے۔ صانع فطرت نے اس مخلوقات میں بہت کچھ خواص
مخفی رکھے ہوئے ہیں۔ ایک شریک صفات باری ہونا ممکن نہیں اور کوئی منحت ہی جو غیر ممکن ہے؟

اور اگر یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان پرندوں میں واقعی اور حقیقی حیات پیدا ہو جاتی تھی اور سچے جانوں میں
ہڈیاں گوشت پوست خون وغیرہ اعضا دین کر جان پڑ جاتی تھی تو اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان میں
جاندار ہونے کے تمام لوازم پیدا ہو جاتے ہوں گے اور وہ کھانے کے بھی لائق ہوتے ہوں گے اور ان کی
نسل بھی آج تک کروڑوں پرندے زمین پر موجود ہوں گے اور کسی بیماری سے یا شکاری کے ہاتھ سے مرے
ہوئے تو ایسا اعتقاد بلاشبہ شرک ہے بہت لوگ اس دوسو برس میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اگر کسی نبی کے
دعا کرنے سے کوئی مردہ زندہ ہو جائے یا کوئی حمار جاندار بن جائے تو اس میں کوئی شریک ہی ایسے لوگوں کو
جاننا چاہیے کہ اس جگہ دعا کا کچھ ذکر نہیں اور دعا کا قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہوتا ہے اور
دعا پر فعل مرتب ہوتا ہے وہ فعل آتی ہوتا ہے نبی کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا اور نبی خواہ دعا کرنے کے بعد
فوت ہو جائے نبی کے موجود ہونے یا نہ ہونے کی اس میں کچھ حاجت نہیں ہوتی۔ غرض نبی کی طرف سے صرف
دعا ہوتی ہے جو کبھی قبول اور کبھی رد بھی ہو جاتی ہے لیکن اس جگہ وہ صورت نہیں ماننا بلکہ اس کے دیکھنے کو

ان کے بعض مکتوبات اس عاجز کے پاس موجود ہیں انشاء اللہ بوقت ضرورت شائع کئے جائیں گے۔

اب مولوی عبدالرحمن صاحب برادر جہربانی فرماویں کہ جبکہ سلف صالح کے برخلاف قرآن شریف کے معنی کرنے سے انسان ملحد ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے یہ عاجز بھی ان کی نظر میں ملحد ہے کہ خدا تعالیٰ کے الہام سے بعض آیات کے معانی مخفی ظاہر کرتا ہے تو پھر مولوی عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی کی نسبت جو ان کے مرشد میں کیا فتویٰ ہو؟

صاف ظاہر ہے کہ مسیح جو کام اپنی قوم کو دکھاتا تھا وہ دعا کے ذریعے ہرگز نہیں تھے اور قرآن شریف میں بھی کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ مسیح بیماروں کے چنگا کرنے یا پرندوں کے بنانے کے وقت دعا کرتا تھا بلکہ وہ اپنی روح کے ذریعے جس کو روح القدس کے فیضان سے برکت بخشی گئی تھی ایسے ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا چنانچہ جس نے کبھی اپنی عمر میں غور سے کھیل لے ہی ہوگی وہ ہمارے اس دیوان کی ہر لفظیں تمام تصدیق کرے گا اور قرآن شریف کی آیات بھی بآواز بلند یہی پکار رہی ہیں کہ مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی اور خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔ چنانچہ اس بات کا تجربہ اسی زمانہ میں ہوا ہے۔ مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے رونق اور بے تعد تھے جو مسیح کی ولادت سے بھی پہلے مظهر عجائبات تھا جس میں ہر قسم کے بیمار اور تمام محذوم مفلوج مبروس وغیرہ ایک ہی غوطہ مار کر اچھے ہو جاتے تھے لیکن بعد کے زمانوں میں جو لوگوں نے اس قسم کے خواق دکھلائے اسوقت تو کوئی تالاب بھی موجود نہیں تھا غرض یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر امدان میں پھونک مار کر انہیں کچھ کے جانور بنا دیتا تھا۔ نہیں بلکہ صرف عمل التوبہ تھا جو روح کی قوت پر ترقی پذیر ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لاتا تھا جس میں روح القدس کی تاثیر رکھی گئی تھی۔ بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا اور وہ مٹی درحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی۔ جیسے سامری کا گوسالہ۔ فتدبر فانہ نکتۃ جلیلۃ ما یلقیہا الا

جن کو ایسے ایسے الہام بھی ہو گئے کہ جو آیتیں خاص بر غمیرہول کے حق میں تھیں وہ امتی لوگوں کے حق میں تشرار دے دیں چنانچہ وہ دفعہ بعض وہ آیتیں جو صحابہ کبار کے حق میں قرآن کریم میں تھیں اس عاجز کی طرف اپنے خط میں لکھ کر بھیج دیں کہ آپ کی نسبت مجھے یہ الہام ہوا ہے انہیں میں سے یہ آیات بھی ہیں (۱) قد افلح من زكّھا (۲) انت مولنا فانصرنا علی القوم الکفارین۔ اور یہ عاجز کہ جو مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم سے محبت اور حسن ظن رکھتا ہے تو در حقیقت اس کی یہی وجہ ہے کہ اُن کو خدا نے تعالے کی طرف سے الہام ہوا کہ یہ عاجز من جانب اللہ مامور ہونے والا ہے اور انہوں نے کئی خط لکھے اور اپنے الہامات متبرک کلمہ ہر کئے اور بعض لوگوں کے پاس اس بارے میں بیان بھی کیا اور علم کشف میں بھی اپنی یہ مراد ظاہر کی۔

ان سوالوں کے جوابات جو متفرق طور پر لوگ پوچھتے ہیں

سوال۔ سید ابن مریم کا فوت ہونا قرآن شریف سے کہاں ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ دونوں فقرے آیات کے یعنی (۱) اَفْلَحَ اٰتٰی اور (۲) اَفْلَحَ اٰتٰی اور بل رفع اللہ الیہ دلالت کر رہے ہیں کہ سید جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ ایسا ہی یہ آیت کہ (۱) مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ وَلٰكِنْ شَجَّهُ لَهْمٌ اِمْسٰی پر دلالت کر رہی ہے کہ سید نہ مصلوب ہوا اور نہ مقتول ہوا۔
الجواب۔ پس واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے کے یہی معنی ہیں کہ فوت ہو جانا۔ خدا نے تعالیٰ کا یہ کہنا کہ (۱) اِنِّیْ سَیَبِّغُکَ اور یہ کہنا کہ (۲) اِنِّیْ مَتَّوْقِیْکَ (۳) اَفْلَحَ اٰتٰی ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ سو اس کے جس وضاحت اور تفصیل اور توضیح کے ساتھ قرآن شریف میں مسیح کے فوت ہو جانے کا ذکر ہے اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ کیونکہ خداوند عز و جل نے

عام اور خاص دونوں طور پر مسیح کا فوت ہو جانا بیان فرمایا ہے عام طور پر جیسا کہ وہ فرماتا ہے وما نجد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابکم یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے ہر ایک رسول جو آیا وہ گذر گیا اور انتقال کر گیا اب کیا تم اس رسول کے مرنے یا قتل ہو جانے کی وجہ سے دین اسلام چھوڑ دو گے؟ اب دیکھو یہ آیت جو استدلالی طور پر پیش کی گئی ہے صریح دلالت کرتی ہے کہ ہر ایک رسول کو موت پیش آتی رہی ہے خواہ وہ موت طبعی طور پر ہو یا قتل وغیرہ سے۔ اور گزشتہ نبیوں میں سے کوئی ایسا نبی نہیں جو مرنے سے بچ گیا ہو۔ سو اس جگہ ناظرین بیداشت سمجھ سکتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح جو گزشتہ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں اب تک مرے نہیں بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تو اس صورت میں مضمحل اس آیت کا جو عام طور پر ہر ایک گزشتہ نبی کے فوت ہونے پر دلالت کر رہا ہے صحیح نہیں ٹھہر سکتا بلکہ یہ استدلال ہی لغو اور قابل جرح ہوگا۔

پھر دوسری آیت جو عام استدلال کے طریق سے مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے یہ آیت ہے وما جعلنا ہم جسداً الا یاکلون الطعام وما کانوا خلدین یعنی کسی نبی کا ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانے کا محتاج نہ ہو اور وہ ب مرگئے کوئی اُن میں سے باقی نہیں۔ ایسا ہی عام طور پر یہ بھی فرمایا وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افان مات فہم الخلدون کل نفس ذائقة الموت۔

پھر تیسری آیت جو عام استدلال کے طریق سے مسیح کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے یہ آیت ہے ومنکم من یتوفی ومنکم من یرد الی ارذل العمر کیلا یعلم بعد علم شیئاً سورة الحج المجرمۃ۔ یعنی اسے بنی آدم اتم دو گروہ ہو۔ ایک وہ جو پیرانہ سالی ہو پہلے فوت ہو جاتے ہیں یعنی پیر فرات ہو کر نہیں مرتے بلکہ پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ جو اس قدر بڑھے ہو جاتے ہیں جو ایک ازل حالت زندگی کی جو قابل نفرت ہے اُن میں

پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ عالم اور صاحب عقل ہونے کے بعد سراسر نادان بچے کی طرح
ہی جلتے ہیں اور تمام عمر کا آموختہ، بیکد فتنہ سب بھول جاتے ہیں

اب چونکہ خدا تعالیٰ نے طرز حیات کے بارے میں بنی آدم کی صرف دو گروہوں میں تقسیم
محدود کر دی تو ہر حال حضرت مسیح ابن مریم خدا تعالیٰ کے تمام خالق بندوں کی طرح اس تقسیم سے
باہر نہیں رہ سکتے۔ یہ حکم خدا کا تو ان قدرت نہیں جو کوئی اس کو رد کر دے گا یہ تو سقت اللہ
ہے جس کو خود اللہ جل شانہ نے تصریح سے بیان فرمادیا ہے۔

تو اس تقسیم الہی کی رو سے لازم آتا ہے کہ یا تو حضرت مسیح منکومن یتوفیٰ میں داخل
ہوں اور وفات پا کر بہشت بریں میں اُس تخت پر بیٹھے ہوں جس کی نسبت انہوں نے آپ ہی
انجیل میں بیان فرمایا ہے اور یا اگر اس مستدرکات تک فوت نہیں ہوئے تو زمانہ کی تاشیح
اس ازل عمر تک پہنچ گئے ہوں جس میں باعث بیکاری ہو اس اُن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

اور جو خاص طور پر مسیح کے فوت ہو جانے پر آیات بینات و دلالت کر رہی ہیں کچھ ضروری
نہیں کہ ہم ان کو بار بار ذکر کریں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم اس جماعت مرفوعہ سے
الگ ہے جو دنیا سے ہمیشہ کے لئے نصرت ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی گئی ہے تو ان میں
جو عالم آخرت میں پہنچ گئے ہیں ہوشاں نہیں ہو سکتا بلکہ مرنے کے بعد پھر شامل ہو گا اور اگر
یہ بات ہو کہ ان میں جا ملا اور بموجب آیت فادخل فی عبادی اُن فوت شدہ بندوں میں داخل
ہو گیا تو پھر انہیں میں سے شمار کیا جاوے گا۔ اور محراج کی حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے
کہ مسیح اُن فوت شدہ نبیوں میں جا ملا اور سبکی نبی کے پاس اُس کو مقام ملا۔ اس صورت میں ظاہر

ہے کہ معنی اس آیت کے کہ اَنی متوفیک و ادخلک الی یہ ہوں گے اَنی متوفیک و ادخلک
الی عبادی المتوفین المقربین و ملحقک بالمتحابین متعلقہ کے لئے جو متعصب نہ ہو
اسی قدر کافی ہے کہ اگر مسیح زندہ ہی اٹھایا گیا تو پھر مرنے میں کیوں جائیگا؟ ہاں اس قدر
ذکر کرنا اور بھی ضروری ہے کہ جیسے بعض نادان یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ آیات ذو معنی ہیں یہ

خیال سراسر فاسد ہے مومن کا یہ کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے بلکہ قرآن شریف کے بعض مقامات بعض دوسرے مقامات کے لئے خود مفسر اور شراح ہیں۔ اگر یہ بات صحیح نہیں کہ مسیح کے حق میں جو یہ آیتیں ہیں کہ انی متوفیک اور خلعتا تو فیتنی یہ وحقیقت مسیح کی موت پر ہی دلالت کرتی ہیں بلکہ ان کے کوئی اور معنی ہیں تو اس نزاع کا فیصلہ قرآن شریف سے ہی کرنا چاہیے۔ اور اگر قرآن شریف مساوی طور پر کبھی اس لفظ کو موت کے لئے استعمال کرتا ہے اور کبھی ان معنوں کے لئے جو موت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تو محل متنازعہ فیہ میں مساوی طور پر احتمال رہیگا اور اگر ایک خاص معنی اغلب اور اکثر طور پر مستعملات قرآنی میں سے ہیں تو انہی معنوں کو اس مقام بحث میں ترجیح ہوگی اور اگر قرآن شریف اول سے آخر تک اپنے کل مقامات میں ایک ہی معنوں کو استعمال کرتا تو محل مسحوث فیہ میں بھی یہی قطعی فیصلہ ہوگا کہ جو معنی توفی کے ساتھ قرآن شریف میں لئے گئے ہیں وہی معنی اس جگہ بھی مراد ہیں۔ کیونکہ یہ بالکل غیر ممکن ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بلیغ اور فصیح کلام میں ایسے تنازع کی جگہ میں جو اس کے علم میں ایک معرکہ کی جگہ ہے ایسے شاذ اور مجہول الفاظ استعمال کرے جو اس کے تمام کلام میں ہرگز استعمال نہیں ہوئے۔ اگر وہ ایسا کرے تو گویا وہ خلیق اللہ کو آپ ورطہ شبہات میں ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس نے ہرگز ایسا نہیں کیا ہوگا یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے قرآن کریم کے تیسریس مقام میں ایک لفظ کے ایک ہی معنی مراد لیتا جاوے اور پھر دو مقام میں جو زیادہ تر محتاج صفائی بیان کے تھے کچھ اور کا اور مراد لے کر آپ ہی خلق اللہ کو گمراہی میں ڈال دے۔

اب اے ناظرین! آپ پر واضح ہو کہ اس عاجز نے اول سے آخر تک تمام وہ الفاظ جن میں توفی کا لفظ مختلف معنیوں میں آگیا ہے قرآن شریف میں غور سے دیکھے تو صاف طور سے کھل گیا کہ قرآن کریم میں علاوہ محل متنازعہ فیہ کے یہ لفظ تیسریس جگہ لکھا ہے اور ہر یک جگہ موت اور قبض روح کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور ایک بھی ایسا مقام نہیں

جس میں توفی کا لفظ کسی اور معنی پر استعمال کیا گیا ہو اور وہ یہ ہیں :-

نام سورۃ	الجزء	آیت قرآن کریم
نساء	نمبر ۴	حَتّٰی يَتَوَفَّيْهُمْ الْمَوْتَ
ال عمران	"	وَتَوَفَّيْنَا مَعَ الْاِبْرَارِ
سجدة	۲۱	قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ
نساء	۵	اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّيْهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ
مؤمن	۲۴	فَاَمَّا نَرِيْٓنَكَ بِعُضِّ الَّذِيْ نَعْدُهُمْ اَوْ تَتَوَقَّيْٓنَكَ فَاَلَيْنَا يَرْجِعُوْنَ
الفحل	۱۳	تَوَفَّيْهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ
"	"	تَوَفَّيْهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ
بقرہ	۲	يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ
ص	۲	يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ
انعام	۷	تَوَفَّيْهِ رُسُلَنَا
اعراف	۸	رُسُلَنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ
"	۹	تَوَفَّيْنَا مُسْلِمِيْنَ
الانفال	۱۰	اِذْ يَتَوَفَّيْٓا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْمَلٰٓئِكَةُ
التوبہ	۱۰	يَتَوَفَّيْ
سورۃ محمد صلعم	۲۶	فَلَيْفَ اِذَا تَوَفَّيْتَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ
یونس	۱۱	وَاَمَّا نَرِيْٓنَكَ بِعُضِّ الَّذِيْ نَعْدُهُمْ اَوْ تَتَوَقَّيْٓنَكَ
یوسف	۱۳	تَوَفَّيْٓنِيْ مُسْلِمًا ذَا الْحَقْنِ بِالْصَّالِحِيْنَ
رعد	"	اَوْ تَتَوَقَّيْٓنَكَ
مؤمن	۲۴	وَمِنْكُمْ مَنْ يَتَوَفَّيْ
"	"	اَوْ تَتَوَقَّيْٓنَكَ
نحل	۱۴	ثُمَّ يَتَوَفَّيْٓكُمْ
حج	۱۷	وَمِنْكُمْ مَنْ يَتَوَفَّيْ

آیت قرآن کریم

نام سورۃ الجزد

نمبر ۲۲۲ ۱۱۱ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تموت فی مناھا فیہ مساک
 التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخری الی اجل مستحی
 الانعام ۲ ۱۱۱ هو الذی یتوفکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنهار ثم یبعثکم فیہ
 لیقضی اجل مستحی۔

اب ظاہر ہے کہ ان تمام مقامات قرآن کریم میں توفی کے لفظ سے موت اور قبض روح
 ہی مراد ہے اور دو موخر الذکر آیتیں اگر یہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان
 دونوں آیتوں میں بھی نیند نہیں مراد لی گئی بلکہ اس جگہ بھی اصل مقصد اور مدعا موت ہی
 اور یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے اور جیسی موت میں روح قبض
 کی جاتی ہے نیند میں بھی روح قبض کی جاتی ہے۔ سو ان دونوں مقامات میں نیند پر توفی
 کے لفظ کا اطلاق کرنا ایک استعارہ ہے جو یہ نصب قرینہ نوم استعمال کیا گیا ہے یعنی
 صاف لفظوں میں نیند کا ذکر کیا گیا ہے تاہر ایک شخص سمجھ لیوے کہ اس جگہ توفی سومر اد حقیقی
 موت نہیں ہے بلکہ مجازی موت مراد ہے جو نیند ہے۔ یہ بات ادنیٰ ذی علم کو بھی معلوم
 ہوگی کہ جب کوئی لفظ حقیقت مسلمہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی ایسے معنوں پر جن کے
 لئے وہ عام طور پر موضوع یا عام طور پر استعمال ہو گیا ہے تو اس جگہ متکلم کیلئے کچھ ضروری
 نہیں ہوتا کہ اس کی شناخت کے لئے کوئی قرینہ قائم کرے کیونکہ وہ ان معنوں میں شائع
 متعارف اور متبادر الفہم ہے۔ لیکن جب ایک متکلم کسی لفظ کے معانی حقیقت مسلمہ سے پھیر کر
 کسی مجازی معنی کی طرف لے جاتا ہے تو اس جگہ صراحتاً لکنا پڑتا یا کسی دوسرے زمانہ کے پیروی
 میں کوئی قرینہ اس کو قائم کرنا پڑتا ہے تا اس کا سمجھنا مشتبہ نہ ہو اور اس بات کے دریافت
 کے لئے کہ متکلم نے ایک لفظ بطور حقیقت مسلمہ استعمال کیا ہے یا بطور مجاز اور استعارہ نادرہ
 کے یہی کھلی کھلی علامت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت مسلمہ کو ایک تبادر اور شائع و متعارف لفظ سمجھ کر

بخیر احتیاج قرآن کے یونہی مختصر بیان کر دینا ہے۔ مگر مجاز یا استعارہ تادیر کے وقت ایسا مختصراً پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ کسی ایسی علامت سے جس کو ایک دانشمند سمجھ کے اپنے اس مدعا کو ظاہر کر جائے کہ یہ لفظ اپنے اصل معنوں پر متعل نہیں ہوا۔

۳۳۴

اب چونکہ یہ فرق حقیقت اور مجاز کا صاف طور پر بیان ہو چکا تو جس شخص نے قرآن کریم پر اول سے آخر تک نظر ڈالی ہوگی اور جہاں جہاں توفی کا لفظ موجود ہے بنظر غور دیکھا ہوگا وہ ایماناً ہمارے بیان کی تائید میں شہادت دے سکتا ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ دیکھنا چاہیے کہ یہ آیات (۱) اَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعْدُهُمْ اَوْ تَوَفِّيَنَّكَ (۲) تَوَفِّيْ مَسْلَمًا (۳) وَمِنْكُمْ مَّنْ يَتُوفِّي (۴) تَوْفَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۵) يَتُوفُّونَ مِنْكُمْ (۶) تَوَفَّاهُمْ مَّرْسَلًا (۷) رَسَلْنَا يَتُوفُّوهُمْ (۸) تَوْفَنَّا مَسٰلِحِيْنَ (۹) وَتَوْفَنَّا مَعَ الْاَبْرَارِ (۱۰) ثُمَّ يَتُوفُّكُمُ کیسی صریح اور صاف طور پر موت کے معنوں میں استعمال کی گئی ہیں مگر قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی ہے کہ ان آیات کی طرح مجرد توفی کا لفظ لکھنے سے اس سے کوئی اور معنی مراد لئے گئے ہوں۔ موت مراد نہ لی گئی ہو۔ بلاشبہ قطعی اور یقینی طور پر اول سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کہ ہر جگہ درحقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے تو پھر متنازعہ فیہ دو آیتوں کی نسبت جو اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْنَا نَبِّیْ ہیں اپنے دل سے کوئی معنی مخالف عام محاورہ قرآن کے گھڑنا اگر الحاد اور تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟

۳۳۵

اور اس جگہ یہ نکتہ بیان کرنے کے لائق ہے کہ قرآن شریف میں ہر جگہ موت کے محل پر توفی کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے امانت کا لفظ کیوں استعمال نہیں کیا؟ اس میں بھی یہ ہے کہ موت کا لفظ ایسی چیزوں کے فنا کی نسبت بھی بولا جاتا ہے جن پر فنا طاری ہونے کے بعد کوئی روح اُن کی باقی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے جب نباتات اور جمادات اپنی صورت ذریعہ کو چھوڑ کر کوئی اور صورت قبول کر لیں تو اُن پر بھی موت کا لفظ

اطلاق پاتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ یہ لوہا مرگیا اور کشتہ ہو گیا اور چاندی کا ٹکڑہ مرگیا اور کشتہ ہو گیا۔ ایسا ہی تمام جاندار اور گڑے مکوڑے جن کی روح مرنے کے بعد باقی نہیں رہتی اور مورد ثواب و عقاب نہیں ہوتے اُن کے مرنے پر بھی توفی کا لفظ نہیں بولتے بلکہ صرف یہی کہتے ہیں کہ فلاں جانور مرگیا یا فلاں کیڑا مرگیا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے کلام عزیز میں یہ منظور ہے کہ کھلے کھلے طور پر یہ ظاہر کر دے کہ انسان ایک ایسا جاندار ہے کہ جس کی موت کے بعد بگئی اس کی فنا نہیں ہوتی بلکہ اس کی روح باقی رہ جاتی ہے جس کو قابض ارواح اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اس وجہ سے موت کے لفظ کو ترک کر کے بجائے اس کے توفی کا لفظ استعمال کیا ہے تا اس بات پر دلالت کرے کہ ہم نے اس پر موت وارد کر کے بگئی اس کو فنا نہیں کیا۔ بلکہ صرف جسم پر موت وارد کی ہے اور روح کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ اور اس لفظ کے اختیار کرنے میں دہریوں کا رد بھی منظور ہے جو بعد موت جسم کے روح کی بقا کے قائل نہیں۔

جاننا چاہیے کہ قرآن شریف میں اول سے آخر تک توفی کے معنی روح کو قبض کرنے اور جسم کو بیکار چھوڑ دینے کے لئے گئے ہیں اور انسان کی موت کی حقیقت بھی صرف اسی قدر ہے کہ روح کو خدا تعالیٰ قبض کر لیتا ہے اور جسم کو اس سے الگ کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ اور چونکہ نیند کی حالت بھی کسی قدر اس حقیقت میں اشتراک رکھتی ہے اسی وجہ سے مذکورہ بالا دو آیتوں میں نیند کو بھی بطور استعارہ توفی کی حالت سے تعبیر کیا ہے کیونکہ کچھ شک نہیں کہ نیند میں بھی ایک خاص حد تک روح قبض کی جاتی ہے اور جسم کو بے کار اور محفل کیا جاتا ہے لیکن توفی کی کامل حالت جس میں کامل طور پر روح قبض کی جائے اور کامل طور پر جسم بے کار کر دیا جائے وہ انسان کی موت ہے اسی وجہ سے توفی کا لفظ عام طور پر قرآن شریف میں انسان کی موت کے بارے میں ہی استعمال کیا گیا ہے اور اول سے آخر تک قرآن شریف اسی استعمال سے بھرا ہوا ہے

اور نیند کے محل پر توفیق کا لفظ صوف دو جگہ قرآن شریف میں آیا ہے اور وہ بھی قرینہ قلم کرنے کے ساتھ۔ اور ان آیتوں میں صاف طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ اس جگہ بھی توفیق کے لفظ سے نیند مراد نہیں ہے بلکہ موت ہی مراد ہے اور اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ نیند بھی ایک موت ہی کی قسم ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے اور جسم معطل کیا جاتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ نیند ایک ناقص موت ہے اور موت حقیقی ایک کامل موت ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ توفیق کا لفظ جو قرآن شریف میں استعمال کیا گیا ہے خواہ وہ اپنے حقیقی معنوں پر متعلق ہے یعنی موت پر یا غیر حقیقی معنوں پر یعنی نیند پر ہر ایک کے اس لفظ سے مراد یہی ہے کہ روح قبض کی جائے اور جسم معطل اور بے کار کر دیا جائے۔ اب جبکہ یہ معنی مذکورہ بالا ایک کلم قاعدہ ٹھہر چکا جس پر قرآن شریف کی تمام آیتیں جن میں توفیق کا لفظ موجود ہے شہادت دے رہی ہیں تو اس صوف میں اگر تفسیر ضعیفہ حال کے طور پر ایک لحوہ کے لئے یہ خیال باطل بھی تسلیم کر لیں کہ انی متوفیک کے معنی انی منیمک ہے یعنی یہ کہ میں تجھے سلائے والا ہوں تو اس سے بھی جسم کا اٹھایا جانا غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس جگہ انی متوفیک کے معنی اذروئے قاعدہ متذکرہ بالا یہی کریں گے کہ میں تجھ پر نیند کی حالت غالب کر کے تیری روح کو قبض کرنے والا ہوں۔ اب قل ہر ہے کہ انی متوفیک کے بعد جو رافعک الی فرمایا ہے یعنی میں تیری روح کو قبض کر کے پھر اپنی طرف اٹھاؤں گا یہ رافعک کا لفظ انی متوفیک کے لفظ سے تعلق رکھتا ہے جس سے بہداشت یہ معنی نکلتے ہیں۔ کہ خدائے تعالیٰ نے روح کو قبض کیا اور روح کو ہی اپنی طرف اٹھایا کیونکہ جو چیز قبض کی گئی وہی اٹھائی جائے گی جسم کے قبض کرنے کا تو کہیں ذکر نہیں کیا چنانچہ وہ سری آیت میں یونیند کے متعلق ہیں خدا تعالیٰ صاف صاف فرما چکا ہے کہ نیند میں بھی موت کی طرح روح ہی قبض کی جاتی ہے جسم نہیں قبض کیا جاتا۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ قبض کیا جاتا ہے

اٹھایا بھی وہی جائے گا۔ یہ تو نہیں کہ قبض کیا جائے روح اور پھر جسم کو اٹھایا جائے۔ ایسے
معنی تو قرآن شریف کی تمام آیات اور منشاء ربانی سے صریح مخالف ہیں۔ قرآن
شریف نیت کے مقامات میں بھی جو توفیق کے لفظ کو بطور استعارہ استعمال کرتا ہے
اس جگہ بھی صاف فرماتا ہے کہ ہم روح کو قبض کر لیتے ہیں اور جسم کو بے کار چھوڑ دیتے
ہیں۔ اور موت اور نیند میں صرف اتنا فرق ہے کہ موت کی حالت میں ہم روح کو قبض کر کے
پھر چھوڑتے نہیں بلکہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور نیند کی حالت میں ایک مدت تک روح
کو قبض کر کے پھر اس روح کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر وہ جسم سے تعلق بیکم لیتی ہے۔

اب سوچنا چاہیے کہ کیا یہ بیان قرآن شریف کا اس بات کے سمجھنے کے لئے کافی
نہیں کہ خدا تعالیٰ کو جسم قبض کرنے اور اٹھانے سے دونوں حالتوں موت اور نیند میں
کچھ سروکار نہیں بلکہ جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے یہ جسم خاک سے پیدا کیا گیا ہے اور
آخر خاک میں ہی داخل ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے دنیا سے صرف روح کو قبض
کر لیا ہے اور روح کو ہی اپنی طرف اٹھاتا ہے اور جبکہ یہی امر واقعی اور ہی صحیح اور
سچ ہے تو اس صورت میں اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ انی متوفیک کے یہی معنی ہیں کہ میں
تیرا روح کو اس طور سے قبض کرنے والا ہوں جیسا کہ سونے والے کی روح قبض کی
جاتی ہے تو پھر بھی جسم کو اس قبض سے کچھ عداوت نہیں ہوگا اور اس طور کی تاویل سے اگر
کچھ ثابت ہوگا تو یہ ہوگا کہ حضرت مسیح کی روح خواب کے طور پر قبض کی گئی اور جسم اپنی جگہ
زمین پر پڑا اور پھر کسی وقت روح جسم میں داخل ہو گئی۔ اور ایسے معنی سراسر باطل اور
دونوں فریق کے مقصد کے مخالف ہیں۔ کیونکہ صرف کچھ عرصے کے لئے حضرت مسیح کا سونا
اور پھر جاگ اٹھنا ہماری اس بحث سے کچھ عداوت نہیں رکھتا۔ اور قرآن کریم کی آیت مرد و مہلا
صاف بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ حضرت مسیح کی روح جو قبض کی گئی تو پھر سونے والے کی روح
کی طرح جسم کی طرف نہیں چھوڑی گئی بلکہ خدا تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھایا جیسا کہ الفاظ

مریخۃ الدلات انی متوفیک ورافعک الیٰ ^{لہ} سے ظاہر ہے۔

انصاف کی آنکھ سے دیکھنا چاہیے کہ جس طرح حضرت مسیح کے حق میں اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں درائی متوفیک فرمایا ہے اسی طرح ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے انا نریبتک بعض الذی نعدہم اوستوفیتک یعنی دونوں جگہ مسیح کے حق میں اور ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں توفیق کا لفظ موجود ہے پھر کس قدر ناانصافی کی بات ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ کی نسبت جو توفیق کا لفظ آیا ہے تو اس جگہ تو ہم وفات کے ہی معنی کریں اور اسی لفظ کو حضرت عیسیٰ کی نسبت اپنے اصلی اور شائع متعارف معنوں سے پھیر کر اور ان متفق علیہ معنی سے جو اول سے آخر تک قرآن شریف سے ظاہر ہو رہے ہیں انحراف کر کے اپنے دل سے کچھ اور کے اور معنی تراش لیں مگر یہ الحاد اور تحریف نہیں تو پھر الحاد اور تحریف کس کو کہتے ہیں ؟! جس قدر مبسوط تفاسیر دنیا میں موجود ہیں جیسے کشاف اور محاکم اور تفسیر رازی اور ابن کثیر اور مدارک اور فتح البیان سب میں زیر تفسیر یعیسیٰ انی متوفیک ہی لکھا ہے کہ انی حمیتک ختف انفک یعنی اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت سے مار نیوالا ہوں بغیر اس کے کہ تو مصلوب یا مضروب ہونے کی حالت میں فوت ہو وہ غایت ثانی الباب بعض مفسرین نے اپنی کوتاہ اندیشی سے اس آیت کی آواز جوہ پر بھی تفسیریں کی ہیں لیکن صوف اپنے بے بنیاد خیال سے نہ کسی آیت یا حدیث صحیح کے حوالہ سے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان سے پوچھا جاتا کہ حق کے ساتھ تم نے ہاسل کو کیوں اور کس دلیل سے طایا ؟ بہر حال جب وہ اس بات کا استدار کر گئے کہ منجملہ اقوال مختلفہ کے یہ بھی ایک قول ہے کہ منور ہوتے مسیح فوت ہو گئے تھے اور ان کی روح اٹھائی گئی تھی تو ان کی دوسری غرضیں قابلِ عفو ہیں ان میں سے بعض جیسا کہ صاحب کشاف خود اپنی قلم سے دوسرے اقوال کو قیمل کے لفظ سے ضعیف ٹھہرا گئے ہیں۔

اب جبکہ توفیق کے لفظ کی بخوبی تحقیقات ہو چکی اور ثابت ہو گیا کہ تمام قرآن شریف میں اول سے آخر تک یہ لفظ فقط روح کے قبض کرنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے تو اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ اس کے بعد جو فقرہ سہ افعل الی میں رفع کا لفظ ہے یہ کن معنوں پر قرآن شریف میں مستعمل ہے ؟

جاننا چاہیئے کہ رفع کا لفظ قرآن شریف میں جہاں کہیں انبیاء اور انبیاء کی نسبت استعمال کیا گیا ہے عام طور پر اس سے یہی مطلب ہے کہ جو ان برگزیدہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی جناب میں باعتبار اپنے روحانی مقام اور نفسی نقطہ کے آسمانوں میں کوئی بلند مرتبہ حاصل ہے اس کو ظاہر کر دیا جائے اور ان کو بشارت دی جائے کہ بعد موت و مفارقت بدن ان کی روح اُس مقام تک جو ان کے لئے قرب کا مقام ہو اٹھائی جائے گی۔ جیسا کہ اشد جلالہ ہمارے سید و مولیٰ کا اعلیٰ مقام ظاہر کرنے کی غرض سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ یعنی یہ تمام رسول اپنے مرتبہ میں یکساں نہیں بعض ان میں سے وہ ہیں جن کو روبرو کلام کرنے کا شرف بخشا گیا اور بعض وہ ہیں جن کا رفع درجات سب سے بڑھ کر ہے۔

اس آیت کی تفسیر احادیث نبویہ میں یہی بیان کی گئی ہے کہ موت کے بعد ہر ایک نبی کی روح آسمان کی طرف اٹھائی جاتی ہے اور اپنے درجہ کے موافق اس روح کو آسمانوں میں سے کسی آسمان میں کوئی مقام ملتا ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس مقام تک اس روح کا رفع عمل میں آیا ہے تا جیسا کہ باطنی طور پر اس روح کا درجہ تھا خارجی طور پر وہ درجہ ثابت کر کے دکھلایا جائے۔ سو یہ رفع جو آسمان کی طرف ہوتا ہے تحقیق درجات کے لئے وقوع میں آتا ہے اور آیت مذکورہ بالا میں جو رفع بعضہم درجات ہے یہ اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع تمام نبیوں کے رفع کی

بلند تر ہے اور اُن کی رُوح مسیح کی رُوح کی طرح دوسرے آسمان میں نہیں اور حضرت
 موسیٰ کی رُوح کی طرح چھٹے آسمان میں بلکہ سب سے بلند تر ہے اور اسی کی طرف معراج کی
 حدیث تصریح و دلالت کر رہی ہے بلکہ عالم النبوة میں صفحہ ۱۵۷ یہ حدیث لکھی ہے
 کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں چھٹے آسمان سے اُگے گزر گئے تو
 حضرت موسیٰ نے کہا رب لہذا ظن ان یرفع علی احدیٰ یعنی اے میرے خلدوند !
 مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ کوئی نبی مجھ سے اوپر اُٹھایا جائے گا اور اپنے رُخ میں مجھ سے
 اُگے بڑھ جائے گا۔ اب دیکھو کہ سرافع کا لفظ محض تحقق درجات کے لئے استعمال کیا گیا
 ہے اور آیت موصوفہ بالا کے احادیث نبویہ کی رو سے یہ معنی کھلے کہ ہر ایک اپنے
 درجہ کے موافق آسمانوں کی طرف اُٹھایا جاتا ہے اور اپنے قرب کے انداز کے موافق
 سرافع سے مقدر لیتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کی رُوح اگرچہ دنیوی حیات کے زمانہ میں
 زمین پر ہو مگر پھر بھی اُس آسمان سے اُس کا تعلق ہوتا ہے جو اس کی رُوح کے لئے مدافع
 بٹھرایا گیا ہے اور موت کے بعد وہ رُوح اُس آسمان میں جا ٹھہرتی ہے جو اس کیلئے
 مدافع مقدر کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث جس میں عام طور پر موت کے بعد رُوحوں
 کے اُٹھانے جانے کا ذکر ہے اس بیان کی مؤید ہے اور چونکہ یہ بحث نہایت صریح اور
 صاف ہے اور کسی قدر ہم پہلے لکھ بھی چکے ہیں اس لئے کچھ ضرورت نہیں کہ اس کو
 زیادہ طول دیا جائے۔

اس مقام میں یہ بھی بیان کرنے کے لائق ہے کہ بعض مفستروں نے جب دیکھا کہ
 درحقیقت اتنی متوفیات میں توفیق کے معنی وفات دینے کے ہیں اور بعد اس کے
 جو مافات الی واقع ہے وہ بقرینہ صریح وفات کے رُوح کے سرافع پر دلالت کر رہا
 ہے تو انہیں منکر پڑی کہ یہ صریح ہماری رائے کے مخالف ہے اس لئے انہوں نے گویا
 اپنے تئیں نظم فرمائی کہ صریح قرار دے کر یا اپنے لئے استادی کا منصب بخون کر کے یہ مبالغہ

کی کہ اس جگہ رافعک مقدم اور اتنی متوفیک مؤخر ہے مگر ناظرین جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے مبلغ اور افصح کلام میں یہ کس قدر بے جا اور اس کلام کی کسرِ ثبوت کا موجب ہے۔ اس جگہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے جو حضرت مسیح کے حق میں یہ فرمایا کہ وما قتلوه وما صلیبوه ولكن شتبه لہم اس سے برگزیہ مراد نہیں کہ مسیح فوت نہیں ہوا۔ کیا مرنے کے لئے یہی ایک راہ ہے کہ انسان قتل کیا جائے یا صلیب پر کھینچا جائے؟ بلکہ اس نفی سے مدعا اور مطلب یہ ہے کہ تورات استثناء باب ۱ آیت ۲۳ میں لکھا ہے کہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے۔ اور یہود جنہوں نے اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ کو پھانسی دے دیا تھا وہ بہ تمسک اس آیت کے یہ خیال رکھتے تھے کہ مسیح ابن مریم نہ نبی تھا اور نہ مقبول الہی کیونکہ وہ پھانسی دیا گیا اور تورات بیان کر رہی ہے کہ جو شخص پھانسی دیا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے سو خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اصل حقیقت ظاہر کر کے اُن کے اس قول کو رد کرے سو اس نے فرمایا کہ مسیح ابن مریم درحقیقت مصنوب نہیں ہوا اور نہ مقتول ہوا بلکہ اپنی موت سے فوت ہوا۔

(۲) سوال۔ یہ کہاں اور کس کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم جس کے آنے کا وعدہ دیا گیا وہ درحقیقت مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ کوئی اس کا مثیل مراد ہے؟

جواب۔ اس بات کو پہلے تو قرآن شریف ہی تبصریح ذکر کر چکا ہے جبکہ اس نے صاف لفظوں میں فرما دیا کوئی نبی نہیں آیا جو فوت نہ ہوا ہو ما محمد الا رسول قد خلت

من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم وما جعلنا

لننبئکم الخلد وما جعلناہم جسدًا لایا کلون الطعام وما کانوا
جسدًا یحیی۔ اب ظاہر ہے کہ باوجود ان تمام آیات کے جو آواز بلند مسیح کی موت پر شہادت دے رہی ہیں پھر بھی مسیح کو زندہ خیال کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ برخلاف مفہوم آیت وما جعلناہم جسدًا لایا کلون الطعام مسیح جسم خاکی کے ساتھ

دوسرے آسمان میں بغیر حاجت طعام کے یونہی فرشتوں کی طرح زندہ ہو کر حقیقت خدا تعالیٰ کے پاک کلام سے روگردانی ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اگر مسیح اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر زندہ ہے تو خدا تعالیٰ کا آیت ممدوحہ بالا میں یہ دلیل پیش کرنا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر قوت ہو گیا تو اس کی نبوت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابتداء سے سارے نبی مرتے ہی آئے ہیں بالکل حکمتی اور لغو بلکہ خلاف واقعہ ٹھہر جائے گی اور خدا تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ بھوٹ بولے یا خلاف واقعہ کہے۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ مسیح فوت ہو چکا تو اب وہ موت کے بعد آ نہیں سکتا اور نہ اُس کے مرنے کے بعد قرآن شریف میں کوئی خبر اُس کے پھر

۲۷۹

زندہ ہونے کی دی گئی ہے پس بلاشبہ آنے والا مسیح اُس کا کوئی مثیل ہوگا۔ ماسوا اس کے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پاک احادیث میں اس بات کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ آنے والا مسیح دراصل مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ اس کا مثیل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانے والے مسیح کا اور مُعلیہ بتلایا ہے اور آنے والے مسیح کا اور مُعلیہ ظاہر کیا ہے اور مسیح گذشتہ کی نسبت قطعی طور پر کہا ہے کہ وہ نبی تھا لیکن آئیو لے مسیح کو اُمتی کر کے پکارا ہے جیسا کہ حدیث امام مکہ منکد سے ظاہر ہے۔ اور حدیث علماء اُمتی کا نبیاء بنی اسرائیل میں اشارۃً مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی ہے چنانچہ اس کے مطابق آنے والا مسیح محدث ہونے کی وجہ سے مجازاً نبی بھی ہے پس اس سے زیادہ اور کیا بیان ہوگا۔ ماسوا اس کے حضرت مسیح ابن مریم جس کی روح اُٹھائی گئی برطبق آیت کہ

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّاتِي ۖ يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اب کیونکہ پھر اس غلکہ میں آجائیں گے اس کو ہم نے مانا کہ وہ کامل درجہ دخول بہشت کا جو جسمانی اور روحانی دونوں طور پر ہو گا وہ حشر اجساد کے بعد ہر یک استحقاق کو عطا کیا جائیگا مگر اب بھی جس قدر بہشت کی لذت

عطا ہو چکیں اس سے مقرب لوگ باہر نہیں کئے جاتے اور قیامت کے دن میں حضور
 رب العالمین اُن کا حاضر ہونا اُن کو بہشت سے نہیں نکالتا کیونکہ یہ تو نہیں کہ بہشت سے
 باہر کوئی لکڑی یا لوہے یا چاندی کا تخت بچھایا جائے گا اور خدا تعالیٰ مجازی حکام اور سلطان
 کی طرح اس پر بیٹھے گا اور کسی قدر مسافت طے کر کے اُس کی حضور میں حاضر ہونا ہوگا۔ تاہم
 اعتبارِ اضلاع لازم آوے کہ اگر بہشتی لوگ بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے
 وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا اور اس لق وودق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین
 بچھایا گیا تھا حاضر ہونا پڑے گا۔ ایسا خیال تو سرسبز جسمانی اور یہودیت کی ہر شے سے نکلا ہوا
 ہے۔ اور حق یہی ہے کہ ہم عدالت کے دن پر ایمان تو لاتے ہیں اور تخت رب العالمین
 کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ
 جو کچھ اللہ اور رسول نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے پاک طور پر کہ جو خدا تعالیٰ
 کے تقدس اور شہزادہ اور اس کی تمام صفات کا ملکہ کے منافی اور مغائر نہ ہو۔ بہشت تجلی کا
 حق ہے یہ کیونکہ کہہ سکیں کہ اُس دن خدا تعالیٰ ایک مجسم شخص کی طرح بہشت سے باہر اپنا
 خیمہ یا یوں کہو کہ اپنا تخت بچھو ا دے گا بلکہ حق یہ ہے کہ اُس دن بھی بہشتی بہشت میں ہونگے
 اور دوزخی دوزخ میں۔ لیکن رحم الہی کی تجلی غلطی راستبازوں اور ایمانداروں پر ایک جدید
 طور سے لذات کا ملکہ کی بارش کرے کہ اور تمام سامان بہشتی زندگی کا جستی اور جسمانی طور پر انکو
 دکھلا کر اُس نئے طور کے دارالسلام میں ان کو داخل کر دے گی۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کی قہری
 تجلی جہنم کو بھی بعد از حساب اور الزام مرتب کے نئے رنگ میں دکھلا کر گویا جہنمی لوگوں کو
 نئے سرے جہنم میں داخل کرے گی۔ روحانی طور پر بہشتیوں کا بلا توقف بعد موت کے بہشت میں داخل
 ہو جانا اور دوزخیوں کا دوزخ میں گر آیا جانا بتواتر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت
 ہے۔ کہاں تک ہم اس رسالہ کو طول دیتے جائیں۔ اے خداوند قادر! اس قوم پر جسم کر جو
 کلام الہی کو پڑھتے ہیں لیکن وہ پاک کلام اُن کے حلق سے آگے نہیں گذرتا۔

رسول مسیح کے دوبارہ آنے کے ابطال میں جو یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ مسیح کا وقت ہونا ثابت ہے اور ہر ایک مومن راستباز مرنے کے بعد بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک جو بہشت میں داخل ہو جاتا ہے وہ بطریق آیت و ماہم منها بخرجین ہمیشہ رہنے کا بہشت میں حق رکھتا ہے۔ یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ قصہ صحیح نہ ہو جو عزیر نبی کی نسبت قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ سو برس تک مر رہا اور پھر خدا تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا۔ وجہ یہ کہ بر طبق قاعدہ مفروضہ بالا زندہ ہونے سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ بہشت سے خارج کیا گیا۔ ایسا ہی اس آیت کو ظاہر مدح حاصل کرنے سے مروجوں کا قبول سے جی اٹھنا اور میدانِ حجاب میں رب العالمین کے حضور میں آنا یہ سب باتیں اس آیت کے ایسے معنی کرنے سے کہ راستباز انسان مرنے کے بعد بہشت میں بلا توقف داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کبھی نہیں نکلتا باطل ہو جاتے ہیں اور استقامت عقیدہ اسلام میں ایک سخت انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔

اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ حقیقت میں یہ سچ ہے کہ جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے پھر وہ اس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ مومنین کو وعدہ صادقہ سے کر فرماتا ہے لا یمسہم فیہا نصب و ماہم منها بمخرجین یعنی بہشت میں داخل ہونے والے ہر ایک رنج اور تکلیف سے رہائی پائیں گے اور وہ کبھی اس سے نکالے نہیں جائیں گے۔ سورۃ الحجرات نمبر ۱۲۔ پھر ایک دوسری جگہ فرماتا ہے واما الذین سعدوا ففی الجنة فخلدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجدوذ (الحجرات نمبر ۱۲ سورہ ہود) یعنی سعید لوگ مرنے کے بعد بہشت میں داخل کئے جاتے ہیں اور ہمیشہ اُس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین برقرار اور اگر یہ آسمان اور زمین بدلائے بھی جائیں جیسا کہ قیامت کے آنے کے وقت ہوگا تب بھی

قسموں آیات پر نظر ڈالنے سے تعارض معلوم ہوتا ہے قرآن شریف اور احادیث میں
 الروح طیبہ کا بہشت میں مرنے کے بعد داخل ہونا بیدہی اور کھلے کھلے طور پر ثابت ہے مگر
 ایک بھی ایسی آیت یا حدیث نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یوم الحساب میں بہشتی
 لوگ بہشت سے باہر نکال دئے جائیں گے بلکہ حسب وعدہ الہی بہشت میں ہمیشہ رہنا بہشتیوں کا
 جا بجا قرآن شریف اور احادیث میں مسدود ہے۔ ہاں دوسری طرف یہ بھی ثابت ہے کہ
 قبروں میں سے مردے جی اٹھیں گے اور ہر ایک شخص حکم سننے کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور
 میں کھڑا ہوگا اور ہر ایک شخص کے عمل اور ایمان کا اندازہ الہی ترازو سے اُس پر ظاہر
 کیا جائے گا۔ تب جو لوگ بہشت کے لائق ہیں بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور جو دوزخ
 میں جلتے کے سزاوار ہیں وہ دوزخ میں ڈال دئے جائیں گے۔

اب واضح ہو کہ اس تعارض کے دور کرنے کے لئے جو آیات اور احادیث میں باہم متضاد
 ہے یہ راہ نہیں ہے کہ یہ اعتقاد ظاہر کیا جائے کہ موت کے بعد تمام رومیں ایک فنا کی
 حالت میں رہتی ہیں۔ نہ کسی قسم کی اُن کو راحت حاصل ہوتی ہے اور نہ کسی نوع کی عقوبت
 میں گرفتار ہوتی ہیں اور نہ جنت کی ٹھنڈی ہوا اُن کو پہنچتی ہے اور نہ دوزخ کی بجاپ ان کو
 جلاتی ہے کیونکہ ایسا اعتقاد نصوص پینہ فرقان اور حدیث سے بکلی مغایر ہے۔ میت
 کے لئے جو دعا کی جاتی ہے یا صدقات کئے جاتے ہیں اور میت کی نیت سے مساکین کو
 طعام کھلایا جاتا ہے یا کپڑا دیا جاتا ہے۔ اگر اس درمیانی زمانہ میں جو قبیل از حشر اجساد
 ہے جنت اور جہنم کا میت سے کچھ عطا نہیں تو یہ سب اعمال ایک مدت دراز تک بطور
 عیش کے متصور ہوں گے اور ماننا پڑے گا کہ اس درمیانی زمانہ میں میت کو راحت اور
 رنج اور ثواب اور عقاب سے کچھ عطا نہیں ہوتا حالانکہ ایسا گمان تعلیم نبوی و سر اسر مخالف ہے۔
 پس وہ واقعی امر جس سے ان دونوں قسم کی آیات کا تعارض دور ہوتا ہے یہ ہے کہ
 جنت اور جہنم تین درجوں پر منقسم ہے۔

۲۵۷

۲۵۵

پہلا درجہ جو ایک ادنیٰ درجہ ہے اُس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان اس عالم سے رخصت ہو کر اپنی خواب گاہ قبر میں جا لیٹتا ہے اور اس درجہ ضعیفہ کو استعارہ کے طور پر احادیث نبویہ میں کئی پیڑیوں میں بیان کیا گیا ہے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ بھی پیرایہ ہے کہ میت بعد صالح کے لئے قبر میں جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے جس کی راہ سے وہ جنت کی باغ و بہار دیکھتا ہے اور اس کی دلربا ہوائے متنع ہوتا ہے اور اس کھڑکی کی کشادگی بحسب مرتبہ ایمان و عمل اس میت کے ہوتی ہے لیکن ساتھ اس کے یہ بھی کھا ہے کہ جو ایسے فانی اللہ ہونے کی حالت میں دنیا سے جدا ہوتے ہیں کہ اپنی جان عزیز کو محبوب حقیقی کی راہ میں فدا کر دیتے ہیں جیسے شہداء راہِ صدیق لوگ جو شہداء سبھی بڑھ کر آگے قدم رکھتے ہیں اُن کے لئے اُن کی موت کے بعد صرف بہشت کی طرف کھڑکی ہی نہیں کھولی جاتی بلکہ وہ اپنے سارے وجود اور تمام قوی کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی قیامت کے دن^{۳۵} سے پہلے اکھل اور تم طور پر لذات جنت حاصل نہیں کر سکتے۔

ایسا ہی اس درجہ میں میت غبیث کے لئے دوزخ کی طرف قبر میں ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے جس کی راہ سے دوزخ کی ایک جلانے والی بھاپ آتی رہتی ہے اور اس کے مشغولوں سے ہر وقت وہ غیبت روح جلتی رہتی ہے لیکن ساتھ اس کے یہ بھی ہے کہ جو لوگ اپنی کثرتِ نافرمانی کی وجہ سے ایسے فانی شیطان ہونے کی حالت میں دنیا سے جدا ہوتے ہیں کہ شیطان کی فرمانبرداری کی وجہ سے کجی تعلقات اپنے مولیٰ حقیقی سے توڑ دیتے ہیں اُن کے لئے اُن کی موت کے بعد صرف دوزخ کی طرف کھڑکی ہی نہیں کھولی جاتی بلکہ وہ اپنے سارے وجود اور تمام قوے کے ساتھ خاص دوزخ میں ڈال دئے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے **مَتَا خَطِئْتُمْ اَعْرَقُوا فَادْخُلُوا نَارًا** سورۃ نوح مگر پھر بھی وہ لوگ قیامت کے دن سے پہلے اکھل اور تم طور پر عقوباتِ جہنم کا

مزدہ نہیں چکھتے۔

دوسرا درجہ ۱۱۔ پھر اس درجہ کو پر جو ابھی ہم نے بہشتیوں اور دوزخیوں کیلئے بیان کیا ہے ایک اور درجہ دوزخ جنت دخول جہنم ہے جس کو درجہ کنا چاہیے اور حشر اسلو کے بعد اور جنت عظمیٰ یا جہنم کبریٰ میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور جو تعلق جسد کامل قوے میں ایک اعلیٰ درجہ کی تیسری پیدا ہو کر اور خدا تعالیٰ کی تعالیٰ رحم یا تعالیٰ قہر کا حسب حالت اپنے کامل طور پر مشاہدہ ہو کر اور جنت عظمیٰ کو بہت قریب پا کر یا جہنم کبریٰ کو بہت ہی قریب دیکھ کر وہ لذات یا عقوبات ترقی پذیر ہو جانے میں جیسا کہ اللہ جل شانہ آپ فرماتا ہے **وَاذْلَفْتَ الْجَنَّةَ لِّلْمُتَّقِينَ وَبَرَزْتَ الْجَحِيمَ لِلْغَاوِينَ**۔

ووجوه يومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة ووجوه يومئذ عليها غبرة تو حقاً قترہ۔ **اولئك هم الکفرة الفجرة**۔ اس دوسرے درجہ میں بھی لوگ مساوی نہیں ہوتے بلکہ اعلیٰ درجہ کے بھی ہوتے ہیں جو بشتی ہونے کی حالت میں بہشتی انوار اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ انہیں کی طرف اللہ جل شانہ اشارہ فرماتا ہے نور ہم یسعی بین ایدہم وایمانہم۔ ایسا ہی دوزخی ہونے کی حالت میں اعلیٰ درجہ کے کفار ہوتے ہیں کہ قبل اس کے جو کامل طور پر دوزخ میں پڑیں ان کے دلوں پر دوزخ کی آگ بھڑکائی جاتی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے **نَارُ اللَّهِ الْمَوْقُودَةُ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَىٰ أَكْفُودَةٍ**۔

پھر اس درجہ کو پر جو آخری درجہ ہے تیسرا درجہ ۱۲ ہے جو غنائے مدارج ہے جس میں یوم الحساب کے بعد لوگ داخل ہوں گے اور اکمل اور اتم طور پر سعادت یا شقاوت کا مزہ چکھ لیں گے۔

اب حاصل کلام یہ ہے کہ ان تینوں مدارج میں انسان ایک قسم کے بہشت یا ایک قسم کے دوزخ میں ہوتا ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ ان مدارج میں سے کسی درجہ پر ہونے کی حالت میں انسان بہشت یا دوزخ میں کمالاً نہیں جاتا۔

ہاں جب اس درجہ سے ترقی کرتا ہے تو ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ میں آجاتا ہے۔

اس ترقی کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ جب مثلاً ایک شخص ایمان اور عمل کی ادنیٰ حالت میں فوت ہوتا ہے تو تھوڑی سی سورش بہشت کی طرف اس کے لئے نکالی جاتی ہے کیونکہ بہشتی تہقی کی اُسی قدر اس میں استعداد موجود ہوتی ہے۔ پھر بعد اس کے اگر وہ اولاد صلح چھوڑ کر مرے ہو جو وہ و جہد سے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور صدقات و خیرات اُسکی مغفرت کی نیت سے مساکین کو دیتے ہیں یا ایسے کسی اہل اللہ سے اس کی محبت تھی تو تصرفات سے جناب الہی سے اس کی بخشش چاہتا ہے یا کوئی ایسا خلق اللہ کے فائدہ کا کام وہ دنیا میں کر گیا ہے جس سے بند گانِ خدا کو کسی قسم کی مدد یا آرام پہنچتا ہے تو اس خیر جاری کی برکت سے وہ کھڑکی اس کی جو بہشت کی طرف کھولی گئی دن بدن اپنی کشادگی میں زیادہ ہوتی جاتی ہے اور سبقت رحمتی علیٰ غضبی کا منشاء اور بھی اس کو زیادہ کرتا جاتا ہے۔

یہاں تک وہ کھڑکی ایک بڑا وسیع دروازہ ہو کر آخر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ شہید صل اور صد یقول کی طرح وہ بہشت میں ہی داخل ہو جاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بات شرفا و انصافاً و عقلاً بے ہودہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ باوجود اس کے کہ ایک مرد مسلم فوت شدہ کے بعد ایک قسم کی خیر اس کے لئے جاری رہے اور ثواب اور اعمال صالحہ کی بعض وجوہ اس کے لئے کھلی رہیں مگر پھر بھی وہ کھڑکی جو بہشت کی طرف اس کے لئے کھولی گئی ہے ہمیشہ اتنی کی اتنی رہے جو پہلے دن کھولی گئی تھی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اس کھڑکی کے کھولنے کے لئے پہلے سے اس قدر سامان کر رکھے ہیں جن سے تصریح معلوم ہوتا ہے کہ اس کیم کا دراصل منشاء ہی یہی ہے کہ اگر ایک ذرہ ایمان و عمل لے کر بھی اس کی طرف کوئی سفر کرے تو وہ ذرہ بھی نشوونما کرتا ہے گا اور اگر کسی اتفاق سے تمام سامان اُس شیعہ جو میت کو اس عالم کی طرف سے پہنچتی ہے ناپیدار ہیں تاہم یہ سامان کسی طرح ناپیدا اور گم نہیں ہو سکتا کہ جو تمام مومنوں

اور نیک بختوں اور شہیدوں اور صدیقوں کے لئے تاکید دی طور پر یہ حکم فرمایا گیا کہ وہ اپنے اُن بھائیوں کے لئے بدل و جان و دعائے مغفرت کرتے رہیں جو اُن سے پہلے اس عالم میں گذر چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے لئے ایک شکر مومنوں کا دعا کر رہا ہے وہ دعا ہرگز ہرگز خالی نہیں جائے گی بلکہ وہ ہر روز کام کر رہی ہے اور گنہگار ایسا مدار جو فوت ہو چکے ہیں اُن کی اس کھڑکی کو جو بہشت کی طرف تھی ٹھیک سے کھول رہی ہے ان دعاؤں نے اب تک بے شمار کھڑکیوں کو اس حد تک کشادہ کر دیا ہے کہ بے انتہا ایسے لوگ بہشت میں پہنچ چکے ہیں جن کو اول دونوں میں صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی بہشت کے دیکھنے کے لئے عطا کی گئی تھی۔

۴۴۲

اس زمانہ کے اُن تمام مسلمانوں کو جو موجود کھلاتے ہیں یہ دھوکا بھی لگا ہوا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد بہشت میں داخل ہونے والے صرف شہید لوگ ہیں اور باقی تمام مومنین یہاں تک کہ انبیاء اور رسول بھی یوم الحساب تک بہشت سے باہر رکھے جائیں گے صرف ایک کھڑکی اُن کے لئے بہشت کی طرف کھولی جائے گی۔ مگر بات تک انہوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ کیا انبیاء اور تمام صدیق رومانی طور پر شہیدوں سے بڑھ کر نہیں ہیں اور کیا بہشت سے دور رہنا ایک قسم کا عذاب نہیں جو مغفولین کے حق میں تجویز نہیں ہو سکتا۔ جس کے حق میں خدا تعالیٰ یہ کہے کہ رفع بعضہم و دخیل کیا ایسا شخص سعادت اور فوز مرام میں شہیدوں کے پیچھے رہ سکتا ہے؟ افسوس کہ ان لوگوں نے اپنی نا فہمی سے شریعتِ غرّاء کو اٹا دیا ہے۔ اُن کے زعم میں سب سے پہلے بہشت میں داخل ہونے والے شہید ہیں اور شاید کہ میں بے شمار برسوں کے بعد نبیوں اور صدیقوں کی بھی نوبت آوے اس کسر شان کا التزام اُن لوگوں پر بڑا بھاری ہے جو خود سے غدر و دل سے دور نہیں ہو سکتا۔ بے شک یہ بات سب کے فہم میں آ سکتی ہے کہ جو لوگ ایمان اور عمل میں ساقین ہیں وہی لوگ دخول فی الجنّت میں بھی ساقین چاہئے نہ یہ کہ اُن کیلئے صرف ضعیف الایمان لوگوں کی طرح

۴۴۳

کھڑکی کھلی جائے اور شہید لوگ دنیا سے رخصت ہوتے ہی ہر ایک پھل بہشت کا ٹکڑا کھانے لگیں۔ اگر بہشت میں داخل ہونا کامل ایمان کامل اخلاص کامل جانفشانی پر موقوف ہے تو بلاشبہ نبیوں اور صدیقوں سے اور کوئی بڑھ کر نہیں جن کی تمام زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف ہو جاتی ہے اور جو خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسے فدا ہوتے ہیں کہ بس مر ہی رہتے ہیں اور تمنا رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید کئے جائیں اور پھر زندہ ہوں اور پھر شہید کئے جائیں اور پھر زندہ ہوں اور پھر شہید کئے جائیں۔

اب ہماری اس تمام تقریر سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے ایسے زبردست اسباب موجود ہیں کہ قریناً تمام مومنین یوم الحساب سے پہلے اس میں پورے طور پر داخل ہو جائیں گے اور یوم الحساب اُن کو بہشت سے خارج نہیں کرے گا۔ بلکہ اُس وقت اور بھی بہشت نزدیک ہو جائیگا۔ کھڑکی کی مثال سے سمجھ لینا چاہیے کہ کیونکہ بہشت قبر سے نزدیک کیا جاتا ہے۔ کیا قبے کے متصل بوزین پڑی ہے اُس میں بہشت آ جاتا ہے؟ نہیں بلکہ روحانی طور پر نزدیک کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روحانی طور پر بہشتی لوگ میدانِ حساب میں بھی ہوں گے اور بہشت میں بھی ہوں گے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری قبر کے نیچے روضہ بہشت ہے۔ اس پر خوب غور کرو کہ کیس بات کی طرف اشارہ ہے؟

اور عزیر کے فوت ہونے اور پھر تنویرس کے بعد زندہ ہونے کی حجت جو پیش کی گئی ہے یہ حجت مخالف کے لئے کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ ہر گز بیان نہیں کیا گیا کہ عزیرؑ کو زندہ کر کے پھر دنیا کے دارالہموم میں بھیجا گیا تا یہ فساد لازم آوے کہ وہ بہشت سے نکالا گیا۔ بلکہ ان آیات کو اُن کے ظاہری معانی پر محمول کیا جاوے تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے کرشمہ قدرت نے ایک لمحہ کے لئے عزیرؑ کو زندہ کر کے دکھلادیا تا اپنی قدرت پر اس کو یقین دلاوے۔ مگر وہ دنیا میں آنا صرف عارضی تھا اور دراصل عزیرؑ

بہشت میں ہی موجود تھا۔ جاننا چاہیئے کہ تمام انبیاء اور صدیق مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور ایک نورانی جسم بھی انہیں عطا کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی بیداری میں راستبازوں سے ملاقات بھی کرتے ہیں چنانچہ اس بارہ میں یہ عاجز و خوار صاحبِ تجربہ ہے۔ پھر اگر عزیز کو خدا تعالیٰ نے اسی طرح زندہ کر دیا ہو تو تعجب کیا ہے لیکن اس زندگی سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ زندہ ہو کر بہشت سے خارج کئے گئے۔ یہ عجب طور کی نادانی ہے بلکہ اس زندگی سے تو بہشت کی تکلی زیادہ تر بڑھ جاتی ہے۔

(۴) سوال قرآن شریف کی آیت مَنْ دَانَ مَنَ اَهْلِ الْكُتُبِ اَلَا لِيَوْمَ مَوْتِهِ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ مسیح کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں گے سو اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح اس وقت تک جینا رہے جب تک کہ تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں۔

۳۵۵
اقلاً الجواب۔ پس واضح ہو کہ سائل کو یہ دھوکا لگا ہے کہ اس نے اپنے دل میں یہ خیال کر لیا ہے کہ آیت فرقانی کا یہ منشاء ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب کے فرقہ کا اُس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ہم فرض کے طور پر تسلیم کر لیں کہ آیت موصوفہ بالا کے یہی معنی ہیں جیسا کہ سائل سمجھا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ زمانہ مسیح سے اس زمانہ تک کہ مسیح نازل ہو جس قدر اہل کتاب دنیا میں گزرے ہیں یا اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے وہ سب مسیح پر ایمان لانے والے ہوں۔ حالانکہ یہ خیال بیداشت باطل ہے۔ ہر ایک شخص خوب جانتا ہے کہ بے شمار اہل کتاب مسیح کی نبوت سے کافر و کراب تک و اہل جہنم ہو چکے ہیں اور خدا جانے آئندہ بھی کس قدر کفران کی وجہ سے اس آتشِ تہویر میں پڑیں گے اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ وہ تمام اہل کتاب فوت شدہ مسیح کے نازل ہونے کے وقت اُس پر ایمان لا دیں گے تو وہ ان سب کو اُس وقت تک زندہ رکھتا جب تک کہ مسیح

آسمان سے نازل ہوتا لیکن اب مرنے کے بعد اُن کا ایمان لانا کیونکر ممکن ہے؟
 بعض لوگ نہایت تکلف اختیار کر کے یہ جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مسیح کے
 نزول کے وقت خدا تعالیٰ اُن سب اہل کتاب کو پھر زندہ کرے جو مسیح کے وقت بحثِ مسیح
 کے دوبارہ نزول تک کفر کی حالت میں مر گئے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یوں تو کوئی
 کام خدا تعالیٰ سے غمبھری نہیں لیکن زیر بحث تو یہ امر ہے کہ کیا قرآن کریم اور احادیث
 نبویہ میں ان خیالات کا کچھ نشان پایا جاتا ہے اگر پایا جاتا ہے تو کیوں وہ پیش نہیں کیا جاتا؟
 بعض لوگ کچھ شرمندے سے ہو کر دبی زبان یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ اہل کتاب
 سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح کے دوبارہ آنے کے وقت دنیا میں موجود ہوں گے اور وہ
 مسیح کو دیکھتے ہی ایمان لائیں گے اور قبل اس کے جو مسیح فوت ہو وہ سب موتوں کی
 فوج میں داخل ہو جائیں گے لیکن یہ خیال بھی ایسا باطل ہے کہ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں
 اول تو آیت موصوفہ بالا صاف طور پر فائدہ تعمیم کا دے رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ اہل کتاب کے لفظ سے تمام وہ اہل کتاب مراد ہیں جو مسیح کے وقت میں یا مسیح کے
 بعد برابر ہوتے رہیں گے اور آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں جو آیت کو کسی خاص محدود
 زمانے سے متعلق اور وابستہ کرتا ہو۔ علاوہ اس کے یہ معنی بھی جو پیش کئے گئے ہیں
 بد امت فاسد ہیں۔ کیونکہ احادیث صحیحہ با و از بلند بتلا رہی ہیں کہ مسیح کے دم ہی اس
 کے منکر خواہ وہ اہل کتاب ہیں یا غیبیہ اہل کتاب کفر کی حالت میں مریں گے اور کچھ
 ضرور نہیں کہ ہم بار بار ان حدیثوں کو نقل کریں۔ اسی رسالہ میں اپنے موقع پر دیکھ لینا چاہیئے
 ماسوا اس کے مسلمانوں کا یہ عقیدہ مسلم ہے کہ دجال بھی اہل کتاب میں سے ہی ہو گا اور یہ
 بھی مانتے ہیں کہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔ اب میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس خیال کے

بہت مشکل ہے۔ مسیحی دم ہی مرنے کے حقیقی معنی ہم بیان کرتے ہیں کہ اس ہی مراد حجت اور تینہ کی رو سے مراد ہو۔ ورنہ دجال اہل کتاب سے
 کہ یہ خیال کیا جائے کہ کوئی دہرناک اور وہابی مادہ مسیح کے منہ سے نکل کر اور ہوا سی ملکر کمزور کافروں کو مایا گار دجال کو اپنی سی

پیروان حدیثوں کو پڑھ کر کس قدر شرمندہ ہوں گے۔ یہ بھی مانا گیا ہے اور مسلم میں موجود ہے کہ مسیح کے بعد شہید رہ جائیں گے جن پر قیامت اُٹے گی۔ اگر کوئی کافر نہیں رہے گا تو وہ کہاں سے آجائے گی۔

اب بالطبع یہ سوال پیدا ہو گا کہ اگر آیت متذکرہ بالا کے وہ معنی صحیح نہیں ہیں تو پھر کون سے معنی صحیح ہیں؟ تو اس کے جواب میں واضح ہو کہ صحیح معنی وہی ہیں جو اس مقام کی تمام آیات متعلقہ نظر ڈالنے سے ضروری تسلیم معلوم ہوتے ہیں جن کے ماننے سے کسی وجہ کا نقص لازم نہیں آتا۔ سو اول وہ تمام آیتیں ذیل میں ذکر کرتا ہوں۔ پھر بعد اس کے وہ حقیقی معنی جو ان آیات کی رو سے ثابت ہوتے ہیں ثابت کر دوں گا۔ اور آیات یہ ہیں:-

وَقَوْلُهُمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَّوْهُ وَلَٰكِنْ شَجَّهُ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتَّبَاعُ الظُّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيْنًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَاِنَّ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا هَٰذَا الْجَزْءُ مِنَ سُورَةِ النِّسَاءِ۔

ترجمہ:- اور یہودی جو خدا تعالیٰ کی رحمت اور ایمان سے بے نصیب ہو گئے اس کا سبب اُن کے وہ برے کام ہیں جو انہوں نے کئے۔ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوہم نے اس مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور یوں کا یہ کہنا کہ ہم نے عیسیٰ رسول اللہ کو قتل کر دیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ حضرت مسیح کو رسول مانتے تھے کیونکہ اگر وہ اس کو سچا رسول جانتے تو سُولی دینے کے لئے کیوں آمادہ ہوتے۔ بلکہ یہ قول اُن کا کہ لوہم نے اس رسول کو پھانسی دے دیا بطور استہزاء کے تھا اور اس ہنسی ٹھٹھے کی بناء پریت کے اس قول پر تھی جو لکھا ہے کہ جو پھانسی دیا جائے وہ ملعون ہے یعنی خدا تعالیٰ کی رحمت اور قرب الہی سے دور و محروم ہے۔ اور یہودیوں کے اس قول سے مدعا یہ تھا کہ اگر

عیسیٰ ابن مریم سچا رسول ہوتا تو ہم اس کو پھانسی دینے پر ہرگز فائدہ نہ ہو سکتے کیونکہ تو ریت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ مصلوب لعنتی ہوتا ہے اب قرآن شریف اس آیت کے بعد فرماتا ہے کہ درحقیقت یہودیوں نے مسیح ابن مریم کو قتل نہیں کیا اور نہ پھانسی دیا بلکہ خیال اُن کے دلوں میں شبہ کے طور پر ہے یقینی نہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اُن کو آپ ہی شبہ میں ڈال دیا ہے تا اُن کی بے وقوفی اُن پر اور نیند اپنی قاعدیت اُن پر ظاہر کرے اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو اس شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ شاید مسیح پھانسی ہی مل گیا ہو۔ اُن کے پاس کوئی یقینی قطعی دلیل اس بات پر نہیں صرف ایک ظن کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور وہ خوب جانتے ہیں کہ انہیں یقینی طور پر اس بات کا علم نہیں کہ مسیح پھانسی دیا گیا بلکہ یقینی امر یہ ہے کہ وہ فوت ہو گیا اور اپنی طبعی موت سے مرا اور خدا تعالیٰ نے اُس کو راستباز بندوں کی طرح اپنی طرف اٹھالیا۔ اور خدا عزیز ہے اُن کو عزت دیتا ہے جو اس کے پورے ہتے ہیں اور حکیم ہے اپنی حکمتوں سے اُن لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے جو اس پر توکل کرتے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر (جو ہم نے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے) ایمان نہ رکھتا ہو قبل اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لائے جو مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا یعنی ہم جو پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کوئی اہل کتاب اس بات پر دلی یقین نہیں رکھتا کہ درحقیقت مسیح مصلوب ہو گیا ہو کیا عیسائی اور کیا یہودی صرف ظن اور شبہ کے طور پر اُن کے مصلوب ہونے کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ ہمارا بیان صحیح ہے کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کی موت کے بارہ میں انہیں خبر نہیں کہ وہ کب مرا۔ سو اس کی ہم خبر دیتے ہیں کہ وہ مر گیا اور اکی صبح عزت کے ساتھ ہماری طرف اٹھائی گئی۔

اس جگہ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں کہ ہمارے اس بیان پر جو اُن کے خیالات کے بارہ میں ہم نے ظاہر کیا ایمان نہ رکھتا ہو۔ یہ ایک

عجازی بیان ہے اور یہ اس آیت کے موافق ہے جیسا کہ یہودیوں کو فرمایا تھا فتنوا اللہ
ان کا ختم صلہ قدین سے اس فرمانے سے مدعا یہ تھا کہ حقیقت یہودیوں کا یہ بیان کہ
ہم نے حقیقت مسیح کو پھانسی دے دیا جس سے یہ نتیجہ نکالنا منظور تھا کہ نعوذ باللہ مسیح
ملعون ہے اور نبی صادق نہیں۔ اور ایسا ہی عیسائیوں کا یہ بیان کہ حقیقت مسیح پھانسی
کی موت سے مر گیا جس سے یہ نتیجہ نکالنا منظور تھا کہ مسیح عیسائیوں کے گناہ کے لئے کفارہ
ہوا۔ یہ دونوں خیال یہودیوں اور عیسائیوں کے غلط ہیں اور کسی کو ان دونوں گروہ میں سے
ان خیالات پر دلی یقین نہیں۔ بلکہ دلی ایمان ان کا صرف اسی پر ہے کہ مسیح یقینی طور پر
مصلوب نہیں ہوا۔ اس تفسیر سے خدا تعالیٰ کا یہ مطلب تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں
کی خاموشی سے منصفین قطعی طور پر سمجھ لیں کہ اس بارے میں بجز شک کے ان کے پاس
کچھ نہیں اور یہودی اور عیسائی جو اس آیت کو سن کر چپ رہے اور انکار کے لئے میدان
میں نہ آئے تو اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر ہم مقابل پر آئے اور وہ دعویٰ
کیا جو ہمارے دل میں نہیں تو ہم سخت رسوا کئے جائیں گے اور کوئی ایسا نشان خدا تعالیٰ
کی طرف سے ظاہر ہو جائے گا جس سے ہمارا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے
انہوں نے دم نہ مارا اور چپ رہے۔ اور اگرچہ وہ خوب جانتے تھے کہ ہماری اس خاموشی
سے ہمارا مان لینا ثابت ہو جائے گا جس سے ایک طرف تو ان کفار کے اس عقیدہ کی بھگتی
ہوگی اور ایک طرف یہ یہودی عقیدہ بالکل ثابت ہو جائے گا کہ مسیح خدا تعالیٰ کا بچا ہوا
اور راستباز نہیں اور ان میں سے نہیں جن کا خدا تعالیٰ کی طرف عزت کے ساتھ رفع ہوتا
ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی چمکتی ہوئی تلواریں ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی
تھی۔ پس جیسا کہ قرآن شریف میں انہیں کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو لیکن مارے
خوف کے کسی نے یہ تمنا نہ کی۔ اسی طرح اس جگہ بھی مارے خوف کے انکار نہ کر سکے۔ یعنی یہ
دعویٰ نہ کر سکے کہ ہم تو مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین رکھتے ہیں ہمیں کیوں بے یقینوں میں

۲۹۳

داخل کیا جاتا ہے؟ سو اُن کا نبی کے زمانہ میں خناموشی اختیار کرنا ہمیشہ کیلئے حجت ہو گئی اور اُن کے ساختہ پرداختہ کا اثر اُن کی آنے والی ذریتوں پر بھی پڑا۔ کیونکہ سلف خلف کے لئے بطور وکیل کے ہوتے ہیں اور انکی شہادتیں انیوالی ذریت کو ماننی پڑتی ہیں۔
اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس بحث کو چھیڑا کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا بلکہ اپنی موت سے فوت ہوا۔ اس تمام بحث سے یہی غرض تھی کہ مسیح کے مصلوب ہونے سے دو مختلف فرقے یعنی یہود اور عیسائی دو مختلف نتیجے اپنی اپنی اغراض کی تائید میں نکالتے تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ مصلوب ہو گیا اور توریت کی رد سے مصلوب لعنتی ہوتا ہے یعنی قرب الہی سے بے محروم اور رفیع کی عزت سے بے نصیب رہتا ہے اور شاہین نبوت اس حالت ذلت سے برتر ہوا علی ہے۔ اور عیسائیوں نے یہودیوں کی لعن و طعن سے گھبرا کر یہ جواب بنا لیا تھا کہ مسیح کا مصلوب ہونا اُس کے لئے مضر نہیں بلکہ یہ لعنت اُس نے اس لئے پہنے ذمہ لے لی کہ تاگندگاروں کو لعنت سے پھڑا دے۔ سو خدا تعالیٰ نے ایسا فیصلہ کیا کہ اُن دونوں فریق کے بیانات مذکورہ بالا کو کالعدم کر دیا اور ظاہر فرمادیا کہ کسی کو ان دونوں گروہ میں سے مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین نہیں اور اگر ہے تو وہ سامنے آئے۔
سو وہ بھاگ گئے اور کسی نے دم بھی نہ مارا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے جو اس زمانہ کے نادان مولویوں کی نگاہ سے چھپا ہوا ہے اور مجھے اُس ذات کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابھی اور اسی وقت کشفی طور پر یہ صداقت مذکورہ بالا میرے پر ظاہر کی گئی ہے اور اُسی معلوم حقیقی کی تعلیم سے میں نے وہ سب لکھا ہے جو ابھی لکھا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک اور عقلی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو اس بیان کی سچائی پر ہر ایک عقل سلیم کو اسی دے گی کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام لغویاتوں سے مستند ہونا چاہیے۔ اور ہر ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس بحث میں یہ مقاصد عظمیٰ درمیان نہ ہوں تو یہ سارا بیان ایسا لغو ہوگا۔

جس کے تحت کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ جھگڑا کہ کوئی نبی پھانسی ملا یا اپنی طبیعت موت سے مرا بالکل بے فائدہ جھگڑا ہے جس سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ سو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے اس پُر جوش اور کٹر و فر کے بیانی میں کہ کسی یہودی یا عیسائی کو یقینی طور پر مسیح کی مصلوبیت پر ایمان نہیں کوئی بڑی غرض رکھتا ہے؟ اور کونسا بھارا مدعا اس کے زیرِ نظر ہے جس کے اثبات کے لئے اُس نے دونوں فریق یہود اور نصاریٰ کو خاموش اور لا جواب کر دیا ہے۔ سو یہی مدعا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے اس عاجز بندہ پر کہ جو مولویوں کی نظر میں کافر اور طحہ ہے اپنے خاص کشف کے ذریعے کھول دیا ہے۔

اے خدا جانم برائے سرارت خدا	آئیاں رامے ذہی ہسم و ذکا
در بہانت بچو من آتی کجا ست	در بہالت ہا مرا نشو و نما ست
کریمکے بودم مرا کردی بشر	من عجب ترا از سبھے پرد

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسیح کی عدم مصلوبیت پر انجیل کی رو سے کوئی استدلال پیدا ہو سکتا ہے یا نہیں یعنی یہ ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں کہ گو بظاہر مسیح کو صلیب ہی دی گئی ہو مگر تکمیل اس فعل کی نہ ہوئی ہو یعنی مسیح اس صلیب کی وجہ وفات یاب نہ ہوا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انجیل اور بعد قرآن شریف کے اس قول پر کہ مآقتلہ و مآصلبہ صاف شہادت دے رہی ہیں کیونکہ قرآن کریم کا منشاء ہا صلیبہ کے لفظ سے یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا بلکہ منشاء یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھانے کا اصل مدعا تھا یعنی قتل کرنا اس سے خدا تعالیٰ نے مسیح کو محفوظ رکھا اور یہودیوں کی طرف سے اس فعل یعنی قتل عدا کا اقدام تو ہوا مگر قدرت اور حکمت الہی سے تکمیل نہ پاسکا۔ اور جیسا کہ انجیلوں میں لکھا ہے یہ واقعہ پیش آیا کہ جب بیلا طوس جو صلیب دینے کے لئے یہودیوں نے مسیح کو جو حوالات میں تھا مانگا تو بیلا طوس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح مسیح کو چھوڑ دے کیونکہ وہ صاف دیکھتا تھا کہ مسیح بے گناہ ہے لیکن یہودیوں نے

بہت اصرار کیا کہ اس کو صلیب دے صلیب دے۔ اور سب مولوی اور فقیہ یہودیوں کے اکٹھے ہو کر کہنے لگے کہ یہ کافر ہے اور توریت کے احکام سے لوگوں کو پھیرتا ہے۔ پلاطوس اپنے دل میں خوب سمجھتا تھا کہ ان جزئی اختلافات کی وجہ سے ایک راستباز آدمی کو قتل کر دینا بے شک سخت گناہ ہے اسی وجہ سے وہ جیلے پیدا کرتا تھا کہ کسی طرح مسیح کو چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرات مولوی کب باز آنے والے تھے انہوں نے جھٹ ایک اور بات بنالی کہ یہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ میں یہودیوں کا بادشاہ ہوں اور دیرپہ وہ قیصر کی گورنمنٹ سے باغی ہے۔ اگر تو نے اس کو چھوڑ دیا تو پھر باد رکھ کہ ایک باغی کو تو نے پناہ دی تب پلاطوس ڈر گیا کیونکہ وہ قیصر کا ماتحت تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پھر بھی اس خونِ ناحق سے ڈرتا رہا۔ اور اس کی عورت نے خواب دیکھی کہ یہ شخص راستباز ہے اگر پلاطوس اس کو قتل کرے گا تو پھر اسی میں اس کی تباہی ہے۔ سو پلاطوس اس خواب کو سنکر اور بھی ڈھیلا ہو گیا اس خواب پر غور کرنے سے جو انجیل میں لکھی ہے ہر ایک ناظر بصیر سمجھ سکتا ہے کہ ارادہ الہی یہی تھا کہ مسیح کو قتل ہونے سے بچاوے۔ سو پہلا اشارہ منشاء الہی کا اس خواب سے ہی نکلتا ہے اس پر خوب غور کرو۔

بعد اس کے ایسا ہوا کہ پلاطوس نے آخری فیصلہ کے لئے اجلاس کیا اور ناہکار مولویوں اور فقیہوں کو ہتھیار سمجھایا کہ مسیح کے خون سے باز آ جاؤ مگر وہ باز نہ آئے بلکہ پیچ پیچ کر بولنے لگے کہ ضرور صلیب دیا جائے دین سے پھر گیا ہے تب پلاطوس نے پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے کہ دیکھو میں اس کے خون سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ تب سب یہودیوں اور فقیہوں اور مولویوں نے کہا کہ اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر۔

پھر بعد اس کے مسیح ان کے حوالہ کیا گیا اور اس کو تازیانے لگائے گئے اور جس قدر گالیاں سننا اور فقیہوں اور مولویوں کے اشارے سے طمانچہ کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے سنانے جانا اس کے حق میں مقدر تھا سب نے دیکھا آخر صلیب دینے کے لئے طیار ہوئے۔ یہ عجیب و غریب

اور عصر کا وقت۔ اور اتفاقاً یہ یہودیوں کی عید مسیح کا بھی دن تھا۔ اس لئے فرصت بہت کم تھی اور آگے سبت کا دن آنے والا تھا جس کی ابتداء غروب آفتاب سے ہی سمجھی جاتی تھی کیونکہ یہودی لوگ مسلمانوں کی طرح پہلی رات کو آگے دن کے ساتھ شامل کر لیتے تھے اور یہ ایک شریعی تاکید تھی کہ سبت میں کوئی لاش صلیب پر لٹکی نہ رہے۔ تب یہودیوں نے جلدی سے مسیح کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر چڑھا دیا تا شام سے پہلے ہی لاشیں اُتاری جائیں۔ مگر اتفاق سے اُسی وقت ایک سخت آندھی آگئی جس سے سخت اندھیرا ہو گیا۔ یہودیوں کو یہ فکر پڑ گئی کہ اب اگر اندھیری میں ہی شام ہو گئی تو ہم اس جرم کے مرتکب ہو جائیں گے جس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ سو انہوں نے اس فکر کی وجہ سے تینوں مصلوبوں کو صلیب پر سے اُتار لیا۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بالاتفاق مان لیا گیا ہے۔ کہ وہ صلیب اس قسم کی نہیں تھی جیسا کہ آج کل کی پھانسی ہوتی ہے اور گلے میں رستہ ڈال کر ایک گھنٹہ میں کام تمام کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس قسم کا کوئی رستہ گلے میں نہیں ڈالا جاتا تھا صرف بعض اعضاء میں کیلیں ٹھوکتے تھے اور پھر احتیاط کی غرض سے تین تین دن مصلوب بھوکے پیاسے صلیب پر چڑھائے رہتے تھے اور بعد اس کے ہڈیاں توڑی جاتی تھیں اور پھر یقین کیا جاتا تھا کہ اب مصلوب مر گیا۔ مگر خدا تعالیٰ کے قدرت سے مسیح کے ساتھ ایسا نہ ہوا، عید مسیح کی کم فرصتی اور عصر کا تھوڑا سا وقت اور آگے سبت کا خوف اور پھر آندھی کا آجانا ایسے اسباب یک دفعہ پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے ہند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اُتار لیا گیا اور دونوں چور بھی اُتارے گئے۔ اور پھر ہڈیوں کے توڑنے کے وقت خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ملکہ کا یہ نمونہ دکھایا کہ بعض سپاہی بلاطوس کے جن کو درپردہ خواب کا خطرناک انجام سمجھایا گیا تھا وہ اُس وقت موجود تھے جن کا مدعا یہی تھا کہ کسی طرح یہ بلا مسیح کے سر پر سے مل جائے ایسا نہ ہو کہ مسیح کے قتل ہو چکی وجہ سے وہ خواب بھی ہو جائے جو بلاطوس کی عورت نے دیکھی تھی۔ اور ایسا نہ ہو کہ بلاطوس کسی

۱۳۷

۱۳۸

بلا میں پڑے۔ سو پہلے انہوں نے پوروں کی ہڈیاں توڑائیں اور چونکہ سخت آندھی تھی اور تاریکی ہو گئی تھی اور ہوا تیز چل رہی تھی اس لئے لوگ گھبرائے ہوئے تھے کہ کہیں جلد گھروں کو جائیں۔ سو سب پاہیوں کا اس موقع پر خوب داؤ لگا۔ جب پوروں کی ہڈیاں توڑ چکے تو سچ کی نوبت آئی تو ایک سپاہی نے یونہی ہاتھ رکھ کر کہہ دیا کہ یہ تو مرجھا ہے کچھ ضرور نہیں کاس کی ہڈیاں توڑی جائیں۔ اور ایک نے کہا کہ میں ہی اس لاش کو دفن کر دوں گا۔ اور آندھی ایسی چلی کہ یہودیوں کو اس نے دھکے دے کر اس جگہ سے نکالا۔ پس اس طور سے سچ زندہ رہ گیا اور پھر وہ سوار ہوں کو ملا اور اُن سے مچھلی لے کر کھائی۔ لیکن یہودی جب گھروں میں پہنچے اور آندھی فسر ہو گئی تو اپنی نامت م کارروائی سے شک میں پڑ گئے اور سپاہیوں کی نسبت بھی اُن کے دلوں میں ظن پیدا ہو گیا چنانچہ اب تک عیسائیوں اور یہودیوں کا یہی حال ہے کہ کوئی اُن میں سے قسم کھا کر اور اپنے نفس کے لئے بلا اور عذاب کا وعدہ دے کر نہیں کہہ سکتا کہ مجھے درحقیقت یہی یقین ہے کہ سچ مسیح قتل کیا گیا۔ یہ شکوک اُسی وقت پیدا ہو گئے تھے اور پولس نے اپنی چالاکی سے کوشش بھی کی کہ ان شکوک کو مٹا دے مگر وہ اور بھی بڑھتے گئے۔ چنانچہ پولس کے بعض خطوط سے صاف ظاہر ہوتا ہے مسیح جب صلیب پر سے اتارا گیا تو اس کے زندہ ہونے پر ایک اور سخت ثبوت یہ پیدا ہو گیا کہ اس کی پسلی کے پھیدنے سے فی الفور اس میں سے خون رواں ہوا۔ یہودی اپنی شتاب کاری کی وجہ سے اور عیسائی انجیل کی روئداد موجودہ کے لحاظ سے اس شک میں شریک ہیں۔ اور کوئی عیسائی ایسا نہیں جو انجیل پر غور کرے اور پھر یقینی طور پر یہ اعتقاد رکھے کہ سچ مسیح صلیب کے ذریعہ فوت ہو گیا بلکہ اُن کے دل آج تک شک میں پڑے ہوئے ہیں اور جس کفارہ کو وہ لئے پھرتے ہیں اسکی ایسے رنگ کے تودہ پر بناء ہے جس کو انجیل کے بیانات نے ہی برباد کر دیا ہے۔ یوحنا ۱۱: ۱۷ کے آیت موصوفہ بال یعنی یہ کہ وان من اهل الكتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ

پیش گوئی کی صورت پر نہیں جیسا کہ ہمارے بھائی مولوی صاحبان جو بڑے علم کا دم مارتے ہیں خیال کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ تو اس واقعہ کا بیان ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھا یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے خیالات کی جو اُس وقت حالت تھی خدا تعالیٰ اتمائے لجنہ انہیں سنار رہا ہے اور اُن کے دلوں کی حقیقت اُن پر ظاہر کر رہا ہے اور اُن کو مزم کر کے انہیں یہ سمجھا رہا ہے کہ اگر ہمارا یہ بیان صحیح نہیں ہے تو مقابل پر اگر صاف طور پر دعویٰ کرو کہ یہ خبر غلط بتائی گئی ہے اور ہم لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ یقینی طور پر سمجھ بیٹھے ہیں کہ سچ مچ مسیح مصلوب ہو گیا ہے۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ آخر آیت میں جو یہ لفظ واقع ہے کہ قَبْلُ مَوْتِهِ اس کلام سے اللہ جل شانہ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص مسیح کی عدم مصلوبیت سے یہ نتیجہ نہ نکال لےوے کہ چونکہ مسیح صلیب کے ذریعہ سے مارا نہیں گیا اس لئے وہ مرا بھی نہیں۔ سو بیان منسردا دیا کہ یہ تمام حال تو قبل از موت طبعی ہے اس سے اُس موت کی نفی نہ نکال لینا جو بعد اس کے طبعی طور پر مسیح کو پیش آگئی۔ گویا اس آیت میں یوں فرماتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ ہمارے اس بیان پر بالاتفاق ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح یقینی طور پر صلیب کی موت سے نہیں مرا صرف شکوک و شبہات ہیں۔ سو قبل اس کے جو وہ لوگ مسیح کی موت طبعی پر ایمان لایں جو وہ حقیقت واقع ہو گئی ہے۔ اس موت کے مقدمہ پر انہیں ایمان ہے کیونکہ جبکہ صلیب کی موت ہو نہیں سکتی جس سے یہود اور نصاریٰ اپنے اپنے اغراض کی وجہ سے غاص غاص نتیجے نکالنا چاہتے تھے تو پھر اُس کی طبعی موت پر بھی ایمان لانا اُن کے لئے ضروری ہے کیونکہ یہ پیدائش کے لئے موت لازمی ہے۔ سو قبل موتہ کی تفسیر یہ ہے کہ قبل ایمان نہ بموتہ

اور دوسرے طور پر آیت کے یہ بھی معنی ہیں کہ مسیح تو ابھی مرا بھی نہیں تھا کہ جب سے یہ خیالات شک و شبہ کے یہود و نصاریٰ کے دلوں میں پھیلے آتے ہیں پس ان معنوں کی دوسری بھی قرآن کریم بطور اشارہ انھیں مسیح کے فوت ہوجانے کی شہادت دے رہا ہو غرض قرآن کریم

میں تین جگہ مسیح کا فوت ہو جانا بیان کیا گیا ہے۔ پھر افسوس کہ ہمارے مولوی صاحبان ان مقامات پر نظر نہیں ڈالتے اور بعض ان میں سے بڑی چالاکی سے کہتے ہیں کہ یہ تو ہم نے مانا کہ قرآن کریم یہی فرماتا ہے کہ مسیح فوت ہو گیا مگر کیا اللہ جل شانہ اس بات پر قادر نہیں کہ پھر زندہ کر کے اس کو دنیا میں لاوے؟ مگر ان علماء کے علم اور فہم پر دنا آتا ہے۔ اسے حضرات! ہم نے یہ بھی مانا کہ خدائے تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے چاہے تو تمام بیویوں کو زندہ کر دیوے مگر آپ سے سوال تو یہ کیا تھا کہ قرآن شریف تو حضرت مسیح کو وفات تک پہنچا کر پھر چُپ ہو گیا ہے اگر آپ کی نظر میں کوئی ایسی آیت قرآن کریم میں ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ مسیح کو مارنے کے بعد بھر ہم نے زندہ کر دیا تو وہ آیت پیش کیجئے ورنہ یہ قرآن شریف کا مخالفانہ مقابلہ ہے کہ وہ تو مسیح کا فوت ہو جانا بیان کرے اور آپ اُس کے برخلاف یہ یہ دعوے کریں کہ مسیح مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔

بعض علماء نہایت سادگی سے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ انی متوخیك کے آگے جو رافعك اور بل دفعہ اللہ الیہ قرآن کریم میں آیا ہے اس سے زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ معنی مسیح نہیں تو پھر مجز مسیح کے اور کسی کے حق میں رافعك کا لفظ کیوں نہیں آیا؟ مگر میں اسی رسالہ ازالہ اوہام میں ان تمام وہموں کا مفصل جواب لکھ چکا ہوں کہ سرافع سے مراد روح کا عزت کے ساتھ اٹھائے جانا ہے جیسا کہ وقفا کے بعد بموجب نص قرآن اور حدیث صحیحہ کے ہر ایک مومن کی روح عزت کیسا تھ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے اور مسیح کے رفع کا جو اس جگہ ذکر کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسیح کو دعوت حق میں قریباً ناکامی رہی اور یہودیوں نے خیال کیا کہ یہ کاذب ہے کیونکہ ضرور تھا کہ سچے مسیح سے پہلے ایلیا آسمان سے نازل ہو سوا انہوں نے اس سے انکار کیا کہ مسیح کا اور بیویوں کی طرح عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو بلکہ خود باشند اس کو لعنتی قرار دیا اور لعنتی اس کو کہتے ہیں جس کو عزت کے ساتھ دفع نصیب نہ ہو

سو خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہ الزام مسیح کے سر پر سے اٹھاوے۔ سو اول اس نے اس دنیا کو باطل ٹھہرایا جس بنیاد پر حضرت مسیح کا اعتقادی ہونا نابکار یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے دلوں میں سمجھ لیا تھا اور پھر بعد اس کے تصریح یہ بھی ذکر کر دیا کہ مسیح نمود باشد ملعون نہیں جو رفع سے روکا گیا ہے بلکہ عزت کے ساتھ اس کا موقع ہوا ہے۔ چونکہ مسیح ایک یسوع کی طرح دنیا میں چند روز زندگی بسر کر کے چلا گیا اور یہودیوں نے اس کی ذلت کے لئے بہت سا غلو کیا اس کی والدہ پر ناجائز تہمتیں لگائیں اور اس کو ملعون ٹھہرایا اور راستبازوں کی طرح اس کے رفع سے انکار کیا۔ اور نہ صرف یہودیوں نے بلکہ عیسائی بھی مؤخر الذکر خیال میں مبتلا ہو گئے اور کینگی کی راہ سے اپنی نجات کا یہ حیلہ نکالا کہ ایک راستباز کو ملعون ٹھہرا لیں اور یہ خیال نہ کیا کہ اگر مسیح کے ملعون ہونے پر ہی نجات موقوف ہے اور تبھی نجات ملتی ہے کہ مسیح جیسے ایک راستباز پاک روشن خدا تعالیٰ کے پیارے کو لعنتی ٹھہرایا جاوے تو حیف ہے ایسی نجات پر۔ اس سے تو ہزار درجہ دوزخ بہتر ہے۔ غرض جب مسیح کے لئے دونوں فریق یہود و نصاریٰ نے ایسے دُور از ادب القاب روا رکھے تو خدا تعالیٰ کی قدرت نے نہ چاہا کہ اس پاک روشنی کی عزت کو بغیر شہادت کے چھوڑ دیوے۔ سو اس نے عیساکر انجیل میں پہلے سے وعدہ دیا گیا تھا ہمارے سید و مولیٰ ختم المرسلین کو مبعوث فرما کر مسیح کی عزت اور رفع کی قرآن کریم میں شہادت دی۔ سرفع کا لفظ قرآن کریم میں کئی جگہ واقع ہے ایک جگہ بلعم کے قصہ میں بھی ہے کہ ہم نے اس کا رفع چاہا مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا اور ایک ناکام نبی کی نسبت اس نے فرمایا ورفعتہ مکاً ثناً علیہ۔ و حقیقت یہ بھی ایک ایسا نبی ہے جس کی رفعت سے لوگوں نے انکار کیا تھا۔ اور چونکہ اس عاجز کی بھی مسیح کی طرح ذلت کی گئی تھی کفر کہتا ہے اور کوئی ملحد اور کوئی بے ایمان نام رکھتا ہے اور فقیہ اور مولوی صلیب دینے کو بھی تیار ہیں جیسا کہ میاں عبدالحق اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ اس شخص کے لئے مسلمانوں کو کچھ ہاتھ سے بھی کام لینا چاہیئے لیکن بلاطوس سے زیادہ

۳۸۵

۳۸۶

یہ گورنمنٹ بے گناہ کی رعایت رکھتی ہے اور پلاطوس کی طرح رعیت کے رُعب میں نہیں آتی مگر ہمارے قوم نے ذلیل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ تادو نوں طرف سے سے مشابہت ثابت کر کے دکھا دیوے۔ انہیں الہام بھی ہو گئے کہ یہ جہنمی سے آخر جہنم میں پڑے گا اور اُن میں داخل نہیں ہو گا جن کا عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے۔ سو آج میں اُس الہام کے معنی سمجھا جو اس سے کئی سال پہلے براہین میں درج ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے یاعیسیٰ اتی متوفیک ورافعلک الیٰ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفرو والیوم القیمة یعنی یہ مولوی صاحبان عبد الرحمن و عبد الحق تو مجھے اس وقت قطعی دوزخی بناتے ہیں لیکن اُن کے بیان سے دس سال پہلے خدا تعالیٰ مجھے جتنی ہونے کا وعدہ دے چکا ہے اور جس طرح یہودیوں نے خیال کیا کہ نعوذ باللہ عیسیٰ مسیح لعنتی ہے اور ہرگز عزت کے ساتھ اس کا رفع نہیں ہو گا اور اُن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اتی متوفیک ورافعلک الیٰ۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اس جگہ بھی پہلے سے ہی اپنے علم قدیم کی وجہ سے یہ الہام بطور پیش گوئی اس عاجز کے دل پر القاد کیا۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ چند سال کے بعد میاں عبد الحق اور میاں عبد الرحمن اُسی طرح اس عاجز کو لعنتی ٹھہرائیں گے جس طرح یہودیوں نے حضرت مسیح کو ٹھہرایا تھا اس لئے اُس نے پیش از وقوع اس پیش گوئی کو براہین میں درج کر کے یاد دہان میں مشہور کر دیا۔ تا اس کی قدس و حکمت ظاہر ہو اور تا یہ بھی معلوم ہو کہ جس طرح مسیح کے عہد کے مولویوں نے اس کو لعنتی سمجھا اور اس کے ہشتی ہونے سے انکار کیا اور اُس کا عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہونا راستہ بازوں کی جماعت میں ملنا قبول نہ کیا ایسا ہی اس عاجز کے ہم مذہب مولویوں نے اس ناکارہ کو

خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرنا چاہا اور سخت گنہگار مومنوں کی بھی کسی قدر عزت ہوتی ہے مگر انہوں نے کچھ بھی پروا نہ رکھ کر عام طور پر یہ تعسیریں کیں اور خط لکھے اور اشعار شائع کئے سو خدا تعالیٰ نے اس مشابہت کے پیدا کرنے کے لئے اُن سے ایک کام لیا ہے اور دوزخی یا بہشتی ہونے کی اصل حقیقت تو مرنے کے بعد ہر ایک کو معلوم ہوگی جس وقت بعض بصد حسرت و دُخ میں پڑے ہوئے کہیں گے مَا لَنَا لَا نَرَىٰ دَجَالَ وَحْنًا نَعْتَدُ مِنْ آلِ شَرٍّ لَّهِ

عیب و زلل ممکن اے زاہد پاکیزہ شریعت تو چہ دانی کہ پسند کردہ چہ نوبست چہ زشت اب حاصل کلام یہ ہے کہ جو رفع کا لفظ حضرت مسیح کے لئے قرآن کریم میں آیا ہے وہی لفظ الہام کے طور پر اس عاجز کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اگر کوئی یہ اشکال پیدا کرے کہ مسیح تو انجیل میں کتا ہے کہ ضرور ہے کہ میں مارا جائوں اور تیسرے دن جی اٹھوں۔ تو بیان مذکورہ بالا کیونکر اس کے مطابق ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس موت سے حقیقی موت مراد نہیں ہے بلکہ مجازی موت مراد ہے۔ یہ عام محاورہ ہے کہ شخص قریب مرگ ہو کر پھر بچ جائے اس کی نسبت بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ نئے سرے سے زندہ ہوا مسیح پر جو یہ مصیبت آئی کہ وہ صلیب پر چڑھایا گیا اور کیلیں اُس کے اعضاء میں ٹھوکی گئیں جن سے وہ غشی کی حالت میں ہو گیا یہ مصیبت و حقیقت موت سے کچھ کم نہیں تھی اور عام طور پر بیٹل جہاں ہے کہ جو شخص ایسی مصیبت تک پہنچ کر بچ جائے اس کی نسبت یہی کہتے ہیں کہ وہ مر کر بچا اور اگر وہ کہے کہ میں تو نئے سرے زندہ ہوا ہوں تو اس بات کو کچھ جھوٹ یا مبالغہ خیال نہیں کیا جاتا۔

اور اگر یہ سوال ہو کہ کونسا قرینہ خاص مسیح کے لفظ کا اس بات پر ہے کہ اس موت سے مراد حقیقی موت مراد نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرینہ بھی خود حضرت مسیح نے فرمایا ہے جبکہ فقیہ اور فریسی اور یہودیوں کے مولوی اکٹھے ہو کر اس کے پاس گئے کہ تو نے مسیح ہونے کا تو دعویٰ کیا پر اس دعویٰ کو کیونکر نصیب معجزہ کے ہم مل لیں۔ تو حضرت مسیح نے اُن فقیہوں اور

مولویوں کو جواب دیا کہ اس زمانہ کے حرامکار لوگ مجھ سے معجزہ مانگتے ہیں لیکن اُن کو مجسز یونس نبی کے معجزہ کے اور کوئی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔

یعنی یہ معجزہ دکھایا جائے گا کہ جیسے یونس نبی تین دن مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا اور مرا نہیں۔ ایسا ہی قدرت الہی کے سچ بھی تین دن تک بحالت زندگی قبر میں رہے گا اور نہیں مرے گا۔

اب خیال کرنا چاہیے کہ اگر مسیح کے الفاظ مذکورہ کو حقیقی موت پر حمل کر لیں تو یہ معجزہ یونس کی مشابہت کا باطل ہو جائے گا کیونکہ یونس مچھلی کے پیٹ میں بحالت زندگی رہا تھا نہ مردہ ہو کر۔ سو اگر مسیح مر گیا تھا اور موت کی حالت میں قبر میں داخل کیا گیا تو اس کو یونس کے اس واقعہ سے کیا مشابہت۔ اور یونس کے واقعہ کو اس واقعہ سے کیا مناسبت؟ اور مردوں کو زندوں سے کیا مماثلت سو یہ کافی اور کامل قرینہ ہے کہ سچ کا یہ کہنا کہ میں تین دن تک مروں گا حقیقت پر محمول نہیں۔ بلکہ اس سے مجازی موت مراد ہے جو سخت غشی کی حالت تھی۔

اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ مسیح نے مصلوب ہونے کے وقت یہ بھی کہا تھا کہ آج میں بہشت میں داخل ہوں گا۔ پس اس سے صفائی کے ساتھ مسیح کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ سو وضع ہو کہ مسیح کو بہشت میں داخل ہونے اور خدا کی طرف اٹھائے جانے کا وعدہ دیا گیا تھا مگر وہ کسی اور وقت پر موقوف تھا جو سچ پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں اتی متوفیک ودا فحک اتی وارد ہے۔ سو سخت گھبراہٹ کے وقت میں سچ نے خیال کیا کہ شاید آج ہی وہ وعدہ پورا ہوگا۔ چونکہ سچ ایک انسان تھا اور اس نے دیکھا کہ تمام سالن میرے مرنے کے موجود ہو گئے ہیں لہذا اس نے برعایت اسباب گمان کیا کہ شاید آج میں مرجاؤں گا سو باعث ہیبت تجلی جلالی حالت موجودہ کو دیکھ کر ضعف بشریت اُس پر غالب ہو گیا تھا بھی اس نے دل برداشتہ ہو کر کہا ایل ایل لما سبقتنی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا!

تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا اور کیوں اس وعدہ کا ایفاء نہ کیا جو تو نے پہلے سے کر رکھا تھا کہ تو مرے گانہیں بلکہ یونس کی طرح تیرا حال ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کے وعدہ حفاظت میں سیح نے کیوں شک کیا۔ سو واضح ہو کہ یہ شک ضعیف بشریت کی وجہ سے ہو۔ جلالی تجلی کے سامنے بشریت کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ ہر ایک نبی کو خدا تعالیٰ بیرون دکھاتا ہے۔ اہل توحید کوئی وعدہ بشارت اپنے نبی کو دیتا ہے اور پھر جب وہ نبی اس وعدہ پر خوش ہو جاتا ہے تو ابتلاء کے طور پر چاروں طرف سے ایسے موانع قائم کر دیتا ہے کہ جو نو مبدی اور ناکامی پر دلالت کرتے ہوں۔ بلکہ قطع اور یقین کی حد تک پہنچ گئے ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ایک طرف تو ہمارے ستیر و موئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر کی طرائی میں فتح و نصرت کی بشارت دی اور دوسری طرف جب لڑائی کا وقت آیا تو پھر پتہ لگا کہ مخالفوں کی اس قدر جمعیت ہے کہ بظاہر کامیابی کی امید نہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت کرب و قلق ہوا اور جناب الہی میں رو کر دعائیں کیں کہ یا الہی اس گروہ کو فتح بخش اور اگر تو فتح نہیں دے گا اور ہلاک کر دے گا تو پھر قیامت تک کوئی تیری پرستش نہیں کیے گا۔ سو یہ الفاظ و تحقیقت اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی کی نسبت شک میں پڑ گئے تھے بلکہ حالات موجودہ کو خلاف مراد دیکھ کر خدا تعالیٰ کے غنائے ذاتی نظر سے تھی اور اس کی جلالی مدیت سے متاثر ہو گئے تھے اور تحقیقت ہر ایک جگہ جو قرآن شریف میں نبی کریم کو کہا گیا ہے کہ تو ہمارے وعدہ میں شک مت کر وہ سب مقامات اسی قسم کے ہیں جن میں بظاہر سخت ناکامی کی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں اور اسباب مخالفہ نے ایسا رعب ہلکا اپنا چہرہ دکھلایا تھا جن کو دیکھ کر ہر ایک انسان ضعیف بشریت کی وجہ سے حیران ہو جاتا ہے۔ سو ان وقفوں میں نبی کریم کو بطور تسلی دہی کے فرمایا گیا کہ اگرچہ حالت زیادہ نازک ہے مگر تو باعث ضعیف بشریت شک مت کر یعنی یہ خیال مت کر کہ شاید اس پیش گوئی کے اور معنے ہوں گے۔

راقم رسالہ ہذا اس مقام میں خود صاحبِ تجربہ ہے۔ عرصہ قریباً تین برس کا ہوا ہے کہ بعض تحریکات کی وجہ سے جن کا مفصل ذکر اشتہار دوم جولائی ۱۸۸۸ء میں منسلک ہے خدائے تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا کا مال بیگ ہشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکل جس آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہو گا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا بارہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کے کے اور ہر ایک روک کو درمیان ہوا تھا وہے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کا مفصل بیان مع اس کی مباحثہ خاص اور اس کے اوقات متعین شدہ کے اور مع اس کے اُن تمام لوازم کے جنہوں نے انسان کی طاقت سے اُس کو باہر کر دیا ہے اشتہار دوم جولائی ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے اور وہ اشتہار عام طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے جس کی نسبت آریوں کے بعض منصف مزاج لوگوں نے بھی شہادت دی کہ اگر یہ پیشگوئی پوری ہو جائے تو بلاشبہ یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور یہ پیشگوئی ایک سخت مخالف قوم کے مقابل پر ہے جنہوں نے گویا دشمنی اور عناد کی تلواریں کھینچی ہوئی ہیں اور ہر ایک کو جو اُن کے حال سے خیر نہ ہوگی وہ اس پیشگوئی کی عظمت خوب سمجھتا ہوگا۔ ہم نے اس پیشگوئی کو اس جگہ مفصل نہیں لکھا تاہاں بار کسی متعلق پیشگوئی کی دشمنی نہ ہو لیکن جو شخص اشتہار چھٹے گا وہ گویا ہی متعجب ہوگا اس کو انداز کرنا پڑے گا کہ مضمون اس پیشگوئی کا انسان کی قدیم سے بالاتر ہے اور اس بات کا جواب بھی کامل اور سکتہ طور پر ایسی شہادت سے ملے گا کہ خدا تعالیٰ نے کیوں یہ پیشگوئی بیان فرمائی اور اس میں کیا مصلحت ہیں۔ اور کیوں اور کس دلیل سے یہ انسانی طاقتوں سے بلند تر ہے۔

۳۹۸ جب اس جگہ مطلب یہ ہے کہ جب یہ پیشگوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی

جیسا کہ اب تک بھی جو ۱۶ اپریل ۱۸۸۸ء ہے پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اُس وقت گویا پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آگئی۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا الحق من سابلک فلا تحسبوا من الممترین یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔ سو اُس وقت مجھ پر یہ بعید کھلا کہ کیوں خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو قرآن کریم میں کہا کہ تو شک مت کر۔ سو میں نے سمجھ لیا کہ درحقیقت یہ آیت ایسے ہی نازک وقت سے خاص ہے جیسے یہ وقت تنگی اور نو میدی کا میرے پر ہے اور میرے دل میں یقین ہو گیا کہ جب نبیوں پر بھی ایسا ہی وقت آجاتا ہے جو میرے پر آیا تو خدا تعالیٰ تازہ یقین دلانے کے لئے اُن کو کھتا ہو کہ تو کیوں شک کرتا ہے اور مصیبت نے مجھے کیوں ناامید کر دیا تو ناامید مت ہو۔

۳۱۱

(۵) سوال۔ ابن مریم کے اترنے کا ذکر جو احادیث میں موجود ہے کسی نے سلف اور خلف میں سے اس کی یہ تاویل نہیں کی کہ ابن مریم کے لفظ سے جو ظاہر طور پر حضرت عیسیٰ مسیح سمجھا جاتا ہے درحقیقت یہ مراد نہیں ہے بلکہ کوئی اُس کا ثبیل مراد ہے۔ سو اس کے اس بات پر اجماع ہے کہ نصوص کو ظاہر چھل کیا جائے اور بغیر قرآنِ قویہ کے باطن کی طرف نہیں پھیرنا چاہیئے۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ سلف اور خلف کے لئے یہ ایک ایمانی امر تھا جو پیشگوئی کو اجمالی طور پر بیان لیا جائے انہوں نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم اس پیشگوئی کی تہ تک پہنچ گئے ہیں اور درحقیقت ابن مریم سے ابن مریم ہی مراد ہے۔ اگر اُن کی طرف سے ایسا دعویٰ ہوتا تو وہ وہ جہاں کے فوت ہو جانے کے قائل نہ ہوتے اور نہ قرآن شریف کے

اُن مقامات کو جن میں سچ کی موت کا ذکر ہے یونہی بحث سے خارج سمجھ کر خاموشی اختیار کرتے
 اور اگر فرض کے طور پر یہ بھی مان لیں کہ کوئی صحابہ میں سے یہی سمجھ بیٹھا تھا کہ ابن مریم ^{علیہ السلام}
 ابن مریم ہی مراد ہے تو تب بھی کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیش گوئیوں کے سمجھنے میں
 قبل اس کے جو پیش گوئی ظہور میں آوے بعض اوقات نبیوں نے بھی غلطی کھائی ہے
 پھر اگر کسی صحابی نے غلطی کھائی تو کون سے بڑے تعجب کی بات ہے۔ پہلے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور فہم تمام امت کی مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہو بلکہ
 اگرچہ بھائی جلدی سے ہوش میں نہ آجائیں تو میرا تو یہی مذہب ہے جس کو دلیل
 کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فہم اور فراست کے
 برابر نہیں۔ مگر پھر بھی بعض پیش گوئیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اقرار کیا
 ہے کہ میں نے اُن کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی میں پہلے اس لیے حسرت و فحش
 لکھ چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرما دیا تھا کہ میری وفات
 کے بعد میری بیبیوں میں سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی جس کے ہاتھ بلے ہوئے چنانچہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو ہی بیبیوں نے باہم ہاتھ ناپنے شروع کر دئے
 پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس پیش گوئی کی اصل حقیقت سے خبر نہ تھی اس
 لیے منع نہ کیا کہ یہ خیال تمہارا غلط ہے۔ آخر اس غلطی کو پیش گوئی کے ظہور کی وقت نے نکالا۔ اگر
 زمانہ اُن بیبیوں اہمات المؤمنین کو مہلت دیتا اور وہ سب کی سب ہمارے اس زمانہ
 تک زندہ رہتیں تو صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کے عہد سے لے کر آج تک تمام امت کا
 اسی بات پر اتفاق ہو جاتا کہ پہلے بلے ہاتھ والی بی بی فوت ہوگی اور پھر ظہور کے وقت
 جب اور ہی بیوی پہلے فوت ہو جاتی جس کے اوروں کی نسبت بلے ہاتھ نہ ہوتے۔ تو
 ہر قسم جھانک کو کیسی خجالتیں اٹھانی پڑتیں اور کس طرح ناحق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 بتک کراتے اور اپنے ایمان کو شبہات میں ڈالتے۔

اس وقت مجھے اپنے ایک دوست کی بات یاد آئی ہے۔ خدا اس کو غریقِ رحمت کرے۔ نام اس مرحوم کا حافظہ حدِ ایت علی تھا اور یہ کسی زمانہ میں صلح گورداسپور کے اکثر اسٹنٹ تھے اور مدت تک شام میں تحصیلدار بھی رہے۔ ایک جلسہ میں انہوں نے فرمایا کہ جس قدر بعض امور کے ظہور کا آخری زمانہ کے بارے میں وعدہ دیا گیا ہے اور بعض پیشگوئیاں فرمائی گئی ہیں یہیں اُن کی نسبت یہ اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے کہ وہ ضرور اپنی ظاہری صورت میں ہی ظہور پذیر ہوں گی۔ تا اگر اُن کی حقیقت کسی اور طبع پر کھلے تو ہم ٹھوکر نہ کھایں۔ اور ہمارا ایمان سلامت رہ جائے۔ اور کہا کہ پوچھنا ناہم اُسی زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جس کو آج سے کچھ کم تین سو برس پہلے آخری زمانہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ ان میں سے بعض پیشگوئیاں ہماری ہی زندگی میں ظاہر ہو جائیں۔ سو ہمیں اجمالی ایمان کا اصول محکم پکڑنا چاہیے اور کسی شق پر ایسا زور نہیں دینا چاہیے جیسا کہ اس حالت میں دیا جاتا ہے کہ جب ایک حقیقت کی تہ تک ہم پہنچ جاتے ہیں۔ تہِ کلامہ

اور واقعی یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ امت کے اجماع کو پیشگوئیوں کے امور سے کچھ تعلق نہیں اور ہمارے حال کے مولویوں کو یہ سخت دھوکا لگا ہوا ہے کہ پیشگوئیوں کو بھی جن کی اصل حقیقت ہنوز دورِ پردہِ غیب ہے اجماع کے شکنجہ میں کھینچنا چاہتے ہیں۔ اور اصل پیشگوئیاں حاملہ عورتوں سے مشابہت رکھتی ہیں اور مثلاً ہم ایک حاملہ عورت کی نسبت یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں کوئی بچہ ضرور ہے اور یقیناً وہ فیصیغے اور دس دن کے اندر اندر پیدا بھی ہو جائے گا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا شکل رکھتا ہے اور اس کی حالت جسمی کیسی ہو اور اس کے نقوش پر کس طرح کے واقع ہیں اور لڑکا ہے یا بلاشبہ لڑکی ہے۔

شاید اس جگہ کسی کے دل میں یہ اعتراض غلجیان کرے کہ اگر پیشگوئیوں کا ایسا ہی

حال ہے تو لائق اعتما زہر ہیں اور اس لائق زہر میں کمی کی صدق نبوت پر بطور دلیل اور شاہد ناطق کے قصور کی جائیں یا کسی مخالف منکر کے سامنے پیش کی جائیں تو اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ بات کہ پیشگوئیاں کبھی اپنے ظاہر پر ہی پوری ہو جاتی ہیں کبھی باطنی طور پر ان کا ظہور ہوتا ہے۔ اس سے تباہی پیشگوئیوں کی عظمت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا بلکہ باریک بینیوں کی نظر میں اور بھی عظمت کھلتی ہے۔ کیا اگر فلاسفر کا قول کوئی عقل کا آدمی اُلٹے طور پر سمجھ لیوے اور پھر اس کے محقول معجزہ نہایت عقل اور ثبات شدہ ہیں کھل جائیں تو اس غلطی سے ان صحیح معنوں کو کچھ حرج پہنچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ماسوا اس کے پیشگوئیوں میں ایک قدر مشترک بہر حال ایسا باقی رہتا ہے کہ خواہ وہ حقیقت پر محمول سمجھی جائیں اور یا بالآخر کوئی مجازی معنی مل آویں وہ قدر مشترک بدیہی طور پر نظر آہر کر دیتا ہے کہ یہ پیشگوئی درحقیقت سچی اور انسانی طباقوں سے بالاتر ہے۔

علاوہ اس کے جن پیشگوئیوں کو مخالفانہ کے سامنے دعویٰ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ ایک خاص طور کی روشنی اور بدادہمت اپنے اندر رکھتی ہیں اور ہم لوگ حضرت احمدؑ بہت میں خاص طور پر توجہ کر کے ان کا زیادہ تر انکشاف کر لیتے ہیں مگر معمولی طور پر بہت کچھ چھپے ہوئے گوشے پیشگوئیوں کے ہوتے ہیں۔ اور یہ سراسر نادانی کی ضد ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ خواہ خواہ پیشگوئی حقیقت پر محمول ہوا کرتی ہے۔ جس نے یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں کو دیکھا ہو گا وہ اس بات کو خوب جانتا ہو گا کہ کس قدر پیشگوئیوں میں استعارات ان کی کتابوں نے استعمال کئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مواضع میں دن ذکر کر کے اُس سے برس مراد لیا ہے۔ درحقیقت پیشگوئیاں از قبیل مکاشفات ہوتی ہیں اور اس چشمہ سے نکلتی ہیں جو استعارات کے رنگ سے بھرا ہوا ہے اپنی خوابوں کو دیکھو کیا کوئی سیدھے طور پر بھی خواب آتی ہے۔ مگر شاذ و نادر ایسا ہی خدا تعالیٰ مکاشفات کو استعارات کے خلعت سے آراستہ کر کے اپنے نبیوں کی محفل

ظاہر کرتا ہے سو اس صداقت کے قبول کرنے کا نام الحاد رکھنا خود الحاد ہے۔ کیونکہ الحاد اس کو کہتے ہیں کہ ایک معنی اپنے اصل سے پھرے جائیں۔ سو جبکہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت نے مکاشفات اور رؤیائے صالحہ کے لئے یہی اصل مقرر کر دیا ہے کہ وہ اکثر استعارات سے پُر ہوتے ہیں تو اس اصل سے معنی کو پھیرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہمیشہ پیشگوئیاں ظاہر پر ہی محمول ہوتی ہیں اگر الحاد نہیں تو اور کیا ہے؟ صوم اور صلوة کی طرح پیشگوئی کو بھی ایک حقیقت منکشفہ سمجھنا بڑی غلطی اور بڑا بھارا دھوکہ ہے۔ یہ احکام تو وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھائے اور کئی اُن کا پروردہ اٹھا دیا۔ مگر کیا ان پیشگوئیوں کے حق میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا ہے کہ یہ من کل الوجوه مشوف ہیں اولن ہر کوئی ایسی حقیقت اور کیفیت مخفی نہیں جہاں ذکر و بخت سمجھ سکے اگر کوئی حدیث صحیح موجود ہے تو کیوں پیشکش نہیں کی جاتی۔ آپ لوگ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم و فراست نہیں رکھتے۔ صحیح بخاری کی حدیث کو دیکھو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایٹیم کے ٹکڑے پر حضرت عائشہ صدیقہ کی تصویر دکھائی گئی کہ تیرے نکاح میں آوے گی تو آپ نے ہرگز یہ دعویٰ نہ کیا کہ عائشہ سے درحقیقت عائشہ ہی مراد ہے۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ اگر درحقیقت اس عائشہ کی صورت سے عائشہ ہی مراد ہے تو وہ مل ہی رہے گی ورنہ ممکن ہے کہ عائشہ سے مراد کوئی اور عورت ہو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ابو جہل کیسے مجھے ہشتی خوشہ انگوڑیا گیا مگر اس پیشگوئی کا مصداق عکرمہ نکلا جب تک خدا تعالیٰ نے خاص طور پر تمام مراتب کسی پیشگوئی کے آپ پر نہ کھولے تب تک آپ نے اس کی کسی شق خاص کا کبھی دعویٰ نہ کیا۔

آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو جہل پر شرط لگائی اور قرآن شریف کی وہ پیشگوئی ملاحظہ فرمائی کہ اکتہر غلبت الروم فاد فی الارض وہم من بعد غلبہم سیغلبون فی بضع سنین۔ اور میں برس کا عمر نہ ٹھہرایا

تو آپ پیشگوئی کی ضرورت کو دیکھ کر فی الفور دو روز اندیشی کو کام میں لائے اور شہر ملکی کسی قدر ترمیم کرنے کے لئے ابو بکر صدیق کو حکم فرمایا اور فرمایا کہ بضع سنین کا لفظ محمل ہے اور اکثر فوربس تک اطلاق پاتا ہے۔

ایسا ہی آپ نے اُمت کے بچانے کے لئے بعض پیشگوئیوں کے سمجھنے میں خود اپنا غلطی کھانا بھی ظاہر فرمایا۔ اب کیا تعلیم نبوی کافی نہیں اور کیا تعلیم بلوا بلند نہیں بتلا رہی کہ پیشگوئیوں پر اجمالی طور پر ایمان لاؤ اور ان کی اس حقیقت حوالہ بخدا کرو۔ اُمت محمدیہ میں تفرقہ مت ڈالو اور تقویٰ کا طریق اختیار کرو۔

اے حضرات! اکیلے اکیلے اپنے گھروں میں بیٹھ کر فکر کرو۔ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے سادگی سے میری بات کو سوچو۔ قبرستان میں جاؤ اور اپنی موت کو یاد کر کے ایک بے غبار نظر اپنے لئے لاؤ اور خوب دیکھ لو کہ تقویٰ کا کونسا طریق ہے اور احتیاط اور خدا ترسی کی کونسی راہیں ہیں؟ اگر آپ پر یہ بات مشتبہ ہے جو میں نے پیش کی ہے تو کیا آپ لوگوں کا اس بات میں بھی کچھ حرج ہے کہ آپ اجمالی طور پر اپنے ایمان پر قائم رہیں اور اس کی تفصیل مخفیہ میں خواہ مخواہ دخل نہ دیں اور مجھے میرے خدا تعالیٰ کے ساتھ چھوڑ دیں۔ میں کسی پر جبر نہیں کرتا۔ ایک تبلیغ ہے چاہے کوئی سننے یا نہ سنے اگر کسی کو خدا تعالیٰ یقین بخشنے اور وہ مجھے پہچان لے اور میری باتوں کو مان لے تو وہ میرا خاص طور پر بھائی ہے اور اس کو بلاشبہ اپنے ایمان کا اجر ہے۔ لیکن اگر آپ لوگ اتنا بھی کریں کہ اس پیشگوئی کے دقائق مخفیہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر رکھیں اور ایمان کی حد پر ٹھہرے رہیں اور خواہ مخواہ کامل عرفان کا دعویٰ نہ کریں تو سوچو! ہمیں آپ کے لئے خیر کیا ہے اور عسدرائند کو نسا مواخذہ ہے؟ کیا اگر آپ ایسا کریں تو اس سے آپ کو مواخذہ ہو گا؟ لیکن اگر آپ ایمان کی حد سے بڑھ کر قدم رکھیں اور وہ دعویٰ کریں جس کا آپ کو علم نہیں دیا گیا تو بیشک اس غل بیجالی باز پرس ہوگی۔

اے حضرات مولوی صاحبان! کیوں لوگوں کو بلا میں ڈالتے ہو اور کیوں اپنے علم سے بڑھ کر دعویٰ کرتے ہو۔ اگر ابن مریم کے نزول کی حدیث میں کوئی مخالف قرینہ قائم نہ ہوتا اور صرف الہام ہی کے ذریعہ ایک مسلمان اُس کے معنے آپ پر کھولتا کہ ابن مریم سے اس جگہ وحیقت ابن مریم مراد نہیں ہے تب بھی بمقابل اس کے آپ لوگوں کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا تھا کہ ابن مریم سے مراد وحیقت ابن مریم ہے۔ کیونکہ مکاشفات میں استعارات غالب ہیں اور حقیقت سے پھیرنے کے لئے الہام ابھی قرینہ قویٰ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے لئے مامور ہیں۔

لیکن اس جگہ تو صرف الہام ہی نہیں دوسرے قرائن قویہ بھی موجود ہیں کیا یہ کم قرینہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسیح کی وفات کے بارے میں تو کئی آیتیں بیان کیں مگر اُن کے زندہ رہنے اور زندہ اُٹھانے جانے پر اشارہ تک نہیں کیا۔ کیا یہ کم قرینہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے ابن مریم کا وہ علیہ بیان نہیں کیا جو جاتیو کا بیان فرمایا۔ کیا یہ کم قرینہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے کو ایک امتی ٹھہرایا اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے اس کو دکھا؟

اور یہ عذر کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ نصوص کو ظاہر پر حمل کیا جائے یعنی قرآن اور حدیث کے ظاہری معنی لینے چاہئیں۔ سو واضح ہو کہ یہ عذر وحقیقت ایسا عذر ہے جس سے ہمارے مخالفوں پر ہماری محنت پوری ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ناجائز طریقہ انہیں لوگوں نے اختیار کیا ہے کہ نصوص میں کلامِ آہی کو بغیر قیامِ قرینہ کے باطن کی طرف پھیر رہے ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے پیچیں مقام میں توفی کے لفظ کو قبض روح کے معنوں پر استعمال کیا ہے اور صاف جا بجا ظاہر کر دیا ہے کہ توفی کے یہ معنی ہیں کہ روح قبض کی جائے اور جسم کو چھوڑ دیا جائے لیکن یہ لوگ (خدان کو ہدایت دے) تیشکل مقام میں تو یہی معنی مذکور بالا قبول کرتے اور قناد عر فیہ مہمل میں جہاں سچ کی

وفات کا ذکر ہے اپنی طرف سے اور اور معے گھڑتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ علو اہل نصوص سے انہوں نے منہ پھیرایا ہم نے ہاں ابن مریم کے نزول سے جو حدیثوں میں آیا ہے۔ ہمارے نزدیک درحقیقت ابن مریم مولو نہیں ہے مگر اس سے لازم نہیں آتا کہ ہم نے نصوص کو خطا سے باطن کی طرف پھیرا ہے بلکہ قطع نظر الہام الہی سے یہ استعارہ اس لئے ماننا ہوا کہ نصوص تینہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ اس کو حقیقت پر حمل کرنے سے روکتی ہیں چنانچہ ہم بار بار ان دلائل صریحہ و ضحہ کو بیان کر چکے ہیں کہاں تک اعادہ کلام کریں۔

(۶) سوال۔ مسیح موعود کے ساتھ احادیث میں کہیں مثیل کا لفظ لکھا نہیں جاتا یہ جیسی یہ کسی جگہ نہیں لکھا کہ مثیل مسیح ابن مریم آویگا بلکہ یہ لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم آویگا۔

امّا الجواب۔ پس سوچنا چاہیے کہ جب خدائے تعالیٰ نے آنے والے مثیل مسیح کا ابن مریم ہی نام رکھ دیا تو پھر وہ اس کو مثیل ابن مریم کر کے کیوں لکھتا مثلاً تم سوچو کہ جو لوگ اپنی اولاد کے نام موسیٰ و داؤد و عیسیٰ وغیرہ رکھتے ہیں اگرچہ ان کی غرض تو یہی ہوتی ہے کہ وہ عیسیٰ اور خیر و برکت میں ان نبیوں کے مثیل ہو جائیں مگر پھر اپنی اولاد کو اس طرح کر کے تو نہیں پکارتے کہ اے ٹیل موسیٰ۔ اے ٹیل داؤد۔ اے ٹیل عیسیٰ۔ بلکہ اسل نام ہی بطور تفاؤل پکارا جاتا ہے پس کیا جو امر انسانی محض تفاؤل کی راہ سے کر سکتا ہے وہ قادر مطلق نہیں کر سکتا؟ کیا اس کو طاقت نہیں کہ ایک آدمی کی روحانی حالت کو ایک دوسرے آدمی کے مشابہ کر کے وہی نام اس کا بھی رکھ دیوے؟ کیا اس نے اسی روحانی حالت کی وجہ سے حضرت یحییٰ کا نام ایلیا نہیں رکھ دیا تھا؟ کیا اسی روحانی مناسبت کی وجہ سے حضرت مسیح ابن مریم کا نام قوریت پیدا کرنا باب و ہم میں سیلا نہیں رکھا گیا اور سیلا یہود ابن یعقوب علیہ السلام کے پوتے کا نام تھا۔ یہود کو اسی باب میں مسیح ابن مریم کے آنے کی ان لفظوں میں بشارت دی گئی کہ یہود اسے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا جتنا کہ سیلانہ آوے۔ یہ نہ کہا گیا کہ جب تک ابن مریم نہ آوے۔ چونکہ مسیح ابن مریم مسلمان ہو

پیدا ہونے کی وجہ سے یہود کا پوتا ہی تھا اس وجہ سے اس کا نام سیلا ہی رکھ دیا گیا۔ اسی توریت پریدائش باب آیت پندرہ میں حضرت یعقوب کی یہ دعا ذکر کی ہے کہ اے اُس نے یوسف کے لئے برکت چاہی اور یوسف کے لڑکوں کے لئے دعا کر کے کہا کہ وہ خدا جس نے ساری عمر آج کے دن تک میرے پاس بانی کی ان برائیوں کو برکت دی ہے اور جو میرے باپ دادا اور ابراہام اور اسحاق کا نام ہے سو ان کا رکھا جاوے۔ پس اللہ جل شانہ کی اس عادت قدیمہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ روحانی مناسبت کی وجہ سے جو ایک کا نام ہے وہ دوسرے کا رکھ دیتا ہے۔ ابراہیمی المشرّب اس کے نزدیک ابراہیم ہے اور موسوی المشرّب اس کے نزدیک موسیٰ ہے اور عیسوی المشرّب اس کے نزدیک عیسیٰ ہے اور جو ان تمام مشربوں سے حصہ رکھتا ہے وہ ان تمام ناموں کا مصداق ہے۔ ہاں اگر کوئی امر بحث کے لائق ہے تو یہ ہے کہ ابن مریم کے لفظ کو اس کے ظاہری اور متبادر معنوں سے کیوں پھیرا جاوے؟ تو اس کا یہ جواب یہ ہے کہ جو ہر قیام قرینہ قویہ کے کیونکہ قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوضاحت ناطق ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ جاں بحق ہوا اور خدا تعالیٰ کی طرف اُٹھایا گیا اور اپنے بھائیوں میں جالا۔ اور رسول مقبول نبی آخر الزمان نے اپنی معراج کی رات میں بھیجی نبی شہید کے ساتھ دوسرے آسمان میں اُس کو دیکھا یعنی گذشتہ اور وفات یافتہ لوگوں کی جماعت میں اُس کو پایا۔ قسطن کریم اور احادیث صحیحہ یہ امید و بشارت بتواتر دے رہی ہیں کہ شیل ابن مریم اور دوسرے مثیل بھی آئیں گے مگر کسی جگہ یہ نہیں لکھا کہ کوئی گذشتہ اور وفات یافتہ نبی بھی بھر دنیا میں آجائے گا۔ لہذا یہ بات بہداشت ثابت ہے کہ ابن مریم کو وہ ابن مریم رسول اللہ مراد نہیں ہے جو فوت ہو چکا اور فوت شدہ جماعت میں جا ملا اور خدا تعالیٰ کی اس حکمت عجیبہ پر بھی نظر ڈالو کہ اُس نے آج سے قریباً دس برس پہلے اس عاجز کا نام عیسیٰ رکھا اور بتوفیق و فضل خود براہین میں چھپوا کر ایک عالم میں اس نام کو مشہور کر دیا۔

اب ایک مدت دراز کے بعد اپنے خاص اہام سے ظاہر فرمایا کہ یہ وہی عیسیٰ ہے جس کے آنے کا وعدہ تھا۔ برابر وٹلس برس تک لوگ اس نام کو براہین میں پڑھتے رہے اور خدا تعالیٰ نے دس برس تک اس دوسرے اہام کو جو پہلے اہام کے لئے بطور شیخ تھا پوشیدہ رکھا تا اس کے پر حکمت کام ایک غور کرنے والے کی نظر میں بناوٹ سے مصغی ثابت ہو جائیں۔ کیونکہ بناوٹ کا سلسلہ اس قدر لمبا نہیں ہو سکتا۔ جس کی بنیاد ایک طول طویل مدت سے پہلے ہی رکھی گئی ہو۔ قد بروایا اولواکلا بصائر۔

(۷) سوال۔ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ اور مثل مسیح بھی آویں تو کیا ان میں سے موعود ایک ہی ہے جو آپ ہیں یا سب موعود ہوں گے اور کن کی کہم سچا موعود تسلیم کریں؟
 موعود جواب۔ پس واضح ہو کہ مسیح موعود جس کا آنا انجیل اور احادیث صحیحہ کے روئے منوری طور پر تفسیر پا چکا تھا وہ تو اپنے وقت پر اپنے نشانوں کے ساتھ آگیا اور آج وہ وعدہ پورا ہو گیا جو خدا تعالیٰ کی مقدس پیشگوئیوں میں پہلے سے کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی کے دل میں یہ غلطی پیدا ہو کہ بعض احادیث کی اس آنے والے مسیح کی حالت کے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی جیسے سلم کی دشقی حدیث۔ تو اہل تو اس کا یہی جواب ہے کہ حقیقت یہ سب استقامات ہیں اور مکاشفات میں استعارات غالب ہوتے ہیں بیان کچھ کیا جاتا ہے اور مراد اس سے کچھ لیا جاتا ہے سو یہ ایک بڑا دھوکہ اور غلطی ہے جو ان کو ظاہری طور پر مطابق کرنے کے لئے کوشش کی جائے اور یا اس زود افہام اور حیرت میں اپنے تئیں ڈال دیا جائے کہ کیوں یہ نشانیاں ظاہری طور پر مطابق نہیں آتیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ان حدیثوں کی تشریح کے وقت فریقی مخالف کو بھی اکثر مقامات میں تاویلوں کی عداوت پڑی ہے اور بڑے تکلف کے ساتھ تاویلیں کی ہیں۔ جیسے سچ الام مریم کا یہ عہد کا موعود بیان کیا گیا ہے جو وہ دنیا میں آکر خنزیروں کو قتل کرے گا۔ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی تشریح میں علماء نے کس قدر الفاظ کو ظاہر سے باطن کی طرف پھرنے کے لئے کوشش کی ہے۔

ایسا ہی وجمال کے طواف کعبہ میں کس قدر دور از حقیقت تاویلوں سے کام لیا ہے۔ سو اگر فریق ثانی ان مقامات میں تاویلوں سے بکلی دستکش دیتے تو البتہ وہ انہیں ماقول خیال کرنے میں بھی قدر محدود ٹھہرتے لیکن اب وہ آپ ہی اس راہ پر قدم مار کر کس منہ سے یہ الزام دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ چونکہ درحقیقت یہ کشفی عبارتیں استعارات سے پُر ہیں اس لئے کسی فوقی کے لئے ممکن نہیں کہ ان کو ہر ایک جگہ ظاہر پر حمل کر سکے۔ بلکہ ہر تھعلی کی حدیث بلکہ ہر تھعلی کے بتلا رہی ہے کہ ان مکاشفات میں ظاہر و مذہب و رست و دور و نہو کو کھاؤ گے مگر کوئی اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتا جو کبھی عذاب کی نسبت حدیثوں میں بہشت یہ بیان پایا جاتا ہے کہ ان میں گنہگار مومن کی حالت میں بچھو ہوں گے اور سانپ ہوں گے اور آگ ہوگی۔ اگر ظاہر پر ہی ان حدیثوں کو حمل کرنا ہے تو ایسی چند قبریں کھودو اور ان میں سانپ اور بچھو دکھلاؤ۔

پھر بعد اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ظاہر پر ہی ان بعض مختلف حدیثوں کو جو ہمنوز ہماری حالت موجودہ سے مطابقت نہیں رکھتیں محمول کیا جاوے تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان پیشگوئیوں کو اس عاجز کے ایک ایسے کامل متبع کے ذریعے کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو مضارب اندیشیل مسیح کا مرتبہ رکھتا ہو اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعے بعض خدومات کا پورا ہونا درحقیقت ایسا ہی ہے کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ بالخصوص جب بعض متبعین فنا فی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی روپ لے لیں اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ مرتبہ ملتی طور پر بخش دیوے جو ہمیں بخشا۔ تو اس صورت میں بلاشبہ ان کا ساختہ پر داختر ہمارا ساختہ پر ختم ہے۔ کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے۔ وہ ہم سے جدا نہیں اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں ہو کر پورا کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے ہی وجود میں داخل ہے اس لئے وہ جزو اور شاخ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی پیشگوئی میں بھی شریک ہے کیونکہ وہ کوئی جدا شخص نہیں پس اگر

غلی طور پر وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مثیل مسیح کا نام پاوے اور موعود میں بھی داخل ہو تو کچھ مسیح نہیں کیونکہ گو مسیح موعود ایک ہی ہے مگر اس ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک مقصد موعود کی روحانی یگانگت کی راہ سے متکم و متصل ہیں اور اُن کو اُن کے پھلوں سے شناخت کرو گے یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں کبھی تو بلا واسطہ پورے ہوتے ہیں اور کبھی بالواسطہ اُن کی تکمیل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح ابن مریم کو بھی جو نصرت اور فتح کے وعدے دئے گئے تھے وہ اُن کی زندگی میں پورے نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرے نبی کے ذریعے جو تمام نبیوں کا سردار ہے یعنی سیدنا امامنا حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الرسل کے ظہور سے پورے ہوئے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کنعان کی فتح کی بشارتیں دی گئی تھیں بلکہ صاف صاف حضرت موسیٰ کو وعدہ دیا گیا تھا کہ تو اپنی قوم کو کنعان میں لے جائے گا اور کنعان کی سرسبز زمین کا انہیں مالک کر دے گا۔ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا اور وہ راہ میں ہی فوت ہو گئے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ پیش گوئی غلط نکلی جو اب تک توریت میں موجود ہے۔ کیونکہ موسیٰ کی وفات کے بعد موسوی قوت اور موسوی روح اس کے شاگرد یوشع کو عطا ہوئی۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیج روح سے موسیٰ میں ہو کر اور موسوی صورت پر ظاہر وہ کام بجالایا جو موسیٰ کا کام تھا۔ سو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ موسیٰ ہی تھا کیونکہ اُس نے موسیٰ میں ہو کر اور موسیٰ کی پیروی میں پوری فضا اختیار کر کے اور خدا تعالیٰ سے موسوی روح پا کر اس کام کو کیا تھا۔ ایسا ہی ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت توریت میں بعض پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بلا واسطہ پوری نہیں ہو سکیں بلکہ وہ بواسطہ اُن خلفائے کرام کے پوری کی گئیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی میں خانی تھے۔ سو اس میں کون کلام

کر کتاب ہے جو ایک مامورین اللہ کی نسبت جن جن فتوحات اور امور عظیمہ کا تذکرہ پیش گوئی کے لباس میں ہوتا ہے اس میں یہ ہرگز ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ وہ سب کچھ اسی کے فیہ سے پورا بھی ہو جائے بلکہ اُس کے خالص متبعین اس کے ہاتھوں اور پیروں کی طرح سمجھے جاتے ہیں اور ان کی تمام کارروائیاں اسی کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ جیسے ایک سپہ سالار کسی معرکہ جنگ میں عمدہ عمدہ سپاہیوں اور مددگاروں کی مدد سے کسی دشمن کو گرفتار کرتا ہے یا قتل کر دیتا ہے تو وہ تمام کارروائی اسی کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور بلا تکلف کہا جاتا ہے کہ اُس نے گرفتار کیا یا قتل کیا۔ پس جبکہ یہ محاورہ مشائخ متعارف ہے تو اس بات میں کونسا تکلف ہے کہ اگر فرض کے طور پر بھی تسلیم کر لیں کہ بعض پیشگوئوں کا اپنی ظاہری صورت پر بھی پورا ہونا ضروری ہے تو ساتھ اس کے یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ وہ پیشگوئیاں ضرور پوری ہوں گی اور ایسے لوگوں کے ہاتھ سے اُن کی تکمیل کرائی جائے گی کہ جو پورے طور پر پیروی کی راہوں میں فانی ہونے کی وجہ سے اونٹن سے آسمانی روح کے لیضے کے باعث سے اس عاجز کے وجود کے ہی حکم میں ہوں گے اور ایک پیشگوئی بھی جو براہین میں درج ہو چکی ہے اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور وہ الہام یہ ہے یا عیسیٰ انی متوفیک ورافحت الی وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوما لقیامت۔ اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذمیت میں سے ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو ہدایت میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے۔

(۸) سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہی دوبارہ دنیا میں آئیں گے پس اگر یہ عقیدہ صحیح نہیں تھا تو کیوں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی تکذیب نہ کی بلکہ حدیثوں میں ابن مریم کے آنے کا وعدہ دیا گیا۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ نے تو قرآن کریم میں اس عقیدہ کی تکذیب کر دی جبکہ بیان کر دیا کہ حقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور پھر مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں کیا اور حدیثوں میں بھی اس مدعا کے بارہ میں کہیں قرآن شریف کی مخالفت نہیں کی گئی۔ ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی جو مسیح ابن مریم کا زندہ مجدد العنصری آسمان کی طرف اٹھائے جانا بیان کرتی ہو۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عقیدہ کی تکذیب کرنے میں کچھ فسوق نہیں رکھا۔ اُنے دوائے مسیح کو امتی ٹھہرایا۔ علیہ قتل و آئین میں اختلاف ڈال دیا اور مسیح کا فوت ہو جانا بیان کر دیا۔ سو اس قدر بیان کافی تھا اور جو حکم پیش گوئیں میں خلق اللہ کے ابتلاء کے لئے یہ بھی منظور ہوتا ہے کہ کچھ کیفیت اُن کی بدوشیدہ بھی رکھی جائے اس لئے کسی قدر بدوشیدہ بھی رکھا گیا تا وقت پر صادقوں اور کاذبوں کا امتحان ہو جائے۔ اور یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے کہ عیسائیوں کا متفق علیہ یہی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح دنیا میں پھر آئیں گے کیونکہ بعض فرقے اُن کے حضرت مسیح کے فوت ہو جانے کے قائل ہیں۔ اور حواریوں کی دونوں انجیلوں میں معنی متی اور یوحنا نے اس بیان کی ہرگز تصدیق نہیں کی کہ مسیح وحقیقت آسمان پر اٹھایا گیا۔ ہاں مرقس اور لوقا کی انجیل میں لکھا ہے مگر وہ حواری نہیں ہیں اور نہ کسی حواری کی روایت سے انہوں نے لکھا۔

(۹) سوال۔ لیلۃ القدر کے اور معنی کر کے نیچریت اور باطنیت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

امّا الجواب۔ معترض صاحب نے اس اعتراض سے لوگوں کو دھوکا دیا جو اس جگہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا ہے کہ پہلے معنی لیلۃ القدر کے وہ علماء کرتے ہیں وہ بھی مسلم اور سچا ہیں اور ساتھ اُن کے یہ بھی معنی ہیں اور ان دونوں میں کچھ منافات نہیں۔ قرآن شریف ظہر بھی رکھتا ہے اور بطن بھی اور صد با محارف اس کے اندر بدوشیدہ ہیں پس اگر اس عاجز نے تفہیم آپ ہی سے لیلۃ القدر

کے یہ معنی کئے تو کہاں سے سمجھا گیا کہ پہلے معنوں سے انکار کیا ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تیسرا قرون نہیں کہلاتا؟ کیا اس زمانہ کی عبادات ثواب میں بڑھ کر نہیں تھیں؟ کیا اس زمانہ میں نصرت دین کے لئے فرشتے نازل نہیں ہوتے تھے؟ کیا روح الامین نازل نہیں ہوتا تھا؟ پس تکاہر ہے کہ لیلۃ القدر کے تمام آثار و انوار و برکات اس زمانہ میں موجود تھے ایک قلمت بھی موجود تھی جس کے دور کرنے کے لئے یہ انوار و ملائک صرح الامین اور طرح طرح کی روشنی نازل ہو رہی تھی پھر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقدس زمانہ کا نام بھی الہام الہی سے سلسلۃ القدر ظاہر کیا گیا تو اس سے کوئی قباحت لازم آگئی؟ جو شخص قرآن شریف کے ایک معنی کو مسلم رکھ کر ایک دوسرا لطیف نکتہ اس کا بیان کرتا ہے تو کیا اس کا نام لمحد رکھنا چاہیئے؟ اس خیال کے آدمی بلاشبہ قرآن شریف کے دشمن اور اس کے اعجاز کے منکر ہیں۔

(۱۰) سوال۔ ملائک اور جبرئیل علیہ السلام کے وجود سے انکار کیا ہے اور انکو کونسی مرام میں صرف کو اکب کی قوتیں ٹھہرایا ہے۔

امّا الجواب۔ یہ آپ کا دھوکا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ عاجز ملائک اور حضرت جبرئیلؑ کے وجود کو انسی طرح مانتا ہے جس طرح قرآن اور حدیث میں ظاہر ہے اور جیسے کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رو سے ملائک کے احرام ساوی سے خادمانہ تعلقات پائے جاتے ہیں یا جو جو کام خاص طور پر انہیں سپرد ہو رہا ہے اسی کی تشریح رسالہ توضیح مرام میں ہے۔
چونکہ سنوئی سخن اہل دل مگو کہ خطاست سخن شناس نہ دلبر انطاہ بخاست

(۱۱) سوال۔ رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

امّا الجواب۔ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے جس حالت میں رو یا صالحہ نبوت کے چھالیس حوالوں میں سے ایک حصہ ہے

تو محدثیت جو قرآن شریف میں نبوت کے ساتھ اور رسالت کے ہم پہلو بیان کی گئی ہے جس کے لئے صحیح بخاری میں حدیث بھی موجود ہے اس کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جاوے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا ہلے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آگیا؟ وہی فریفتہ کی وہ قرأت یاد کرو کہ جو ان عباس نے لی ہے اور وہ یہ ہے ومارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الا اذا تمضی النبی الشیطان فی امنیۃ فینسخ اللہ ما یلقى الشیطان ثم یحکم اللہ ذلتہ۔ وحی آتی پر صرف نبوت کامل کی حد تک کہاں قہر لگ گئی ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں؟ انزل من السماء ماء فسالک اودیۃ بقدرھا۔ اے غافلوا اس امت مرحومہ میں وحی کی نالیاں قیامت تک جاری ہیں مگر حسب مراتب۔

(۳۱) سوال۔ سورۃ زخرف میں آیت موجود ہے وانه لعلم للساعة فلا تمترق بها (الجمہور فہم) یعنی وہ قیامت کے وجود پر نشان ہے سو تم باوجود موجود ہونے نشان کے قیامت کے بارہ میں شک مت کرو۔ نشان سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں جو قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور اس آیت سے ان کا نازل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اما الجواب۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اس آیت کو پیش کر کے قیامت کے مسکین کو ملزم کرنا چاہتا ہے کہ تم اس نشان کو دیکھ کر پھر مردوں کے جی اٹھنے سے کیوں شک میں پڑے ہو۔ سو اس آیت پر غور کر کے ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس کو حضرت عیسیٰ کے نزول سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ آیت تو یہ بتلا رہی ہے کہ وہ نشانی مردوں کے جی اٹھنے کا اب موجود ہے اور مسکین کو ملزم کر رہی ہے کہ اب بھی تم کیوں شک کرتے ہو۔ اب ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا اس آیت میں یہ مطلب ہے کہ جب حضرت عیسیٰ آسمان سے نازل ہوں گے تب ان کا آسمان سے نازل ہونا مردوں کے جی اٹھنے کے لئے بطور دلیل یا علامت کے ہو گا تو پھر اس دلیل کے ظہور سے پہلے خدا تعالیٰ لوگوں کو کیوں ملزم کر سکتا ہے

کیا اس طرح اتمامِ حجت ہو سکتا ہے؟ کہ دلیل تو ابھی ظاہر نہیں ہوئی اور کوئی نام و نشان اس کا پیدا نہیں ہوا اور پہلے سے ہی منکرین کو کسا جاتا ہے کہ اب بھی تم کیوں یقین نہیں کرتے کیا اُن کی طرف سے یہ عذر صحیح طور پر نہیں ہو سکتا کہ یا الہی ابھی دلیل یا نشان قیامت کا کمال ظہور میں کیا جس کی وجہ سے فلا تم قدرن بھائی دھکی ہمیں دی جاتی ہے۔ کیا یہ اتمامِ حجت کا طریق ہے؟ کہ دلیل تو ابھی پردہ غیب میں ہو اور یہ سمجھا جائے کہ الزام پورا ہو گیا ہے ایسے معنی قرآن شریف کی طرف منسوب کرنا گویا اس کی بلاغت اور پُر حکمت بیان پر وجہ لگانا ہے۔ سچ ہے کہ بعض نے یہی معنی لئے ہیں مگر انہوں نے سخت غلطی کھائی بلکہ حق بات یہ ہے کہ اُن کا تفسیرِ قرآن شریف کی طرف پھرتا ہے اور آیت کے یہ معنی میں کچھ کوئی شین مردوں کے جی اُٹھنے کے لئے نشان ہے کیونکہ اس سے مردہ دلی زندہ ہو رہے ہیں۔ قبروں میں گلے سرے ہوئے ہمارے تکتے آتے ہیں اور خشک ہڈیوں میں جان پڑتی جاتی ہے چنانچہ قرآن شریف خود اپنے تئیں قیامت کا نمونہ ظاہر کرتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے
 وَانزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِّنُحْيِي بِهِ بَلَدَةً مِّيتًا (سورۃ فرقان الجود ۱۹) یعنی ہم نے آسمان سے پاک پانی اُتارا (یعنی قرآن) تاکہ ہم اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کریں پھر فرماتا ہے وَاحْيَيْنَا بِهِ بَلَدَةً مِّيتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوجُ (سورۃ القہود نمبر ۲۶)

تمام شد حصہ اول

نقل ٹائٹل بار اول

حصہ دوم

نقل مطابق اصل

ازالہ ادھام

قیمہ بامش شدیدی و متاع لئاس

الحمد والمنت کہ ماہ مبارک ذی الحجہ ۱۳۰۳ کتاب

جلل معارف قرآنی و شایع اسرار کلام ربانی از

تالیفات مرسل یزدانی و مامور رحمانی

جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

مطبع منیر ہستاسی شیخ محمد الطبع عکس دیکھ
 مطبع خاص امرتسار شیخ نور محمد الطبع عکس دیکھ

قیمت فی جلد غیر

تعداد جلد ۷۰۰

اعلان

وامنح ہو کہ اس رسالہ ازالہ اوہام میں ان تمام سوالات کا جواب ہے کہ جو اکثر
 لوگ کوتاہ اندیشی کے روئے حضرت مسیح کی حیات حیات کے متعلق کیا کہتے ہیں
 اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص اس کتاب کو اہل سبب و فہم پر غور سے پڑھے گا
 اس کا کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا سو اس پر یہ فرض ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اس کتاب
 کے ذریعے اسکو ہدایت بخشنے اور اس کے سینہ کو کھول دیوے تو وہ اپنے
 معلومات کے اور دل کو بھی فہم پہنچا دے۔ ہر ایک جو اس کتاب کی ہدایت کو اپنے
 پورے اخلاص سے قبول کرے اُس پر یہ بھی لازم ہو گا کہ اس کی عام اشاعت کیلئے
 کوشش فرماوے اور اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد مشکوک کیلئے سبب و ادلی
 طریق یہی ہے کہ زبانی مباحثات کا دروازہ بند رکھ کر اس کتاب کے مطالب کو فور
 سے پڑھیں پھر اگر ہدایت نصیب نہ ہو تو اسکی دلیل کو رد کر کے دکھلا دیں اور ہماری
 آخری نصیحت اُن کے حق میں یہی ہے کہ اشد حشاشہ سے ڈریں و ملقت اللہ
 اکبر من مقتہم۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

المصنف
 میرزا غلام احمد قادیانی ازودہانہ محلہ اقبال گنج

یعنی قرآن کے ساتھ ہم نے زمین مردہ کو زندہ کیا۔ ایسا ہی حشر اجساد بھی ہوگا۔ پھر فرماتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نَجْوٰی الْمَوْثِقِ وَنَكْنُبُ مَا قَدَّمُوا وَاَنَّا زُهْمٌ یَّعْنٰی ہم قرآن کے ساتھ مردوں کو زندہ کر رہے ہیں اور پھر فرماتا ہے اَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَحْیِی الْاَمْوَاتَ بَعْدَ مَوْتِهِمْ یَعْنٰی اے لوگو جان لو کہ زمین مر گئی تھی اور خدا اب نئے سرے اس کو زندہ کر رہا ہے۔ غرض جا بجا قرآن شریف کو نمونہ قیامت ٹھہرایا گیا ہے بلکہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہی ہوں جیسا کہ فرمایا ہے وَاِنَّا الْاَحْشَرُ الَّذِیْ یَحْشُرُ النَّاسَ عَلٰی قَدَرٍ یَّعْنٰی میں ہی قیامت ہوں میرے قدموں پر لوگ اٹھائے جلتے ہیں یعنی میرے سنانے سے لوگ زندہ ہو رہے ہیں۔ میں قبروں سے انہیں اٹھا رہا ہوں اور میرے قدموں پر زندہ ہونے والے جمع ہوتے جاتے ہیں۔ اور درحقیقت جب ہم ایک منصفانہ نگاہ سے عرب کی آبادیوں پر نظر ڈالیں کہ اپنی روحانی حالت کی رو سے وہ کیسے قبرستان کے حکم میں ہو گئے تھے اور کس درجہ تنگ سچائی اور خدا ترسی کی نصیحت اُن کے اندر سے نکل گئی تھی اور کیسی دھج طرح کی خرابیوں کی وجہ سے جو اُن کے اخلاق اور اعمال اور عقائد پر اثر کر گئی تھیں ہر گز گئے تھے تو بلا اختیار ہمارے اندر سے یہ شہادت نکلتی ہے کہ اُن کا زندہ کرنا جسمانی طور پر مردوں کے جی اٹھنے سے مراتب عجیب تر ہے جس کی عظمت نے بے شمار عقلمندوں کی نگاہوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ کہ آیت موصوفہ بالا کے حقیقی معنی یہ ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں یعنی خدا یتھالے جسمانی طور پر مردوں کے جی اٹھنے پر روحانی طور پر مردوں کا جی اٹھنا بطور بدیہی نشان کے پیش کرتا ہے جو درحقیقت دھج پر نہایت مؤثر ہوا اور بے شمار کفار اس نشان کے قائل ہو گئے اور ہوتے جلتے ہیں۔ اور ایک جماعت متعین کی بھی یہی معنی آیت موصوفہ بالا کے لیتی ہے۔ چنانچہ تفسیر معالیٰ میں زیر تفسیر اس آیت کے

یہ معنی لکھے ہیں جیسا کہ تفسیر کی عبارت یہ ہے وقال الحسن وجماعہ وانہ یعنی

وان القرآن لعلم للشیاعۃ یعلمکم قیامہا وینخبکم بآحوالہا و

اہوالہا فلا تمترن بہا یعنی فلا تشکن فیہا بعد القرآن یعنی حسن

اور ایک جماعت نے اس آیت کے یہی معنی کئے ہیں کہ قرآن قیامت کے لئے نشان ہر

اور زبان قلیل اور حال ہر خبر دے رہا ہو کہ قیامت اور اسکے حالات اور اسکے ہولناک فضائل واقع ہونے والے ہیں

سو بعد اسکے کہ قرآن قیامت کے لئے پر اپنے اجماعی بیانات اور تائیدات احیاء موتی و سبیل حکم قائم کر رہا ہو

(سوال ۱۱) سوال - الہام جس کی بنا پر ملحقہ اجماع امت سے خروج اختیار کیا گیا ہے

خوبے اصل اور بے حقیقت اور بے سود چیز ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ ہم پہلے کچھ چکے ہیں کہ اجماع کٹر شگونیوں سے کچھ علاقہ

نہیں۔ اجماع اُن امور پر ہوتا ہے جن کی حقیقت بخوبی سمجھی گئی اور دیکھی گئی اور دریافت کی گئی

اور شائع علیہ السلام نے اُن کے تمام جزئیات سمجھا دے دکھائے سکھائے جیسے صوم و صلوٰۃ

وزکوٰۃ حج وعتقاد و حید و ثواب و عقاب۔ مگر یہ دنیوی پیشگوئیاں تو ابھی مخفی امور ہیں

جن کی شائع علیہ السلام نے اگر کچھ شیعہ بھی بیان کی تو ایسی کہ جو استعارہ کی طرف توہم

دلاتی ہے۔ مثلاً کیا ان احادیث پر اجماع ثابت ہو سکتا ہے کہ مسیح اگر جنگوں میں خنجر زد

کا شکار کھینٹا پھرے گا اور وصال خانہ کعبہ کا طواف کرے گا اور ابن مریم بیماریوں کی

کی طرح دو آدمیوں کے کاندھے پر ہاتھ دھرے گا دھرے دھرے کے فرض طواف کعبہ بجالائے گا کیا معلوم

نہیں کہ جو لوگ ان حدیثوں کی شیعہ کرنے والے گندے ہیں وہ کیسے بے ٹھکانہ اپنی اپنی

ٹیکس بانگ رہے ہیں۔ اگر کوئی بات اجماع کے طور پر تصفیہ یافتہ ہوتی تو کیوں وہ لوگ

مختلف خیالات کو ظاہر کرتے کیا کفر کا خوف نہیں تھا؟

اب رہی یہ بات کہ الہام بے اصل اور بے سود اور بے حقیقت چیز ہے جس کا ضرر

اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ایسی باتیں وہی شخص کرے گا جس نے کبھی

اس شرابِ ظہور کا مزہ نہیں چکھا اور نہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ بچا ایمان اس کو حاصل ہو بلکہ رسم اور عادت پر خوش ہے اور کبھی نظر اس طرف اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ مجھے خداوند کریم پر یقین کہاں تک حاصل ہے اور میری معرفت کا درجہ کس حد تک ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیئے کہ تامیسری اندرونی کرد وریاں دور ہوں اور میرے اخلاق اور اعمال اور ارادہ میں ایک زندہ تبدیلی پیدا ہو جائے اور مجھے وہ عشق اور محبت حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے میں باسانی سفر آخرت کر سکوں اور مجھ میں ایک نہایت عمدہ قلیل ترقی ملوہ پیدا ہو جائے۔

بے شک یہ بات سب کے فہم میں آسکتی ہے کہ انسان اپنی اس غافلانہ زندگی میں جو ہر دم تحت الشریٰ کی طرف کھینچ رہی ہے اور علاوہ اس کے تعلقات زن و فرزند اور ننگ و ناموس کے بوجھل اور بھاری پتھر کی طرح ہر لحظہ بچنے کی طرف لے جا رہے ہیں ایک بالائی طاقت کا ضرور محتاج ہے جو اس کو بھی دینائی اور بچا کشف بخش کر خدا تعالیٰ کے جمال یا کمال کا مشتاق بنا دیوے۔ سو جاننا چاہیئے کہ وہ بالائی طاقت الہام تائی ہے جو عین دکھ کے وقت میں سرور پہنچاتا ہے اور مصائب کے ٹیلوں اور ہزاروں کے نیچے بڑے آرام اور لذت کے ساتھ کھڑا کر دیتا ہے۔ وہ دقیق در دقیق وجود جس نے عقل طاقتوں کو خیرہ کر رکھا ہے اور تمام کھیلوں کی عقل اور دانش کو سکتہ میں ڈال دیا ہے وہ الہام ہی کے ذریعہ سے کچھ اپنا پتہ دیتا ہے اور انا الموجود کہہ کر سالکین کے دہلیز کو تسلی بخشتا ہے اور سکینت نازل کرتا ہے اور انتہائی وصول کی ٹھنڈی ہوا سے جلن پروردہ کو تازگی بخشتا ہے۔ یہ بات تو سچ ہے کہ قرآن کریم ہدایت دینے کے لئے کافی ہے مگر قلیل کیم جس کو ہدایت کے چشمہ تک پہنچانا ہے اس میں پہلی ملامت ہی پیدا ہو جاتی ہے کہ مکالمہ طیبہ الہیہ اس سے شروع ہو جاتا ہے جس سے نہایت درجہ کی انکشافی معرفت اور چشم دید برکت و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ عرفان حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے

جو مجسّم و تقلیدی انگلوں یا عقلی ڈھکوسلوں سے ہرگز مل نہیں سکتا۔ کیونکہ تقلیدی علوم محدود و مشتمل ہیں اور عقلی خیالات ناقص و ناتمام ہیں اور ہمیں ضرور حاجت ہے کہ براہ راست اپنے غرض کی توسیع کریں۔ کیونکہ جس قدر ہمارا عرفان ہوگا اسی قدر ہم میں ولولہ و شوق و جوش مائے گد کیا ہمیں باوجود ناقص عرفان کے کامل ولولہ و شوق کی کچھ توقع ہے؟ نہیں کچھ ہی نہیں۔ سو حیرت اور تعجب ہے کہ وہ لوگ کیسے بد فہم ہیں جو ایسے ذریعہ کامل و مہول حق سے اپنے تئیں مستغنی سمجھتے ہیں جس سے روحانی زندگی وابستہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ روحانی علوم اور روحانی معارف صرف بذریعہ الہامات و کاشفات ہی ملتے ہیں اور جب تک ہم وہ درجہ روشنی کا نہ پالیں تب تک ہماری انسانیت کسی حقیقی معرفت یا حقیقی کمال سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتی۔ صرف کونے کی طرح یا بھید کی مانند ایک نجاست کو ہم حلوہ سمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست بھی نہیں آئے گی۔ صرف لوٹری کی طرح داؤ بیچ بہت یاد ہوں گے۔

ہم ایک بڑے بھاری مطلب کے لئے جو یقینی معرفت ہے پیدا کئے گئے ہیں اور وہی معرفت ہماری نجات کا دار و مدار بھی ہے جو ہر ایک غیبت اور مغشوش طریق سے ہیں لازمی بخش کر ایک پاک اور شفاف دریا کے کنارے پر ہمارا مندر کہہ دیتی ہے اور وہ صرف بذریعہ الہام آتی ہیں ملتی ہے۔ جب ہم اپنے نفس سے نکلی فنا ہو کر دروند دل کے ساتھ لایدرک وجود میں ایک گہرا غوطہ مارتے ہیں تو ہماری بشریت الوہیت کے دربار میں پڑنے سے عندالحوادث کچھ آثار و انوار اس عالم کے ساتھ لے آتی ہے۔ سو جس چیز کو اس دنیا کے لوگ نظر حشرات دیکھتے ہیں۔ وہ درحقیقت وہی ایک چیز ہے جو مدت کے جدا شدہ کو ایک دم میں اپنے محبوب کے ملاتی ہے وہی ہے جس سے عشاق آہی تسلی پاتے ہیں اور طرح طرح کی نفسانی قیدوں سے بیکبار اپنا پیہر باہر نکال دیتی ہے جب تک وہ بھی روشنی دلوں پر نازل نہ ہو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ کوئی دل منور ہو سکے۔ غرض انسانی عقل کی ناقابلیت اور بھی علوم کی محدودیت ضرورتِ الہام پر

شہادت دے رہی ہے جس قدر دنیا میں عقلمند ہیں یا ایسے زاہد جن کے دل در حقیقت اس ہاک سلسلے سے بے نصیب ہیں ان کے چال چلن اور ان کا اخلاقی انقباض اور ان کے سفلی خیالات اور ان کی سبب شر نک کارستانیوں اس میں بے بیان پر شاہد ہیں کہ وہ بغیر اس چشمہ طبع کے جس قدر قابل کرامت کثافتوں میں مبتلا ہیں اور جس طرح گندے کوٹھ کے پانی کے ایک قطرہ سے اس کی تمام کثافت ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے گندے خیالات اپنے بڑے نمونہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

اگرچہ ایسے لوگوں کی فلسفہ عام خیالات میں ہل چل مچلنے والی ہو مگر چونکہ سچی روشنی اسکے ساتھ نہیں اس لئے وہ جلد اور بہت جلد اپنی ظلمت دکھا دیتی ہے اور باوجود تمام لاف و گزاف ہمہ دانی کے ایسے لوگوں کی اندرونی حالت ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنی مغلسی ظاہر کرتی رہتی ہے اور بسا اوقات روحانی تشنگی کے نلنے کی وجہ سے ایسے فلاسفوں اور حکیموں اور مولویوں اور فاضلوں سے ایسی حرکتیں صادر ہو جاتی ہیں جن کو صاف شہادت ملتی ہے کہ وہ تسلی بخش چشمہ سے کیسے اور کس قدر دور و چور ہیں اور کیونکر حقیقی خوشحالی کے نہ پانے کے سبب سے ایک عذاب الیم یا یوں کہو کہ ایک درد اور جلن اور بے چینی میں دن رات مبتلا ہیں۔

اس جگہ بعض دلائل میں باطریق یہ اعتراض پیدا ہو گا کہ اکثر لوگ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ فقرات الہامیہ سناتے بھی رہتے ہیں لیکن ان کی معرفت میں کچھ بھی ترقی نظر نہیں آتی اور معمولی بشریت سے ان کی عرفانی حالت کا درجہ بڑھا ہوا معلوم نہیں دیتا بلکہ وہی موٹی سمجھ اور سطحی خیالات اور فطرتی تائیدی اور پستی ان میں دکھائی دیتی ہے اور ان کے اعتلاقی یا ذہنی یا روحانی قوے میں کوئی امر عام علوت سے بڑھ کر نظر نہیں آتا۔ پھر کیونکر ایسے لوگوں کو ہم ملہم سمجھیں اور اس چشمہ فیض کا مکلام مان لیں۔ جس کے قرب اور شرف مکمل سے خالق عادت تبدیلی پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ کم سے کم اس قدر تبدیلی کہ بعض باتیں

اُس کلمہ میں ایسی ہول کہ دوسروں میں پائی نہ جائیں

سو جاننا چاہیے کہ حقیقت ایسے لوگ واقعی طور پر طہم نہیں ہوتے بلکہ ایک قسم کے ابتلاء میں مبتلا ہوتے ہیں جس کو وہ اپنی نادانی سے الہام سمجھ لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا حقیقی اور واقعی طور پر مکالمہ کچھ تھوڑی سی بات نہیں جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جب ایک تارکی میں بیٹھے ہوئے آدمی کے لئے ناگہانی طور پر آفتاب کی طرف کھڑکی کھل جائے تو کیسی بکوفہ اس کی حالت بدل جاتی ہے اور کیونکر آسمانی روشنی اس کے حواس پر کام کر کے ایک تبدیل شدہ زندگی اس کے لئے پیدا کر دیتی ہے اور کیونکر تاریکی سے جو بالکل افسردگی کی موجب ہے باہر نکل کر ایک سرور و ذوق اس کے دل میں اور ایک روشنائی اس کی آنکھوں میں اور ایک استقامت اس کی حالت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سو یہی حالت اُس کھڑکی کی ہے جو آسمان کی طرف سے کھلتی ہے اور بہت ہی کم لوگ ہیں جو واقعی اور حقیقی طور پر اُس کو پاتے ہیں اور تم انہیں خارق عادت علامتوں پر شناخت کرو گے۔

(۱۴۱) سوال۔ قرآن شریف سے اگر پیچیدگی کی موت ثابت ہوتی ہے مگر اس موت کا کوئی وقت خاص تو ثابت نہیں ہوتا۔ پس تعارضِ حدیث اور قرآن کا دور کرنے کے لئے بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ اس موت کا زمانہ وہ تقرر دیا جائے کہ جب پھر حضرت مسیح نازل ہوں گے۔

امّا الجواب۔ پس واضح ہو کہ قرآن شریف کی نصوص بینہ اسی بات پر بصراحت دلالت کر رہی ہیں کہ مسیح اپنے اسی زمانہ میں فوت ہو گیا ہے جس زمانہ میں وہ بنی اسرائیل کے مفسد فرقوں کی اصلاح کے لئے آیا تھا جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے یا عیسیٰ اِنِّیْ مَتَوَفِّیْکَ وَرَافَعُکَ اِلٰی وَ مَطْهَرُکَ مِنَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الذِّیْنِ اَتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ اب اس جگہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو مٹا دیا ہے اور رافعاً بعد ازاں بیان فرمایا ہے

جس سے ثابت ہوا کہ وفات پہلے ہوئی اور رنج بعد از وفات ہوا۔ اور پھر اور ثبوت یہ ہے کہ اس پیش گوئی میں اشد جثانہ فرماتا ہے کہ میں تیسری وفات کے بعد تیسرے متبعین کو تیسرے مخالفوں پر جو یہودی ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا۔ اب ظاہر ہے اور تمام عیسائی اور مسلمان اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ یہ پیش گوئی حضرت مسیح کے بعد اسلام کے ظہور تک، بخوبی پوری ہو گئی کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہودیوں کو اُن لوگوں کی رعیت اور ماتحت کر دیا جو عیسائی یا مسلمان ہیں اور آج تک صد ہا برسوں سے وہ ماتحت چلے آتے ہیں یہ تو نہیں کہ حضرت مسیح کے نزول کے بعد پھر ماتحت ہوں گے۔ ایسے معنی تو بہ بدایت فاسد ہیں۔

دیکھنا چاہیے کہ قرآن شریف میں یہ بھی آیت ہے جو حضرت مسیح کی زبان سے اشد جثانہ فرماتا ہے واد صافی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مآدمت حیًا وبرا بوالدتی یعنی حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے نماز پڑھتا رہ اور زکوٰۃ دیتا رہ اور اپنی والدہ پر احسان کرتا رہ جب تک تو زندہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان تمام تکلیفات شریعہ کا آسمان پر بجالانا محال ہے۔ اور جو شخص مسیح کی نسبت یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ زندہ مع جسدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اس کو اس آیت موصوفہ بالا کے منشاء کے موافق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تمام احکام شرعی جو تعمیل اور تورات کی رو سے انسان پر واجب العمل ہوتے ہیں وہ حضرت مسیح پر اب بھی واجب ہیں حالانکہ تکلیف مالا یطاق ہے عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ یہ حکم دیوے کہ اے عیسیٰ جیتنا کہ تو زندہ ہے تیسرے پر واجب ہے کہ تو اپنی والدہ کی خدمت کرتا رہے اور پھر آپ ہی اس کے زندہ ہونے کی حالت میں ہی اس کو والدہ سے جدا کر دیوے اور تا بحیات زکوٰۃ کا حکم دیوے اور پھر زندہ ہونے کی حالت میں ہی ایسی جگہ پہنچا دیوے جس جگہ نہ وہ آپ زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور نہ زکوٰۃ کے لئے کسی دوسرے کو نصیحت کر سکتے ہیں اور صلوٰۃ کے لئے

تاکید کیے اور جماعت مومنین سے دور پھینک دیوے جن کی رفاقت صلوٰۃ کی تکمیل کے لئے ضروری تھی۔ کیا ایسے اٹھائے جانے سے بجز بہت سے نقصان عمل اور ضائع ہونے حقوق عباد اور فوت ہونے خدمت امر معروف اور نہی منکر کے کچھ اور بھی فائدہ ہوا؟ اگر یہ بھی اٹھا رہا سو اکانوے برس زمین پر زندہ رہتے تو اُن کی ذات جامع البرکات سے کیا کیا نفع خلق اللہ کو پہنچتا لیکن اُن کے اوپر تشریف لے جانے سے بجز اس کے اور کو نہایت بے نفع نکلا کہ اُن کی امت بگڑ گئی اور وہ خدمات نبوت کے بجالانے سے بکلی محروم رہ گئے۔

پھر جب ہم اس آیت پر بھی نظر ڈالیں کہ جو اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ کوئی جسم کسی بشر کا ہم نے ایسا نہیں بنایا کہ بغیر کھانے کے زندہ رہ سکے تو ہمارے مخالفوں کے عقیدہ کے موافق یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ آسمان پر روٹی بھی کھاتے ہوں یا خانہ بھی پھرتے ہوں اور ضروریات بشریت جیسے کپڑے اور برتن اور کھانے کی چیزیں سب موجود ہوں۔ مگر کیا یہ سب کچھ قرآن اور حدیث سے ثابت ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ آخر ہمارے مخالف یہی جواب دیں گے کہ جس طرز سے وہ آسمان پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ انسان کی معمولی زندگی سے زالی ہے اور وہ انسانی حالتیں جو زمین پر زندہ انسانوں میں پائی جاتی ہیں وہ سب اُن سے دور کر دی گئی ہیں اور اُن کا جسم اب ایک ایسا جسم ہے کہ نہ خوراک کا محتاج ہے اور نہ پوشاک کا اور نہ پاخانہ کی حاجت انہیں ہوتی ہے اور نہ پیشاب کی۔ اور نہ زمین کے جسموں کی طرح اُن کے جسم پر زمانہ اثر کرتا ہے اور نہ وہ اب مکلف احکام شرعیہ ہیں۔ تو اس کا یہ جواب ہو کہ خدا تعالیٰ تو صاف فرماتا ہے کہ ان تمام خاکی جسموں کے لئے جب تک زندہ ہیں۔ یہ تمام لوازم غیر منفک ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا و ما جعلناہم جسداً الا باکلون الطعام ظاہر ہے کہ اس آیت میں بجز کے ذکر سے کل مراد ہے یعنی

4

گوشتا ہی ذکر فرمایا کہ کسی نبی کا جسم ایسا نہیں بنایا گیا جو بغیر طعام کے رہ سکے۔ مگر اس کے ضمن میں کل وہ لوازم و نتائج جو طعام کو لگے ہوئے ہیں سب اشارۃً انفس کے طور پر فرما دئے۔ سو اگر مسیح ابن مریم اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر گیا ہے تو ضرور ہے کہ طعام کھاتا ہو اور یا خانہ اور پیشاب کی ضروری حاجتیں سب انکی مانگیں ہوں کیونکہ کلام الہی میں کذبِ کاذب نہیں۔ اور اگر یہ کہو کہ دراصل بات یہ ہے کہ مسیح ابن جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گیا بلکہ یہ جسم تو زمین میں دفن کیا گیا اور ایک اور نورانی جسم مسیح کو ملا جو کھانے پینے سے پاک تھا اس جسم کے ساتھ اٹھایا گیا تو حضرت یہی تو موت پر جس کا آخر آپ نے اقرار کر لیا۔ ہمارا بھی تو یہی مذہب ہے کہ مقدس لوگوں کو موت کے بعد ایک نورانی جسم ملتا ہے اور وہی نور جو وہ ساتھ رکھتے ہیں جسم کی طرح اُن کے لئے ہو جاتا ہے سو وہ اس کے ساتھ آسمان کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے جو اشدّ جلّ شانہ فرماتا ہے **الیہ یصعد العلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ** یعنی پاک رویں جو نورانی الوجود ہیں خدا تعالیٰ کی طرف صعود کرتی ہیں اور عمل صالح اُن کا رفع کرتا ہے یعنی جس قدر عمل صالح ہو اُسی قدر روح کا رفع ہوتا ہے۔

اس جگہ خدا تعالیٰ نے روح کا نام کلمہ رکھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں جو ایک لا بُد رکبھید کے طور پر جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی رو میں بن گئی ہیں۔ اسی بنا پر اس آیت کا مضمون بھی ہے وَخَلَقْنَا الْقُلُوبَ اِلٰی مَرْيَمَ اور چونکہ یہ سب رو بوبیت ہے اس لئے کسی کی مجال نہیں کہ اس سے بڑھ کر کچھ بول سکے کہ کلمات اللہ ہی بحکم و باذن ربی لباس روح کا پس لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام طاقتیں اور قوتیں اور خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو روحوں میں پائی جاتی ہیں اور پھر چونکہ ارواح طیبہ فنا فی اللہ ہونے کی حالت میں

اپنے تمام قوی چھوڑ دیتی ہیں اور اطاعت الہی میں فانی ہو جاتی ہیں تو گو یا پھر وہ روح کی حالت سے باہر آ کر کلمۃ اللہ ہی بن جاتی ہیں جیسا کہ ابتدائے میں وہ کلمۃ اللہ تھیں۔ سو کلمۃ اللہ کے نام سے ان پاک روحوں کو یاد کرنا ان کے اعلیٰ درجہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے سو انہیں نور کا لباس ملتا ہے اور اعمال صالحہ کی طاقت سے ان کا خدایت حاصل کی طرف رُخ ہوتا ہے اور ہمارے خطا ہر بین علماء اپنے محدود خیالات کی وجہ سے کلمات طیبہ سے مراد محض عقائد یا اذکار و اشغال رکھتے ہیں اور اعمال صالحہ سے مراد بھی اذکار و خیرات وغیرہ ہیں۔ تو گو یا وہ اس تلویل سے علت اور معلول کو ایک کر دیتے ہیں۔ اگرچہ کلمات طیبہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف ہی رُجوع کرتے ہیں لیکن عارفوں کیلئے یہ لفظی معنی ہیں جن پر قرآن کریم کے دقیق اشارات مشتمل ہیں

(۱۵) سوال۔ مسیح ابن مریم نے تو بہت سے معجزات سے اپنے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت دیا تھا آپ نے کیا ثبوت دیا۔ کیا کوئی مردہ زندہ کر دیا یا کوئی مادر زائد صاحب سے اچھا ہوا۔ اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ آپ شیل مسیح ہیں تو ہیں آپ کے وجود کی فائدہ ہوا؟ اتمام الجواب۔ پس واضح ہو کہ انجیل کو پڑھ کر دیکھ لو کہ یہی اعتراف ہمیشہ مسیح پر رہا کہ اس نے کوئی معجزہ تو دکھایا ہی نہیں یہ کیسا مسیح ہے کیونکہ ایسا مردہ کوئی زندہ نہ ہوا کہ وہ بولتا اور اس جہان کا سب حال سُنا تا اور اپنے وارثوں کو نصیحت کرتا کہ میں تو دوزخ میں سے لیا ہوں تم جلد ایمان لے آؤ۔ اگر مسیح صاف طور پر یہودیوں کے باپ دادے زندہ کر کے دکھا دیتا اور ان سے گواہی دلاتا تو بھلا کس کو انکار کی مجال تھی

غرض پیغمبروں نے نشان تو دکھائے مگر پھر بھی بے ایمانوں سے مخفی رہے۔ ایسا ہی یہ عاجز بھی خالی نہیں آیا بلکہ مردوں کے زندہ ہونے کے لئے بہت سا آسمانی خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو بھی ویسا ہی بے شک جو شخص اس میں سے پٹے گا زندہ ہو جائے گا۔ بلاشبہ میں اقرار کرتا ہوں مگر میرے کلام سے مردے زندہ نہ ہوں اور

اندھے آنکھیں نہ کھولیں اور مجبوز صاف نہ ہوں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں میری طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے نبی ناصری کے نمونہ پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بندگان خدا کو بہت صاف کر رہا ہے اس سے زیادہ کہ ابھی جسمانی بیماریوں کو صاف کیا گیا ہو۔

یقیناً سمجھو کہ روحانی حیات کا تخم ایک رات کی بیج کی طرح بویا گیا ہے مگر قریب ہے ہاں بہت قریب ہے کہ ایک بڑا اور سخت ہو کر نظر آئے گا جسمانی خیالات کا انسان جسمانی باتوں کو پسند کرتا ہے اور اُن کو بڑی چیز سمجھتا ہے مگر جس کو کچھ روحانیت سے حصہ دیا گیا ہے وہ روحانی زندگی کا طالب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے راستباز بندے دنیا میں اس لئے نہیں آتے کہ لوگوں کو تماشے دکھلائیں بلکہ اصل مطلب اُن کا جذب الی اللہ ہوتا ہے اور آخر کار وہ اسی قوت قدسیہ کی وجہ سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ وہ نور جو اُن کے اندر قوت جذب رکھتا ہے اگرچہ کوئی شخص امتحان کے طور سے اس کو دیکھ نہیں سکتا بلکہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ مگر وہ نور آپس ہی ایک ایسی جماعت کو دینی طرف کھینچ کر جو کچھ جانے کے لائق ہے اپنا خارق عادت اثر ظاہر کر دیتا ہے۔

۱) خدا نے تعالیٰ کے خاص دوستوں کی یہ علامتیں ہیں کہ ایک خالص محبت انکو عطا کی جاتی ہے جس کا اندازہ کرنا اس جملہ کے لوگوں کا کام نہیں۔

۲) اُن کے دلوں پر ایک خوف بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دقائق اطاعت کی رعایت رکھتے ہیں تا ایسا نہ ہو کہ یارِ قدیم آزدہ ہو جائے۔

۳) ان کو خارق عادت استقامت دی جاتی ہے کہ اپنے وقت پر دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی ہے

(۴) جب اُن کو کوئی بہت ستاتا ہے اور باز نہیں آتا تو اُن کے لئے غضبناک ذاتِ قوی کا جو اُن کا متوقی ہے یہ کد فتنہ بھڑکتا ہے۔

(۵) جب اُن سے کوئی بہت دوستی کرتا ہے اور سچی وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اُن کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس پر ایک خاص رحمت نازل کرتا ہے۔

(۶) اُن کی دعائیں یہ نسبت اور ول کے بہت زیادہ قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ شمار نہیں کر سکتے کہ کس قدر قبول ہوئیں۔

(۷) اُن پر اکثر اسرارِ غیب ظاہر کئے جاتے ہیں اور وہ باتیں جو ابھی طور میں نہیں آئیں اُن پر کھولی جاتی ہیں اگرچہ اُن مومنوں کو بھی سچی خوابیں اور سچے مکاشفات معلوم ہو جاتے ہیں مگر یہ لوگ تمام دنیا سے نمبر اول پر ہوتے ہیں۔

(۸) خدا تعالیٰ خاص طور پر اُن کا متوقی ہو جاتا ہے اور جس طرح اپنے بچوں کی کوئی پرورش کرتا ہے اس کے بھی زیادہ نگاہِ رحمت اُن پر رکھتا ہے۔

(۹) جب ^{۲۴۵}اُن پر کوئی بڑی مصیبت کا وقت آتا ہے تو اُس وقت دو طور میں کو ایک طور کا اُن سے معاملہ ہوتا ہے یا خارقِ عادت طور پر اس مصیبت کو ربائی دی جاتی ہے اور یا ایک ایسا صبرِ جمیل عطا کیا جاتا ہے جس میں لذت اور فخر اور ذوق ہو۔

(۱۰) اُن کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی کی جاتی ہے جو تکبر اور نخوت اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بخل اور تنگدلی سب دور کی جاتی ہے اور انشراحِ صدر اور بشارتِ عطا کی جاتی ہے۔

(۱۱) اُن کی توکلِ نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور اس کے ثمرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

(۱۲) اُن کو اعمالِ صالحہ کے سچا جاننے کی قوت دی جاتی ہے جو دوسرے اُن میں کمزور ہوتے ہیں۔

(۱۳) اُن میں ہمدردی خلقِ اللہ کا مادہ بہت بڑھایا جاتا ہے اور بغیر توقع کسی اجر اور

بغیر خیال کسی ثواب کے انتہائی درجہ کا جوش اُن میں خلق اللہ کی بھلائی کیلئے ہوتا ہے اور خود بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اُن قدر جوش کس غرض سے ہو کہ نہ یہ امر فطرتی ہوتا ہے۔ (۱۴) خدا تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل و فاداری کا تعلق ہوتا ہے اور ایک عجیب سی جانفشانی کی اُن کے اندر ہوتی ہے اور اُن کی روح کو خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ و فاداری کا ایک راز ہوتا ہے جس کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ اس لئے حضرت احدیت میں اُن کا ایک مرتبہ ہوتا ہے جس کو خلقت نہیں پہچانتی وہ جیسے جو خاص طور پر اُن میں زیادہ ہے اور جو ستر چہرہ تمام برکات کا ہے اور جس کی وجہ سے ڈوبتے ہوئے پھر نکل آتے ہیں اور موت تک پہنچ کر پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور ذلتیں اٹھا کر پھر تاج عزت دکھا دیتے ہیں اور چہرہ اور اکیسے ہو کر پھر ناگہاں ایک جماعت کے ساتھ نظر آتے ہیں وہ یہی راز و فاداری ہے جس کے رشتہ محکم کو نہ تواریس قطع کر سکتی ہیں اور نہ دنیا کا کوئی بلوہ اور خوف اور مفسدہ اس کو ڈھیل کر سکتا ہے۔ السلام علیہم من اللہ و ملائکتہ و من الصالحات و جمیعین۔ (۱۵) پندہویں علامت ان کی علم قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کے معارف اور حقائق و لطائف جس قدر ان لوگوں کو دئے جاتے ہیں دوسرے لوگوں کو ہرگز نہیں دئے جاتے۔ یہ لوگ وہی مطہرون ہیں جن کے حق میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ

(۱۶) ان کی تفسیر و تخریر میں اللہ جل شانہ ایک تاثیر رکھ دیتا ہے جو علماء ظاہری کی تحریر و تقریروں سے زالی ہوتی ہے اور اس میں ایک ہیبت اور عظمت پائی جاتی ہے اور بشرطیکہ حجاب نہ ہو دلوں کو پکڑ لیتی ہے۔

(۱۷) اُن میں ایک ہیبت بھی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کی ہیبت سے رنگین ہوتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ایک خاص طور پر اُن کے ساتھ ہوتا ہے اور اُن کے چہروں پر

عشق الہی کا ایک نور ہوتا ہے جو شخص اس کو دیکھ لے اُس پر نارِ جہنم حرام کی جاتی ہے۔ اُن سے ذنب اور خطا بھی صادر ہو سکتا ہے مگر اُن کے دلوں میں ایک آگ ہوتی ہے جو ذنب اور خطا کو بھسم کر دیتی ہے اور ان کی خطا ٹھہرنے والی چیز نہیں بلکہ اس چیز کی مانند ہے جو ایک تیز چلنے والے پانی میں بہتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ سو اُن کا نکتہ چین ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔

(۱۸) خدا تعالیٰ اُن کو ضائع نہیں کرتا اور ذلت اور خواری کی مار اُن پر نہیں مارتا کیونکہ وہ اس کے عزیز اور اس کے ہاتھ کے پودے ہیں۔ ان کو اس لئے بلندی سے نہیں گرتا کہ تباہ کرے بلکہ اس لئے گرتا ہے کہ تا اُن کا خارق عادت طور پر پہنچ جانا دکھاوے۔ ان کو اس لئے آگ میں دھکا نہیں دیتا تا اُن کو جلا کر خاکستر کر دے بلکہ اس لئے دھکا دیتا ہے تا لوگ دیکھ لیں کہ پہلے تو آگ تھی مگر اب کیسا خوشنما گلزار ہے۔

(۱۹) ان کو موت نہیں دیتا جب تک وہ کام پورا نہ ہو جائے جس کے لئے وہ بھیجے گئے ہیں اور جب تک پاک دلوں میں اُن کی قبولیت نہ پھیل جائے تب تک البتہ سفر آخرت ان کو پیش نہیں آتا۔

(۲۰) اُن کے آثارِ خیر باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کئی پشتوں تک اُن کی اولاد اور ان کے جانی دوستوں کی اولاد پر خاص طور پر نظرِ رحمت رکھتا ہے اور ان کا نام دنیا سے نہیں مٹاتا۔

یہ آثارِ اولیاء الرحمن ہیں اور ہر ایک قسم ان میں سے اپنے وقت پر جب ظاہر ہوتی ہے تو بھاری کرامت کی طرح جلوہ دکھاتی ہے۔ مگر اس کا ظاہر کرنا خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔

اب یہ عاجز بحکم و اما بمنعم ربک فحدّث اس بات کے اظہار میں کچھ مضائقہ نہیں

دیکھتا کہ خداوند کریم و رحیم نے محض فضل و کرم سے ان تمام امور سے اس عاجز کو حصہ وافر دیا ہے اور اس ناکارہ کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا اور نہ بغیر نشانوں کے مامور کیا بلکہ یہ تمام نشان دئے ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں اور ہوں گے اور خدا تعالیٰ نے جب تک کھلے طور پر حجت قائم نہ کر لے تب تک ان نشانوں کو ظاہر کرتا جائے گا۔ اور یہ جو کہا کہ تمہارے وجود سے کہیں کیا فائدہ؟ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے اس کے وجود سے علیٰ حسب مراتب سب کو بلکہ تمام دنیا کو فائدہ ہوتا ہے اور حقیقت وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے جس کی کم و بیش دُور دور تک روشنی پہنچتی ہے۔ اور جیسی آفتاب کی مختلف تاثیریں حیوانات و نباتات و جمادات اور ہر ایک قسم کے جسم پر پڑ رہی ہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو ان تاثیروں پر باستیفا علم رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو مامور ہو کر آتا ہے تمام طبائع اور اطراف و اکناف عالم پر اس کی تاثیریں پڑتی ہیں اور جہی سے کہ اس کا پُر رحمت تعین آسمان پر ظاہر ہوتا ہے آفتاب کی کرنوں کی طرح فرشتے آسمان سے نازل ہونے شروع ہوتے ہیں اور دنیا کے دُور دُور کناروں تک جو لوگ راستبازی کی استعداد رکھتے ہیں ان کو سچائی کی طرف قدم اٹھانے کی قوت دیتے ہیں اور پھر خود بخود نیک نہاد لوگوں کی طبیعتیں سچ کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔ سو یہ سب اس ربانی آدمی کی صداقت کے نشان ہوتے ہیں۔ جس کے عہد ظہور میں آسمانی قوتیں تیسرے کی جاتی ہیں۔ سچی وحی کا خدا تعالیٰ نے یہی نشان دیا ہے کہ جب وہ نازل ہوتی ہے تو ملائکہ بھی اس کے ساتھ ضرور اترتے ہیں اور دنیا دن بدن راستی کی طرف پٹا کھاتی جاتی ہے۔ سو یہ عام علامت اس مامور کی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور خاص علامتیں وہ ہیں جو ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(۱۶) سوال۔ انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح جلال کے ساتھ دنیا میں آئے گا اور دنیا کو قبول کرے گی۔ لیکن اس جگہ جلالی ظہور کی کوئی علامت نہیں اور نہ دنیا نے قبول کیا ہے؟

اقوال الجواب۔ یہ ذکر جو انجیل متی باب پچیس آیت ۲۱ سے ۶۶ تک ہے۔ جب
 ابن آدم اپنے جلال سے آوے گا اور سب پاک فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے یہ حقیقت
 اس دنیا سے متعلق نہیں بلکہ اس قسم کا آنا اس دنیا کے قطع سلسلہ کے بعد ہے جو ہر جسار
 کے بعد وقوع میں آئے گا جب ہر ایک مقدس نبی اپنے جلال میں ظہور کرے گا اور اپنی
 امت کے راستبازوں کو خوشخبری دے گا اور نافرمانوں کو عزم کرے گا لیکن انہی آیتوں
 میں ^{۲۱}سج نے متلادیا کہ میرا آنا غریبی کی حالت میں بھی ہوگا جیسا کہ انجیل کی پونسیوں آیت
 میں لکھا ہے۔ اے میرے باپ کے مبارک لوگو! اس بادشاہت کو جو دنیا کی بنسیاؤں نے
 سے تمہارے لئے طیار کی گئی میراث میں لو کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا
 میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا میں پر دیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارنا
 تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس
 آئے۔ راستباز اُسے جواب میں کہیں گے۔ اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا دیکھا اور
 کھانا کھلایا یا پیاسا اور پانی پلایا۔ کب ہم نے تجھے پر دیسی دیکھا اور اپنے گھر میں اتارا
 یا ننگا تھا اور کپڑا پہنایا۔ ہم کب تجھے بیمار اور قید میں دیکھ کر تجھے پاس آئے تب بادشاہ ان
 سے جواب میں کہیگا میں تم سے کچھ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے
 بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا۔ تب وہ بائیں طرف والوں سے بھی
 کہیگا۔ اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ جو شیطان اور اس کے
 فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ میں بھوکا تھا پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا۔
 پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پر دیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اتارنا
 تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی تب وہ بھی
 جواب میں اُسے کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا یا پیاسا یا پر دیسی یا ننگا یا
 بیمار یا قیدی دیکھا اور تیری خدمت نہ کی۔ تب وہ انہیں جواب میں کہیگا میں تم سے

۴۵

۴۵

سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ نہ کیا تو میرے ساتھ بھی نہ کیا۔ اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں جاؤ گے پر راستباز ہمیشہ کی زندگی میں۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ ان تمام آیات سے ظاہر ہو کہ مسیح نے اپنے بعض تیلوں کا ذکر کر کے ان کا دنیا میں آنا اور تکلیف اٹھانا گویا اپنا آنا اور تکلیف اٹھانا قرار دیا ہو اور چھوٹے بھائیوں کو مراد بجز ان کے اور کون لوگ ہو سکتے ہیں جو کسی قدر مسیح کے منصب اور مسیح کی طبیعت اور مسیح کے درجہ سے حسد لیں اور اس کے نام پر مامور ہو کر آپریں عیسائی تو ہمیں کہہ سکتے کہ ہم مسیح کے بھائی ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ محدث نبی کا چھوٹا بھائی ہوتا ہو اور تمام انبیاء و علما کی بھائی کہلاتے ہیں۔ اور یہ نہایت لطیف اشارہ ہے جو مسیح نے ان کا آنا اپنا آنا قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آنا اس عاجز کا نسبتی طور پر جلالی آنا بھی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے توحید کی اشاعت کے لئے بڑی بڑی کامیابیوں کی تمہید ہے۔ اور جلالی آنے سے مراد اگر طریق سیاست رکھا جاوے تو یہ درست نہیں۔ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ کوئی شخص غافلوں کے جگانے کے لئے مامور ہو کر آوے اور آتے ہی زد و کوب اور قتل اور سنگسار سے کام لےوے جب تک پورے طور سے تمام حجت نہ ہو خدا تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ غرض مسیح کا جلالی طور پر آنا بجز معنوں سے عیسائی بیان کرتے ہیں وہ اس دنیا سے متعلق نہیں۔ اس دنیا میں جو مسیح کے آنے کا وعدہ ہے اس وعدے کو ایسے جلالی طور سے کچھ علاقہ نہیں۔ عیسائیوں نے بات کو کہیں کا کہیں ملا دیا ہے اور حق الامر کو اپنے پر مشتبہ کر دیا ہے۔ چنانچہ متی کی آیات مذکورہ بالا تو صاف بیان کر رہی ہیں کہ یہ جلالی طور کا آنا اُس وقت ہو گا کہ جب حشر ابرہہ کے بعد ہریک کا حساب ہو گا کیونکہ بجز حشر ابرہہ کا مل طور پر شہیروں اور راستبازوں کی جماعتیں جو فوت

ہو چکی ہیں کیونکہ ایک جگہ اکٹھی ہو سکتی ہیں لیکن برخلاف اس مضمون کے متی کے پچیس باب آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے متی کے پچیسویں باب سے اسی دنیا میں مسیح کا آنا بھی سمجھا جاتا ہے اور دونوں قسم کے بیانات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ آخرت میں جو حشر اجساد کے بعد آئے گا وہ خود مسیح ہے لیکن دنیا میں مسیح کے نام پر آنیوالا ٹیل مسیح ہے جو اس کا چھوٹا بھائی اور اُسی کے قول کے مطابق اس کے وجود میں داخل ہے۔ دنیا میں آنے کی نسبت مسیح نے صاف کہہ دیا کہ پھر مجھے نہیں دیکھو گے پس وہ کیونکر دنیا میں آ سکتا ہے حالانکہ وہ خود کہہ گیا کہ پھر مجھے نہیں دیکھو گے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کے قبول کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اُسی وقت قبول کر لے۔ دنیا ہمیشہ آہستہ آہستہ مانتی ہے۔ اُن لوگوں کا ہونا بھی تو ضروری ہے کہ جو ایمان نہیں لائیں گے مگر مسیح کے دم کی ہوا سے مریں گے۔ دم کی ہوا سے مرنا حجت قاطعہ سے مرنا ہے۔ انجیلوں میں بھی تو لکھا ہے کہ مسیح کے نزول کے وقت بعض پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑے جائیں گے یعنی بعض پر عذاب نازل کرنے کے لئے حجت قائم ہو جائے گی۔ گویا وہ پکڑے گئے اور بعض نجات پانے کیلئے استحقاق حاصل کر لیں گے گویا نجات پائے گئے۔

(۷) سوال۔ اس وقت ٹیل مسیح کے آنے کی کیا ضرورت تھی ؟

امّا الجواب۔ اس وقت ٹیل مسیح کی سخت ضرورت تھی اور یہ نہ ان ٹانگ کی وزندہ کرنے کے لئے اُترا کرتے ہیں سخت حاجت تھی کیونکہ روحانی موت اور غفلت ایک عالم پر طاری ہو گئی ہے اور اشدّ جلّ شانہ کی محبت ٹھنڈی ہو گئی اور سخت دلی اور دنیا پرستی پھیل گئی اور وہ تمام وجوہ پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے توبہ کی تائید میں مسیح (علیہ السلام) دنیا میں آیا تھا۔ اور دجال نے بھی بڑے زور کے ساتھ خروج کیا اور حضرت آدم کی پیدائش کے حساب سے الف ششم کا آخری حصہ آگیا جو بموجب آیت اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ

کالف سنۃ متعذرون چھٹے دن کے قائم مقام ہے۔ سو ضرور تھا کہ اس چھٹے دن میں آدم پیدا ہوتا جو اپنی روحانی پیدائش کے روئے شیل مسیح ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو شیل مسیح اور نیز آدم الف ششم کر کے بھیجا جیسا کہ اُس نے فرمایا جو براہین میں چھپ چکا ہے اور وہ یہ ہے اودت ان استخلف فخلق آدم یعنی میں نے ارادہ کیا جو اپنا خلیفہ پیدا کروں سو میں نے آدم کو پیدا کیا۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے خلق آدم فاكرمہ یعنی آدم کو پیدا کیا پھر اس کو عزت بخشی اور جیسا کہ آدم کو تحقیر کی نظر سے دیکھا گیا اور مفسد قرار دیا گیا۔ یہی صورت اس جگہ بھی پیش آئی۔ اور چونکہ آدم اور مسیح میں باہم مماثلت ہے اس لئے اس عاجز کا نام آدم بھی رکھا گیا اور مسیح بھی۔

(۱۸) سوال۔ ابن صیاد کو اگر مسیح وصال قرار دیا گیا ہے تو اس سے مسلم کی دمشق والی حدیث کو کیا نقصان پہنچتا ہے کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد گم ہو گیا اور قیامت کے قریب پھر ظاہر ہو گا۔

مقابلہ جواب۔ ابن صیاد کا گم ہونا روایت صحیح سے ہرگز ثابت نہیں۔ لیکن اس کا بیان لانا اور مرنا ثابت ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور مدینہ میں فوت ہونا اس کا بیابان ثبوت پہنچ چکا ہے۔ علاوہ اس کے فرض محال کے طور پر اگر وہ مفقود الخبر بھی ہو تو کیا اس سے اُس کا اب تک زندہ رہنا ثابت ہو جائے گا؟ کیا اب آپ کو وہ صحیح حدیثیں بھی بھول گئیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کی سوریس تک کوئی انسان زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔

یہ بات یاد رہے کہ شیعہ لوگ امام محمد ہدی کی نسبت بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ زندہ ہونے کی حالت میں ہی ایک غار میں چھپ گئے اور مفقود ہیں اور قریب قیامت ظاہر ہوں گے اور سنت جماعت کے لوگ اُن کے اس خیال کو باطل تصور کرتے ہیں اور یہ

حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سو برس کے بعد کوئی شخص زمین پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ سو سنت جماعت کا یہ مذہب ہے کہ امام محمد مدنی فوت ہو گئے ہیں اور آخری زمانہ میں انہیں کے نام پر ایک اور امام پیدا ہوگا۔ لیکن محققین کے نزدیک محمدی کا آنا کوئی یقینی امر نہیں ہے۔

اس جگہ مجھے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اس مسئلہ میں شیعہ اور سنت جماعت میں جو اختلاف ہے اس میں کسی تاریخی غلطی کو دخل نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ کی روایات کی بعض روایات کرام کے کشف لطیف پر مبنیاد معلوم ہوتی ہے چونکہ ائمہ اثنا عشر نہایت درجہ کے مقدس اور راستباز اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر کشف صحیح کے دروازے کھولے جاتے ہیں اس لئے ممکن اور بالکل قرین قیاس ہے جو بعض اکابر ائمہ نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر اس مسئلہ کو اسی طرز اور اسی اصل سے بیان کیا ہو جیسا کہ ملاکی کی کتاب میں ملاکی نبی نے ایلیاہ نبی کے دوبارہ آنے کا حال بیان کیا تھا اور جیسا کہ مسیح کے دوبارہ آنے کا شور مچا ہوا ہے اور درحقیقت مراد صاحب کشف یہ ہوگی کہ کسی زمانہ میں اس امام کے ہم رنگ ایک اور امام آئے گا جو اس کا ہم نام اور ہم قوت اور ہم خاصیت ہوگا گویا وہی آئے گا۔ پھر یہ لطیف نکتہ جب جسمانی خیالات کے لوگوں میں پھیلا تو ان لوگوں نے موافق اپنی موٹی سمجھ کے مسیح ہی اعتقاد کر لیا ہوگا کہ وہ امام صد ہا برس سے کسی فارم میں چھپا ہوا ہے اور آخری زمانہ میں باہر نکل آئے گا مگر ظاہر ہے کہ ایسا خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ عام محاورہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا ہم رنگ اور ہم خاصیت ہو کہ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ گویا وہی آگیا۔ متصوفین بھی ان باتوں کے عام طور پر متائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اولیاء گذشتہ کی رو میں ان کے بعد میں آئے والے ولیوں میں سماقی رہی ہیں اور اس قول سے ان کا مطلب یہ ہے کہ بعض ولی بعض اولیاء کی قوت اور طبع لیکر آتے ہیں گویا وہی ہوتے ہیں۔

(۱۹) سوال۔ اگر مسیح بن مریم درحقیقت فوت ہو گیا ہے تو پھر کیا یہ بات ہوتی رہے گی کہ مسیح زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا آج غلط ثابت ہو گئی؟
 اَمَّا الْجواب پس دافع ہو کہ یہ باطل افتراء ہے کہ تیرہ سو برس سے بالاجماع ہی مانا گیا ہے کہ مسیح جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر سلف اور خلف کا کسی ایک بات پر اجماع ہوتا تو تفسیروں کے لکھنے والے متفرق قولوں کو نہ دیکھتے لیکن کونسی ایسی تفسیر ہے جو اس بارہ میں اقوال متفرقہ سے خالی ہے کبھی کہتے ہیں کہ مسیح نہیں کی حالت میں اٹھایا گیا اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ مر گیا اور اس کی روح اٹھائی گئی اور کبھی قرآن شریف کی غلطی نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت انی متوفیک وراضک الی میں دراصل متوفیک بعد میں ہونا چاہیئے اور راضک الی اس سے پہلے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اُن کا اجماع ایک خاص شق پر ہوتا تو اپنی تفسیروں میں مختلف اقوال کیوں جمع کرتے۔ اور جب ایک خاص بات پر یقین ہی نہیں تو پھر اجماع کہاں۔ اور یہ اعتراض کہ تیرہ سو برس کے بعد یہ بات تمہیں کو معلوم ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ قول نیا تو نہیں پہلے راوی اس کے تو اب عباس ہی تھے لیکن اب خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر اس قول کی حقیقت ظاہر کر دی اور دوسرے اقوال کا بطلان ثابت کر دیا۔ تا قولی طور پر اپنے ایک عاجز بندہ کی اس طرح پر ایک کرامت دکھاوے اور تا عقلند لوگ سمجھ جاویں کہ یہ رہبری خاص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اگر یہ معمولی فہم اور عقل کا کام ہوتا تو دوسرے لوگ بھی اس صداقت کو مع اس کے اُن سب دلائل کے جو ان رسائل میں درج ہو چکے ہیں بیان کر سکتے۔

انتہا یہ تمام سوالات ختم ہوئے اور ان سوالات سے بجز اس کے کہ صداقت اور بھی ظاہر ہوا اور چمکے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا۔ اس رسالہ کے ناظرین جو اول سے آخر تک اس رسالہ کو پڑھیں گے بخوبی یقین کر لیں گے کہ ہمارے مخالفین کے ہاتھ میں

بجز اوہام کے اور کچھ بھی نہیں اور ہر طرف سے شکست کھا کر بار بار یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ ابن مریم کا اثر ناکتابلوں میں لکھا ہوا ہے اور ہماری اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ کیا خدا تعالیٰ باعتبار بعض صفات خاصہ کے کسی دوسرے کا نام ابن مریم نہیں رکھ سکتا۔ تعجب کہ آپ تو ہمیشہ اپنی اولاد کے پیغمبروں کے نام رکھتے ہیں بلکہ ایک ایک نام میں دو دو پیغمبروں کے نام ہوتے ہیں جیسے محمد یعقوب۔ محمد ابراہیم۔ محمد مسیح۔ محمد عیسیٰ محمد اسماعیل۔ احمد مارون۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کسی اپنے بندہ کو ان ناموں میں سے کسی نام کے ساتھ پکارے یا ان نبیوں کے ناموں اور کنیتوں میں سے کوئی نام یا کنیت کسی اپنے مامور کو عطا کرے تو یہ کفر سمجھتے ہیں گو یا جو کام انہیں کرنا جائز ہے وہ خدا تعالیٰ کو کرنا جائز نہیں دیکھتے احمد کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے ہیں کہ اس امت میں ٹیل نبیاء بنی اسرائیل آئیں گے تو گنجا ضرور سی نہ تھا کہ وہ ٹیل دنیا میں آتے۔ پھر اگر خدا تعالیٰ نے ٹیل مسیح ہونے کی وجہ سے کسی کا نام ابن مریم رکھ دیا تو کیا بُرا کیا۔ اور قرینہ ظاہر ہے کہ فوت شدہ تو دوبارہ دنیا میں نہیں آ سکتا۔۔۔۔۔ اور نہ خدا تعالیٰ انبیاء پر دو موتیں وارد کرتا ہے اور اس کا حکم یہی ہے کہ جو شخص اس دنیا سے گیا وہ گیا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے فیمسک الٹی قضی علیہا الموت یعنی جس پر موت وارد کی گئی وہ پھر کبھی دنیا میں آ نہیں سکتا۔ اور پھر فرمایا لایذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولی۔ یعنی ہشتیوں پر دوسری موت نہیں آئے گی۔ ایک موت جو اچھی سو اچھی۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ مسیح جو مر گیا کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ اس کو پھر زندہ کر کے بھیجے گو یا اُن کے نزدیک مسیح ہشتی نہیں جو اس کے لئے دو موتیں تجویز کرتے ہیں۔ حضرات اپنی بات کی ضد کے لئے مسیح کو بار بار کیوں مارتا چاہتے ہو اس کا کوئی نسا گناہ ہے جو اس پر دو موتیں آویں اور پھر ان دو موتوں کا حدیث اور ترانہ کی رو سے ثبوت کیا ہے۔ کچھ پیش تو کرو۔ اور اگر اب بھی ہمارے مخالف الرائے مولوی صاحبان ماننے میں نہیں آتے تو ہم انہیں محض

ہونے کی وجہ سے مباہلہ کے لئے نہیں بٹاتے کیونکہ اگر اختلاف باہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا باہم مباہلہ جائز ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمانوں پر عذاب نازل ہونا شروع ہو جائے اور بجز کسی خاص فرد کے جو بکلی خطائے خالی ہو تمام مسلمان نیست و نابود کئے جائیں ہو خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں اس لئے صرف اختلافات کی بنا پر مباہلہ بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر ہمارے مخالف اپنے تئیں سچ پر سمجھتے ہیں اور اس بات پر سچ صحیح یقینی طور پر ایمان رکھتے ہیں کہ درحقیقت وہی سچ ابن مریم آسمان سے نازل ہو گا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی تو اس فیصلہ کے لئے ایک یہ بھی عمدہ طریق ہے کہ وہ ایک جماعت کثیر جمع ہو کر خوب تضرع اور عاجزی سے اپنے سچ موہوم کے اترنے کے لئے دعا کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جماعت صادقین کی دعا قبول ہو جاتی ہے یا خصوصاً ایسے صلوق کہ جن میں ملہم بھی ہوں۔ پس اگر وہ سچے ہیں تو ضرور سچ اتر آئے گا اور وہ دعا بھی ضرور کریں گے اور اگر وہ حق پر نہیں اور یاد رہے کہ وہ ہرگز حق پر نہیں ہیں تو دعا بھی ہرگز نہیں کیٹے گی کیونکہ وہ دلوں میں یقین رکھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوگی۔ ہاں ہماری اس درخواست کو کچھ بہانوں سے ٹال دیں گے تا ایسا نہ ہو کہ رسوائی اٹھانی پڑے۔ اور اگر کوئی کہے کہ اہل حق کی دعا اہل باطل کے مقابل پر قبول ہونی ضروری نہیں ورنہ لازم آتا کہ ہندوؤں کے مقابل پر مسلمانوں کی دعا قیامت کے بارہ میں قبول ہو کر ابھی قیامت آجائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گزرنے سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی۔ اور ضرور ہے کہ خدا اُسے روکے رہے جب تک وہ ساری علامتیں کامل طور پر ظاہر نہ ہو جائیں جو حدیثوں میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن سچ کے ظہور کا وقت تو یہی ہے جس کی نسبت اُس مولوی مرحوم نے بھی شہادت دی ہے جس کا مجتہد ہونا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تصدیق کر چکے ہیں اور وہ تمام علامتیں بھی پیدا ہو گئی ہیں جن کا سچ کے وقت پیدا ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ اسی رسالہ میں ہم نے ثابت کر دیا ہے پھر اگر اب بھی

سیح کے اترنے کے لئے دعا منظور نہ ہو تو صاف ثابت ہو گا کہ وہ دعا تحصیل حاصل میں داخل ہے اسی وجہ سے منظور نہیں ہوئی۔

ہمارے دوست مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ میں عقلی طور پر اس امر (وفاستحج) کو ثابت کر دکھاؤں گا مگر کچھ معلوم نہیں ہوا کہ مولوی صاحب کی عقلی طور سے کیا مراد ہے۔ کیا سیلون میں آسمان کی طرف چڑھ کر ناظرین کو کوئی تماشہ دکھانا چاہتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کو لازم ہے کہ عقلی طور کا نام نہ لیں تانے بٹانے فلسفہ والے ان کے گرد نہ ہو جائیں بلکہ یہ کہا کریں کہ جو شخص عقل کا نام لے وہ کافر ہے۔ اگر کوئی دن ایسے ہی اعتقاد کے ساتھ گزارہ کرنا ہے تو بجز تکفیر کے کوئی کارآمد حسرت نہیں لیکن ہمارا تو اس بات پر ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے وجود میں عقل کو بھی بیکار پیدا نہیں کیا اور اگر مسلمانوں کے دو فریق میں سے جو کسی جزئی مسئلہ پر جھگڑتے ہیں اور باہم اختلاف رکھتے ہیں ایک فریق ایسا ہے کہ علاوہ دلائل شرعی اور نصوص شرعہ اور حدیث کے عقل کو بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے تو بلاشبہ وہی فوقی سمجھا ہے کیونکہ اس کی تائید دعویٰ کے لئے گواہ بہت ہیں۔ سواب دیکھنا چاہیئے کہ سیح کی وفات کے بارے میں کیسے قرآن کریم اور حدیث اور عقل اور تجربہ ہمارا مؤید ہو رہا ہو لیکن ہمارے مخالفین کو ان تمام شواہد میں سے کوئی مدد نہیں دیتا۔ قرآن کریم کے سامنے جلتے ہیں تو قرآن کریم کتنا ہے کہ جل دور ہو میرے خزانہ حکمت میں تیرے خیال کیلئے کوئی مؤید بات نہیں۔ پھر وہاں سے محروم ہو کر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو حدیثیں کتنی ہیں کہ اسے سرکش قوم بھجائی سے ہمیں دیکھ اور مومن بعض اور کافر بعض نہ ہو۔ تاہم معلوم ہو کہ میں قرآن کریم کے مخالف نہیں۔ پھر حدیثوں سے مؤید ہو کر سلف و خلف کے اقوال متفقہ کی طرف آتے ہیں تو ان کو کسی ایک خاص شق پر تم نہیں دیکھتے بلکہ تفسیروں کو رطب و یابس کا ذخیرہ پاتے ہیں اور جب دیکھنا چاہتے ہیں کہ مبسوط تفسیروں میں

انہی متوفیات کے کیا معنی مکتلے میں تو پہلے بسم اللہ کر کے ابن عباس سے یہی حدیث نکلتی ہے کہ حضرت سیدنا جعفر طوسی فوت ہو چکے ہیں۔ پھر قرآن اور حدیث سے قطع امید کر کے عقل کی طرف دوڑتے ہیں تو عقل ایک روشنی دلیل کا طمانچہ مار کر دوسری طرف مُنہ پھیر دیتی ہے اور پھر کاشنسن اور نور قلب کی طرف آتے ہیں تو وہ اسنے نزدیک آنے سے دوڑ جکتے دیتا ہے۔ پس اس سے زیادہ محرومی کیا ہوگی کہ کوئی ان لوگوں کو قبول نہیں کرتا اور کسی جگہ اپنے مورپے باندھ نہیں سکتے۔

بعض چالاکاکی سے قرآن شریف کے کھلے کھلے ثبوت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توفیق کا لفظ لغت کی کتابوں میں کئی معنوں پر آیا ہے حالانکہ اپنے دلوں میں خوب جانتے ہیں کہ جن لفظوں کو قرآن شریف اصطلاحی طور پر بعض معانی کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اپنے متواتر بیانی سے بخوبی سمجھا دیتا ہے کہ فلاں معنی کے لئے اس نے فلاں لفظ خاص کر رکھا ہے اس معنی سے اس لفظ کو صرف اس خیال سے پھیرنا کہ کسی اخت کی کتاب میں اس کے اور معنی بھی آئے ہیں مریح الحاد ہے۔ مثلاً کتب لغت میں اندھیری رات کا نام بھی کافر ہے مگر تمام قرآن شریف میں کافر کا لفظ صرف کافر دین یا کافر نعمت پر بولا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کفر کا لفظ الفاظ مرویہ فرقان سے پھیر کر اندھیری رات اس سے مراد لے اور یہ ثبوت دے کہ لغت کی کتابوں میں یہ معنی بھی لکھے ہیں تو سچ کہو کہ اس کا یہ ملحدانہ طریق ہے یا نہیں؟ اسی طرح کتب لغت میں صوم کا لفظ صرف روزہ میں محدود نہیں بلکہ عیسائیوں کے گرجا کا نام بھی صوم ہے اور شتر مرغ کے سرگین کو بھی صوم کہتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف کی اصطلاح میں صوم صرف روزہ کا نام ہے۔ اور اسی طرح صلوٰۃ کے لفظ کے معنی بھی لغت میں کئی ہیں مگر قرآن شریف کی اصطلاح میں صرف نماز اور درود اور دعا کا نام ہے۔ یہ بات سمجھنے والے جانتے ہیں کہ ہر یک فن ایک اصطلاح کا محتمل ہوتا ہے اور اہل اس فن کے حاجات کے موافق بعض الفاظ کو متعدد معنوں پر

مجزوہ کر کے کسی ایک معنی سے مخصوص کر لیتے ہیں۔ مثلاً طبابت کے فن کو دیکھئے کہ بعض الفاظ جو کوئی معنی رکھتے ہیں مرنے میں ایک معنی میں اصطلاحی طور پر محصور و محدود رکھے گئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی علم بغیر اصطلاحی الفاظ کے چل ہی نہیں سکتا۔ پس جو شخص الحاد کا ارادہ نہیں رکھتا اس کے لئے سیدھی راہ یہی ہے کہ قرآن شریف کے معنی اس کے مروہ اور مصطلح الفاظ کے لحاظ سے کرے ورنہ تفسیر بالرائے ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر توفیق کے معنی الفاظ مروہ قرآن میں عام طور پر قبض روح ہی ہے تو پھر مفسرین نے اس کے برخلاف اقوال کیوں رکھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت کے معنی بھی تو وہ برابر رکھتے چلے آئے ہیں۔ اگر ایک قوم کا ان معنوں پر اجماع نہ ہوتا تو کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک جو تیسرہ سو برس گزر گئے یہ معنی تفسیر طہ میں درج ہوتے چلے آئے۔ سو ان معنوں کا مسلسل طور پر درج ہوتے چلے آنا میرا اس بات پر دلیل ہے کہ صحابہ کے وقت سے آج تک ان معنوں پر اجماع چلا آیا ہے۔ یہی یہ بات کہ پھر دوسرے معنی انہیں تفسیروں میں کیوں رکھے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بعض لوگوں کی غلط رائے ہے اور اس رائے کی غلطی ثابت کرنے کے لئے یہ کافی ہو کہ وہ رائے سراسر قرآن شریف کے منشاء کے برخلاف ہے اور نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو خیال کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ تین گھنٹہ یا سات گھنٹہ یا تین دن تک مردہ رہے اور پھر آسمان کی طرف زندہ کر کے اٹھائے گئے۔ اور اس رائے پر ادنیٰ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے ابتداء میں یہ رائے قائم کی ہے ان کا یہ خشار ہو گا کہ جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے اور مولوی عبدالحق صاحب دہلوی نے بھی اس بارے میں اپنی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے اور متصفوفین بھی اس کے قائل ہیں کہ جب کوئی مقدس اور استباز بندہ فوت ہو جائے تو پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اور قدرت حق سے ایک قسم کا اس کو جسم نورانی عطا ہوتا ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ آسمان پر

حسب اپنے مرتبہ کے رہائش اختیار کرتا ہے سو کیوں مسح کے اٹھائے جانے کا ایک نالا مسئلہ بناویں ہم قبول کرتے ہیں کہ وہ ایک نورانی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا گیا جیسا کہ اور نبی اٹھائے گئے۔ اس کو نورانی جسم دیا گیا تبھی تو وہ کھانے اور پینے اور باخانہ اور پیشاب کرنے کا محتاج نہ ہوا۔ اگر یہ کثیف اور خاکی جسم ہوتا تو آسمان پر اس کے لئے ایک باور چخانہ اور ایک پاخانہ بھی چاہیئے تھا کیونکہ اس خاکی جسد کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ تمام ضروری امور ٹھہرائے ہیں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات بینات کو ظاہر ہے۔

۴۶۹

۴۷۰ اے حضرات مولوی صاحبان جبکہ عام طور پر قرآن شریف کے مسح کی وفات ثابت ہوتی ہے اور استدلال سے کج حکم بعض احوال صحابہ اور مفسرین بھی اس کو مارتے ہی پہلے آئے ہیں تو اب آپ لوگ ناحق کی ضد کیوں کرتے ہیں کہ میں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی تو دو رکعت تک اس کو حجتہ الایموت کہتے جاؤ گے کچھ انتہاء بھی ہے پھر اگر آپ محض ضد کی راہ سے یہ کہیں کہ مسح ابن مریم فوت تو ضرور ہو گیا تھا مگر اسی خاکی جسم میں اُس کی روح آگئی۔ تو کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے۔ ماسوا اس کے اس صوبہ میں دو موتیں اس کے لئے تجویز کرو گے۔ یہ کہاں لکھا ہے اور کس کی ہدایت ہو کہ خدا تعالیٰ موت الاولیٰ پر کفایت نہ کرے اور سارے جہان کے لئے ایک موت اکلید ناکردہ گناہ پر دو موتوں کی تکلیف نازل ہو۔ کیا کوئی حدیث ہے یا قرآن شریف کی آیت ہے جو ان دو موتوں کے بارے میں آپ کے پاس ہے۔ یوں تو آپ حضرت مسیح کی لاش کو بڑی عزت کے ساتھ دفن کرنا چاہتے ہیں جبکہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کئے جائیں گے لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ دوسری موت اُن کیلئے کس سخت گناہ کا پاواش ہوگی۔ اور واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں اُن کا آخری زمانہ میں دفن ہونا یہ اس بات کی فرع ہے کہ پہلے اُن کا اسی جسم خاکی کے ساتھ زندہ اٹھایا جانا ثابت ہو۔ ورنہ فرض کے طور پر اگر اس حدیث کو جو

۴۷۱

فصوص بیتہ کے مخالف صریح پڑی ہوئی ہے صحیح بھی ملان لیں اور اس کے معنی کو ظاہر
پرسہی حاصل کریں تو ممکن ہے کہ کوئی شیل سیح ایسا بھی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے روضہ کے پاس مدفون ہو۔ کیونکہ اس حدیث کی رو سے کہ جو علماء اقامتی کا نسب یا
بنی اسرائیل ہے شیلوں کی کمی نہیں اور ایسا ہی یہ آیت کریمہ بھی شیلوں کی طرف
اشارہ کر رہی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط المذین انعت
علیہم اور نیز قرآن قویہ کی وجہ سے بغرض صحت اس کو ایک استعارہ تسلیم
کر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک اشارہ محبت اور اتحاد کی طرف ہے۔ مثلاً جو
دشمن ہو اس کے لئے انسان کہتا ہے کہ اس کی قبر بھی میرے نزدیک نہ ہو۔ لیکن
دوست کے لئے قبر کا بھی ساتھ چاہتا ہے اور مکاشفات میں اکثر ایسے امور دیکھے جاتے
ہیں۔ ایک مدت کی بات ہے جو اس عاجز نے خواب میں دیکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے روضہ مبارکہ پر میں کھڑا ہوں اور کئی لوگ مر گئے ہیں یا مقتول ہیں ان کو لوگ دفن کرنا
چاہتے ہیں۔ اسی عرصہ میں روضہ کے اندر سے ایک آدمی نکلا اور اس کے ہاتھ میں سرکٹو
تھا اور وہ اس سرکٹو کو زمین پر مارتا تھا اور ہر ایک کو کہتا تھا کہ تیری اس جگہ
قبر ہوگی۔ تب وہ یہی کام کرتا کرتا میرے نزدیک آیا اور مجھ کو دکھلا کر اور میرے
سامنے کھڑا ہو کر روضہ شریفہ کے پاس کی زمین پر اس نے اپنا سرکٹو ملا اور کہا
کہ تیری اس جگہ قبر ہوگی۔ تب آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے اہتمام سے اس کی یہ
تلاویں کی کہ یہ معیت محادی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جو شخص فوت ہونے کے بعد
روحانی طور پر کسی مقدس کے قریب ہو جائے تو گویا اس کی قبر اس مقدس کی قبر
کے قریب ہو گئی۔ واللہ اعلم و علمہ احکم ۛ

۲۴۷

نور افشاں مطبوعہ ۲۳ اپریل کا اعتراض

پہرچہ نور افشاں میں مسیح کے صہود کی نسبت یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ مسیح کے صہود کی نسبت گیارہ شاگرد بچشم دید گاہ موجود ہیں جنہوں نے اُسے آسمان کو جہان تک مد نظر ہے جاتے دیکھا چنانچہ معترض صاحب نے اپنے دعوے کی تائید میں رسولوں کے اعمال باب اول کی یہ آیتیں پیش کی ہیں

(۳۱) اُن پر (یعنی اپنے گیارہ شاگردوں پر) اُس نے (یعنی مسیح نے) اپنے مرنے کے پیچھے آپ کو بہت سی قوی دلیلوں سے زندہ ثابت کیا کہ وہ چالیس دن تک انہیں نظر آتا رہا اور خدا کی بادشاہت کی باتیں کتار ملے۔ اور اُن کے ساتھ ایک جاہو کے حکم دیا کہ یروشلم سے باہر نہ جاؤ۔۔۔۔۔ اور وہ یہ کہہ کے اُن کے دیکھتے ہوئے اُپر اُٹھایا گیا اور بدلی نے اُن کی نظر منہ سے چھپا لیا۔ اور اس کے جاتے ہوئے جب وہ آسمان کی طرف تک رہے تھے دیکھو دھرم سفید پوشاک پہنے ہوئے اُن کے پاس کھڑے تھے (۱۱) اور کہنے لگے اے جلیل مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو یہی یسوع جو تمہارے پاس ہو آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے اسے آسمان کو جلاتے دیکھا پھر آوے گا۔

اب پادری صاحب صرف اس عبارت پر خوش ہو کر کچھ میٹھے ہیں کہ درحقیقت اسی جسم فلکی کے ساتھ مسیح اپنے مرنے کے بعد آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ لیکن انہیں معلوم ہو کہ یہ بیان لوقا کا ہے جس نے نہ مسیح کو دیکھا اور اُس کے شاگردوں سے کچھ سنا۔ پھر ایسے شخص کا بیان کیونکر قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے جو شہادتِ رویت نہیں اور نہ کسی دیکھنے والے کے نام کا اُس میں حوالہ ہے۔ ماسوا اس کے یہ بیان سر اسر غلط فہمی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا۔ لیکن یہ مرکزِ مسیح نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا۔ بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے

کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیح چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ ليوے کہ مسیح بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا۔ کیونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مصلوب سے مسیح کی جان بچائی تھی بلکہ یہ تیسری آیت باب اول اعمال کی مسیح کی طبعی موت کی نسبت گواہی دے رہی ہے جو گیل میں اس کو پیش آئی۔ اس موت کے بعد مسیح چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ جو لوگ کشف کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ ایسے مقامات میں بڑا دھوکہ کھاتے ہیں۔ اسی وجہ سے حال کے عیسائی بھی جو روحانی روشنی سے بے بہرہ ہیں اس عالم کشف کو درحقیقت عالم سمائی سمجھ بیٹھے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مقدس اور راست باز لوگ مرنے کے بعد زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور اکثر صاف باطن اور پُر محبت لوگوں کو عالم کشف میں جو بعینہ عالم بیداری ہے نظر آ جایا کرتے ہیں چنانچہ اس بارہ میں خود یہ عاجز صاحب تجربہ ہے۔ بارہا عالم بیداری میں بعض مقدس لوگ نظر آئے ہیں۔ اور بعض مراتب کشف کے ایسے ہیں کہ میں کسی طور سے کہہ نہیں سکتا۔ کہ ان میں کوئی حصہ غنودگی یا خواب یا غفلت کا ہے بلکہ پورے طور پر بیداری ہوتی ہے اور بیداری میں گزشتہ لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے اور باتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہی حال جو ایروں کی رویت کا ہے جو انہیں کشفی طور پر مسیح ابن مریم مرنے کے بعد جبکہ وہ جیل میں جا کر کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا چالیس دن برابر نظر آتا رہا اور انہوں نے اس کشفی حالت میں صرف مسیح کو نہیں دیکھا بلکہ دو فرشتے بھی دیکھے جو سفید پوشا کپڑے پہنے ہوئے تھے جس سے اور زیادہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کشف کا ہی عالم تھا۔ انجیل میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے کشفی طور پر حضرت موسیٰ اور حضرت یحییٰ کو بھی خواب میں دیکھا تھا۔ غرض اعلیٰ درجہ کا کشف بعینہ عالم بیداری ہوتا ہے اور اگر کسی کو اس کو چہرے میں کچھ دخل ہو تو ہم بڑی آسانی سے اس کو تسلیم کر سکتے ہیں مگر محض بیگانوں اور بے خبروں کے مقابل پر کیا کیا جائے۔

۴۵۴

۴۵۵

میں کئی بار لکھ چکا ہوں اور پھر بھی لکھتا ہوں کہ اہل کشف کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مقدس اور راستباز لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور ایک قسم کا انہیں جسم نورانی مل جاتا ہے اور اس جسم کے ساتھ وہ آسمان کی طرف اٹھائے جلتے ہیں اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ بعد موت کے اکثر مدت مقدس لوگوں کا زمین پر رہنے کی چالیس دن ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی نبی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ زمین پر نہیں ٹھہرتا بلکہ اس عرصہ کے اندر اندر آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔ چنانچہ خود اپنی نسبت آنجناب فرماتے ہیں کہ مجھے ہرگز امید نہیں کہ خدا تعالیٰ چالیس دن سے زیادہ مجھ کو قبر میں رکھے۔ سو سمجھنا چاہیئے کہ آسمان کی طرف مع الجسد اٹھایا جانا حضرت مسیح کا جس کی نسبت کیا عیسائی اور کیا مسلمان شور مچا رہے ہیں دراصل یہی حق رکھتا ہے اور اس بارے میں مسیح کی کچھ بھی خصوصیت نہیں ہر ایک مقدس اور کامل راستباز کا رفع اسی طرح ہوتا ہے۔ اور یہ امر اہل کشف کے نزدیک مسلمات اور مشاہدات میں سے ہے قرآن کریم میں مسیح کے رفع کا ذکر اس کی راستبازی کی تصدیق کے لئے ہے۔ اور مسیح کے شاگردوں کو جو کشفی طور پر اس کا اٹھایا جانا دکھایا گیا یسائی کی تقویت ایمان کے لئے تھا۔ کیونکہ اس وقت کے مولویوں اور فقیہوں کی طرح اس وقت کے فقیہوں اور فریسیوں نے بھی حضرت مسیح پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا اور قریب تھا کہ وہ لوگ اپنی مکار اہل سے بہت سے شبہات دلوں میں ڈال دیتے لہذا خداوند کریم نے مسیح کے شاگردوں کی کشفی آنکھ کھول دی اور انہوں نے دیکھا کہ وہ خاص مقبروں کی طرح آسمان کی طرف اٹھایا گیا لہذا کشف نہ ہوتا تو ناہم اور بدعتیہ بیگانہ لوگ بھی اس حالت کو دیکھتے کیونکہ وہ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی کہ جہاں دوسروں کی آمد و رفت حرام تھی۔ پس بیگانے لوگ جو آئندہ روئے تھے صرف اسی وجہ سے نہیں دیکھ سکے کہ وہ ایک کشفی امر تھا اور پھر آخر میں گیارہ آیت میں جو لکھا ہے جو فرشتوں نے جو وہاں کھڑے تھے یہ کہا کہ اے گیلی مردو! یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر

اٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے اُسے آسمان کو جلتے دیکھا پھر آوے گا یہ ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے جو تم نے عالم کشف میں جو عالم مثال مسیح کو آسمان کی طرف جلتے دیکھا اسی طرح مثالی طور پر اور مثالی وجود کے ساتھ مسیح پھر آوے گا جیسا کہ ایلیا آیا اور یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور غیر محرف قبول کر لیں لیکن اسکے قبول کرنے میں بڑی دقتیں ہیں۔ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ مسیح کا آسمان کی طرف اٹھائے جانا انجیل کی کسی الہامی عبارت سے ہرگز مرگزن ثابت نہیں ہو سکتا اور جنہوں نے اپنی اٹھل سے بغیر رویت کے کچھ لکھا۔ اُن کے بیانات ضلوع اس خرابی کے کہ اُن کا بیان چشم دید نہیں اس قدر تعارض ہے کہ ایک ذرہ ہم اُن میں سے شہادت کے طور پر نہیں لے سکتے :

ضرور تھا کہ مسیح دجال گر جائیں گے ہی نکلے

ہم بیان کر آئے ہیں کہ مسیح دجال کی تعین و تشخیص میں اسلام کے قرن اول کے بزرگوں میں اختلاف رہا ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم قطعی اور یقینی طور پر ابن صیاد کو مسیح دجال سمجھ بیٹھے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زہرہ و قسم کھا کر کہا کہ الدجال جیسا ہے یعنی مسیح دجال۔ کیونکہ الدجال مسیح دجال کے اور کسی کو نہیں کہا جاتا۔ ایسا ہی ابن عمرؓ نے بھی مسیح لفظوں میں کہا کہ مسیح الدجال ہی ہے۔ اور ہم پہلے اس سے تحریر کر چکے ہیں کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن صیاد مسلمان ہونے کے بعد مدینہ میں فوت ہو گیا اور مسلمانوں نے اس کا جنازہ پڑھا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ گم ہو گیا مگر قول اہل ارجح ہے کیونکہ فوت کی خبر میں زیادت علم ہے جو موجب قطع و یقین ہے۔ بہر حال جبکہ مسلم کی حدیث سے ابن صیاد کا اسلام ثابت ہے اور ازباز

ثابت نہیں تو خواہ نہ خواہ ایک مسلمان کے پیچھے پڑنا اور اس کو دجال و جال کر کے پکارنا اور پھر اس کی نسبت یہ یقین رکھنا کہ وہی ابن صیاد و ہودی الہ اسل آخری زمانہ میں پھر کفر کا جامہ پہن کر اور خدائی کا دعویٰ کر کے خسرو ج کرے گا۔ میرے نزدیک بالکل نامناسب اور ایک مسلمان بھائی کی ناحق کی غیبت اور بدگوئی ہے جو آیت کریمہ لا تغف مالیس لک بد علیہ کے تحت میں داخل ہے۔ علاوہ اس کے ابن صیاد سے اس کی کفر کی حالت میں بھی کوئی ایسا کام فتنہ اور شرارت کا صادر نہیں ہوا جس سے وہ اپنے وقت میں فتنہ انگیزی میں بے نظیر سمجھا گیا ہو۔ پھر جب اس کے دل میں لا الہ الا اللہ کا نور داخل ہو گیا اور تصدیق رسالت نبوی سے اس کا سینہ متور کیا گیا تو پھر شک کرنے کی کوئی وجہ بھی باقی نہ رہی۔ بے شک وہ حدیثیں نہایت حیرت انگیز ہیں جن میں یقین کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مسیح دجال بھی شخص ہے۔ اور اب ہم ان کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ جو آخری زمانہ میں دجال پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے اس دجال میں بعض صفات ابن صیاد کی بھی ہوں گی اور کفر کی حالت میں جو کچھ مکرو فریب کی ابن صیاد کو مشق تھی۔ اور جو سیرت غفلت اور دلیری اور دھوکہ دہی اس میں موجود تھی وہی صفاتیں اور خصالتیں اس آنے والے دجال میں بھی ہوں گی گویا وہ اس کا مشیل ہو گا اور اس کے کفر کی حالت کا رنگ اس میں پایا جائے گا۔

لیکن گر جا سے نکلنے والا دجال جس کے بارے میں امام مسلم نے اپنے صحیح میں فاطمہ بنت قیس سے روایت کی ہے اور جس کو نہایت درجہ کا قوی پیکل اور خجروں سے جکڑا ہوا بیان کیا ہے اور اس کے ایک جسامہ کی بھی خبر لکھی ہے۔ اور یہ دجال وہ ہے جس کو مسیح داری نے کسی جزیرہ کے ایک گرجا میں دیکھا کہ خوب مضبوط بندھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ اس کی گردن کی طرف جکڑے ہوئے تھے اس دجال پر علماء کی بہت نظر ہے کہ وہ حقیقت ہی دجال ہے جو آخری زمانہ میں نکلے گا۔ اور یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں

کہ آخری زمانہ میں دجال تو لد کے طور پر کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوگا بلکہ بالاتفاق سلف و خلف یہی کہتے آئے ہیں کہ دجال محمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا اور پھر آخری زمانہ میں بڑی قوت کے ساتھ خروج کیے گا اور اب تک وہ زندہ کسی جزیرہ میں موجود ہے مگر یہ خیال کہ اب تک وہ زندہ ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔ مسلم کی دو حدیثیں مفصلہ ذیل اس خیال کی بجلی استیصال کرتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) ابن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان یموت بشہر تستلونی عن الساعۃ وانما علمہا عند اللہ واقسم باللہ ما علی الارض من نفس منقوسۃ یا قی علیہا مائۃ سنۃ وہی حۃ یومئذ رواہ مسلم یعنی روایت ہے جابر سے کہ کہا سنائیں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے مینہ بھر اپنے اپنی وفات سے جو تکمیل مقاصد دین اور اظہار بقایا اسرار کا وقت تھا کہ تم مجھ سے پہچانتے ہو کہ قیامت کب آئے گی اور بحرحر خدائے تعالیٰ کے کسی کو اس کا علم نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی ایسا نفس نہیں جو پیدا ہو گیا ہو اور موجود ہو اور پھر آج سے سو برس اس پر گزرے اور وہ زندہ رہے۔

(۲) پھر دوسری حدیث صحیح مسلم کی یہ ہے وعن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یاقی مائۃ سنۃ وعلی الارض نفس منقوسۃ رواہ مسلم یعنی ابو سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں آوے گی سو برس اس حال میں کہ زمین پر کوئی شخص بھی آج کے لوگوں میں سے زندہ موجود ہو۔

اب ابن دوول حدیثوں کی رو سے جن میں سے ایک میں ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم بھی کھائی ہے اگر ہم تکلفات سے تاویلیں نہ کریں تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جتنا سہ والا دجال بھی ابن صیاد کی طرح فوت ہو گیا ہے۔ اسی کی نسبت علماء کا خیال ہے کہ آخری زمانہ میں نکلیگا اور حال یہ ہے کہ اگر اس کو آج تک زندہ فرض کیا جائے

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حتمی حدیثوں کی تکذیب لازم آتی ہے اور اس حدیث میں دجال کا یہ قول اِنِّی اَنَا الْمَسِیْحُ وَاِنِّی اَنْ یُّوْشَکْ اَنْ یُّوْذَنْ لِّی فِی الْخُرُوجِ جو زیادہ تر اس کے مسیح دجال ہونے پر دلالت کرتا ہے بظاہر اس شبہ میں ڈالتا ہے کہ آخری زمانہ میں وہ نکلنے والا ہے لیکن بہت آسانی سے یہ شبہ رفع ہو سکتا ہے جبکہ اس طرح پر سمجھ لیں کہ یہ عیسائی دجال بطور مورث اعلیٰ نے اس دجال کے لئے ہے جو عیسائی گروہ میں ہی پیدا ہوگا اور گرجا میں سے ہی نکلیگا۔ اوّل اس لئے کہ وارث اور مورث کا وجود ایک ہی حکم رکھتا ہے اور ممکن ہے کہ اس بیان میں استعارات ہوں اور تخریروں سے مراد وہ موافق ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائی واعظوں کو روک رہے تھے اور وہ مجبور ہو کر گویا ایک جگہ بند تھے۔ اور یہ اشارہ ہو کہ آخری زمانہ میں بڑی قوت کے ساتھ ان کا خروج ہوگا جیسا کہ آج کل ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ حدیث مذکورہ بالا میں اس دجال نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ فقرہ اِنِّی یُوْشَکْ اَنْ یُّوْذَنْ لِّی صاف دلالت کرتا ہے کہ دجال کو خدایت تعالیٰ کے وجود کا اقرار ہے۔ اور حدیثوں میں کوئی ایسا لفظ پایا نہیں جاتا جس سے معلوم ہو کہ جبرائیل دجال اپنے آخری ظہور کے وقت میں بالجہر خالق السموات والارض ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تکبر کی راہ سے خداوند خداوند کہلائیگا جیسے ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جو خدایت تعالیٰ کو بکلی فراموش کر دیتے ہیں اور اس کی پرستش اور اطاعت سے کچھ غرض نہیں رکھتے اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کو سرتی سرتی کہیں خداوند خداوند کہہ کرے پکاریں اور ایسی ان کی اطاعت کریں جیسی خدا تعالیٰ کی کرنی چاہیے۔ اور یہی بد معاشی اور غفلت کا اعلیٰ درجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تحقیر دل میں بیٹھ جائے۔ مثلاً ایک ایسا امیر ہے کہ نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے کہ وہامیات کا کام ہے اس سے کیا فائدہ۔ اور روزہ پڑھنا کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی عظمت کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا اور اس کی آسمانی تقدیروں کا قائل نہیں بلکہ اپنی تدبیروں اور مکروں کو تمام کامیابیوں کا مدار سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ

ایسے اُس کے آگے جھکیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کے آگے جھکنا چاہیے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری پر چڑتا ہے اور اس کے احکام کو ذلیل اور خوار سمجھتا ہے اور اپنے احکام کو قابلِ عزت خیال کرتا ہے اور اپنی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی اطاعت پر مقدم رکھنا چاہتا ہے وہ حقیقت میں خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اگرچہ قال سے نہیں مگر حال سے ضرور یہ دعویٰ اُس سے صادر ہوتا ہے بلکہ قال سے بھی دعویٰ کرتا ہے کیونکہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کو خداوند خداوند کہیں۔ سو اسی قسم کا دجال کا دعویٰ معلوم ہوتا ہے۔

اس تمام تقریر سے معلوم ہوا کہ مسیح ابن مریم کے ثقیل کی طرح دجال کا بھی مثیل بننے والا ہے یعنی ایسا گروہ جو باعتبار اپنی سیرت و خاصیت کے پہلے دجال کا ہم رنگ ہو۔ لیکن اس طرزِ تقریر کے اختیار کرنے میں کہ ثقیل مسیح اترے گا اور ثقیل دجال خروج کرے گا یہ حکمت ہے تا ظاہر کیا جائے کہ دجال کا آنا بطور بلا و ابتلا کے ہو گا اور مسیح کا آنا بطور الہی نعمت کے جو بارادہ خاص الہی مومنوں کی نصرت کے لئے نازل ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ ہم نے تمہارے لئے لوہا آمارا اور تمہارے لئے مویعی آمارے یعنی تمہارے فائدہ کے لئے بطور رحمت یہ چیزیں پیدا کیں۔ اور یہ بھی ہے کہ جو چیز زمین سے نکلتی ہے وہ ظلمت اور کثافت رکھتی ہے اور جو اوپر سے آتی ہے اس کے ساتھ نور و برکت ہوتی ہے اور نیز اوپر سے آنے والی نیچے والی پر غالب ہوتی ہے۔ غرض جو شخص آسمانی برکتیں اور آسمانی نور ساتھ رکھتا ہے اُس کے آنے کے لئے نزول کا لفظ مناسب حال ہے اور جس کے وجود میں زمینی ظلمت اور خست اور کدورت بھری ہوئی ہے اس کے ظہور کیلئے خروج کا لفظ مناسب رکھتا ہے کیونکہ نورانی چیزیں آسمان سے ہی نازل ہوتی ہیں جو ظلمت پر فتح پاتی ہیں۔ اب اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ جیسے مثیل مسیح کو مسیح ابن مریم کہا گیا اس امر کو نظر میں رکھ کر کہ اس نے مسیح ابن مریم کی روحانیت کو لیا اور مسیح کے وجود کو باطنی طور پر قائم کیا۔ ایسا ہی وہ دجال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فوت ہو چکا ہے اس کی نقل اور مثال نے اس

آخری زمانہ میں اس کی جگہ لی اور گرجا سے نکل کر مشرق و مغرب میں پھیل گیا
اس تفسیر سے مثیلت کا محاورہ اور بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہ دونوں طور کے ^{میں} میں متعلق
ضمیت میں دائروں کا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیثوں میں تو صرف اتنا لفظ آیا ہے
کہ مسیح ابن مریم اترے گا اور دجال خروج کرے گا پھر ان دونوں کے ساتھ مثیل کا لفظ
کیوں ملایا جاتا ہے۔ کیا یہ الحاد نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعد اس کے کہ ہم نصوص
قطعیہ بتینہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ مسیح ابن مریم جن پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ قیامت کے
ہیں اور ایسا ہی دجال بھی فوت ہو چکا۔ اور ان کے زندہ ہونے کا کوئی ذکر قرآن کریم و احادیث
میں موجود نہیں۔ بلکہ آیات، بتینہ ان کے دنیا میں واپس آنے سے سخت انکار کرتی ہیں۔ تو اس
صورت میں اگر ہم ان کے لئے مسیح اور دجال سے ان کے مثیل ملو نہ لیں تو اور کیا کریں۔ ہاں
اگر حدیثوں میں یہ لفظ وارد ہوتے کہ وہ مسیح ابن مریم جو فوت ہو چکا ہے جس پر انجیل نازل ہوئی
تھی اور وہ دجال جو جزیرہ میں مقید تھا جس کے ساتھ جساہہ تھی وہی دونوں زندہ ہو کر
آخری زمانہ میں آجائیں گے تو پھر تاویل کی گنجائش نہ ہوتی۔ مگر اب تاویل نہ صرف جائز
بلکہ واجب ہے اور چونکہ حکم علماء امتی کا نبیاری بنی اسرائیل ابن مریم کے
نام پر کوئی آنا چاہیئے تھا اور آنا بھی وہ چاہیئے تھا جو درحقیقت امتی ہونہ کہ حقیقی طور پر نبی
لہذا یہ ضروری تھا کہ ابن مریم کی جگہ کوئی ایسا امتی ظاہر ہو جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ابن مریم
کے رنگ میں ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کا مثیل عین وقت پر بھیج کر اسی مثیل کی معرفت
مسیح ابن مریم کا فی الواقعہ فوت ہو جانا ظاہر کر دیا اور سب دلائل اس کے کھل دئے۔ اگر
خدا نخواستہ مسیح فرقان کریم میں لکھا ہوتا کہ مسیح بر خلاف اس سنت اللہ کے جو تمام
بنی آدم کے لئے جاری ہے زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور قیامت کے قریب تک زندہ
ہی رہے گا تو عیسائیوں کو بڑے بڑے سلمان بہکانے کے لئے ہاتھ آجاتے یہ تو بہت ہی
خوب ہوا کہ عیسائیوں کا خدا فوت ہو گیا اور یہ جملہ ایک برہمنی کے حملہ سے

کم نہیں جو اس عاجز نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہو کر ان دجال سیرت لوگوں پر کیا ہے جن کو پاک چیزیں دی گئی تھیں مگر انہوں نے ساتھ اس کے پلید چیزیں ملا دیں اور وہ کام کیا جو دجال کو کرنا چاہیے تھا۔

اب یہ سوال بھی قابل حل ہے کہ مسیح ابن مریم تو دجال کے لئے آئے گا آپ اگر مسیح بن مریم کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں تو آپ کے مقابل پر دجال کون ہے؟ اس سوال کا جواب یہی طرف سے یہ ہے کہ گو میں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے اور بعض احادیث کی رو سے وہ موجود بھی ہو اور کوئی ایسا دجال بھی آوے جو مسلمانوں میں فتنہ ڈالے مگر یہ مذہب یہ ہے کہ اس زمانہ کے پادریوں کی مانند کوئی اب تک دجال پیدا نہیں ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔ مسلم کی حدیث میں ہے وعن عمران بن حصین قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما بين خلق آدم الى قيام الساعة امر اكبر من الدجال يعني ملكن ابليس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدائش آدم سے قیامت تک کوئی افرتنہ اور اجلاء کے رو سے دجال کے وجود سے بڑھ کر نہیں۔ اب اول تو یاد رکھنا چاہیے کہ لغت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں جو باطل کو حق کے ساتھ مخلوط کر دیتے ہیں اور خلق اللہ کے گمراہ کرنے کے لئے مکر اور تلبیس کو کام میں لاتے ہیں۔

اب میں دعوئے کے ساتھ کہتا ہوں کہ مطابق منشاء مسلم کی حدیث کے جو ابھی میں بیان کر آیا ہوں اگر ہم حضرت آدم کی پیدائش سے آج تک بدرجہ ان تمام تحریری رسائل کے جو میں نے دنیا کے تمام ایسے لوگوں کی حالت پر نظر ڈالیں جنہوں نے دجالیت کا اپنے ذمہ کام لیا تھا تو اس زمانہ کے پادریوں کی دجالیت کی نظیر ہرگز ہم کو نہیں ملے گی۔ انہوں نے ایک موجدی اور فرضی مسیح اپنی نظر کے سامنے رکھا ہوا ہے جو بقول ان کے زندہ ہے

اور خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ سو حضرت مسیح ابن مریم نے خدائی کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا۔ یہ لوگ خود اس کی طرف سے وکیل بن کر خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اس دعویٰ کے سبب کرب و تکلیف لے کر کیا کچھ انہوں نے تحریفیں نہیں کیں۔ اور کیا کچھ تمبیس کے کام استعمال میں نہیں لائے اور مکہ اور مدینہ چھوڑ کر اور کونسی جگہ ہے جہاں یہ لوگ نیند پھنچے۔ کیا کوئی دھوکہ دینے کا کام یا گمراہ کرنے کا منصوبہ یا ہرکانے کا کوئی طریقہ ایسا بھی ہے جو ان سے غور میں نہیں آیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہ لوگ اپنے دجالانہ منصوبوں کی وجہ سے ایک عالم پر اثر کی طرح محیط ہو گئے ہیں۔ جہاں یہ لوگ جائیں اور جہاں اپنا مشن قائم کریں ایک عالم کو تہ و بالا کر دیتے ہیں مقتصد اس قدر ہیں کہ گویا دنیا کے تمام خزانے ان کے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں اگرچہ گورنمنٹ انگریزی کو مذاہب سے کچھ سرگردار نہیں اپنے شانہ انتظام سے مطلب ہے مگر حقیقت یادری صاحبوں کی بھی ایک الگ گورنمنٹ ہے جو بے شمار روپے کی مالک اور گویا تمام دنیا میں اپنا تار و پود پھیلا رہی ہے اور ایک قسم کا جنت اور جہنم اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں جو شخص ان کے مذہب میں آنا چاہتا ہے اس کو وہ جنت دکھلایا جاتا ہے اور جو شخص ان کا اشتد مخالف ہو جائے اس کے لئے جہنم کی دھمکی ہے۔ ان کے گھر میں روٹیاں بہت ہیں گویا ایک پہاڑ روٹیوں کا جس جگہ رہیں ساتھ رہتا ہے۔ اور اکثر شکم بندہ لوگ ان کی سفید سفید روٹیوں پر مفتون ہو کر رہنا مسیح کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مسیح و قبال کی کوئی بھی ایسی علامت نہیں جو ان میں نہ پائی جائے۔ ایک وجہ سے یہ مردوں کو بھی زندہ کرتے ہیں اور زندوں کو مارتے ہیں (سمجھنے والا سمجھ لے) اور اس میں تو شک نہیں کہ ان کی آنکھ ایک ہی ہو جیسا کہ ہے اگر ان کی دائیں آنکھ موجود ہوتی تو یہ لوگ خدا تعالیٰ سے ڈرتے اور خدائی کے دعوے سے باز آتے۔ بے شک یہ بھی سچ ہے کہ پہلی کتابوں میں اس قوم و جال کا ذکر ہے حضرت مسیح ابن مریم نے بھی انجیل میں بہت ذکر کیا ہے اور پہلے صحیفوں میں بھی جابجا ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ ایسا ہی چاہیئے تھا کہ ہر ایک نبی اس مسیح و قبال کے آنے کی پہلے سے خبر دیتا سو ہر یک نے

تقریباً اسی جہان۔ اشارت یا کنیہ شاخبردی ہے حضرت نوح سے لے کر ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک اس سچ و حقیقت کی خبر موجود ہے جس کو میں دلائل کے ساتھ ثابت کر سکتا ہوں۔

اور جس قدر اسلام کو ان لوگوں کے ہاتھ سے ضرر پہنچا ہے اور جس قدر انہوں نے سچائی اور انصاف کا خون کیا ہے ان تمام خسرو یوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے ہجرتِ مقدسہ کی تیرہویں صدی سے پہلے ان تمام فتنوں کا نام و نشان نہ تھا اور جب تیرہویں صدی کچھ نصف سے زیادہ گزر گئی تو یکدم اس دجالی گروہ کا خروج ہووا اور پھر ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ اس صدی کے اواخر میں بقول پادری ہیکر صاحب پانچ لاکھ تک صرف ہندوستان میں ہی کرسٹن خدہ لوگوں کی نوبت پہنچ گئی اور اندازہ کیا گیا کہ قریباً بارہ سال میں ایک لاکھ آدمی عیسائی مذہب میں داخل ہو جاتا ہے جو ایک عاجز بندہ کو خدا خدا کر کے کھارتا ہے اس بات سے کوئی دانا بے خبر نہیں کہ ایک جماعت کثیر اسلام کی مایوں کو کہو کہ اسلام کے بھوکوں ننگوں کا ایک گروہ پادری صاحبوں نے صرف روٹیاں اور کپڑے دکھلا کر اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور جو روٹیوں کے ذریعہ سے قابو نہ آئے وہ عورتوں کے ذریعہ سے اپنے بیچر میں کٹے گئے اور جو اس طرح بھی دام میں پھنس نہ سکے ان کے لئے ملحد اور بے دین کرنا والا فلسفہ پھیلا یا گیا جس میں آج لاکھوں نو خیز بچے مسلمانوں کے گرفتار اور ہتلاہ پائے جاتے ہیں جو نماز پر ہنستے اور روزہ کو ٹھٹھے سے یاد کرتے اور وحی الہی کو ایک خواب پریشان خیال کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس لائق بھی نہیں تھے کہ انگریزی فلسفہ کی تعلیم پاپوں الٰہی کے لئے بہت سے بناوٹی قصبے جو محض پادری صاحبوں کے ہاتھیں ہاتھ کا کرتب تھا جس میں کسی تاریخ یا کہانی کے پیرایہ میں جو اسلام درج تھی عام طور پر شائع کر دئے گئے اور پھر اسلام کے رد میں اور ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم میں بے شمار کتابیں تالیف کر کے ان لوگوں نے ایک دنیا میں مفت تقسیم کیں اور اکثر کتابوں کے بہت ہی زبانوں میں ترجمے

کے شائع کئے۔ رسالہ مسیح اسلام کے بہرہ منہ کے حاشیہ کی بڑھ کر دیکھو کہ اکیس سال میں
 ان لوگوں نے اپنے پرتلمیس خیالات کے پھیلانے کے لئے سات کروڑ سے کچھ زیادہ کتابیں
 مفت تقسیم کی ہیں تا کسی طرح اسلام سے لوگ دستبردار ہو جائیں اور حضرت مسیح کو خدا مان
 لیا جائے۔ اشد اکبر اگر اب بھی ہماری قوم کی نظر میں یہ لوگ اقل
 درجہ کے دجال نہیں اور ان کے الزام کے لئے ایک صحیح سبب کی
 ضرورت نہیں تو پھر اس قوم کا کیا حال ہوگا۔

دیکھو اے غافل و دیکھو! کہ اسلامی مہارت کے سمار کرنے کیلئے کس درجہ کی یہ کوشش
 کر رہے۔ اور کس کثرت سے ایسے وسائل ^{تتمیلا} تمیل کئے گئے ہیں اور ان کے پھیلانے میں اپنی
 جانوں کو بھی خطرہ میں ڈال کر اور اپنے مال کو پانی کی طرح بہا کر وہ کوششیں کی ہیں کہ انسانی
 طاقتوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعے اور پاکیزگی کے برخلاف
 منصوبے اس راہ میں ختم کئے گئے اور سچائی اور ایمانداری کے اڑانے کے لئے طرح طرح کی
 سرنگیں طیار کی گئیں اور اسلام کے مٹا دینے کے لئے جھوٹ اور بناوٹ کی تمام ہار یک باتیں
 نہایت درجہ کی جانکاہی سے پیدا کی گئیں۔ ہزار ہا قصے اور مباشات کی کتابیں محض اقترا کے
 طور پر اور محض اس غرض سے بنائی گئیں۔ تا اگر اوپر سیرت سے نہیں تو اسی طریق سے دلوں پر
 بد اثر پڑے۔ کیا کوئی ایسا رہزنی کا طریق ہے جو ایجاد نہیں کیا گیا۔ کیا کوئی ایسی سبیل گمراہ کرنے
 کی باقی ہے جس کے یہ موجب نہیں؟ پس غلہ ہر ہے کہ یہ کچھ قوموں اور تثلیث کے حامیوں
 کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں اور سحر کے اس کامل درجہ کا نمونہ ہے جو بجز
 اول درجہ کے دجال کے جو دجال ^{مسموم} مسموم ہے اور کسی سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتیں۔ لہذا
 انہی لوگوں کو جو باوری صاحبوں کا گروہ ہے ^{۱۹۵} دجال مسموم ماننا پڑا۔ اور جبکہ ہم دنیا کے اکثر حصہ
 کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں جو گذر چکا تو ہماری نظر اس استقراری شہادت کو ساتھ لیکر
 عود کرتی ہے کہ زمانہ کے سلسلہ گذشتہ میں جہاں تک ہتہ مل سکتا ہے وہاں کی صفت

اور اس کی کامیابیوں میں کوئی ان لوگوں کا نظیر نہیں اور ان کے ان ساحرانہ کاموں میں کوئی ان کے مساوی نہیں۔ اور چونکہ امدیث صحیحہ میں دجال مجہود کی یہی علامت لکھی ہے کہ وہ ایسے فتنے برپا کرے گا کہ جہاں تک اس وقت سے ابتداء دنیا کے وقت تک نظر ڈالیں اس کا نظیر نہیں ملے گا لہذا اس بات پر قطع اور یقین کرنا چاہیے کہ وہ سچ و دجال جو گر جہا سے نکلنے والا ہے وہی لوگ ہیں جن کے سحر کے مقابل پر مجرہ کی ضرورت تھی۔ اور اگر انکار ہے تو پھر زمانہ گذشتہ کے دجالین میں سے ان کی نظیر پیش کرو۔

اب یہ سوال جو کیا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ سح ابن مریم سے پہلے دجال آگیا ہو۔ اس کا جواب ظاہر ہو گیا اور ہمایہ نبوت پہنچ گیا کہ سح دجال جس کے آنے کی انتظار تھی یہ باور میں آگیا کہ وہ ہے جو بڑی کلی طرح دنیا میں پھیل گیا ہے۔ سو اسے بزرگوں دجال مجہود ہی ہے جو آپ کا مگر تم نے اُسے شناخت نہیں کیا۔ ہاتھ میں ترازو لو اور وزن کر کے دیکھو کہ کیا ان سے بڑھ کر کوئی اور ایسا دجال آنا ممکن ہے جو فریبوں میں ان سے زیادہ ہو۔ اس دجال کے لئے جو تمہارے وہم میں ہے تم لوگ بار بار یہ حدیث پیش کرتے ہو کہ اس قدر اس کا بڑا فتنہ ہو گا کہ ستر ہزار مسلمان اس کا معتقد ہو جائیں گے۔ لیکن اس جگہ تو لاکھوں آدمی دنیا اسلام کو چھوڑ گئے اور چھوڑتے جلتے ہیں۔ تمہاری عورتیں۔ تمہارے بچے۔ تمہارے پیارے دوست۔ تمہارے بڑے بڑے بزرگوں اور ولیوں کی اولاد۔ تمہارے بڑے بڑے خاندانوں کے آدمی اس دجالی مذہب میں داخل ہوتے جلتے ہیں۔ کیا یہ اسلام کے لئے سخت ماتم کی جگہ نہیں۔ سوچ کر دیکھو کہ کس قدر ان لوگوں کے فتنہ نے دامن پھیلا رکھا ہے اور کس قدر ان لوگوں کی کوششیں انتہا تک پہنچ گئی ہیں کیا کوئی ایسا بھی دقیقہ فریب اور مکر کا ہے جو انہوں نے رہزنی کے لئے استعمال نہیں کیا۔ کروڑوں کتابیں اسی غرض سے ملکوں میں پھیلائی ہیں۔ ہزاروں اخطا اور متناو اسی غرض کے لئے جا بجا چھوڑ دئے۔ کہہ دیا کہ یہ اسی راہ میں خسر ہے۔ نہایت دشوار راہوں سے پر خطر پہاڑوں اور باغستان کے ملک

اور کافرستان کے وحشی لوگوں اور افریقہ کے جنگلی آدمیوں کے پاس جاتے ہیں اور اسی غرض سے ہمیشہ خشکی اندازی کا سفر کرتے رہتے ہیں تاکہ کسی شخص کو اپنے دہم میں لاویں۔ حضرت آدم سے آج تک جو متفرق طور پر گمراہ کرنے کے لئے لوگوں نے فریب کئے ہیں ان مشغلوں میں ان تمام کا مجموعہ پایا جاتا ہے۔ کوئی شخص اگر ایک سال تک سوچتا رہے اور گمراہ کرنے کے جدید جدید فریب نکالے تو آخر جب غور کر کے دیکھے گا تو وہ سب فریب ان مشغلوں میں پائے گا۔ بہت جلد ان لوگوں نے ڈاکٹری عہدے بھی حاصل کئے ہیں تاکہ اگر وہ نہیں تو مصیبت زدہ بیمار ہی قابو آویں۔ بہت سا غلہ اس غرض سے خریدا جاتا ہے کہ تاکہ اگر قحط پڑے تو قحط زدہ لوگوں کو وہ غلہ مفت دیا جاوے اور کچھ وعظ بھی سُنا دیا جائے۔ اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ اتوار کے دن پادری صاحبان کا خیرات خانہ کھلتا ہے اور بہت سے مسکین اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مناسب وقت کچھ کچھ وعظ کے طور پر ان کو سُنا کر پھر پیسے ملنے کے لئے جاتے ہیں۔ بہت سی ایسی مسول نے جو پادری کا منصب رکھتی ہیں دونوں وقت لوگوں کے گھروں میں پھرنا اختیار کر رکھا ہے اور اشتراکوں کی لڑکیوں کو سینا پر ونا اور کئی قسم کا سوئی کا کام سکھلاتی ہیں اور رہزنی کے لئے آلہ نقب بھی بغل میں ہوتا ہے موقع پر وہ حربہ بھی چلایا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی جوان لڑکیاں اچھے اچھے خاندانوں کی سید اور شیخ اور مغل اور نوابوں اور شہزادوں کی اولاد کہلا کر پھر مس صاحبوں کی کوششوں سے عیسائی جماعت میں جا ملی ہیں۔ اور جن مستورہ اور مشرقیہ عورتوں نے کبھی مدت العمر غریب آدمی کی شکل بھی نہ دیکھی تھی اب وہ عیسائی ہو کر نامحرموں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر پھرتی ہیں۔ پاک محبت کے خیال سے نامحرم اگر بوسہ بھی لے لیں تو کچھ بُرا نہیں سمجھا جاتا۔ اور یا تو انہوں نے کبھی شراب کا نام بھی نہ سُنا تھا اور یا اس خبیث عرق کی دن رات مشق ہو رہی ہے اور برانڈی شیریں ہسکی رام پلوٹ وائن وغیرہ شرابوں کے نام نوک زبان ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ہزار ہا ملاوٹ بچے مسلمانوں کے ان لوگوں کے قبضہ میں آکر اور ان تبلیغات کی تعلیم پا کر اب پتے دشمن

اسلام کے نظر آتے ہیں کیا کوئی فتنہ اندازی کا کام خیال میں آسکتا ہے جو ان لوگوں نے نہیں کیا۔ کیا دین اسلام کے مٹانے والی تدبیریں کوئی ایسی بھی باقی رہ گئی ہیں جو ان کے ہاتھ سے ظہور میں نہیں آئیں۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ جس حالت میں دنیا کی ابتداء سے آج تک تلبیس کے تمام کاموں میں دجالیت کے تمام طریقوں میں انہیں لوگوں کا نمبر سب سے اول معلوم ہوتا ہے اور اس قسم کی وبا کے پھیلانے میں دنیا کے صفحہ میں اول سے آج کے دن تک کوئی نظیر ان کی معلوم نہیں ہوتی اور ان لوگوں کی زہرناک تاثیروں نے بعض لوگوں کو تو پورے طور پر ہلاک کر دیا ہے۔ اور بعض کا مفلوج کی طرح نصف حصہ بیکار کر دیا ہے اور بعض کے خون میں جذا میوں کی طرح فساد ڈال دیا ہے۔ جن کے چہروں پر بڑے بڑے داغ جذام کے نظر آتے ہیں اور بعض کی آنکھوں پر ایسا ہاتھ پھیر دیا ہے کہ اب ان کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اور نوکر سٹانوں کی ذریت کے پھیلنے کی وجہ سے مادر زاد اندھوں کی بھی جماعت بڑھتی جاتی ہے اور کروڑ ہا تیرہ طبع لوگوں میں ناپاک روہیں شور کر رہی ہیں۔ غرض اس وبا پھیلانے والی ہوا کی وجہ سے ایسا زمانہ آگیا ہے کہ کروڑ ہا جذامی اور کروڑ ہا مادر زاد اندھے اور کروڑ ہا مفلوج اور کروڑ ہا مردوں کی لاشیں سڑی گئی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ اب پھر میں کہتا ہوں کہ کیا ان کیلئے کوئی مسیح ابن مریم مٹی اموات نہیں آنا چاہیے تھا جس حالت میں ایسا مسیح دجال آگیا تو کیا مسیح ابن مریم نہ آتا؟

اب یہ شبہات پیش کئے جلتے ہیں کہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اور یا بوج مابوج اسی زمانہ میں ظہور کریں گے اور دابۃ الارض بھی آئے گا اور دخان بھی۔ اور طلوع شمس مغرب کی طرف سے ہوگا اور امام محمد مہدی بھی اس وقت ظہور کرے گا اور دجال کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوگا اور زمین کے خزانے بھی اس کے ساتھ ہوں گے اور ایک پہاڑ روٹیوں کا بھی ساتھ ہوگا۔ اور ایک گدھا بھی ہوگا اور دجال اپنے شعبدے دکھائے گا اور آسمان اور زمین دونوں اس کے حکم میں ہوں گے۔ جس قوم پر چلے بارش نازل کرے

۵۰

۵۰

اور جس قوم کو چاہے خشک سالی سے ہلاک کر دے۔ اور انہیں دنوں میں تو میں یا جوج اور جوج کی ترقی پر ہوں گی اور زمین کو د باقی چلی جاویں گی اور ہر ایک بلند زمین سے دوڑے گی اور دجال ایک جسم آدمی سرخ رنگ ہوگا۔ یہ تمام علامتیں اب کہاں پائی جاتی ہیں۔

ان شبہات کا ازالہ اس طرح پر ہے کہ ایک چشم سے مراد درحقیقت ایک چشم نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے من کان فی ہذہ اعنی فہو فی الآخرۃ اعنی۔ کیا اس جگہ نابینائی سے مراد جسمانی نابینائی ہے بلکہ روحانی نابینائی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ دجال میں دینی عقل نہیں ہوگی اور گودنیا کی عقل اس میں تیز ہوگی اور ایسی حکمتیں ایجا کرے گا اور ایسے عجیب کام دکھلائے گا کہ گویا خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن دین کی آنکھ بالکل نہیں ہوگی۔ جیسے آج کل یورپ اور امریکہ کے لوگوں کا حال ہے کہ دنیا کی تدبیروں کا انہوں نے خاتمہ کر دیا ہے۔ اور حدیث میں جو کائناتی کالفظ موجود ہے وہ بھی دلالت کر رہا ہے جو یہ ایک شفی امر اور لائق تعبیر ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور یا جوج یا جوج کی نسبت تو فیصلہ ہو چکا ہے جو یہ دنیا کی دو بلند اقبال قومیں ہیں جن میں سے ایک انگریز اور دوسرے روس ہیں۔ یہ دونوں قومیں بلندی سے نیچے کی طرف حملہ کر رہی ہیں یعنی اپنی خدا داد طاقتوں کے ساتھ فتیاب ہوتی جاتی ہیں مسلمانوں کی بدچلنیوں نے مسلمانوں کو نیچے گرا دیا۔ اور ان کی تہذیب اور متانت شعاری اور اہمیت اور اولوالعزمی اور معاشرت کے اعلیٰ اصولوں نے بحکم و مصلحت قادم مطلق ان کو اقبال سے دیا۔ ان دونوں قوموں کا بائبل میں بھی ذکر ہے۔

اور دابة الارض سے مراد کوئی لایعقل جانور نہیں بلکہ بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ آدمی کا نام ہی دابة الارض ہے۔ اور اس جگہ لفظ دابة الارض سے ایک ایسا طائفہ انسانوں کا

چھ نوٹ: آثار اقدیہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی کریم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ دابة الارض آپ ہی ہیں اور آپ نے جواب دیا کہ وہ دابة الارض میں تو کچھ چار پاؤں اور کچھ پرندوں کی بھی مشابہت ہوگی۔ مجھ میں وہ کہاں ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ دابة الارض اسم جنس ہے جس سے ایک طائفہ مراد ہے۔ منہ

مراد ہے جو آسمانی روح اپنے اندر نہیں رکھتے لیکن زمین علوم و فنون کے ذریعے منکرین اسلام کو جواب کرتے ہیں اور اپنا علم کلام اور طریق مناظرہ تائید دین کی راہ میں خرچ کر کے بھان و دل خدمت شریعت غرّا بجالاتے ہیں۔ سو وہ چونکہ درحقیقت زمینی ہیں آسمانی نہیں۔ اور آسمانی روح کامل طور پر اپنے اندر نہیں رکھتے اس لئے دابة الارض کہلاتے ہیں اور چونکہ کامل تزکیہ نہیں رکھتے اور نہ کامل وفاداری۔ اس لئے چہرہ ان کا انسانوں کا ہے مگر بعض اعضاء ان کے بعض دوسرے حیوانات سے مشابہ ہیں۔ اسی طرف اللہ جل شانہ اشارہ فرماتا ہے وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اِنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُوْنَ۔ یعنی جب ایسے دن آئیں گے جو کفار پر عذاب نازل ہو اور ان کا وقت مقدر قریب آجائے گا تو ہم ایک گروہ دابة الارض کا زمین سے نکالیں گے وہ گروہ مشککین کا ہو گا جو اسلام کی حمایت میں تمام ادیان باطلہ پر حملہ کرے گا۔ یعنی وہ علماء ظاہر ہوں گے جن کو علم کلام اور فلسفہ میں یدِ طولی ہو گا۔ وہ جا بجا اسلام کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں گے اور اسلام کی سچائیوں کو استدلالی طور پر مشرق مغرب میں پھیلائیں گے اور اس جگہ اخرجنا کا لفظ اس وجہ سے اختیار کیا کہ آخری زمانہ میں ان کا خروج ہو گا نہ حدوث یعنی تخی طور پر یا کم مقدار کے طور پر تو پہلے ہی سے تھوڑے بہت ہر یک زمانہ میں وہ پائے جائیں گے لیکن آخری زمانہ میں بکثرت اور نیز اپنے کمال لائق کے ساتھ پیدا ہوں گے اور حمایت اسلام میں جا بجا واعظین کے منصب پر کھڑے ہو جائیں گے اور شمار میں بہت بڑھ جائیں گے۔

واضح ہو کہ یہ خروج کا لفظ قرآنی شریف میں دوسرے پیرایہ میں یا جوج ماحوج کیلئے بھی آیا ہے اور دھان کے لئے بھی قرآن شریف میں ایسا ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنوں کا ماحصل خروج ہی ہے اور دھان کے لئے بھی حدیثوں میں یہی خروج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سو اس لفظ کے استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے تا اس بات کی طرف

اشارہ ہو کہ یہ جیسے نیر جو آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہوں گی وہ ابتدائی زمانوں میں نکلی
معدوم نہیں ہوں گی بلکہ اپنے وجود نوعی یا مثالی کے ساتھ جو آخری وجود کا ہمزگ
اور مماثل ہوگا پہلے بھی بعض افسردہ دل ان کا وجود متحقق ہوگا۔ لیکن وہ وجود ایک ضعیف
اور کمزوری اور ناکامی کی حالت میں ہوگا۔ مگر دوسرا وجود جس کو خروج کے لفظ کی تعبیر
کیا گیا ہے اس میں ایک جملہ حالت ہوگی یعنی پہلے وجود کی طرح ضعیف اور کمزوری نہیں
ہوگی اور ایک طاقت کے ساتھ اس کا ظہور ہوگا جس کے اظہار کے لئے خروج کا لفظ استعمال
کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں میں یہ خیال چلا آتا ہے کہ مسیح و قبال آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے وقت سے موجود ہے اور پھر ان کے خیالات میں ایسی غلطی پاک گئی کہ اب تک
مسیح ابن مریم کی طرح اس کو زندہ سمجھا ہوا ہے۔ جو کسی جزیرہ میں مقید اور جکڑا ہوا ہے
اور اس کی جسامت بھی اب تک زندہ ہے جو اس کو خبریں پہنچا رہی ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ
حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غلط فہمی کر کے کسی مصیبتوں میں پھنس گئے۔ ایسا
ہی یہ لوگ مابوج مابوج کو بھی وہی شخص کے ساتھ زندہ سمجھتے ہیں یعنی بقا شخص کے قائل
ہیں۔ اب جبکہ قبال اور اس کی جسامت اور مابوج مابوج کے کروڑا آدمی اور دایرہ الارض
اور بقول بعض ابن صیاد بھی اب تک زندہ ہیں تو حضرت مسیح اگر زندہ نہ ہوں تو ان کی حق تلفی
ہے میرے نزدیک بہت سہل طریق ثبوت کا یہ ہے کہ مولوی صاحبان کو شش کر کے
کوئی مابوج مابوج کا آدمی یا قبال کی جسامت یا ابن صیاد کو ہی کسی جنگل سو پکا کرے آویں
پھر کیا بات ہے سب مل جاتیں گے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی آسمان پر زندہ ہیں اور مفت
میں فتح ہو جائے گی۔ حضرات! اب ہمت کیجئے کہیں سے قبال شیر کے جسامت کو ہی پکڑ لیتے
وہ سلسلہ نہاریں آخر یہ سب زمین پر ہی ہیں۔ ان میں کسی کی حدیث کو مسلم میں پڑھ کر اسی پتہ
سے جسامت و قبال کا سراغ لگا لیجئے یا نصیحت و قبال کو ہی جو ترجمیسروں میں جکڑا ہوا ہے
بچشم خود دیکھ کر پھر آروں کو کھلائیے۔ بات تو خوب ہے۔ انگریزوں نے ہمت اور

کوشش کر کے نئی دنیا کا سراغ لگا ہی لیا۔ آپ اس ایک ناکارہ کام میں ہی کامیابی دکھلائیے شاید ان لوگوں میں سے کسی کا پتہ چلے۔ ہر کارے کہ ہمت بستہ گرد۔ اگر خارے بود گلہ مستہ گرد۔ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر خیر اس میں ہو کہ ان یہودہ خیالات سے باز آجائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ کوئی جاندار اس وقت سے سو برس تک زمیں پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر آپ ناحق ان سب جانداروں کو اس زمانہ سے آج تک زندہ خیال کر رہے ہیں۔ یہ تحقیق اور تدقیق کا زمانہ ہے۔ اسلام کا ایسا خاکہ کھینچ کر نہ دکھائیے جس پر بچہ بچہ ہنسی کرے۔ غور کر کے سوچئے کہ یہ کروڑوں انسانی جو صد ہا برسوں سے زندہ فرض کئے گئے ہیں جواب یک مرنے میں نہیں آتے کس ملک اور کس شہر میں رہتے ہیں۔ تعجب کہ معمورہ دنیا کی حقیقت بخوبی کھل گئی اور ہارٹل اور جزیرہ کا حال بھی بخوبی معلوم ہو گیا اور تفتیش کرنے والوں نے یہاں تک اپنی تفتیش کو کمال تک پہنچا دیا جو ایسی آباویاں جو ابتداء دنیا سے معلوم نہ تھیں وہ اب معلوم ہو گئیں مگر اب تک اس جسامہ اور دجال اور ابن صیاد و فقود الخبہ اور رابۃ الارض اور بابا جوج مابوج کے کروڑوں انسانوں کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ سوائے حضرات اہل بیتؑ سمیت کہ وہ سب جاندار جو انسان کی قسم میں سے تھے اس دنیا سے کوچ کر گئے ہر وہ زمین میں چھپ گئے اور مسلم کی سو برس والی حدیث نے اپنی جلالی سچائی سے موت کا مژہ انہیں چکھا دیا اب ان کی انتظار آپ کی خام خیالی ہے۔ اب تو اتنا اند کہہ کر ان کو رخصت شدہ سمجھئے۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ ظلمان گذرے کہ احادیث نبویہ میں ان کے خروج کا وعدہ ہو اس کے اس صورت میں کیا محض ہوں گے۔ سو سنو! اس کے سچے محض ہوا اللہ جل شانہ نے میرے پر خا ہر کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ ان سب جیسے ذول کا آخری زمانہ میں جلالی طور پر صور مثالیہ میں ظہور مراد ہے۔ مثلاً پہلے دجال کو اس طرح پر دیکھا گیا کہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا کمزور اور ضعیف ہے کسی پر حملہ نہیں کر سکتا مگر اس آخری زمانہ میں عیسائی مشن کا

دجال اسی دجال کے رنگ میں قوت کے ساتھ خروج کر رہا ہے اور گویا مثالی وطنی وجود کے ساتھ وہی ہے اور جیسا کہ وہ اول زمانہ میں گرجا میں جکڑا ہوا نظر آیا تھا اب وہ اس بندے مخلصی پاکر عیسائیوں کے گرجے ہی نکلا ہے اور دنیا میں ایک آفت برپا کر رہا ہے۔

ایسا ہی یا جوج ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے۔ یہ دونوں پرانی قومیں ہیں جو پہلے زمانوں میں دوسروں پر کھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت میں ضعف رہا لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کریں گی یعنی بنی جلیل قوت کے ساتھ ظاہر ہوں گی جیسا کہ سورہ کف میں فرماتا ہے و توکنا بعضہم یومئذ یموج فی بعض یعنی یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایک دوسرے پر حملہ کریں گی اور جس کو خدا تعالیٰ چاہے فتح دے گا۔ چونکہ ان دونوں قوموں سے مراد انگریز اور روس ہیں اس لئے ہر ایک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہیئے کہ اُس وقت انگریزوں کی فتح ہو۔ کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔ اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں۔ سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہے۔ جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے۔ اگر ہم ان کا شکریہ کریں تو پھر ہم خدا تعالیٰ کے بھی ناشکر گزار ہیں۔ کیونکہ ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور بہار ہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پاسکتے۔ ہرگز نہیں پاسکتے۔

ایسا ہی دابة الارض یعنی وہ عمار و عظیم جو آسمانی قوت اپنے اندر نہیں رکھتے ابتداء سے چلے آتے ہیں۔ لیکن قرآن کا مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی حد سے زیادہ کثرت ہوگی اور ان کے خروج سے مراد وہی ان کی کثرت ہے۔

اور یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جیسی ان چیزوں کے بارے میں جو آسمانی قوت

اپنے اندر نہیں رکھتیں اور آخری زمانہ میں دوسرے جوش اور طاقت کے ساتھ ظہور کریں گی۔
خروج کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایسا ہی اُس شخص کے بارے میں جو حدیثوں میں لکھا ہے
کہ آسمانی وحی اور قوت کے ساتھ ظہور کرے گا نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سو ان دونوں
لفظوں خروج اور نزول میں درحقیقت ایک ہی امر مد نظر رکھا گیا ہے۔ یعنی اس بات کا سمجھنا
منظور ہے کہ یہ ساری چیزیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والی ہیں یا اعتبار اپنی قوت
ظہور کے خروج اور نزول کی صفت سے متصف کی گئی ہیں جو آسمانی قوت کے ساتھ آنے والا
تھا اس کو نزول لے لفظ سے یاد کیا گیا۔ اور جو مبنی قوت کے ساتھ نکلنے والا تھا اس کو
خروج کے لفظ کے ساتھ بکارا گیا۔ تا نزول کے لفظ سے آنے والے کی ایک غفلت سمجھی
جائے اور خروج کے لفظ سے ایک خفت اور حقارت ثابت ہو اور نیز یہ بھی معلوم
ہو کہ نازل خارج پر غالب ہے۔

ایسا ہی دُخان جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے کچھ آخری زمانہ سے ہی خاص نہیں ہو
بلکہ آخری زمانہ میں جو ہمارا زمانہ ہے اس کا تین اور کھلے کھلے طور پر ظہور ہوا ہے جیسا کہ
اللہ جل شانہ فرماتا ہے خمر۔ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْمُبَارَكَةِ
اِنَّا كُنَّا مُنذِرِيْنَ فِيْهَا يَفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُوَسِّلِيْنَ
رَحْمَةً مِنْ تَرْتِيْلِكَ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
اِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِيْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اَبَاءَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ
بِلَهِمْ فِيْ شَيْءٍ يَلْعَبُوْنَ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَغْشَى
النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ^{۱۱۲} سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ
یعنی اس روشن اور کھلی کھلی کتاب کی قسم ہے کہ ہم نے اس قرآنِ کیم کو ایک مبارک رات میں
اُتارا ہے کیونکہ ہمیں منظور تھا کہ نافرمانی کے نتائج سے ڈراویں۔ وہ رات ایک ایسی بابرکت
رات ہے کہ تمام حکمت کی باتیں اس میں کھولی جاتی ہیں اور ایسا ہی ہم نے چاہا اور تیرے

رب نے رحمت کی راہ سے ایسا ہی ارادہ کیا ہے کہ کل معارف و دقائق الہیہ کا تیری بعثت
مبارکہ پہنچی خاتمہ ہو اور وہی کلام کل معارف حکمیہ کا جامع ہو جو تجھ پر نازل ہوا ہے اور یہ
بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اس برکت والی رات سے مراد ایک تو وہی معنی ہیں جو
مشہور ہیں اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کی رات ہے اور
اس کا دامن قیامت کے دن تک پھیلا ہوا ہے اور آیت فیہا یفرق کل امر حکیم
میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمام زمانہ جو قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ہمدرد رات کے تحت بین فیوض تشران کریم سے بہت فائدہ اٹھائے گا اور وہ تمام
معارف الہیہ جو دنیا میں مخفی چلے آتے تھے اس زمانہ میں وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوئے ہیں
اور نیز آیت فیہا یفرق کل امر حکیم میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس زمانہ بابرکت
کے خواص میں سے یہ بھی ہو گا کہ معاش اور معاد کے کل علوم حکمیہ اپنے اعلیٰ درجہ کے
کمالات کے ساتھ ظہور پذیر ہوں گے اور کوئی امر حکمت ایسا نہیں رہے گا جس کی تفصیل
نہ کی جائے۔ پھر آگے فرمایا کہ ^{نقلہ} خدا وہ خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو بنایا اور جو کچھ
اس کے درمیان ہے سب اُنسی نے پیدا کیا۔ تا تم اُسی صالح حقیقی پر یقین لاؤ اور شک
کرنے کی کوئی وجہ نہ رہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے
تمہارا رب ہے اور تمہارے اُن باپ دادا دل کارب جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ بلکہ وہ تو
شکوہ و شبہات میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان دلائل کی طرف انہیں کہاں نظر ہے پس تو
اُس دن کا امید دار رہ جس دن آسمان ٹپک کھلا کھلا دھواں لائے گا جس کو دیکھ کر کہیں گے
کہ یہ عذاب دردناک ہے اور کہیں گے اے ہمارے خدا یہ عذاب تم سے اٹھا ہم ایمان لائے۔
اس جگہ دُخان سے مراد قحط عظیم و شدید ہے جو سات برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ مبارکہ میں پڑا یہاں تک کہ لوگوں نے مَرُوے اور ہڈیاں کھائی تھیں جیسا کہ ابن مسعود
کی حدیث میں مفصل اس کا بیان ہے۔ لیکن آخری زمانہ کے لئے بھی جو ہم اس زمانہ سے

اس دخان مبین کا وعدہ تھا اس طرح کہ قبل از ظہور مسیح نجات درجہ کی شدت سے اس کا ظہور ہوگا۔ اب سمجھنا چاہیے کہ یہ آخری زمانہ کا قحط جسمانی اور روحانی دونوں طور سے وقوع میں آیا۔ جسمانی طور سے اس طرح کہ اگر اب سے پچاس برس گذشتہ پر نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوگا کہ جیسے اب غلہ اور ہر یک چیز کا نرخ عالم طور پر ہمیشہ کم رہتا ہے اس کی نظیر پہلے زمانوں میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ کبھی خواب و خیال کی طرح چند روز گرائی غلہ ہوتی تھی اور پھر وہ دن گذر جاتے تھے لیکن اب تو یہ گرائی لازم غیبت منک کی طرح ہے اور قحط کی شدت اندر ہی اندر ایک عالم کو تباہ کر رہی ہے۔

اور روحانی طور پر صداقت اور امانت اور دیانت کا قحط ہو گیا ہے اور مرکز فریب اور معلوم و فہم و مظلّمہ دخان کی طرح دنیا میں پھیل گئی ہیں اور روز بروز ترقی پر ہیں۔ اس زمانہ کے مفاسد کی صورت پہلے زمانوں کے مفاسد سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے زمانوں میں اکثر نادانی اور اُتیمت رہزن تھی اس زمانہ میں تحصیل علوم رہزن ہو رہی ہے ہمارے زمانہ کی نئی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں دخان سے موسوم کرنا چاہیے عجیب طور پر ایساں اور دیانت اور اندرونی سادگی کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ سوفسطائی قریبوں کے غبار نے صداقت کے آفتاب کو چھپا دیا ہے اور فلسفی مخالطات نے سادہ لوحوں کو طح طرح کے شبہات میں ڈال دیا ہے۔ خیالات باطلہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر سے کچھ حقیر سی معلوم ہوتی ہیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ عقل کے رہزموں کو عقل سے درست کرے اور فلسفہ کے سرگشتوں کو آسمانی فلسفہ کے نور سے راہ پر لاوے سو یہ کامل درجہ کا دخان مبین ہے جو اس زمانہ میں ظاہر ہوا ہے۔

ایسا ہی طلوع شمس کا جو مغرب کی طرف سے ہو گا۔ ہم اس پر بہر حال ایمان لاتے ہیں لیکن اس عاجز و بویک رویا میں ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت و کفر و ضلالت میں ہیں آفتابِ مصلحت

سے منور کئے جائیں گے اور انکو اسلام سے حصہ ملے گا۔ اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک نمبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان ہی اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شاید تیر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہو گا۔ سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریک میں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستہ باز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔ و حقیقت آج تک مغربی ملکوں کی مناسبت و متنی سچائیوں کے ساتھ بہت کم رہی ہے گویا خدا تعالیٰ نے دین کی عقل تمام ایشیا کو دے دی اور دنیا کی عقل تمام یورپ اور امریکہ کو۔ نیویں کا سلسلہ بھی اول سے آخر تک ایشیا کے ہی حصہ میں رہا اور ولایت کے کمالات بھی انہیں لوگوں کو ملے۔ اب خدا تعالیٰ ان لوگوں پر رحمت ڈالنا چاہتا ہے۔

اور یاد رہے کہ مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ طلوع اشمس من مغرب ہلکے کوئی اور معنی بھی ہوں میں نے صرف کشف کے ذریعہ سے جو خدا تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے مذکورہ بالا معنی کو بیان کیا ہے۔ اگر کوئی مولوی مٹا ان الہی مکاشفہ کو الحاد کی طرف مڑا کرے تو وہ جانے اور اس کا کام۔ و ما قلت من عقد نفسی بل اتبع ما کشف

علی واللہ بصیر بحالی و سمیع لمقالی فاتقوا اللہ ایہا العلماء۔
لیکن اگر کوئی اس جگہ یہ سوال کرے کہ جب مغرب کی طرف سے آفتاب طلوع کرے گا تو جیسا کہ لکھا ہے تو بہ کا دروازہ بند ہو جائے گا تو پھر اگر یہی معنی سچ ہیں تو ایسے اسلام سے کیا فائدہ جو مقبیل ہی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تو بہ کا دروازہ بند ہونے سے یہ مطلب تو نہیں کہ تو بہ منظور ہی نہیں ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب ممالک مغربی کے لوگ فوج و قوج دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے تب ایک انقلاب عظیم ادیان میں پیدا ہو گا۔ اور جب یہ آفتاب

پورے طور پر ممالک مغربی میں طسوع کرے گا تو وہی لوگ اسلام سے محروم رہ جائیں گے جن پر دروازہ توبہ کا بند ہے یعنی جن کی فطرتیں بالکل مناسب حال اسلام کے واقعہ نہیں۔ سو توبہ کا دروازہ بند ہونے کے یہ معنی نہیں کہ لوگ توبہ کریں گے مگر منظور نہیں ہوگی اور خشوع و انضوع سے روٹیں گے مگر روکنے جائیں گے کیونکہ یہ اس دنیا میں اس عظیم و کیم کی شان سے بالکل بعید ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آریہ کے مل سخت ہو جائیں گے اور انکو توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی اور وہی اشرار ہیں جن پر قیامت آگئی۔ قطعاً و تدبیر۔

ایسا ہی ہمدی کے بارہ میں جو بیان کیا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ پہلے امام محمد ہمدی آویں اور بعد اس کے ظہور مسیح ابن مریم کا ہو۔ یہ خیال قلت تہذیب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اگر ہمدی کا آنا مسیح ابن مریم کے زمانہ کے لئے ایک لازم غیر منفک ہوتا اور مسیح کے مسئلہ ظہور میں داخل ہوتا تو دو بزرگ شیخ اور امام حدیث کے یعنی حضرت محمدؐ متعین صاحب صحیح بخاری اور حضرت امام مسلم صاحب صحیح مسلم اپنے صحیحوں سے اس واقعہ کو خارج نہ رکھتے۔ لیکن جس حالت میں انہوں نے اس زمانہ کا تمام نقشہ کھینچ کر آگے رکھ دیا اور پھر کے طور پر دعویٰ کر کے تلواریا کہ فلاں فلاں امر کا اس وقت ظہور ہو گا۔ لیکن امام محمد ہمدی کا نام تک بھی تو نہیں لیا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح اور کامل تحقیقات کی رو سے ان حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھا جو مسیح کے آنے کے ساتھ ہمدی کا آنا لازم غیر منفک ٹھہرا رہی ہیں اور دراصل یہ خیال بالکل فضول اور جمل معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ایک ایسی شان کا دعویٰ ہو کہ جس کو باعتبار باطنی رنگ اور خاصیت اس کی کے مسیح ابن مریم کہنا چاہیے دنیا میں ظہور کرے اور پھر اس کے ساتھ کسی دوسرے ہمدی کا آنا بھی ضروری ہو۔ کیا وہ خود ہمدی نہیں ہے؟ کیا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پا کر نہیں آیا؟ کیا اس کے پاس اس قدر جواہرات و خزان و اموال معارف و دقائق نہیں ہیں کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں اور اس قدر ان کا دامن بھر جائے جو قبول کرنے کی جگہ نہ رہے۔ پس اگر یہ سچ ہے تو اس وقت

دوسرے مہدی کی ضرورت ہی کیا ہے اور یہ صرف امامین موصوفین کا ہی مذہب نہیں۔ بلکہ ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اپنی صحیح میں لکھا ہے لا مہدی الا عیسیٰ یعنی، عیسیٰ کے اُس وقت کوئی مہدی نہ ہو گا۔ اور یوں تو ہمیں اس بات کا اقتدار ہے کہ پہلے بھی کوئی مہدی آئے ہوں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی آویں اور ممکن ہے کہ امام محمدؐ کے نام پر بھی کوئی مہدی ظاہر ہو لیکن جس طرز سے عوام کے خیال میں ہے اس کا ثبوت پایا نہیں جانا چنانچہ یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں اکثر محقق یہی رائے ظاہر کرتے آئے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اچھا مہدی کا قصہ جلنے دو لیکن یہ جو بار بار حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ آئے گا۔ مسیح ابن مریم نازل ہو گا۔ ان صریح لفظوں کی کیوں تاویل کی جائے۔ اگر اشد بے نشانہ کئے ظلم اور اراخہ میں ابن مریم سے مراد ابن مریم نہیں تھا تو اس نے لوگوں کو آئندہ ان مشکلات میں کیوں ڈالا اور سیدھا کیوں یہ کہہ دیا کہ کوئی مثیل مسیح آئے گا۔ بلکہ کون سی ضرورت اس بات کی طرف داعی تھی جو ضرور مثیل مسیح آتا کوئی اور نہ آتا۔ اب کھلے کھلے لفظوں سے کیونکر انکار کریں یہ انکار تو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اور پردہ اس انکار کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی غلط ہے۔

لیکن واضح ہو کہ یہ تمام اوہام باطلہ ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں بضرر آزمائش خلق اللہ ایسے ایسے استعارات کا مستعمل ہونا کوئی انوکھی اور بے اصل بات نہیں اور پہلی کتابوں میں ایسے استعارات کی نظیر موجود ہے فاستلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون علیہ ایلک قصہ کو دیکھو جس کو یہ خانا کہا گیا ہے جبکہ قرآن کریم نے قطعی اور یقینی طور پر ظاہر کر دیا کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو گئے ہیں تو اب اس سے بڑھ کر ضرورت تاویل کے لئے اور کیا قرینہ ہو گا۔ مثلاً فرض کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مستند خط کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ایک شخص کلکتہ میں رہنے والا عبد الرحمن نام جس کی شہادت کسی مقدمہ کے لئے مؤثر تھی فوت ہو گیا ہے۔ پھر بعد اس کے ہم نے ایک ایسا کاغذ تلاش کیا جس پر

ایک شخص عبد الرحمن نام کلکتہ کے رہنے والے کی گواہی تاویخ و خات کے بعد میں مسیح تھی تو کیا ^{er} er
 ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہی عبد الرحمن یوفوت ہو چکا تھا زندہ ہو کر اپنی گواہی لکھ گیا ہے
 پس چونکہ اس عبد الرحمن کے زندہ ہو جانے کا ہمارے پاس کوئی بھی ثبوت نہیں تو کیا
 صرف خدا متعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے ہم کسی ایسی صورت کے مقدمہ میں جو عدالت میں
 پیش ہے بغیر اس بات کے ثبوت دینے کے کہ وہ حقیقت وہی عبد الرحمن زندہ ہو کر اپنی
 گواہی لکھ گیا ہے وگرنہ کے ہانے کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔

اوپر دغدغہ کہ کیوں مسیح ابن مریم کے لفظ کو اختیار کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ
 یہ اسی طرز کا محاورہ ہے جیسے یعنی ابن زکریا کے لئے ایلیا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔
 خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ آخری زمانہ میں کوئی شخص مسیح کی قوت اور مسیح میں پیدا ہوا اور وہ
 اس گروہ کذاب کا مقابلہ کرے جن کی طبیعت اس طبیعت کے مغائر مخالف واقع ہے۔
 سو گروہ کذاب کا نام اُس نے مسیح و جمال رکھا اور حامی حق کا نام مسیح ابن مریم قرار دیا اور
 اس کو بھی ایک گروہ بنایا جو مسیح ابن مریم کے نام سے سچائی کی فتح کے لئے دنیا کے تیر تک
 کوشش کرتا رہے گا۔ سو ضرور تھا کہ یہ آئے والے مسیح ابن مریم کے نام سے ہی آئے۔ کیونکہ
 جس تاثیرات اشیاء کو مسیح و جمال نے پھیلانا چاہا ہے اس تاثیر کے مخالف مسیح ابن مریم کو
 تاثیر دی گئی ہے جو روح القدس کے ذریعہ سے اس کو ملی ہے سو جو شخص مسیح کے قدم پر
 وہ تاثیر لے کر آیا اور زہر ناک ہوا کے مقابل پر جو ہلاک کرتی ہے یا ہلاکت تک پہنچاتی ہے
 ایک تریاقتی نفس اس کو عطا ہوا۔ اس وجہ سے وہ مسیح ابن مریم کسلا کیونکہ وہ روحانی طور پر
 مسیح کے رنگ میں ہو کر آیا۔ مسیح کیونکہ آسکتا۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار رہتے
 اس کو آنے سے روکتی ہے۔ سو اس کا ہر رنگ کیا وہ رسول نہیں مگر رسولوں کے مشابہ ہے اور
 مثل ہے۔ کیا عام لفظوں میں کسی حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض گذشتہ رسولوں میں ہو
 پھر اس امت میں آئیں گے جیسا کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے ٹیس آئیں گے اور مثل آئیں گے

جو فطر تا انبیاء سے امت اقرب ہیں سو جن کے آنے کا صاف طور پر بلا تعارض وعدہ دیا گیا ہے اُن سے مُنہ منت پھیرو اور اُن کے امام سے بھی شہادت کا فائدہ اٹھاؤ کیونکہ اُن کی گواہی اس بات کو کھولتی ہے جو تم اپنی عقلوں سے کھول نہیں سکتے۔ آسمانی گواہی کے رد کرنے میں جرات نہ کرو کیونکہ یہ بھی اُسی پاک چشمہ سے نکلی ہے جس سے وحی نبوت نکلی ہے۔ سو یہ وحی کے معنی کی شاح اور مراد مستقیم کو دکھلانے والی ہے۔

وصیت الحق

اے ناظرین! اب یہ عاجز اس مضمون کو ختم کر چکا اور اس تمام تحقیقات سے معلوم ہوا کہ شرعی اور نقلی طور پر ہمارے اس امام کی تصدیق یا تکذیب کے لیے جو حج الہیوم وفات پا چکا ہے تین راہیں ہیں۔ (۱) قرآن کریم (۲) احادیث و اقوال سلف و خلف اور اہل بیتوں راہوں کے ذریعہ سے ہمارے امام کی تصدیق ہو رہی ہے۔ سب سے سیدھی راہ اور بڑا ذریعہ جو انوار یقین اور قوت سے بھرا ہوا اور ہماری روحانی بھلائی اور ترقی علمی کے لئے کامل رہنا ہے قرآن کریم ہے جو تمام دنیا کے دینی نزاعوں کے فیصل کرنے کا تکفل ہو کر آیا ہے جس کی آیت آیت اور لفظ لفظ ہزار ہا طور کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے اور جس میں امت سا آپ حیات ہماری زندگی کے لئے بھرا ہوا ہے اور امت سے ناورد اور ویش قیمت جو اہر اپنے اندر خفی رکھتا ہے جو ہر روز ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ یہی ایک عمدہ حکم جو جس کے ذریعہ سے ہم راستی اور نادرستی میں فرق کر سکتے ہیں۔ یہی ایک روشنی چرغ ہے جو عین سچائی کی راہیں دکھاتا ہے۔ بلاشبہ جن لوگوں کو راہ راست سے مناسبت اور ایک قسم کا رشتہ ہے اُن کا دل قرآن شریف کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور خلائے کریم نے اُن کے دل ہی اس طرح کے بنار کھے ہیں کہ وہ عاشق کی طرح اپنے اس محبوب کی طرف جھکتے ہیں اور بغیر اس کے کسی جگہ

قرار نہیں پکڑتے اور اس سے ایک صاف اور صریح بات شکر کچھ کسی دوسرے کی نہیں
 سنتے اس کی ہر ایک صداقت کو خوشی سے اور دوا کر قبول کر لیتے ہیں اور اس خبر ہی ہے
 جو موجب اشتراق اور روشنفہمی کا ہو جاتا ہے اور عجیب و غریب انکشافات کا ذریعہ ٹھہرتا
 ہے اور ہر ایک کو حسب استعداد معراج ترقی پر پہنچاتا ہے۔ واستبازول کو قرآن کریم کے
 انوار کے نیچے چلنے کی ہمیشہ حاجت رہی ہے اور جب کسی ^{۵۲۵} کسی حالت جدیدہ زمانہ نے
 اسلام کو کسی دوسرے مذہب کے ساتھ ٹکرا دیا ہے تو وہ تیسرا اور کارگر ہتھیار جو فی الفور کلام
 آیت ہے قرآن کریم ہی ہے۔ ایسا ہی جب کہیں فلسفی خیالات مخالفانہ طور پر شائع ہوتے رہے
 تو اس خبیث پودہ کی جھگنی آخر قرآن کریم ہی نے کی اور ایسا اسکو حقیر اور ذلیل کر کے دکھلا دیا۔
 کہ ناظرین کے آگے آئینہ رکھ دیا کہ سچا فلسفہ یہ ہے نہ وہ۔ حال کے زمانہ میں
 بھی جب اول عیسائی و اعظمی نے سر اٹھایا اور بد فہم اور نادان لوگوں کو توحید کے کھینچ کر
 ایک عاجز بندہ کا پرستار بنانا چاہا اور اپنے متخشوش طریق کو سوسطانی تصوروں سے
 آراستہ کر کے ان کے آگے رکھ دیا اور ایک طوفان ملک ہند میں برپا کر دیا۔ آخر قرآن کریم
 ہی تھا جس نے انہیں پسپا کیا کہ اب وہ لوگ کسی باخبر آدمی کو منہ بھی نہیں دکھلا سکتے
 اور ان کے بے چوڑے عزرات کو یوں الگ کر کے رکھ دیا جس طرح کوئی کاغذ کا تختہ پیٹے۔
 قرآن کریم نے ان کے ایک بڑے بھارے عقیدہ کو جو کفارہ کا عقیدہ تھا ماقبول
 و ماکصلبہ کا ثبوت دے کر معدوم کر دیا۔ اور انسان کی نجات کے لئے وہ طبعی اور
 فطرتی طریقہ بتلایا جو آدم کی پیدائش سے ہر ایک آدمی کی جبلت ^{۵۲۶} کو لازم ہے۔ اب وہ لوگ
 اس بات سے قور ہے کہ اپنا پر علم اور بے اثر کفارہ عقلمندانوں کے سامنے پیش کر سکیں
 ہاں یہ ممکن ہے کہ اب جنات کی طرف جن کا وجود خبیث کی رو سے ثابت ہے اس کفارہ کے
 لئے کوئی مشن جمعیں کہو کہ ان کو بھی تو خدا تعالیٰ ہلاکت کے لئے پیدا نہیں کیا مگر مشکل تو یہ ہے
 کہ یہ دروغ بے فروغ اسی حد تک بنایا گیا تھا کہ سچ ابن مریم بنی آدم کے کفارہ کیلئے آیا ہے۔

۵۲۵

۵۲۶

اور ابن آدم کہلا کر پورا آدمی کا مجنس ہو کر اس کو یہ استحقاق بنی نوع کی ہمدردی کا پیدیا ہوا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ حجت پیش کی جائے کہ مسیح کا ایک اور بھائی تھا کہ جو ابن آدم نہیں بلکہ ابن جن کہلاتا تھا وہ جنت کے کفارہ کے لئے مصلوب ہوا تھا۔ مگر پھر بھی انجیل کی رو سے کوئی ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔

ایسا ہی قرآن کریم نے ہندوؤں پر بھی بہت سی صداقتیں ظاہر کی ہیں اور وہ قیوم العالمین جس سے وہ بنے خبر تھے ان کا انہیں پتہ نہ دیا ہے اگر وہ لوگ اس صداقت کو قبول کرتے تو اس خدا کو دیکھ لیتے جس کی عظمت و قدرت سے وہ غافل ہیں۔ لیکن انہوں نے انگریزوں کے فلسفہ جدیدہ کو دیکھ کر فلسفی بننا چاہا۔ اور سربیک چرین کے اسباب تلاش کرنا شروع کیا تا قرآن کریم کی حقانی فلاسفی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ مگر یہ حرکت ان کے لئے بڑی گشتگی کا موجب ہوئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہوں نے اپنے اعتقادات اور اعمال کی نسبت جو وید کی تعلیم کے رو سے ان کے ایمان میں داخل ہیں دو بے نمونے ظاہر کر دیئے۔ اعتقاد کی نسبت یہ نمونہ کہ خدائے تعالیٰ کی خالقیت کی نسبت انکار کر کے اس کے وجود کے پتہ لگنے کی راہیں اپنے پر بند کر دیں اور دنیا کے ذرہ ذرہ اور تمام ارواح کو خود بخود اور قدیم اور واجب الوجود سمجھ کر توحید کے اس دقیق راز کو چھوڑ دیا جس پر سچی معرفت اور سچا گمان اور سچی مکتی موقوف ہے اور اعمال کی نسبت یہ نمونہ کہ نیوگ کا ایک قابل شرم مسئلہ جو ویدوں میں چھپا ہوا چھلا آتا تھا جس کے رو سے ایک شوہر و عورت کسی آریہ کی اولاد حاصل کرنے کی غرض سے کسی غیر آدمی سے ہم بستر ہو سکتی ہے اپنی کتابوں میں شائع کیا۔ اگر ایسے اعتقاد کو ایک مختص الزمان قانون کی طرح سمجھتے تو شاید اس کی قباحت کسی قدر نرم ہو جاتی مگر اب تو یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے اور ہر زمانہ کے لئے ایک غیر متبدل قانون کی طرح سمجھا گیا ہے جو ویدوں کی طرح انادی چلا آیا اور نادہی ہی رہے گا۔ پس یہ قرآن کریم کی مخالفت کی سزا ہے جس کو ہم

انشاء اللہ تقدیر برائین احمیہ کے حصص باقیہ میں تصریح و تفصیل بیان کریں گے سو اسی قرآن کریم نے حضرت مسیح کی وفات کے منکرین کو ایسی زکوی ہے کہ وہ ذرا شہر نہیں سکتے اور اس جنگ میں نا سمجھ لوگوں نے ایسی شکست کھائی ہے کہ اس شکست کی کوفت عمر بھر انہیں نہیں بھولے گی۔ غرض قرآن شریف دھتکے دے دیکر ان کو اپنے دربار سے باہر نکال رہا ہے۔

اب رہی حدیثیں سو سب سے اول یہ بات سوچنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے مقابل پر حدیثوں کی کیا قدر اور منزلت ہے اور جب قرآن کریم کے نصوص بقیہ سے کوئی حدیث مخالف پڑے تو کہاں تک اس کے اعتبار کو وزن دے سکتے ہیں۔

سو جاننا چاہیے کہ قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شے تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ خدا رب تعالیٰ کا ہی کلام ہے اور کسی فرقہ یا سلام کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں اس کی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تو اثر اپنے ساتھ رکھتی ہے وہ وحی متلو ہے جس کے حرف حرف گئے ہوئے ہیں وہ باعث اپنے اجماز کے بھی تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے۔ لیکن احادیث تو انسانوں کے دخل سے بھری ہوئی ہیں۔ جو ان میں سے صحیح کہلاتی ہیں ان کا اتنا بھی مرتبہ نہیں جو ایک آیت کے مقابل پر ایک کروڑ ان میں سے وہ رنگ اور شان پیدا کر سکے جو اللہ جل شانہ کی بے مثل کلام کو حاصل ہے لہذا حدیث صحیح بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ثابت ہو ایک قسم کی وحی ہے مگر وہ ایسی تو نہیں جو قائم مقام قرآن شریف ہو سکے یا جو سے قرآن شریف کی جگہ صرف حدیث پڑھ کر نماز نہیں ہو سکتی حدیثوں میں ضعف کی وجہ سے اس قدر ہیں کہ ایک دانا آدمی ان پر نظر ڈال کر ہمیشہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ ان کو تقویت دینے کے لئے کم سے کم نص قرآنی کا کوئی اشارہ ہی ہو۔ یہ سچ ہے کہ حدیثیں صحابہ کی زبان سے توسط کسی راویوں کے مولفین صحاح تک پہنچی ہیں اور یہ بھی سچ ہے

۵۳۰ کہ جہاں تک ممکن ہے تو اعلیٰین صحاح نے حدیثوں کی تنقید و تفتیش میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں مگر پھر بھی ان پر وہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے جو اشدّ جلّ شانہ کی کلام پر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ کئی واسطوں سے اور معمولی انسانوں کے ہاتھوں سے دست مال ہو کر ائمہ حدیث کو ملی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث کا راوی عجمی رضی اللہ عنہ ہے جو خلیفہ رسول اللہ اور پیس الشفا ہے جو حکم چھ سلت راوی و میسان میں ایسے ہیں جو ان کا تزکیہ نفس اور کمال طہارت ثابت نہیں اور ان کی راستبازی اور خدا ترسی اور دیانت کو سرسری نظر سے بطور حسن ظن تسلیم کی گئی ہو مگر بالکشفات تام کچھ ثابت نہیں سو وہ کیونکر راستبازی میں حضرت عیسیٰ کے قاتل مقام سمجھے جائیں گے اور کیوں جائز نہیں کہ انہوں نے عمدایا سو ا بعض احادیث کی تسلیخ میں خطا کی ہو۔ اسی نظر سے بعض ائمہ نے احادیث کی طرف توجہ کم کی ہے جیسا کہ امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ جن کو اصحاب الرائے میں سے خیال کیا گیا ہے اور ان کے مجتہدات کو بواسطہ وقت معانی احادیث میحہ کے برخلاف سمجھا گیا ہے۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب موصوف اپنی قوت اجتماعی اور اپنے علم اور درایت اور فہم و فراست میں ائمہ ثلاثہ باقیہ سے افضل و اعلیٰ تھے اور ان کی خدا واد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت حدیث میں دغبی فرق کرنا جانتے تھے اور ان کی قوت مدرا کہ کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور ان کی فطرت کو کلام الہی سے ایک خاص مناسبت تھی اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجتماع و استنباط میں ان کے لئے وہ درجہ علیا تسلیم تھا جس تک پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔ سبحان اللہ اس لیرک اور ربانی امام نے کیسی ایک آیت کے ایک اشارہ کی عزت اعلیٰ و ارفع سمجھ کر بہت سی حدیثوں کو جو اس کے مخالف تھیں ردی کی طبع سمجھ کر چھوڑ دیا اور حلالہ کے طعن کا کچھ اندیشہ نہ کیا مگر افسوس کہ آج وہ زمانہ ہے کہ بے سرو پا اقوال قرآن شریف پر مقدم سمجھے جلتے ہیں اور ایک بے اصل لکیر کو اجماع کی صورت میں خیال کیا جاتا ہے اور اگرچہ قرآن کریم کی نصوص و متینہ

کے سامنے حدیثوں کا ذکر کرنا ایسا ہے کہ جیسا آفتاب کے مقابل پر کرم شب تاب کو پیش کیا جائے مگر پھر بھی ہمارے مخالفین کی سخت بے نصیبی ہے کہ اس قسم کی حدیثیں بھی تو نہیں ملتیں جن سے یہ ثابت ہو کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام اسی جسم خاکی منہری کے ساتھ آسمان کی طرف زندہ اٹھایا گیا۔ ہاں اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں کہ ابن مریم آئے گا مگر تو کہیں نہیں لکھا کہ وہی ابن مریم اسرائیلی نبی جس پر نبیل نازل ہوئی تھی جس کو قرآن شریف ماریا کا ہے وہی زندہ ہو کر پھر آجائے گا۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے مگر اس کو امتی کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے بلکہ خبر دی گئی ہے کہ اے امتی لوگو وہ تم میں سے ہی ہو گا اور تمہارا امام ہو گا اور نہ صرف قلی طور پر اس کا امتی ہونا ظاہر کیا بلکہ فعلی طور پر بھی دکھلا دیا کہ وہ امتی لوگوں کے موافق صرف قال اللہ وقال الرسول کا پیر ہو گا اور حل مخلقات و معضلات دین نبوت سے نہیں بلکہ اجتہاد سے کرے گا اور نماز و سہرہ کے پیچھے پڑھے گا۔ اب ان تمام اشکات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوت تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہو گا۔ ہاں نبوت ناقصہ اُس میں پائی جائے گی جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے اور نبوت تامہ کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ سو یہ بات کہ اس کو امتی بھی کہا اور نبی بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شائیں امتیقت اور نبوت کی اُس میں پائی جائیں گی جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگی ہوتی ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں بھی اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی۔ اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب اسرائیلی نبی مسیح ابن مریم فوت ہو چکا اور پھر اس کے زندہ ہو جانے کا کہیں قرآن شریف میں ذکر نہیں تو بجز اس کے اور کیا سمجھ میں آ سکتا ہے کہ یہ آنے والا ابن مریم اور ہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ مسیح ابن مریم کو زندہ کر کے

اور

۳۸۷

سمجھا دے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر صرف قدرت کو دیکھنا ہے اور مخصوص قرآنہ سے کچھ غرض نہیں
 تو ظاہر ہے کہ قدرت خدا تعالیٰ کی دونوں طور سے متعلق ہے چاہے تو زندہ کر کے بھیجے
 اور چاہے تو ہرگز زندہ نہ کرے اور نہ دنیا میں بھیجے۔ اور دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ ان
 دونوں طور کی قدرتوں میں سے اس کے منشاء کے موافق کونسی قدرت ہے۔ سو اوتار
 سوچئے نظر اس پر ہوگا کہ یہ قدرت کہ جس کو ایک دفعہ مار دیا پھر خواہ نہ خواہ دو موقبل کا عذاب
 اس پر نازل کرے ہرگز اس کے منشاء کے موافق نہیں جیسا کہ وہ خود اس بارہ میں فرماتا
 ہے۔ فی مسئلۃ التی قضی علیہا الموت یعنی جس کو ایک دفعہ مار دیا پھر اس کو دنیا
 میں نہیں بھیجے گا اور جیسا کہ صرف ایک موت کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے لایذوقون
 فیہا الموت الا الموتۃ الاولی۔ سو یہ بات اس کے سچے وعدہ کے برخلاف ہو کہ مردوں
 کو پھر دنیا میں بھیجنا شروع کر دیوے۔ اور کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور
 نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آسکتا۔ کیا یہ
 ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم ہو وحی اور نزول جس میں اس کے
 وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے
 احکام و عقائد دین جس میں اس کے ذریعے سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو
 برس سے ہر لگ گئی ہے کیا یہ ہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر کوئی کہے کہ مسیح ابن مریم
 نبوت تامہ سے محض کر کے بھیجا جائے گا تو اس سزا کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیئے۔
 بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بے استحقاق معبود قرار دیا گیا تھا سو خدا تعالیٰ
 نے چاہا کہ اس کی سزا میں نبوت سے اس کو الگ کر دیا جائے اور وہ زمین پر آکر دوسروں
 کے پیرو بنیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھیں اور امام اعظم کی طرح صرف اجتہاد و کام لیں۔
 اور حنفی الطریق ہو کر حنفی مذہب کی تائید کریں۔ لیکن یہ جواب معقول نہیں ہے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم
 میں اس الزام سے ان کو بری کر دیا ہے اور ان کی نبوت کو ایک دوا بھی نبوت قرار دیا ہے۔

بصائیو! کیوں کھیلنے بن کر بیہودہ باتیں کرتے ہو اور ناحق اپنے ذمہ گناہ لیتے ہو۔
خدا تعالیٰ قرآن کریم میں اُس سچ ابن مریم کو مار چکا جو اسرائیلی نبی تھا جس پر انجیل نازل
ہوئی تھی۔ اب یہ لفظ اپنے گھر سے حدیثوں میں زیادہ مت کرو کہ وہی سچ فوت شدہ پھر آئیگا۔
اُسے خدا کے بندو کچھ تو خدا سے ڈرو۔ کیا خدا تعالیٰ آپ کے نزدیک اس بات پر قادر نہیں
کہ وہ اپنے ایک بندو میں ایک ایسی روح ڈال دیوے جس سے وہ ابن مریم کے روپ میں ہی ہو جائے
کیا اس کی مثالیں خدا تعالیٰ کی کتابوں میں نہیں کہ اس نے ایک نبی کا نام دوسرے پر رکھ دیا
کیا حدیثوں میں یہ مذکور نہیں کہ شیل ابن مریم وغیرہ اس اُمت میں پیدا ہوں گے تو پھر
جب قرآن سچ ابن مریم کو مارتا ہے اور حدیثیں شیل ابن مریم کے آنے کا وعدہ دیتی ہیں
تو اس صورت میں کیا اشکال باقی رہا۔ کیا اس میں کچھ جھوٹ ہے کہ جو ابن مریم کی سیرت رکھتا
ہے وہ ابن مریم ہی ہے۔

۴۲۵

ز موت ز فو تشس رہائی نمود
تو ہم کن چنیں ابن مریم توئی

در آں ابن مریم خدائی نمود
رہا کرد خود را ز شرک و دوئی

اے مولوی صاحبان فضولی کو چھوڑ دو اور مجھے کوئی ایک ہی حدیث ایسی دکھاؤ کہ جو
صحیح ہو اور جو سچ کا خاکی جسم کے ساتھ نہ ٹھایا جانا اور اب تک آسمان پر زندہ ہونا ثابت
کرتی ہو اور تو اتر کی حد تک پہنچی ہو اور اس مقدار ثبوت تک پہنچ گئی ہو جو عند اطفال مفید یقین قاطعی
ہو جائے اور صرف شک کی حد تک محدود نہ رہے آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی تمام آیات یتنہ
کیسی مفید یقین ہیں۔ اب جبکہ ہمارا دعویٰ مبنی بر نصوص یتنہ قرآنیہ ہے اور اسکی تائید میں صحیح حدیثیں بھی
ہمارے پاس ہیں اور ایسا ہی قول اہل سلف و خلف بھی ہماری تائید میں کچھ تھوڑے نہیں اور الہامی شہادتیں اس کے
انصاف کے ترازو لے کر بیٹھ جاؤ اور ایک پلہ میں اپنے خیالات رکھو اور دوسرے پلہ میں
ہماری یہ سب وجوہات۔ اور آپ ہی انصاف کر لو۔ خوب سوچ لو کہ اگر ہمارے پاس صرف
نصوص قرآن کریم ہی ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔ اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان

ازالہ اوہام
حصہ دوم

نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقین نور علی نور ہے جس سے عمداً انحراف ایک قسم کی بے ایمانی میں داخل ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ جو حدیثیں اس اعلیٰ درجہ کے ثبوت کے برخلاف ہوں گی تو اگر ہم ان کو غلط نہ کہیں اور نہ ان کا موضوع نام رکھیں تو زیادہ سے زیادہ نرمی ہماری ان حدیثوں کی نسبت یہ ہوگی کہ ہم ان کی تاویل کریں۔ ورنہ حق ہمارا تو یہی ہے کہ ان کو قطعی طور پر ساقط الاعتبار سمجھیں۔ بعض یہ دم پیش کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں مکتبہ کے بارے میں صرف توفی کا لفظ موجود ہے مگر لغت میں یہ لفظ کئی معنوں پر آیا ہے۔ سو اس وہم کا جواب یہ ہے کہ کلام تو اس بات میں ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں کئی معنوں پر آیا ہے یا ایک معنی پر۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے بعض الفاظ لغت سے لے کر اصطلاحی طور پر ایک معنی کے لئے خاص کر دیئے ہیں۔ جیسے صوم صلوٰۃ رحمانیت رحیمیت توفی۔ اور ایسا ہی اللہ کا لفظ۔ اور کئی اور الفاظ۔ سو اصطلاحی امر میں لغت کی طرف رجوع کرنا حماقت ہے۔ قرآن شریف کی قرآن شریف سے ہی تفسیر کرو۔ اور دیکھو کہ وہ ایک ہی معنی کا التزام رکھتا ہے یا متفرق معنی لیتا ہے۔ اور اقوال اہل فہم و خلف و تحقیق کوئی مستقل حجت نہیں اور ان کے اختلاف کی حالت میں وہ گروہ حق پر ہوگا جن کی لئے قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اگر یہ اقوال طب و یا بس تو تفسیروں میں لکھے ہیں کچھ استحکام رکھتے تو ان تفسیروں میں اقوال متضادہ کیوں درج ہوتے۔ اگر ماخذ اجماع کا یہی اقوال متضادہ ہیں تو حقیقت اجماع معلوم شد۔

اب ہم اس وصیت میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف اپنے زبردست ثبوتوں کے ساتھ ہمارے دعوے کا مصدق اور ہمارے مخالفین کے اوہام باطلہ کی بھنگی کر رہا ہے اور وہ گزشتہ نبیوں کے واپس دنیا میں آنے کا دروازہ بند کرتا ہے۔ اور بنی اسرائیل کے ثیلوں کے آنے کا دروازہ کھولتا ہے۔ اسی نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم اس دعا کا حاصل کیا ہے

یہی تو ہے کہ ہمیں اسے ہمارے خدا نبیوں اور رسولوں کا ٹھیل بنا۔ اور پھر حضرت یحییٰ کے حق میں فرماتا ہے لَمَّا جَعَلَ لَكَ مِنْ قَبْلِ سَمِيًّا يَعْنِي يَحْيَى سب سے پہلے ہم نے کوئی اس کا ٹھیل دینا میں نہیں بھیجا جس کو باعزت باران صفات کے یحییٰ کہا جائے یہ آیت ہماری تصدیق بیان کئے اشارۃً انص ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ آیت موصوفہ میں قبل کی شہرہ لگائی بعد کی نہیں لگائی تا معلوم ہو کہ مجدد میں اس سرکاری نبیوں کے ہمناموں کے آنے کا دروازہ کھلا ہے جن کا نام خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی ہوگا جو ان نبیوں کا نام ہوگا جن کے وہ ٹھیل ہیں یعنی جو ٹھیل موسیٰ ہے اس کا نام موسیٰ ہوگا اور جو ٹھیل عیسیٰ ہے اس کا نام عیسیٰ یا ابن مریم ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس آیت میں سبھی کا ٹھیل نہیں کہا تا معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جو شخص کسی سرکاری نبی کا ٹھیل بن کر آئے گا وہ ٹھیل کے نام کو نہیں پکارا جائے گا بلکہ انطباق کی اسی نام سے پکارا جائے گا جس نبی کا وہ ٹھیل بن کر آئے گا۔

۵۴۵

اور سچ ابن مریم کی وفات کے بارہ میں اگر خدا تعالیٰ قرآن شریف میں کسی ایسے لفظ کو استعمال کرتا جس کو اس نے مختلف معنوں میں استعمال کیا ہو تا تو کسی خائن کو خیانت کرنے کی گنجائش ہوتی۔ سو خیانت پیشہ لوگوں کا خدا تعالیٰ نے ایسا بندوبست کیا کہ قوفی کے لفظ کو جو حضرت عیسیٰ کی وفات کے لئے استعمال کیا گیا تھا پچیس جگہ پر ایک ہی معنی پر استعمال کیا اور اس کو ایک اصطلاحی لفظ بنا کر ہر ایک جگہ میں اس کے یہ معنی لئے ہیں کہ روح کو قبض کر لینا اور جسم کو بے کار چھوڑ دینا۔ تا یہ لفظ اس بات پر دلالت کرے کہ روح ایک باقی رہنے والی چیز ہے جو بعد موت اور ایسا ہی حالت خواب میں بھی خدا تعالیٰ کے قبضہ میں آجاتی ہے اور جسم پر فطاری ہوتی ہے مگر روح پر نہیں۔ اور چونکہ یہی حنی بالالتزام ہر ایک محل میں جہاں قوفی کا لفظ آیا ہے لئے گئے اور ان سے خروج نہیں کیا گیا اس لئے یہ معنی نصوص صریحہ بینۃ ظاہرہ قرآن کریم میں سے ٹھہر گئے جن سے انحراف کرنا الحاد ہوگا کیونکہ یہ مسلم ہے کہ النصوص بحمل علی ظواہرہا پس قرآن کریم نے قوفی

۵۴۶

کے لفظ کو محل تنازعہ فیہ میں یعنی مسیح کی وفات کے متعلق ہے تیسریں جگہ ایک ہی معنوں پر اطلاق کر کے ایسا کھول دیا ہے کہ اب اس کے ان معنوں میں کہ روح قبض کرنا اور جسم کو چھوڑ دینا ہے ایک فہم شک و شبہ کی جگہ نہیں رہی۔ بلکہ یہ اول درجہ کے بینات اور مطالب صریح ظاہر و بدیہہ میں سے ہو گیا جس کو قطع اور یقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے جس سے انکار کرنا بھی اول درجہ کی ناوانی ہے۔

اب قرآن کریم میں اس لفظ کی تشریح کرنے میں صرف دو سبیل ہیں تیسرا کوئی سبیل نہیں (۱) دائمی طور پر روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ جس کا دوسرے لفظوں میں امانت نام ہے یعنی مار دینا۔

(۲) دوسرے کچھ تھوڑی مدت کے لئے روح کا قبض کرنا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ جس کا دوسرے لفظوں میں امانت نام ہے یعنی سلا دینا۔ لیکن ظاہر ہے کہ محل تنازعہ فیہ سے دوسرے قسم کے معنی کو کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ سونا اور پھر جاگ اٹھنا ایک معمولی بات ہے۔ جب تک انسان سویا رہا روح اس کی خدایت جانے کے قبضہ میں رہی اور جب جاگ اٹھا تو پھر روح اس جسم میں آگئی جو بطور بیکار چھوڑا گیا تھا۔ یہ بات صفائی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جبکہ توفی کے لفظ سے صرف روح کا قبضہ میں کر لینا مراد ہے بغیر اس کے جو جسم کو سوا کر ہو بلکہ جسم کا بیکار چھوڑ دینا توفی کے مفہوم میں داخل ہے تو اس صورت میں اس ہی طرح کہ اور کوئی حماقت نہیں کہ توفی کے یہ معنی کئے جاویں کہ خدا تعالیٰ جسم کو اپنے قبضہ میں کر لے۔ کیونکہ اگر یہ معنی صحیح ہیں تو نمونہ کے طور پر قرآن کریم کے کسی اور مقام میں بھی ایسے معنی ہونے چاہئیں۔ مگر ابھی ہم ظہر کر چکے ہیں کہ تیسرا آن کریم اہل سے آخر تک صرف یہی معنی ہر یک جگہ مراد لیتا ہے کہ روح کو قبض کر لینا اور جسم سے کچھ تعلق نہ رکھنا بلکہ اس کو بیکار چھوڑ دینا۔ مگر فرض کے طور پر اگر مسیح ابن مریم کے محل وفات میں دوسرے معنی مراد لیں تو ان کا حاصل یہ ہو گا کہ مسیح کچھ مدت تک سویا رہا اور پھر جاگ اٹھا پس اس سے تو

ثابت نہ ہو سکا کہ جسم آسمان پر چلا گیا۔ کیا جو لوگ رات کو یادوں کو سوتے ہیں تو ان کا جسم آسمان پر چلا جایا کرتا ہے۔ سونے کی حالت میں جیسا کہ ابھی میں بیان کر چکا ہوں صرف تھوڑی مدت تک روح قبض کر لی جاتی ہے جسم کے اٹھنے جلنے سے اس کو عطا فرمایا گیا ہے۔ ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ نصوص ظاہر و متواترہ صریحہ قرآن کریم نے توفی کے لفظ کو صرف روح تک محدود رکھا ہے یعنی روح کو اپنے قبضہ میں کر لینا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر توفی کے لفظ سے یہ نکالنا کہ گویا خدا تعالیٰ نے نہ صرف صبح (ان کریم کی روح کو اپنی طرف اٹھایا بلکہ اس کے جسم غصری کو بھی ساتھ ہی اٹھالیا۔ یہ کیسا سخت جمالت سے بھرا ثواب خیال ہے جو صریح اور بدیہی طور پر نصوص قیمہ قرآن کریم کے مخالف ہے۔ قرآن کریم نے نہ ایک بار نہ دو بار بلکہ پچیس بار فرمادیا کہ توفی کے لفظ سے صرف قبض روح مراد ہے جسم سے کچھ غرض نہیں۔ پھر اگر اب بھی کوئی نہ مانے تو اس کو قرآن کریم سے کیا غرض۔ اس کو توصاف یہ کہنا چاہیے کہ میں اپنے چند موہومی بزرگوں کی لکیر کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔

پھر قرآن کریم کے بعد حدیثوں کا مرتبہ ہے سو تقریباً تمام حدیثیں تشریح کے ساتھ قرآن کریم کے بیان کے موافق ہیں اور ایک بھی ایسی حدیث نہیں جس میں یہ لکھا ہو کہ وہی صبح ابن مریم اسرائیلی نبی جس کو قرآن شریف مار چکا ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی پھر دنیا میں آئے گا۔ ہاں بار بار لکھا ہے کہ ان اسرائیلی نبیوں کے ہمنام آئیں گے۔ سچ ہے کہ حدیثوں میں درج ہے کہ ابن مریم آئے گا لیکن انہیں حدیثوں نے علیہ میں اختلاف ڈال کر اور آنے والے ابن مریم کو امتی ٹھہرا کر صاف بتلادیا ہے کہ یہ ابن مریم اور ہے اور پھر اگر اس قسم کی حدیثوں کی تشریح کے لئے جو متنازعہ فیہ ہیں دوسری حدیثوں سے مدد لینا چاہیں تو پھر کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ گذشتہ نبیوں میں سے کبھی کوئی نبی بھی دنیا میں آئے گا۔ ہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے مثیل آئیں گے اور

انہیں کے اسم سے موسوم ہوں گے۔

اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لازم نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک اُمتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔

۵۴۵

اس جگہ یہ بیان کرنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ جس حالت میں تقریباً کل حدیثیں قرآن شریف کے مطابق اور ہلکے سیان کی مؤید ہیں۔ پھر اگر بطور شاؤ نادر کوئی ایسی حدیث بھی ہو جو اس مجموعہ یقینیہ کے مخالف ہو تو ہم ایسی حدیث کو یا تو نصوص میں سے خارج کرینگے اور یا اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ ایک ضعیف اور شاؤ حدیث سے وہ مستحکم عمارت گرا دی جائے جس کو نصوص قینہ فرقتانہ و حدیثیہ نے طیار کیا ہے بلکہ ایسی حدیث ان کے معارض ہو کر خود ہی گرے گی یا قابل تاویل ٹھہرے گی۔ ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ایک خبر و احادیث کا مفید قلن ہے۔ سو وہ یقینی اور قطعی ثبوت کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ بہت سی حدیثیں مسلمہ اور بخاری کی ہیں جو امام اعظم صاحب نے جوئیس الائمہ میں قبول نہیں کیں بعض حدیثوں کو شافعی نے نہیں لیا۔ بعض حدیثوں کو جوہا یہ صحیح سمجھی جاتی ہیں امام مالک نے چھوڑ دیا۔ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ مسیح موعود جب دنیا میں آئے گا تو اکثر استدلال اس کا قرآن شریف سے ہو گا اور بعض ایسی حدیثوں کو چھوڑ دینا گناہ جن پر علمائے وقت کا پختہ یقین ہو گا اور مجدد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات کی مجلس ثانی مکتوب پنجاہ و پنجم میں لکھتے ہیں کہ مسیح موعود جب دنیا میں آئے گا تو علمائے وقت کے بمقابل اس کے آمادہ مخالفت کے ہو جائیں گے۔ کیونکہ جو باتیں بذریعہ اپنے استنباط اور اجتہاد کے وہ بیان کریگا وہ اکثر دقیق اور فاض ہوں گی اور بوجہ وقت اور غرض ماخذ کے ان سب مولویوں کی نگاہ میں کتب اور سنت کے برخلاف نظر آئیں گی حالانکہ درحقیقت برخلاف

۵۴۶

نہیں ہوں گی۔ کچھ صفحہ نمبر ۱۸ مکتوبات امام ربانی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔

سوا ب اے بھائیو! برائے خدا دکھ اور زبردستی مت کرو ضرور تھا کہ میں ایسی باتیں پیش کرتا جن کے سمجھنے میں تمہیں غلطی لگی ہوئی تھی۔ اگر تم پہلے ہی راہِ ثواب پر ہوتے تو میرے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس اُمت کی اصلاح کے لئے ابنِ مریم ہو کر آیا ہوں اور ایسا ہی آیا ہوں کہ جیسے کہ حضرت مسیح ابنِ مریم یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ میں اسی وجہ سے تو ان کا ٹیل ہوں کہ مجھے وہی اور اسی طرز کا کام سپرد ہوا ہے جیسا کہ انہیں سپرد ہوا تھا۔ مسیح نے ظہور فرما کر یہودیوں کو بہت سی غلطیوں اور بے بنیاد خیالات سے رہائی دی تھی۔ منجملہ اس کے ایک یہ بھی تھا کہ یہودی ایلیاہی کے دوبارہ واپس آئے کی ایسی ہی اُمید باندھے بیٹھے تھے جیسے آج کل مسلمان مسیح ابنِ مریم رسول اللہ کے دوبارہ آنے کی امید باندھے بیٹھے ہیں۔ سوچنے پر یہ کہہ کر ایلیاہی بے آسماں سے اتر نہیں سکتا زکریا کا بیٹا یحییٰ ایلیاہی جس نے قبول کرنا ہے کرے اس پر اپنی غلطی کو دور کیا اور یہودیوں کی زبان سے اپنے تئیں طہور اور کتابوں سے پھرا ہوا اُکھلایا مگر جو مسیح تھا وہ ظہور کر دیا۔ یہی حال اُس کے قبیل کا بھی ہوا اور حضرت مسیح کی طرح اس کو بھی طہور کا خطاب دیا گیا۔ کیا یہ اعلیٰ درجہ کی مماثلت نہیں۔

اس بار ایک نکتہ کو یاد رکھو کہ مسلمانوں کو یہ کیوں خوشخبری دی گئی کہ تم مسیح ابنِ مریم نازل ہو گا۔ دراصل اس میں یہید یہ ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ ہیں اور یہ اُمت محمدیہ مثیلِ اُمتِ بنی اسرائیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ آخری زمانہ میں یہ اُمت ایسی ہی بگڑ جائے گی جیسے یہودی اپنے آخری وقت میں بگڑ گئے تھے اور حقیقی نبی اور حقیقی سچائی اور حقیقی ایمان داری اُن میں سے اُٹھ گئی تھی اور نکتے اور بے اصل جھگڑے اُن میں برپا ہو گئے تھے اور ایمانی محبت ٹھنڈی ہو گئی تھی اور فرمایا کہ تم تمام وہی کام کرو گے جو یہودیوں نے کئے۔ یہاں تک

کہ اگر یہ یہودی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو تم بھی اسی سوراخ میں داخل ہو گے یعنی پورے پورے یہودی ہو جاؤ گے۔ اور چونکہ یہودیوں کی اس تباہ حالت میں خدا تعالیٰ نے انہیں فراموش نہیں کیا تھا بلکہ اُن کے اخلاق و اعمال پرست کر نیسکے لئے اور اُن کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی غرض سے مسیح ابن مریم کو انہیں میں سے بھیجا تھا لہذا اس اُمت کو بھی بشارت دی گئی کہ جب تمہاری حالت بھی اُن سخت دل یہودیوں کے موافق ہو جائے گی اور تم بھی ظاہر پرست اور بد چلن اور رُوبدُنیا ہو جاؤ گے اور تمہارے فقراء اور علماء اور دنیا دار ہل میں اپنی اپنی طسّر پر نگاری اور بد چلنی پھیل جائے گی اور وہ شے جس کا نام توحید اور خدا پرستی اور خدا ترستی اور خدا خواہی ہے بہت ہی کم رہ جائے گی تو مثالی طور پر تمہیں بھی ایک ابن مریم تم میں سے دیا جائے گا تا تمہاری اخلاقی اور عملی اور ایمانی حالت کے درست کرنے کے لئے ایسا ہی زور لگا دے جیسا کہ مسیح ابن مریم نے لگایا تھا۔

اب صاف اور نہایت کھلا کھلا قریب ہے کہ چونکہ اس زمانہ کے مسلمان ^{۵۴۹} در اصل یہودی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اپنی سخت دلی اور دنیا پرستی کی وجہ سے یہودیوں سے ایک مشابہت پیدا کر لی ہے اس لئے جو مسیح ابن مریم اُن کے لئے نازل ہوا وہ بھی در اصل مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ اپنے اس منصبی کام میں جو اس کے سپرد ہوا، مسیح سے مماثلت رکھتا ہے۔

یقیناً سمجھو کہ مسیح ابن مریم رسولِ مَاشِد فوت ہو چکا اور خدا تعالیٰ نے اس کو فوت ہونے کے بعد اُسی قسم کی زندگی بخشی جو ہمیشہ نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کو بخشا آیا ہے۔ سو وہ خدا تعالیٰ کی طرف ایک پاک اور لطیف زندگی کے ساتھ جو جسمِ خاکی اور اُس کے لوازمِ کثیفہ اور مکدرہ سے منزہ ہے اُٹھایا گیا اور اُسی قسم کے زندگی جماعت میں جا ملا۔ اگر وہ جسمِ خاکی کے ساتھ اُٹھایا جاتا تو اس میں خاکی جسم کے لوازم بھی اُس کے ساتھ رہتے۔ کیونکہ اشد جلاشائے فساد ماتا ہے کہ ہم نے کوئی ایسا جسدِ خاکی نہیں بنایا کہ وہ زندہ تو ہو مگر روٹی نہ کھاتا ہو۔ لیکن آپ لوگ مانتے ہیں کہ اب مسیح ابن مریم کا جسم

آسمان پر ایسا ہے کہ اُس میں خاکی جسم کے لوازم ہرگز نہیں پائے جاتے۔ وہ بڑھائیں ہوتا
اُس پر زمانہ اثر نہیں کرتا۔ وہ اندک اور بانی کا محتاج نہیں۔ سو آپ نے تو ایک طور پر مان
بھی لیا کہ وہ لارڈنگ اور شان کا جسم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ معراج کی رات میں جو
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں پر نبیوں کو دیکھا تو کیا بالخصوص مسیح کو ہی جسم
سمیت دیکھا اور دوسروں کی فقط روحیں دیکھیں۔ بلکہ ظاہر ہے کہ سب کو روح اور جسم
دونوں کے ساتھ دیکھا اور سب کا جسمانی حلیہ بھی بیان کیا اور مسیح کا وہ حلیہ بیان کیا جو
آپ نے والے مسیح سے بالکل مخالف تھا۔ پس کیا یہ قوی دلیل اس بات پر نہیں ہے کہ مسیح کو
اس کے مرنے کے بعد اُسی رنگ اور طرز کا جسم ملا جو بچہ نبی اور آدمی اور یوسف اور
حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کو ملا تھا۔ کیا کوئی زلیل بات مسیح میں دیکھی گئی جو آدمی میں
نہیں تھی۔ اب جبکہ ایسی وضاحت سے مسیح کا وفات پا جانا اور پھر دوسرے نبیوں اور صدیقوں
اور شہیدوں کی طرح زندہ ہو کر آسمان کی طرف اُٹھائے جانا ثابت ہوتا ہے تو کیوں توح
مسیح کے سفلی اور کثیف جسم اور ناپائدار حیات کے لئے ضد کی جاتی ہے اور سب کیلئے
ایک موت اور اس کے لئے دو موتیں روا رکھی جاتی ہیں۔ قرآن شریف میں اولیس نبی کے
حق میں ہے و دفعناہم مکناً علیہا۔ اور اس کے ساتھ توحی کا کہیں لفظ نہیں تاہم
علماء اور یسٹس کی وفات کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اس جہان سے ایسا اٹھایا گیا کہ
پھر نہیں اُٹے گا یعنی مر گیا۔ کیونکہ بغیر مرنے کے کوئی اس جہان سے ہمیشہ کے لئے
رخصت نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ کہ اس دنیا سے نکلنے اور بہشت میں داخل ہونے کا موت
ہی دروازہ ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ اور اگر انہیں کہا جائے کہ کیا
اور یسٹس آسمان پر مر گیا یا پھر اگر مرے گا یا آسمان پر ہی اس کی روح قبض کی جائے گی
تو اور یسٹس کے دوبارہ دنیا میں آنے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ اور چونکہ داخل جنت سر
پہلے موت ایک لازمی امر ہے لہذا اولیس کا فوت ہو جانا مان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

رفخ کے اس جبکہ معنی موت ہی ہیں۔ پھر جبکہ مسیح کے رفخ کے ساتھ تو فی کا لفظ بھی موجود رہی تو
 کیوں اور کس دلیل سے اس کی حیات کے لئے ایک شور قیامت برپا کر دیا ہے۔ افسوس کہ
 اس وقت کے مولوی جب دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم مسیح ابن مریم کو مار چکا ہے اور کوئی حدیث
 صحیح اس کے منافی و مغائر نہیں تو لاچار ہو کر اجماع کی طرف دوڑتے ہیں۔ ہر چند ان لوگوں
 کو بار بار کہا جاتا ہے کہ حضرات اجماع کا لفظ پیشگوئیوں کے متعلق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ قبل
 از طور ایک نبی کی اجتہادی تائید میں بھی غلطی ممکن ہے۔ لیکن یہ لوگ نہیں مانتے اور یہ بھی
 نہیں جانتے کہ اجماع کی بنیاد یقین اور انکشاف کلی پر ہوا کرتی ہے لیکن سلف و خلف کے ہاتھ
 میں جن کی طرف اجماع کا دعوئے منسوب کیا جاتا ہے نہ یقین کلی تھا نہ انکشاف تام۔ اگر ان
 کے خیالات کی بنا ایک کامل یقین پر ہوتی تو ان سے اقوال متفرقہ صادر نہ ہوتے۔ تفسیریں
 کی کتابوں میں زیر تفسیر آیت یا عیسیٰ انی متوفی کنت چھ سات سات اقوال متضادہ
 نہ لکھے جاتے بلکہ ایک ہی شق مسلم کو ملتے چلتے اور اگر انکشاف تام ان کے خصب ہوتا
 تو بحوالہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ ضرور لکھتے کہ آنے والا مسیح ابن مریم دراصل بی مسیح ابن مریم
 رسول اللہ ہے جس پر تمجیل نازل ہوئی تھی جو اسرائیلی نبی تھا۔ بلکہ انہوں نے اس مقام کی تصریح
 میں بھی دم نہیں مارا اور اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کر کے گزر گئے جیسا کہ صلحاء کی سیرت ہوتی
 ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جو خدا تعالیٰ نے وہ اصل حقیقت اپنے ایک بندہ پر کھول
 دی اور جو راز مخفی چلا آتا تھا اس پر ظہر کر دیا۔ تا اس کے حق میں یہ خارق عادت تعلیم جس
 کے دریافت سے تمام علماء کی عقلیں قاصر ہیں ایک کرامت میں شمار کی جائے۔ و خلک فضل
 اللہ یؤتیہ من یشاء و ۛ

سوائے بھائیو! برائے خدا جلدی مت کرو اور اپنے علم اور فراست پر داغ مت لگاتو
 یقیناً سمجھو کہ گریز کی تمام راہیں بند ہیں اور انکار کے تمام طریق مسدود ہیں۔ اگر یہ
 کاروبار انسان کی طرف سے ہوتا یا اگر کسی افتراء پر اس کی بنیاد ہوتی تو یہ دلائل قینہ اس کے

۵۵۳

شامل حال ہرگز نہ ہوتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ہم قبول بھی کر لیں کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے تو اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ تم ہی ہو جو اس کے قائم مقام بھیجے گئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک انسان اپنے کاموں سے شناخت کیا جاتا ہے۔ ہر چند عوام کی نظر میں یہ دقیق اور غامض بات ہے لیکن زیرک لوگ اس کو خوب جانتے ہیں کیسے امور میں اللہ کی صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت ممکن نہیں کہ جس خدمت کے لئے اس کا دعویٰ ہو کہ اس کے بجالانے کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر وہ اس خدمت کو ایسی طرز پر پسندیدہ اور طریق پرگزیدہ سے ادا کر دیوے جو دوسرے اس کے شریک نہ ہو سکیں تو یقیناً سمجھا جائیگا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا تھا کیونکہ ہر ایک چیز اپنی علت غائی سے شناخت کی جاتی ہے اور یہ خیال بالکل فضول ہے کہ جو مثیل مسیح کہلاتا ہے وہ مسیح کی طرح مردوں کو زندہ کر کے دکھلاوے یا بیماروں کو اچھا کر کے دکھلاوے۔ کیونکہ مماثلت علت غائی میں ہوتی ہے۔ درمیان فی افعال کی مماثلت معتبر نہیں ہوتی۔ بائبل کی کتابوں کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ جو خوارق مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی مردوں کا زندہ کرنا یا بیماروں کو اچھا کرنا یہ مسیح سے مخصوص نہیں ہے بلکہ بعض نبی اسرائیلی ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان سب کاموں میں نہ صرف مسیح ابن مریم کے برابر بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے لیکن پھر بھی ان کو مثیل مسیح نہیں کہا جاتا نہ مسیح کو ان کا مثیل ٹھہرایا جاتا ہے۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مثیل ہوئے ہوئے گئے ہیں۔ قرآن کریم اس پر ناطق ہے۔ لیکن کبھی کسی نے نہیں سنا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوئے سے حضرت موسیٰ کی طرح سانپ بنایا ہو یا آسمان سے خون اور جوش اور میتیں برساتی ہوئی۔ بلکہ اس جگہ بھی علت غائی میں ثابت مراد ہے چونکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی رہائی دلانے کے لئے مامور کئے گئے تھے سو یہی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئی تا اس وقت کے فرعونوں سے زبردست ہاتھ کے ساتھ مومنوں کو رہائی دلا دیں اور جیسا کہ نصرت الہی ایک خاص رنگ میں حضرت موسیٰ کے

۵۵۴

شامل حلل ہو گئی۔ ایسا ہی نصرت الہی ایک رنگ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل ہو گئی اور وہ حقیقت وہی نصرت ہے جو اپنے اپنے محل پر رنگارنگ کے معجزات کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ سو میں خوب جانتا ہوں کہ جیسا کہ نصرت الہی حضرت مسیح کے شامل حلل ہوتی تھی میں بھی اس نصرت سے بے نصیب نہیں رہوں گا۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ نصرت جسمانی بیماریوں کے اچھا کرنے سے ظاہر ہو۔ بلکہ خدائے تعالیٰ نے ایک ایہام میں میرے پر خلد فرمایا کہ خصلت اللہ کی روحانی بیماریوں اور شکوک اور شبہات کو وہ نصرت دودھ کرے گی۔ جیسا کہ میں پہلے اس سے لکھ چکا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ مستعدوں پر اثر پڑتا جاتا ہے اور پرانی بیماریاں دور ہوتی جاتی ہیں اور نصرت الہی اندر ہی اندر کام کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنے خاص کلام سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ نبی ماضی کے نمونہ پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ روحانی بیماریوں کو بہت صاف کر رہا ہے اس سے زیادہ کہ کبھی جسمانی بیماریوں کو صاف کیا گیا ہو۔

حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قل اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو سچ ایمن مریم کے آنے کی خبریں صحیح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں اسی غلط ہیں۔ شاید ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس دعوے کی تحقیر کر کے کسی طرح اس کو باطل ٹھہرایا جاوے لیکن وہ اس قدر متواتر اسے انکار کر کے اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تواتر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر غیر قوموں کی تواتر کے رو سے بھی پایا جائے تو تب بھی ہمیں قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے بزرگوں راجندر اور کرشن وغیرہ کا وجود تواتر کے ذریعہ سے ہی ہم نے قبول کیا ہے۔ گو تحقیق و تفتیش تاریخی واقعات میں ہندو لوگ دست چکے ہیں مگر باوجود اس تواتر کے جہاں کی مسلسل تحریروں سے پایا جاتا ہے ہرگز یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ راجندر راجندر اور راجندر کرشن یہ سب فرضی ہی نام ہیں۔

مب سمجھنا چاہیئے کہ گواہی طوریہ قرآن شریف اکمل و اتم کتاب ہے مگر ایک حصہ کثیر
 دین کا اور طریقہ عبادات و فیسرہ کا مفصل اور مبسوط طور پر احادیث سے ہی ہم نے لیا ہے
 اور اگر احادیث کو ہم کئی ساقط الاعتبار سمجھ لیں تو پھر اس قدر بھی ثبوت دینا ہمیں مشکل
 ہوگا کہ درحقیقت حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما و عثمان و انورین اور جناب علی رضی اللہ عنہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اور امیر المومنین تھے اور وجود رکھتے تھے صرف
 فرضی نام نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ان میں سے کسی کا نام نہیں۔ ہاں اگر کوئی حدیث قرآن شریف
 کی کسی آیت سے صریح مخالف و مغائر پڑے مثلاً قرآن شریف کہتا ہے کہ سچ ایمان مریم
 خوت ہو گیا اور حدیث یہ کہے کہ فوت نہیں ہوا تو ایسی حدیث مردود اور ناقابل اعتبار ہوگی
 لیکن جو حدیث قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اس کے بیان کو اور بھی بسط سے بیان کرتی
 ہے وہ بشرطیکہ جرح سے خالی ہو قبول کرنے کے لائق ہے۔ پس یہ کمال درجہ کی بے نصیبی اور
 بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں اور ایسی متواتر پیشگوئیاں
 کو بوجہ القرون میں ہی تمام ممالک اسلام میں پھیل گئی تھیں اور مسلمات میں بکری سمجھی گئی
 تھیں۔ بدمذہبوں و غلط فہمیوں کی بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آئینی پیشگوئی
 ایک اول درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے اور جس قدر صحاح
 میں پیشگوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیشگوئی اس کے ہم پست اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی تو اگر
 کا اول درجہ اس کو حاصل ہے ساجیل بھی اس کی مصدق ہے۔ اب اس قدر ثبوت پر کیا
 پھینکا تو یہ کہنا کہ یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے کہ خود اتفاقاً
 بصیرت دینی اور حق شناسی سے کچھ بھی بخرو اور حصہ نہیں دیا اور باعث اس کے کہ ان
 لوگوں کے دلوں میں قال اللہ اور قال الرسول کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات ان کی اپنی
 سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محالات اور مستغلات میں داخل کر لیتے ہیں۔ قانون قدرت بے شک
 حق اور باطل کے آزمانے کے لئے ایک آلہ ہے مگر ہر ایک قسم کی آزمائش کا سی پر مدار نہیں۔

۴۰۱

۴۰۲

اس کے علاوہ اور آلات اور محک بھی تو ہیں جن کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کی صداقتیں آزمائی جاتی ہیں۔ بلکہ اگر سچ پوچھو تو قانون قدرت مصطلح حکماء کے ذریعہ سے جو جو صداقتیں معلوم ہوتی ہیں وہ ایک اونی درجہ۔ صداقتیں ہیں لیکن اس فلسفی قانون قدرت سے ذرہ اوپر پرٹھ کر ایک اور قانون قدرت بھی جو حقیقت اور غامض اور باعث دقت و غمو من موٹی نظر سے چھپا ہوا ہے جو عارفوں پر ہی کھلتا ہے اور فانیوں پر ہی ظاہر ہوتا ہے اس دنیا کی عقل اور اس دنیا کے قوانین شناس اس کو شناخت نہیں کر سکتے اور اس کو منکر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو امور اس کے ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہیں اور جو سچائیاں اس کی تفصیل سے بپا یہ ثبوت پہنچ چکی ہیں وہ ان سفلی فلاسفوں کی نظر میں اباطل میں داخل ہیں۔ ملائک کو یہ لوگ صرف قوی خیال کرتے ہیں اور وحی کو یہ لوگ صرف منکر اور سوچ کا ایک نتیجہ سمجھتے ہیں یا ہر یک بات جو دل میں پٹتی ہے اس کا نام وحی رکھ لیتے ہیں اور قرآن کریم اور دوسری الٰہی کتابوں کو ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا نبیوں نے آپ بنائی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ذات قوی اور قیوم جو اس عالم کے ظاہر و باطن کی مدبر ہے اس کی عظمت اُن کے دل میں نہیں اور اس کو ایک مردہ یا سویا ہوا یا ناتوان اور خافل خیال کیا گیا ہے اور اس کی تمام قدرتی عمارت کے شمار کرنے کی فکر میں ہیں معجزات سے بکلی منکر اور فرقانی پیشگوئوں سے انکاری ہیں اور اپنی نابینائی کی وجہ سے فرقان کریم کو ایک اونی سامعہ بھی نہیں سمجھتے حالانکہ وہ تمام معجزات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ بہشت اور دوزخ کی ایسی ضعیف طور پر تاویل کرتے ہیں کہ جس سے منکر ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ حشر حساوسے بکلی انکاری ہیں۔ عبادات اور صوم و صلوة پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور رواجی ہونے کی جگہ رواج نہایت نیکو و پاک بہتر ہے اور خوش شخص رواجی ہو وہ اُن کے نزدیک سلوہ لوح اور ابلہ اور بیوقوف و رویش ہے۔ مسلمانوں کی بد قسمتی سے یہ فرقہ بھی اسلام میں پیدا ہو گیا جس کا قدم دن بدن اتحاد کے میدانوں میں آگے ہی آگے چل رہا ہے

اے خدائے میرے قادر خدا مدد کر کہ لوگوں نے افراط اور تفریط کی راہیں لے لی ہیں۔ بعض نے تیری کلام کے یقینات تیرے کلام کے اشارات تیرے کلام کے دلالات تیرے کلام کی فحوہ کو بکلی چھوڑ کر بے بنیاد لکیر کو اسکی جگہ پسند کر لیا اور بعض نے تیرے کلام کو بھی چھوڑا اور لکیر کو بھی چھوڑا اور صرف اپنی ناقص عقل کو اپنا رہبر بنا لیا اور امام المرسل کو چھوڑ کر یورپ کے تاریک خیال محبوب فلاسفروں کو اپنا امام بنا لیا۔

اے میرے دوستو! اب میری ایک آخری وصیت کو سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو کہ تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر یہ ثابت کر دو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے۔ یہی ایک بحث ہے جس میں فتیاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی روئے زمین سے صاف لپیٹ دو گے۔ تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لیے مجھکڑوں میں اپنے اوقات عزیز کو ضائع کرو۔ صرف مسیح ابن مریم کی وفات پر زور دو اور پر زور دلائل سے عیسائیوں کو لاجواب اور ساکن کر دو۔ جب تم مسیح کا مردوں میں داخل ہونا ثابت کر دو گے اور عیسائیوں کے دلوں میں نقش کر دو گے تو اُس دن تم سمجھ لو کہ آج عیسائی مذہب دنیا سے رخصت ہوا۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہو اُن کا مذہب بھی فوت نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری تمام بحثیں اُن کے ساتھ بحث ہیں۔ اُنکے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ ہے کہ اب تک مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب دنیا میں کہاں ہے۔ چونکہ خدائے تعالیٰ بھی چاہتا ہے کہ اس ستون کو ریزہ ریزہ کرے اور یورپ اور ایشیا میں توحید کی ہوا چلاوے۔ اس لئے اُس نے مجھے بھیجا اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے وکان وعد اللہ مفعولاً انت معی وانت علی الحق المبین انت مصیبتٌ ومعینٌ للحق۔

۵۶۱

۵۶۲

میں نے اس کتاب میں نہایت زبردست ثبوتوں سے مسیح کا قوت ہو جانا اور اموات میں داخل ہونا ثابت کر دیا ہے اور میں نے بجاہت کی حد تک اس بات کو پہنچا دیا ہے کہ مسیح زندہ ہو کر جسم منصری کے ساتھ ہرگز آسمان کی طرف اٹھایا نہیں گیا بلکہ اور نبیوں کی موت کی طرح اُس پر بھی موت آئی اور دہائی طور پر وہ اس جہان سے رخصت ہوا۔ اگر کوئی مسیح کا ہی پرستار ہے تو سمجھ لے کہ وہ مر گیا اور مرنے والوں کی جماعت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو گیا۔ سو تم تائید حق کے لئے اس کتاب سے فائدہ اٹھاؤ اور سرگرمی کے ساتھ پادریوں کے مقابل پر کھڑے ہو جاؤ۔ چاہیئے کہ یہی ایک مسئلہ ہمیشہ ہمارے زیر توجہ اور پورا بھروسہ کر نیکی لائق ہو جو حور حقیقت مسیح ان مریم فوت شدہ گروہ میں داخل ہے۔ میں نے اس بحث کو اس کتاب میں بڑی دلچسپی کے ساتھ کامل اور قوی دلائل سے انجام تک پہنچایا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس تالیف میں میسری وہ مدد کی ہے جو میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور میں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں کچھ کہہ رہا ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میسری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دوسرے بن نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت احکام دیکھتا ہوں۔ اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میسری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے۔ اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشی ہے اور آسمان پہا یک خوش اور آواز پیدا ہوا ہے جس نے ایک بچہ کی طرح اس مشیت خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہر ایک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں مقرر دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔ کیا وہ آنکھیں دیتا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کر سکتیں۔ کیا وہ بھی زندہ ہے جس کو اس آسمانی صدا کا احساس نہیں ؟

وقت تاریخ نزول مسیح موعود

حسب اقوال اکابر سلف و خلف

و دیگر حالات

منقولہ از کتاب آثار القیامت

مولوی سید صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے جی کو مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب مجدد
قراردے چکے ہیں۔ اپنی کتاب آثار القیامت کے صفحہ ۳۹۵ میں تبصریح لکھا ہے کہ ظہور مہدی
اور نزول عیسیٰ اور خروج و جلال ایک ہی صدی میں ہوگا۔ پھر لکھا ہے کہ امام جعفر صادق کی یہ
پیش گوئی تھی کہ دو سو تیس ہجری میں مہدی ظہور فرمائے گا لیکن وہ برس تو گزر گئے اور مہدی
ظاہر نہ ہوا۔ اگر اس پیش گوئی کی کسی کشف یا الہام پر بنا تھی تو تاویل کی جاوے گی یا اس
کشف کو غلط ماننا پڑے گا۔ پھر ^{۵۶۳}میل کیا ہے کہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ آیات
بعد المائین یعنی بارہ سو برس کے گزرنے کے بعد یہ علامات شروع ہو جائیں گی اور مہدی
مسح اور و جلال کے نکلنے کا وقت آجائے گا۔ پھر نعیم بن حلو کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ قبیل
کا قول ہے کہ بارہ سو چار ہجری میں مہدی کا ظہور ہوگا لیکن یہ قول بھی صحیح نہ نکلا۔ پھر بعد اس
کے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا ایک کشف لکھتے ہیں کہ ان کو تاریخ ظہور مہدی
کشفی طور پر چھراغ دین کے لفظ میں بحساب جمل منجانب اللہ معلوم ہوئے تھے یعنی
۱۲۶۸۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ سال بھی گزر گئے اور مہدی کا دنیا میں کوئی نشان نہ پایا گیا۔
اس سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ کا یہ کشف یا الہام صحیح نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ صرف
مقررہ سالوں کا گزر جانا اس کشف کی غلطی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ غلط فہمی پر دلالت کرتا ہے

کیونکہ پیش گوئیوں کے اوقات متعینہ قطعی الدلالت نہیں ہوتے۔ بسا اوقات ان میں ایسے استعارات بھی ہوتے ہیں کہ دن بیان کئے جاتے ہیں اور اُن سے برس مراد لئے جاتے ہیں پھر قاضی ثنواۃ اللہ پانی پتی کے رسالہ سیف مسلول کا والد سے کہتے ہیں کہ رسالہ مذکورہ میں لکھا ہے کہ علماء ظہری اور باطنی کا اپنے ظن اور تخمین سے اس بات پر اتفاق ہو کہ تیرہویں صدی کے اوائل میں ظہورِ ہمدی ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ بعض مشائخ اپنے کشف سے یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ ہمدی کا ظہور بارہ سو برس سے پہچھے ہوگا اور تیرہویں صدی سے تجاوز نہیں کریگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ سال تو گزر گئے اور تیرہویں صدی سے مرفحہ میں رہ گئے اور اب تک نہ ہمدی نہ عیسیٰ دنیا میں آئے۔ یہ کیا ہوا۔ پھر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ میں بلحاظ قرائن قویہ گمان کرتا ہوں کہ چودھویں صدی کے سر پر اُن کا ظہور ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ فرائض یہ ہیں۔ کہ تیرہویں صدی میں و بجا ہی تھنے بہت ظہور میں آگئے ہیں اور اندھیری رات کے ٹکڑی کی طرح نمودار ہو رہے ہیں اور اس تیرہویں صدی کا فتنہ و آفات کا مجموعہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ چھوٹے بڑے کی زبان پر جاری ہے۔ یہاں تک کہ جب ہم بچے تھے تو بڑی عمر توں سے سنتے تھے کہ حیوانات نے بھی اس تیرہویں صدی سے سناہ چاہی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہر چند یہ مضمون کسی صحیح حدیث سے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہوتا لیکن جب انقلابِ عالم کا ملاحظہ کریں اور بنی آدم کے احوال میں جو فرق مروج آگیا ہے اس کو دیکھیں تو یہ ایک سچا گواہ اس بات پر ملتا ہے کہ پہلے اس سے دنیا کا رنگ اس عنوان پر نہیں تھا۔ سو اگرچہ مکاشفاتِ مشائخ کے پورے بھر دوسرے کے لائق نہیں کیونکہ کشف میں خطا کا احتمال بہت ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ اب وہ وقت قریب ہے جو ہمدی اور عیسیٰ کا ظہور ہو۔ کیونکہ اماراتِ مصریٰ بحیرہِ مرقع میں آگئی ہیں اور عالم میں ایک تفسیرِ عظیم پایا جاتا ہے اور اہل عالم کی حالت اہلست درجہ پر بدل گئی ہے اور کمال درجہ کا ضعفِ اسلام پر وارد ہو گیا ہے۔ اور وہ حقیقت نورانیہ جس کا نام علم ہے وہ دنیا سے اٹھ گئی ہے اور جل بڑھ گیا ہے

اور شائع ہو گیا ہے اور قس و فحور کا بازار گرم ہو گیا ہے اور حدیث و احادیث کی بھیل گئی ہے اور مال کی محبت حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور تحصیل اسباب معاش سے ہمتیں ہار گئیں اور دار آخرت سے کٹتی قراوشی ہو گئی اور کامل طور پر دنیا کو اختیار کیا گیا سو یہ عطا علیہ بینہ اور امارات حلیہ اس بات پر ہیں کہ اب وہ وقت بہت نزدیک ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ مولوی صدیق حسن صاحب کا یہ کہنا کہ کسی صحیح حدیث سے مسیح کے ظہور کا کوئی زمانہ خاص ثابت نہیں ہوتا صرف اولیاء کے مکاشفات سے معلوم ہوتا ہے کہ غایت کا رتیرہو میں صدی کے اخیر تک اس کی حد ہے۔ یہ مولوی صاحب کی سراسر غلطی ہے اور آپ ہی وہ مان چکے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ آدم کی پیدائش کے بعد عمر دنیا کی سات ہزار برس ہے اور اب عمر دنیا میں سے بہت ہی تھوڑی باقی ہے پھر صفحہ ۳۸۵ میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ نے انس سے یہ حدیث بھی لکھی ہے جس کو حاکم نے بھی مستدرک میں بیان کیا ہے کہ لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم یعنی عیسیٰ بن مریم کے سوا اور کوئی ہمدی ہو گا وہ نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ ہمدی کا آنا بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمدی کی خبریں نصف سے خالی نہیں ہیں اسی وجہ سے امامین حدیث نے ان کو نہیں لیا۔ اور ابن ماجہ اور مستدرک کی حدیث بھی معلوم ہو چکی ہے کہ عیسیٰ ہی ہمدی ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ ہم اس طرح پر تطبیق کر دیں۔ کہ پو شخص عیسیٰ کے نام سے آنے والا احادیث میں لکھا گیا ہے اپنے وقت کا وہی ہمدی اور وہی امام ہے اور ممکن ہے کہ اس کے بعد کوئی ہمدی بھی آوے۔ اور یہی مذہب حضرت اسمعیل بخاری کا بھی ہے۔ کیونکہ اگر ان کا بجز اس کے کوئی اور اعتقاد ہوتا تو ضرور وہ اپنی حدیث میں ظاہر فرماتے۔ لیکن وہ صرف اسی قدر کہہ کر چُپ ہو گئے کہ ابن مریم تم میں اترے گا جو تمہارا امام ہو گا اور تم میں سے ہی ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ امام وقت ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

پھر صفحہ ۲۲۵ میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام سلف و خلف کا اتفاق ہو چکا ہے
 کہ عیسیٰ جب نازل ہو گا تو اُمت محمدیہ میں داخل کیا جائے گا۔ اور فرماتے ہیں قسطلانی
 نے بھی مواہب لدنیہ میں یہی لکھا ہے اور عجیب تریہ کہ وہ اُمتی بھی ہو گا اور پھر نبی بھی۔
 لیکن افسوس کہ مولوی صاحب مرحوم کو یہ سمجھ نہ آیا کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز اُمتی نہیں
 ہو سکتا۔ اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کھلتا ہے وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع
 اور اُمتی ہو جانا مخصوص قرآنہ اور حدیثیہ کے رو سے بکلی متنہ ہے اللہ جل شانہ فرماتا ہے
 و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام
 بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور
 تابع ہو۔ ان محدث جو مسلیں میں سے ہے اُمتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔
 اُمتی وہ اس وجہ سے کہ وہ بکلی تابع شریعت رسول اللہ و مشکوٰۃ رسالت سے فیض پانے والا
 ہوتا ہے اور نبی اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نبیوں کا سامع اطہ اس سے کرتا ہے اور محدث
 کا وجود انبیاء اور اُمم میں بطور برزخ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہ اگرچہ کامل
 طور پر اُمتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے اور محدث کے لئے ضرور ہے کہ وہ کسی
 نبی کا مثیل ہو اور خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی نام پاوے جو اس نبی کا نام ہے۔
 اب سمجھنا چاہیے کہ چونکہ مقتدر تھا کہ آخری زمانہ میں نصاریٰ اور یہود کے خیالات
 باطلہ زہرِ ظاہل کی طرح تمام دنیا میں سرایت کر جائیں گے اور نہ ایک رلو سے بلکہ
 ہزاروں راہوں سے اُن کا بد اثر لوگوں پر پہنچے گا اور اس زمانہ کے لئے پہلے ہی احادیث
 میں خبر دی گئی تھی کہ عیسائیت اور یہودیت کی بری فصلتیں یہاں تک غلبہ کریں گی کہ
 مسلمانوں پر بھی اس کا سخت اثر ہو گا۔ مسلمانوں کا طریقہ مسلمانوں کا شعار مسلمانوں
 کی وضع تھی یہود و نصاریٰ سے مشابہ ہو جائے گی اور جو عادتیں یہود اور نصاریٰ کو پہلے
 ہلاک کر چکی ہیں وہی عادتیں اسبابِ تاثر کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں میں آج بھی

یہ اس زمانہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب عیسائی سوسائٹی جو یہودیت کی مصفتیں بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔ عام طور پر مسلمانوں کے خیالات مسلمانوں کے عادات مسلمانوں کے لباس مسلمانوں کے طرز معاشرت پر اپنے جذبات کا اثر ڈالے۔ سو دراصل وہ یہی زمانہ ہے جس سے روحانیت بگٹی ہو رہی ہوئی ہے خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس زمانہ کے لئے کوئی ایسا مصلح دیکھے جو یہودیت اور عیسائیت کی زہرناک خصلتوں کو مسلمانوں سے مٹا دے۔ پس اس نے ایک مصلح ابن مریم کے نام پر بھیج دیا تا معلوم ہو کہ جن کی طرف وہ بھیجا گیا ہے وہ بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہو چکے ہیں۔ سو جہاں یہ لکھا ہے کہ تم میں ابن مریم اترے گا وہاں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُس وقت تمہاری ایسی حالت ہوگی جیسی سح ابن مریم کے مبعوث ہونے کے وقت یہودیوں کی حالت تھی۔ بلکہ یہ لفظ اسی اشارہ کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے تاہر یک کو خیال آجائے کہ خدا تعالیٰ نے پہلے ان مسلمانوں کو جن میں ابن مریم کے اترنے کا وعدہ دیا تھا یہودی ٹھہرا لیا ہے افسوس کہ ہمارے علماء میں سے اس اشارہ کو کوئی نہیں سمجھتا اور یہودیوں کی طرح صرف ظاہر لفظ کو پکڑ کر بار بار یہی بات پیش کرتے ہیں کہ مسیح مسیح ابن مریم کا آنا ضروری ہے وہ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ تو فرعون کی طرح بگڑ گیا ہے اب تیرے درست کرنے کے لئے موسیٰ آئے گا تو کیا اس عبارت کے یہ معنی ہوں گے کہ مسیح مسیحی رسول اللہ جس پر تورات نازل ہوئی تھی پھر زندہ ہو کر آجائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ہرگز یہ معنی نہیں ہوں گے۔ بلکہ ایسے قول سے مراد یہ ہوگی کہ ٹیٹل موسیٰ تیرے درست کرنے کے لئے آئے گا۔ سو اسی طرح جاننا چاہیئے کہ احادیث نبویہ کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم آخری زمانہ میں یہودیوں کی طرح چال چلن خراب کر دو گے تو تمہارے درست کرنے کے لئے عیسیٰ بن مریم آئے گا۔ یعنی جب تم اپنی شرارتوں کی وجہ سے یہودی بن جاؤ گے تو میں بھی عیسیٰ بن مریم کی

بن کر تمہاری طرف بھیجوں گا اور جب تم اشد کشرشیوں کی وجہ سے سیاست کے لائق ٹھہراؤ گے تو محمد ابن عبد اللہ ظہور کرے گا جو مدی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں وعدے کہ محمد بن عبد اللہ آئے گا یا عیسیٰ ابن مریم آئے گا دراصل اپنی مراد و مطلب میں متشکل ہیں محمد بن عبد اللہ کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب دنیا ایسی حالت میں ہو جائے گی جو اپنی درستی کیلئے سیاست کی محتاج ہوگی تو اُس وقت کوئی شخص عیسیٰ بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر ظاہر ہوگا اور یہ ضرور نہیں کہ درحقیقت اس کا نام محمد ابن عبد اللہ ہو۔ بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے تھلے کے نزدیک اس کا نام محمد ابن عبد اللہ ہوگا۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شیل بن کر آئے گا۔ اسی طرح عیسیٰ بن مریم کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب عقل کی بد استعمالی سے دنیا کے لوگ یہودیوں کے رنگ پر ہو جائیں گے اور روحانیت اور حقیقت کو چھوڑ دیں گے اور خدا پرستی اور حُبِ اکہی دلوں سے اٹھ جائے گی تو اُس وقت وہ لوگ اپنی روحانی اصلاح کے لئے ایک ایسے مصلح کے محتاج ہوں گے جو روحِ اللہ حقیقت اور حقیقتِ نبی کی طرف ان کو توجہ دلاوے اور جنگ اور لڑائیوں سے کچھ واسطہ نہ رکھے اور یہ منصب سچ ابن مریم کے لئے مسلم ہے کیونکہ وہ خاص ایسے کام کے لئے آیا تھا اور یہ ضرور نہیں کہ آنے والے کا نام درحقیقت عیسیٰ ابن مریم ہی ہو۔ بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدا تھلے کے نزدیک قطعی طور پر اس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے۔ جیسے یہودیوں کے نام خدا تعالیٰ نے بتدر اور سور رکھے اور فرمایا وجعل منہم القرۃ والحنانیز۔
یسا ہی اُس نے اسی اُمت کے منفذ طبع لوگوں کو یہودی ٹھہرا کر اس عاجز کا نام سچ ابن مریم رکھ دیا اور اپنے الہام میں فرمادیا جعلناک المسیح ابن مریم۔

پھر یحییٰ صدیق حسن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم جب نازل ہوگا تو قرآنِ کریم کے تمام احکام حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ سے اُن پر کھولے جائیں گے یعنی وحی مان پر نازل ہوا کرے گی۔ مگر وہ حدیث کی طرف رجوع نہیں کرے گا کیونکہ وحی کے

۴۴۴

ذریعہ سے قرآن کریم کی تفسیر ان پر نازل ہو جائے گی جو حدیث کی مستثنیٰ کر دی گئی۔
 پھر لکھتے ہیں کہ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ عیسیٰ ابن مریم جب نازل ہوگا تو حضرت اُمّی
 ہوگا ایک قذہ اس میں نبوت یا رسالت نہیں ہوگی۔ پھر لکھتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ وہ اُمّی
 بھی ہوگا اور نبی بھی۔ اور عام اُمّی لوگوں کی طرح متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر
 واجب کی جاوے گی۔ اور جن باتوں پر اجماع اُمت ہو چکا ہے وہ سب باتیں اُسے ماننی
 پڑیں گی۔ اور چونکہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دیکھ چکے ہیں اس
 لئے وہ صحابہ میں بھی داخل ہے اور ایک صحابی ہے۔ مگر باتفاق سنت و جماعت تمام
 صحابہ سے ابو بکر درجہ و مرتبہ میں افضل ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ وہ باوجود نبی ہونے کے
 اُمّی کیوں بن گئے۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ خداوند مجھے
 فی آخر الزمان کی اُمت میں داخل کر۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے انہیں باوجود نبوت کے
 اُمّی بھی بنادیا۔ اور پھر صفحہ ۴۲۷ میں لکھتے ہیں کہ وہ وقت کے مجدد ہوں گے اور
 اس اُمت کے مجدد ہوں گے۔ لیکن وہ امیر المؤمنین نہیں
 ہوں گے کیونکہ خلیفہ تو قریش میں سے ہونا چاہیئے مسیح ابن مریم کیونکہ ان کا حق
 لے سکتا ہے۔ اس لئے وہ خلافت کا کوئی بھی کام نہیں کرے گا نہ جدال نہ قتال نہ
 سیاست بلکہ خلیفہ وقت کا تابع اور محکوموں کی طرح آئے گا۔

۴۴۵

اس جگہ بڑے شبہات یہ پیش آتے ہیں کہ جس حالت میں مسیح ابن مریم اپنے
 نزل کے وقت کامل طور پر اُمّی ہوگا تو پھر باوجود اُمّی ہونے کے کسی طرح سے رسول
 نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اور اُمّی کا مفہوم متضاد ہے اور نیز خاتم النبیین ہونا اس کا
 بھی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں ایسا بھی جو مشکوٰۃ
 نبوت محمدیہ سے فوراً حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا جس کو دوسرے لفظوں میں
 محدث بھی کہتے ہیں وہ اس تجدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ باعث اتباع اور فانی فی الرسول

ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے جیسے جُزگل میں داخل ہوتی ہے
 لیکن مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی جس کے ساتھ جبرئیل کا بھی نازل ہونا ایک سلامتی
 امر سمجھا گیا ہے کسی طرح اُمتی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اُس پر اُس وحی کا اتباع فرض ہوگا جو وقتاً
 وقتاً اس پر نازل ہوگی جیسا کہ رسولوں کی شان کے لائق ہے اور جب وہ اپنی وحی کا نتیجہ
 ہوا اور جو نئی کتاب اس پر نازل ہوگی اُسی کی اُس نے پیروی کی تو پھر وہ اُمتی کیونکہ
 کھلائے گا اور اگر یہ کہو کہ جو احکام اُس پر نازل ہوں گے وہ احکام متواتر نہ کے مخالف نہیں
 ہوں گے تو میں کہتا ہوں کہ محض اس تواتر کی وجہ سے وہ اُمتی نہیں ٹھہر سکتا صاف ظاہر ہو
 کہ بہت سا حصہ توریت کا قرآن کریم سے یکساں مطابق ہے تو کیا نفوذ ما شد اس تواتر کی وجہ
 سے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ کی اُمت میں ہوتا رہے
 جائیں گے۔ تواتر اور چیز ہے اور محکوم بن کر تابع ہونا اور چیز ہے۔ ہم بھی کچھ چکے
 ہیں کہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی رسول دنیا میں طبع اور حکوم ہو کر نہیں آتا
 بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا نتیجہ ہوتا ہے جو اس پر بلند جبرئیل نازل ہوتی ہے
 اب یہ سید محمد سیدی مات ہے کہ جب حضرت مسیح ابن مریم نازل ہوئے اور حضرت جبرئیل لکھتا رہا
 آسمان سے وحی لانے لگے اور وحی کے ذریعہ سے انہیں تمام اسلامی عقائد اور صوم اور صلوٰۃ
 اور زکوٰۃ اور حج اور جمیع مسائل فقہ کے سکھائے گئے۔ تو پھر ہر حال یہ مجموعہ احکام دین کی کتاب شد
 کھلائے گا۔ اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ سے صرف اتنا کہا جائے گا کہ تو قرآن پر عمل
 کر اور پھر وحی مدت العزت تک منقطع ہو جائے گی اور کسی حضرت جبرئیل اُن پر نازل نہیں ہونگے
 بلکہ وہ بنگلی سلوب النبوت ہو کر اُمتیوں کی طرح بن جائیں گے تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے
 لائق ہے۔ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جاوے اور صرف ایک ہی فقرہ
 حضرت جبرئیل لاوے اور پھر خُطب ہو جاوے یہ امر بھی ختم نبوت کا منافی ہے کیونکہ جب
 ختمیت کی ٹہری ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہوئی شروع ہو گئی تو پھر تھوڑا یا بہت

نازل ہونا برابر ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو
 آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں تصریح بیان کیا گیا ہو کہ اب
 جبریل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے وحی نبوت کے لانے سے منع
 کیا گیا ہے یہ تمام باتیں صحیح اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا۔ لیکن اگر ہم فرض کے طور پر مان بھی لیں کہ مسیح ابن مریم
 زندہ ہو کر پھر دنیا میں آئے گا تو ہمیں کسی طرح اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول ہے اور
 بحیثیت رسالت آئے گا۔ اور جبریل کے نزول اور کلام الہی کے اترنے کا پھر سلسلہ شروع
 ہو جائے گا۔ جس طرح یہ بات ممکن نہیں کہ آفتاب نکلے اور اس کے ساتھ روشنی نہ ہو اسی طرح
 ممکن نہیں کہ دنیا میں ایک رسول اصلاح خلق اللہ کے لئے آوے اور اس کے ساتھ وحی الہی
 اور جبریل نہ ہو۔ علاوہ اس کے ہر ایک عاقل معلوم کر سکتا ہے کہ اگر سلسلہ نزول جبریل
 اور کلام الہی کے اترنے کا حضرت مسیح کے نزول کے وقت تک منقطع ہو گا تو وہ قرآن شریف
 کو جو عربی زبان میں ہے کیونکر پڑھ سکیں گے۔ کیا نزول فرما کر دو چار سال تک کتب میں
 بیٹھیں گے اور کسی تلا سے قرآن شریف پڑھ لیں گے۔ اگر فرض کریں کہ وہ ایسا ہی کریں گے
 تو پھر وہ بغیر وحی نبوت کے تفصیلات مسائل و بیہ مشکوٰۃ نماز ظہر کی سنت جو اتنی رکعت ہیں اور
 نماز مغرب کی نسبت جو اتنی رکعات ہیں اور یہ کد کد کد کی لوگوں پر فرض ہے۔ اور نصاب کیا ہو
 کیونکر قرآن شریف سے استنباط کر سکیں گے۔ اور یہ تو علم ہر سو چکا ہے کہ وہ حدیث کا علم
 رکھنا بھی نہیں کریں گے۔ اور اگر وحی نبوت سے ان کو یہ تمام علم دیا جائے گا تو بلاشبہ جس
 کلام کے ذریعہ سے یہ تمام تفصیلات انکو معلوم ہوں گی وہ جو جو وحی رسالت ہوئے گی کتاب اللہ
 کہلے گی۔ پس ظاہر ہے کہ ان کے دوبارہ آنے میں کس قدر غریبیاں اور کس قدر مشکلات
 ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہ وہ پھر اس کے کہ وہ قوم کے قریشی نہیں ہیں کسی حالت میں امیر
 نہیں ہو سکتے۔ ناچار ان کو کسی دوسرے امام اور امیر کی بیعت کرنی پڑے گی بالخصوص جبکہ

ایسا خیال کیا گیا ہے کہ ان کے زول سے پہلے محمد ابن عبداللہ ہمدی کی بیعت میں سب داخل ہو چکیں گے تو اس صورت میں اور بھی یہ مصیبت پیش آئے گی کہ ان کا ہمدی کی بیعت سے مختلف کرنا سخت مصیبت میں داخل ہوگا۔ بلکہ وہ بموجب حدیث من شد شد فی النار ضرور ہمدی کی بیعت کریں گے یا خلیفہ وقت کے زمانے کی وجہ سے ان پر فتویٰ لگ جائیگا۔

پھر اسی کتاب آثار القیامت کے صفحہ ۴۲۷ میں لکھا ہے کہ ابن خلدون کا قول ہے کہ متصوفین نے اپنے کشف سے یہ گمان کیا ہے کہ شش ماہ تک شوشینا لیس میں خروج و قبال ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ کشف بھی صحیح نہ نکلا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یعقوب بن اسحاق کندی نے بھی کشف کی رو سے چھ سو اٹھانوے سال زول مسیح کے لئے دریافت کئے تھے مگر اس سے بہت زیادہ مدت گذر گئی لیکن اب تک سچ نہ آیا۔ پھر لکھتے ہیں۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میری عمر کچھ لمبی ہوگی تو عیسیٰ بن مریم میرے وقت میں ظہور کرے گا یعنی محمد بن عبداللہ ہمدی کا درمیان میں ہونا ضروری نہیں بلکہ امید سے بعید نہیں کہ میرے ہی وقت میں سچ ابن مریم آجائے لیکن اگر میری عمر وفات کرے تو شخص اس کو دیکھے میری طرف سے اس کو اسلام علیکم کہہ دے اس حدیث کو مسلم اور احمد نے بھی لکھا ہے۔ اس جگہ مولوی صدیقی حسن صاحب لکھتے ہیں کہ اگر میرے جیتے جیتے حضرت مسیح آجائیں تو میری تمنا ہے کہ حضرت خاتم المرسلین کا اسلام علیکم میں ان کو پہنچا دوں۔ مگر یہ سب تمنا ہی تھی۔ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ مجدد الف ثانی صاحب نے ٹھیک لکھا ہے کہ جبؑ مسیح آئے گا تو تمام مولوی ان کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور خیال کریں گے کہ یہ اہل الرائے ہے اور اجماع کو ترک کرتا ہے اور کتاب اللہ کے منہ اٹاتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ عیسیٰ کی موت قبل از رفع کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ ہے کہ وہ موت کے بعد اٹھایا گیا ہے اور پھر بھی اگر مرے گا اس لئے اس کیلئے دو موتیں ہیں۔ اور ہر چند آیت و دفعہ ۱۰ مکنا علیا میں اور یس کی موت کا ذکر نہیں لیکن مسیح مذہب

یہی ہے کہ وہ بھی موت کے بعد ہی اٹھایا گیا تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ شیعہ کا یہ بھی قول ہے کہ آسمان سے آیہ اللہ عیسیٰ کوٹی بھی نہیں درحقیقت ہمدی کا نام ہی عیسیٰ ہے پھر بعد اس کے تحریر فرماتے ہیں کہ بعض صوفیوں نے اپنے کشف سے اسی کے مطابق اس حدیث کے معنی کے لامہ دی آلا عیسیٰ یہ کئے ہیں کہ ہمدی جو آنے والا ہے درحقیقت عیسیٰ ہی ہے کسی اور عیسیٰ کی حاجت نہیں جو آسمان سے نازل ہو۔ اور صوفیوں نے اس طرح آخر الزمان کے ہمدی کو عیسیٰ ٹھہرایا ہے کہ وہ شریعت محمدیہ کی خدمت کے لئے اُسی طرز اور طریق پر آئے گا جیسے عیسیٰ شریعت موسویہ کی خدمت اور اتباع کے لئے آیا تھا۔

پھر صفحہ ۴۳۱ میں لکھتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ پر اس کے نزول کے بعد رسولوں کی طرح وہی نبوت نازل ہوتی رہے گی۔ جیسا کہ مسلم کے نزدیک نواس بنی مہدی کی حدیث میں ہے کہ یقتل عیسیٰ اللہ جال عند باب لد الشریق فبینہما ہم عذ الک اذا اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ بن مریم۔ یعنی جب عیسیٰ وصال کو قتل کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ وحی نازل کرے گا۔ پھر لکھتے ہیں کہ وحی کا لایہ والا جب ٹپل ہوگا۔ کیونکہ جبرئیل ہی پیغمبرِ وحی ہوتا ہے۔

اس تمام تفسیر سے معلوم ہوا کہ چالیس سال تک برابر جو مدت توقف حضرت مسیح کی دنیا میں دوبارہ آنے کے لئے قرار دی گئی ہے حضرت جبرائیل ہی آپہنیکو نازل ہوتے رہیں گے۔ اب ہر ایک دانشمند و اندازہ کر سکتا ہے کہ جس حالت میں تینیس برس میں تینیس ہزار قرآن شریف کی تلاول ہو گئی تھیں تو بہت ضروری ہے کہ اس چالیس سال میں کم سے کم پچاس جزو کی کتاب اللہ حضرت مسیح پر نازل ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات تسلیم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرائیل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ نہیں آئے اور وقت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ کو مضمون میں قرآن شریف سے تواتر کہتی ہو پیدا ہو جائے۔ اور جو امر تلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے۔ فتدبر۔

اور اس انقلاب عظیم پر خوب غور سے نظر ڈالنی چاہیئے کہ چونکہ حضرت مسیح و آلہ کمال علی
فرض کیا جائے) ایسی حالت میں آئیں گے کہ انکو شریعت محمدیہ سے جو غیر زبان میں ہے
کچھ بھی خبر نہیں ہوگی اور وہ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ قرآنی تعلیم پر ان کو اطلاع ہو
اور ان تفصیلات احکام دین پر بھی مطلع ہو جائیں جو احادیث کی رو سے معلوم ہوتے ہیں
غرض شریعت محمدیہ کے تمام اجزاء پر خواہ وہ از قبیل عقائد ہیں یا از قسم عبادات یا از افعال
محاطات یا از قبیل قوانین قضاء و فصل مقدمات اطلاع پانا ان کے لئے ضروری ہوگا
اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ معمر ہونے کی حالت میں ایک عمر خرچ کر کے دوسرے کی شاگردی کریں
لہذا ان کے لئے یہی لا بدی اور ضروری ہے کہ جمع اجزاء شریعت کے نئے سرے ان پر نازل
ہوں کہ چونکہ بجز اس طریق کے استقامت و جہولات کے لئے اور کوئی ان کے لئے راہ نہیں اور
رسول کی تعلیم اور اعلام کے لئے ہی سنت اشد قدیم سے جاری ہے جو وہ بواسطہ جبرائیل
علیہ السلام کے اور بذریعہ نزول آیات ربانی اور کلام رحمانی کے سکھائی جاتی ہیں اور جبکہ
تمام قرآن کریم اور احادیث صحیحہ بنویہ نئے سرے معرفت جبرائیل علیہ السلام کے حضور مسیح کی
زبان میں ہی ان پر نازل ہو جائے گی اور جیسا کہ احادیث میں آیا ہے جزیرہ وغیرہ
کے متعلق بعض بعض احکام قرآن شریف کے منسوخ بھی ہو جائیں گے۔ تو ظاہر ہے کہ
اس نئی کتاب کے آنے سے قرآن شریف تو ریت و انجیل کی طرح منسوخ ہو جائے گا
اور سچ کا نیا قرآن جو شہر ان کریم سے کسی قدر مختلف بھی ہوگا اجرا اور نفاذ پائے گا اور
حضرت مسیح نمازیں اپنا قرآن ہی پڑھیں گے اور وہی جبرائیل و قہر و دوسروں کو بھی سکھایا
جائے گا۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ کلمہ بھی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کسی قدر ترسیم و تنسیخ کے لائق ٹھہرے گا۔ کیونکہ جبکہ کل شریعت محمدیہ کی نفوذ باشد
د نقل کفر نباشد یہ کہنی ہوگی اور ایک اور ہی قرآن گو وہ ہمارے قرآن کریم کی کسی قدر
مطابق ہی بھی آسمان سے نازل ہو گیا تو پھر کلمہ بھی ضرور واجب التبدیل ہوگا۔ بعض بیت

منفعل ہو کہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ درحقیقت یہ سرخ خوابیاں ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا مگر کیا کریں درحقیقت اسی بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ حضرت سید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت میں نزول فرمائیں گے اور چالیس برس حضرت جبرائیل علیہ السلام ان پر نازل ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی مضمون حدیثوں سے بھی نکلتا ہے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ اس قدر تو بالکل سچ ہے کہ اگر وہی سید رسول اللہ صاحب کتاب آجائیں گے جن پر جبرائیل نازل ہوا کرتا تھا تو وہ شریعت محمدیہ کے تمام قوانین دریافت کر نیے لئے ہرگز کسی کی بات گروہی اختیار نہیں کریں گے بلکہ سنت اللہ کے موافق جبرائیل کی معرفت وحی الہی ان پر نازل ہوگی اور شریعت محمدیہ کے تمام قوانین اور احکام نئے سرے اور نئے لباس اور نئے پیرایہ اور نئی زبان میں ان پر نازل ہو جائیں گے اور اس تذکرہ کتاب کے مقابل پر جو آسمان سے نازل ہوئی ہے قرآن کریم منسوخ ہو جائیگا لیکن خدا تعالیٰ ایسی ذلت اور رسوائی اس امت کے لئے اور ایسی ہتک اور کسر شان اپنے نبی مقبول خاتم الانبیاء کے لئے ہرگز روا نہیں رکھے گا کہ ایک رسول کو بھیج کر جس کے آنے کے ساتھ جبرائیل کا آنا ضروری امر ہے اسلام کا تختہ ہی الٹا دیوے حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا۔ اور حدیثوں کے پڑھنے والوں نے یقیناً یہ بڑی بھاری غلطی کھائی ہے کہ مرف عیسیٰ یا ابن مریم کے لفظ کو دیکھ کر اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ سچ مچ وہی ابن مریم آسمان سے نازل ہو جائیگا جو رسول اللہ تھا۔ اور اس طرف خیال نہیں کیا کہ اس کا آنا گویا دین اسلام کا دنیا سے رخصت ہونا ہی ہے تو اجماعی عقیدہ ہو چکا۔ اور مسلم میں اس بارہ میں حدیث بھی ہے کہ سچ نبی اللہ ہونے کی حالت میں آئے گا۔ اب اگر مثالی طور پر سچ یا ابن مریم کے لفظ سے کوئی امتی شخص مراد ہو جو محدثیت کا مرتبہ رکھتا ہو تو کوئی بھی خسروانی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ محدث من وجہ نبی بھی ہوتا ہے مگر وہ ایسا نبی ہے جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اپنی

طرف سے براہ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے جیسا کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۲۳۹ میں جو ایک الہام اس عاجز کا درج ہے وہ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کل برکتہ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فتبارک من علم وتعلم یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پر پہنچا ہے الہام وکشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل سے اور اُن کی توسط سے ہے پس اس ذات میں کثرت سے برکتیں ہیں جس نے سکھایا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس میں بھی کثرت سے برکتیں ہیں جس نے سیکھا یعنی یہ عاجز۔ لیکن اگر واقعی اور حقیقی طور پر مسیح ابن مریم کا نازل ہونا خیال کیا جائے تو اس قدر خرابیاں پیش آتی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور اس بات کے سمجھنے کے لئے نہایت صریح اور صاف قرآن موجود ہیں کہ اس جگہ حقیقی طور پر نزول ہرگز مراد نہیں بلکہ ایک استعارہ کے لحاظ سے وہ سراسر استعارہ استعمال کیا گیا ہے یعنی جبکہ اس اُمت کے لوگوں کو استعارہ کے طور پر یہود ٹھہرایا گیا اور اُن میں ان تمام خرابیوں کا دخل کر جانا بیان کیا گیا جو حضرت مسیح ابن مریم کے وقت دخل کر گئی تھیں تو اسی مناسبت کے لحاظ سے یہ بھی کہا گیا کہ تمہاری اسلحہ کے لئے اور تمہارے مختلف فرقوں کا فیصلہ کرنے کے لئے بطور حکم کے تم میں سے ہی ایک شخص بھیجا جائے گا جس کا نام مسیح یا عیسیٰ یا ابن مریم ہو گا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اُمت ایسی ناکارہ اور نالائق اُمت نہیں کہ صرف اپنے اندر یہی مادہ رکھتی ہو کہ اُن وحشی طبع یہود لیل کا نمونہ بن جائے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے بلکہ یہ مسیح بھی بن سکتی ہے۔ پس جس وقت بعض یہودی بن جائیں گے اُن وقت بعض مسیح ابن مریم بن کر آئیں گے تا لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ اُمت مروجہ جیسی ادنیٰ اور نفسانی آدمیوں کو اپنے گردہ میں داخل رکھتی ہے ایسا ہی اس گردہ میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کو اُن کے کمالات کی وجہ سے عیسیٰ بن مریم یا موسیٰ بن عمران بھی کہہ سکتے ہیں اور دونوں قسم کی استعدادیں اس اُمت میں موجود ہیں۔ مگر تو اندیشہ یہودی می تو اندیشہ مسیح۔ واضح ہو کہ

حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ بھی اسی کام کے لئے آئے تھے اور اُس زمانہ میں آئے تھے جبکہ یہودیوں کے مسلمانوں کی طرح بہت فرقے ہو گئے تھے اور تورات کے صرف ظاہر الفاظ کو انہوں نے پکڑ لیا تھا اور روح اور حقیقت اس کی چھوڑ دی تھی اور نکستی نکستی باتوں پر جھگڑے برپا ہو گئے تھے اور باہم کیسنگی اور کم ہو سکی کی وجہ سے بغض اور حسد اور کینہ ان متفرق فرقوں میں پھیل گیا تھا۔ ایک کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا تھا اور شیر اور بکری کی عداوت کی طرح ذاتی عداوتوں تک ذہن پہنچ گئی تھی اور باعث اختلاف عقیدہ اپنے بھائیوں سے محبت نہیں رہی تھی بلکہ درندگی پھیل گئی تھی اور اخلاقی حالت بغایت درجہ بگڑ گئی تھی اور باہمی رحم اور ہمدردی بکلی دور ہو گئی تھی۔ اور وہ لوگ ایسے حیوانات کی طرح ہو گئے تھے کہ حقیقی نیکی کو ہرگز شناخت نہیں کر سکتے تھے اور تب بغض و حسد کا بازار گرم ہو گیا تھا اور صرف چند رسوم اور عادات کو مذہب سمجھا گیا تھا۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُنت کو بشار دی تھی کہ آخری زمانہ میں تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔ بہت سے فرقے تم میں نکل آئیں گے اور بہت سے متضاد خیالات پیدا ہو جائیں گے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو یہودیوں کی طرح کافر سمجھے گا اور اگر نفاق سے وجود اسلام کے موجود ہوں تو صرف ایک وجہ کو کفر کی وجہ سمجھ کر کافر ٹھہرایا جائے گا۔ سو باہمی تکفیر کی وجہ سے سخت نفرت اور بغض اور

عداوت باہم پیدا ہو جائے گی۔ اور پھر اختلاف رائے کے کینہ اور حسد اور دندوں کی سی خصلتیں پھیل جائیں گی اور وہ اسلامی خصلت جو ایک وجود کی طرح کامل اتحاد کو چاہتی ہے اور محبت اور ہمدردی باہمی سے پُر ہوتی ہے یہی تم میں سے دور ہو جائے گی اور ایک دوسرے کو ایسا اجنبی سمجھ لے گا کہ جس سے مذہبی رشتہ کا بجلی تعلق ٹوٹ جائے گا اور ایک گروہ دوسرے کو کافر بنانے میں کوشش کرے گا جیسا کہ مسیح ابن مریمؑ کی بعثت کے وقت یہی حال یہود کا ہو رہا تھا اور اس اندرونی تفرقہ اور بغض اور حسد اور عداوت کی وجہ سے دوسری قوموں کی نظر میں نہایت درجہ کے خفیہ اور ذلیل اور کمزور ہو جائیں گی اور اس محکوس ترقی کی

وجہ سے جو اندرونی جھگڑوں کی طفیل سے کھال کو پہنچے گی فنا کے قریب ہو جائیں گی اور کیٹیل کی طرح ایک دوسرے کو کھا جلنے کا قصد کریں گے اور بیسرونی حملوں کو اپنے پر وار د ہونے کے لئے موقعہ دیں گے جیسا کہ اس زمانہ میں یہودیوں کے ساتھ ہوا جو اندرونی نفاقوں کی وجہ سے ان کی ریاست بھی گئی اور قیصر کے تحت میں غلاموں کی طرح بسر کرنے لگے۔ سو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کی معرفت فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسا ہی تمہارا حال ہو گا۔ تمہاری مذہبی عداوتیں اپنے ہی بھائیوں سے انتہا تک پہنچ جائیں گی بغض اور حسد اور کینہ سے بھر جاؤ گے۔ اس شامت سے نہ تمہاری دنیا کی حالت ابھی رہے گی نہ دین کی نہ انسانی اخلاق کی۔ نہ خدا ترسی باقی رہے گی نہ حق شناسی۔ اور پورے وحشی اور ظالم اور جاہل ہو جاؤ گے اور وہ علم جو دلوں پر نیک اثر ڈالتا ہے تم میں باقی نہیں رہیگا۔ اور یہ تمام بے دینی اور نا خدا ترسی اور بے ہمدی پہلے ممالک مشرقیہ میں ہی پیدا ہوئی اور دجال اور مابوج مابہرج انہیں ممالک سے خروج کریں گے یعنی اپنی قوت اور طاقت کے ساتھ دکھلائی دیں گے۔ ممالک مشرقیہ سے مراد ملک فارس اور نجد اور ملک ہندوستان ہیں کیونکہ یہ سب ممالک زمین حجاز سے مشرق کی طرف ہی واقع ہیں اور ضرور تھا کہ حسبِ شان گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفر اور کافری انہیں جگہوں سے قوت کے ساتھ اپنا جلوہ دکھاؤ انہیں ممالک میں سے کسی جگہ دجال خروج کرے اور انہیں میں مسیح بھی نازل ہو کیونکہ جو جگہ محل کفر اور فتن ہو جائے وہی جگہ صلاح اور ایمان کی بناء ڈالنے کے لئے مقرر ہونی چاہیے سو ان ممالک مشرقیہ میں سے ملک ہند جیسا زیادہ تر محل کفر اور فتن اور نفاق اور بغض اور کینہ ہو گیا ہے۔ ایسا ہی وہ زیادہ تر اس بات کے لائق تھا کہ مسیح بھی اسی ملک میں ظہور کرے اور جیسا کہ سب سے اول آدم کے خروج کے بعد اسی ملک پر نظر رحم ہوئی تھی ایسا ہی آخری زمانہ میں بھی اسی ملک پر نظر رحم ہو۔ اور ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے طور پر اپنی امت کے حق میں فرمادیا تھا کہ تم آخری زمانہ میں بکلی یہودیوں کے

قدم پر قدم رکھ کر یہودی بن جاؤ گے اور یہ بلائیں آخری زمانہ میں سب سے زیادہ مشرقی ملکوں میں پھیلیں گی یعنی ہندوستان و خراسان وغیرہ میں۔ تب اس یہودیت کی بیخ کنی کے لئے مسیح ابن مریم نازل ہوگا یعنی مامور ہو کر آئے گا۔ اور فرمایا کہ جیسا کہ یہ امت یہودی بن جائے گی ایسا ہی ابن مریم بھی اپنی صورت مثالی میں اسی امت میں ہی پیدا ہوگا نہ یہ کہ یہودی تو یہ امت مدنی اور ابن مریم بنی اسرائیل میں سے آئے۔ ایسا خیال کرنے میں سراسر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان ہے اور نیز نیت ثلثۃ من الاولین و ثلثۃ من الآخرین کے برخلاف۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ متصفین کے مذاق کے موافق صعود اور نزول کے ایک خاص معنی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب انسان خلیق اللہ سے بکلی انقطاع کر کے خدا پر تعالیٰ کی طرف جاتا ہے تو اس حالت کا نام متصفین کے نزدیک صعود ہے اور جب مامور ہو کر نیچے کو اصلح خلق اللہ کے لئے آتا ہے تو اس حالت کا نام نزول ہے۔ اسی اصطلاحی معنی کے لحاظ سے نزول کا لفظ اختیار کیا گیا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ بالحق انزلنہ و بالحق نزل۔ اب اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مریم سے مراد وہ ابن مریم ہرگز نہیں لیا جو رسول اللہ تھے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ بلکہ اول استعارہ کے طور پر آخری زمانہ کے لوگوں کو یہودی قرار دے کر اور ان یہودیوں کا ہر ایک باب میں شیل ٹھہرا کر جو حضرت مسیح ابن مریم کے وقت میں تھے پھر پہلے استعارہ کے مناسب حال ایک دوسری پیشگوئی بطور استعارہ کے فرمادی کہ جب تم ایسے یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے حال کے مناسب حال ایسا ہے کہ ایک مسیح تم سے ہی تمہیں دیا جائے گا اور وہ تم میں حکم ہوگا اور تمہارے کینہ اور بغض کو دور کر دے گا۔ شیر اور بکری کو ایک جگہ بٹھا دے گا اور سانپوں کی زہر نکال دے گا اور بچے تمہارے سنبھول اور چھوٹوں سے کھیلیں گے اور ان کی زہر سے ضرر نہیں اٹھائیں گے۔ یہ تمام اشارات اسی بات کی طرف ہیں کہ جب مذہبی اختلاف

دور ہو جاویں گے تو یہ کد فخر فطرتی محبت کا چشمہ پوشش مارے گا اور تباغض اور تحاسد دور ہو جائے گا اور تعصب کی زہریں نکل جائیں گی اور ایک بھائی دوسرے بھائی پر نیک ظن پیدا کرے گا تب اسلام کے دن پھر سعادت اور اقبال کی طرف پھریں گے اور سب مل کر اس کوشش میں لگیں گے کہ اسلام کو بڑھایا جائے اور مسلمانوں کی کثرت ہو جیسا کہ آج کل یہ کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہے کم کر دیا جائے اور بدتر شرت مولویوں کے حکم اور فتویٰ سے دین اسلام سے خارج کر دئے جائیں اور اگر ہزار وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے چشم پوشی کر کے ایک بیہودہ اور بے اصل وجہ کفر کی نکال کر ان کو ایسا کافر ٹھہرا دیا جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہیں اور نہ صرف شرع کی بدستعمالی سے یہ بد و جہد شروع ہے۔ بلکہ ایسے مادہ کے لوگوں کو الہام بھی ہو رہے ہیں کہ فلاں مسلم کافر ہو اور فلاں مسلم جتنی ہے اور فلاں ایسا کفر میں غرق ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہو گا۔ اور زندگی کے بوشوں کی وجہ سے لعنتوں پر بٹا زور دیا جاتا ہے اور لعنت بازی کے لئے باہم مسلمانوں کے کے مباہلہ کے فتوے مئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب تلایا یوں کہو کہ ایک دوسرے کو کھانپوالے کیڑے اس بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے کہ مسلمانوں کے تمام مذاہب میں علم طور پر اختلافات مجتہدہ جاری و ساری ہیں اور کسی بات میں کوئی خطا پر ہے اور کسی بات میں کوئی۔ اب کیا یہ انسائیت ہے یا ہمدردی اور ترجم میں داخل ہے کہ طریق تصفیہ یہ ٹھہرایا جاسکے کہ تمام مذاہب کی ان ائمہ اربعہ کے پیرو اور کیا متصوفین۔ ان ادنیٰ ادنیٰ اختلافات کی وجہ سے مباہلہ کے میدان میں آکر ایک دوسرے پر لعنت کرنا شروع کر دیں۔ اب عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اگر مباہلہ اور لاعنہ کے بعد صاعقہ قہر الہی فرقہ مخفیہ پر ضروری وقوع ہے تو کیا اس کا بجز اس کے کوئی اور نتیجہ ہو گا کہ کد فخر خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دے گا اور اپنے اپنے اجتماعی خطا کی وجہ سے سب ہلاک کئے جائیں گے۔ یہ لادان کتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے جو مباہلہ کی درخواست کی تھی اس سے نکلتا ہے کہ مسلمانوں کا باہم مباہلہ

جائز ہے مگر یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ابن مسعودؓ نے اپنے اس قول سے رجوع نہیں کیا اور نہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مباہلہ ہو کر غلطیوں پر یہ عذاب نازل ہوا تھا حتیٰ بات یہ کہ ابن مسعودؓ ایک معمولی انسان تھا نبی اور رسول تو نہیں تھا۔ اُس نے جوش میں اگر غلطی کھائی تو کیا اس کی بات کو ان ہوا کا وحی یوحی اٹیں داخل کیا جائے۔ صحابہ کے مشاہدات اور اختلافات پر نظر ڈالو جن کی بعض اوقات سیف و سنان تک فوت پہنچ گئی تھی حضرت معاویہؓ بھی تو صحابی ہی تھے جنہوں نے خطا پر جرم کر ہزاروں آدمیوں کے خون کرائے۔ اگر ابن مسعودؓ نے خطا کی تو کونسا غضب آگیا۔ اور بے شک اُس نے اگر جزئی اختلافات میں مباہلہ کی درخواست کی تو سخت خطا کی جبکہ صحابیؓ سے اور باتوں میں خطا ممکن ہے تو کیا پھر مباہلہ کی درخواست میں خطا ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابہ میں کس قدر اختلافات واقع تھے۔ کوئی جیسا سر والے دجال کو دجال معبود سمجھتا تھا اور کوئی قسم کھا کر کہتا تھا کہ ابن علیؓ ہی دجال ہے۔ کوئی جہانی معراج کا قاتل تھا اور کوئی اس کو خواب بناتا تھا اور بعض سورتوں کو جیسے موزون قرآن شریف کی جزو سمجھتا تھا اور کوئی اس سے باہر خیال کرتا تھا۔ اب کیا یہ سارے سچ پر تھے اور جب ایک قسم کی کسی سے غلطی ہوئی تو دوسری قسم کی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کیا جہالت ہے کہ صحابی کو بگلی غلطی اور خطا سے پاک سمجھا جائے اور اس کے مجرد اپنے ہی قول کو ایسا قبول کیا جائے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قبول کرنا چاہیے

مسلمانو! اؤ خدا سے شکر ماؤ اور یہ نمونہ اپنی مولویت اور تفقہ کا مت

دکھلاؤ۔ مسلمان تو آگے ہی تھوڑے ہیں تم ان تھوڑوں کو اور نہ گھٹاؤ

اور کافروں کی تعداد بڑھاؤ۔ اور اگر ہمارے کہنے کا

کچھ اثر نہیں تو اپنی تحریرات مطبوعہ کو مشرم

سے دیکھو اور فتنہ انگیز تقریریں ہی باز آؤ۔

قرآن شریف کی وہ سلسل تین

جن کے سچ ابن مریم کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے

(۱) پہلی آیت۔ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطہرک من الذین کفروا
وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ۔ یعنی اے عیسیٰ میں
تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھا دے گا اور کافروں کی
تمتوں سے پاک کر دے گا اور تیرے تابعین کو تیرے مسکروں پر قیامت تک غلبہ
دینے والا ہوں۔

(۲) دوسری آیت جو سچ ابن مریم کی موت پر دلالت کرتی ہے یہ ہے بل دفعہ
اللہ الیہ یعنی سچ ابن مریم مقتول اور مصلوب ہو کر مردود اور ملعون لوگوں کی موت
سے نہیں مرا۔ جیسا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا خیال ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے عزت
کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ جانا چاہیے کہ اس جگہ رفع سے مراد وہ موت ہی
جو عزت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے ودفنہ مکانا
عائتکہ آیت حضرت اوریس کے حق میں ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس آیت کے یہی
معنی ہیں کہ ہم فداوریس کو موت دے کر مکانی بلند میں پہنچا دیا۔ کیونکہ اگر وہ بغیر
ہمت کے آسمان پر چڑھ گئے تو پھر وہ ضرورت موت جو ایک انسان کے لئے ایک لازمی
امر ہے پر مجبور کرنا پڑے گا کہ یا تو وہ کسی وقت اوپر ہی فوت ہو جائیں اور یا زمین پر اگر
فوت ہوں۔ مگر یہ دونوں شق متنع ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جسم خلکی
موت کے بعد پھر خاک ہی میں داخل کیا جاتا ہے اور خاک ہی کی طرف عود کرتا ہے۔
اور خاک ہی سے اس کا حشر ہو گا۔ اور اوریس کا پھر زمین پر آنا اور دوبارہ آسمان کو

نازل ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں۔ لہذا یہ امر ثابت ہے کہ رفع سے مراد اس جگہ موت ہے مگر ایسی موت جو عورت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ مقررین کے لئے ہوتی ہے کہ بعد موت اُن کی روحیں علیین تک پہنچائی جاتی ہیں فمفقد صدق عند ملیک مقتدر (۳۱) تیسری آیت جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مرنے پر کھلی کھلی گواہی دے رہی ہے یہ ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ اَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ یعنی جب تُو نے مجھے وفات دی تو تُو ہی اُن پر نگہبان تھا۔ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ تمام قرآن شریف میں توفی کے معنی یہ ہیں کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ قُلْ يَتُوفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ اور پھر فرماتا ہے وَلِكِي اعْبُدُوا اللَّهَ الَّذِي يَتُوفَّكُم اور پھر فرماتا ہے کہ حَتَّى يَتُوفَّيَهُمُ الْمَوْتُ اور پھر فرماتا ہے حَتَّى اِذَا جَاءَهُمْ رُسُلُنَا يَتُوفُونَهُمْ (الجموعہ نمبر ۱ سورۃ الاعراف) اور پھر فرماتا ہے تَوَفَّنَاهُ رُسُلُنَا۔ ایسا ہی قرآن شریف کے تیسیس مقام میں برابر توفی کے معنی اِمات اور قبض روح ہے۔ لیکن افسوس کہ بعض علماء نے محض الحاد اور تحریف کی رُو سے اس جگہ توفیتی سے مراد فتنی لیا ہے اور اس طرف ذرہ خیال نہیں کیا کہ یہ معنی نہ صرف لغت کے مخالف بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہیں۔ پس یہی تو الحاد ہے کہ جن خاص محضوں کا قرآن کریم نے اَوَّل سے آخر تک التزام کیا ہے اُن کو بغیر کسی قریبہ قویہ کے ترک کر دیا گیا ہے۔ توفی کا لفظ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ جابجا احادیث نبویہ میں بھی وفات دینے اور قبض روح کے محضوں پر ہی آتا ہے۔ چنانچہ جب میں نے غور سے صحاح ستہ کو دیکھا تو ہر ایک جگہ جو توفی کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلا ہے یا کسی صحابی کے مُنہ سے تو انہیں محضوں میں محدود پایا گیا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کسی ایک صحیح حدیث میں بھی کوئی ایسا توفی کا لفظ نہیں ملے گا جس کے کوئی اور معنی ہوں۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ اسلام میں

بطور اصطلاح کے قبض روح کے لئے یہ لفظ مقرر کیا گیا ہے تا لحد کی بقا پر دلالت کرے۔

انفسوس کہ بعض علماء جب دیکھتے ہیں کہ توفی کے معنی حقیقت میں وفات دینے کے ہیں تو پھر یہ دوسری تاویل پیش کرتے ہیں کہ آیت فلما توفیتنی میں جس توفی کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد واقع ہوگی لیکن تعجب کہ وہ اس قدر تلویحات رکیکہ کرنے سے ذرہ بھی شرم نہیں کرتے۔ وہ نہیں سوچتے کہ آیت فلما توفیتنی سے پہلے یہ آیت ہے واذ قال اللہ یعیسیٰ اخرجت للناس الخ اور ظاہر ہے کہ قال کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول اذ موجود ہے جو ماضی و وسطے ماضی کے آتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا۔ اور پھر ایسا ہی جو جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے ہے یعنی فلما توفیتنی وہ بھی بصیغہ ماضی ہے اور اس قصہ سے پہلے جو بعض دوسرے قصے قرآن کریم میں اسی سلسلہ سے بیان کئے گئے ہیں وہ بھی انہیں معنوں کے موید ہیں مثلاً یہ قصہ واذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خلیفۃ کیا اس کے یہ معنی کرنے چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کسی استقبال کے زمانہ میں ملائکہ سے ایسا سوال کرے گا ماسوا اس کے قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے اور محدثین بھی اس کی مصدق ہیں کہ موت کے بعد قبل از قیامت بھی بطور باز پرس سوالات ہوا کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی آیت جو مسیحؑ کی موت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ آیت ہے کہ ان من اهل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ اور ہم اسی رسالہ میں اسکی تفسیر بیان کر چکے ہیں۔

(۵) پانچویں یہ آیت ہے ما الہ سیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل و اقامہ صدیقہ کا اٹایا کلان الطعام (الحجہ و فبر ۱۹۴۴ء) یعنی مسیح صرف ایک رسول ہے اس سے پہلے نبی فوت ہو چکے ہیں اور ماں اس کی صدیقہ ہے جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے۔ یہ آیت بھی صریح نص حضرت مسیحؑ کی موت پر ہے کیونکہ اس آیت میں

بمصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم طعام نہیں کھاتے
 ماں کسی زمانہ میں کھایا کرتے تھے جیسا کہ کانا کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے جو ال کو
 چھوڑ کر گذشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مریم طعام
 کھانے سے اسی وجہ سے روکی گئی کہ وہ فوت ہو گئی اور چونکہ کانا کے لفظ میں جو تثنیہ کا
 میخ ہے حضرت عیسیٰ بھی حضرت مریم کے ساتھ شامل ہیں اور دونوں ایک ہی حکم کے
 نیچے داخل ہیں لہذا حضرت مریم کی موت کے ساتھ ان کی موت بھی مانی پڑی کیونکہ آیت
 مونسوفہ بالا میں ہرگز یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت مریم تو بوجہ موت طعام کھانے سے
 روکے گئے لیکن حضرت ابن مریم کسی اور وجہ سے۔ اور جب ہم اس آیت مذکورہ بالا کو اس
 دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیں کہ مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ
 جس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو۔
 تو اس یقینی اور قطعی نتیجہ تک ہم پہنچ جائیں گے کہ فی الواقعہ حضرت مسیح فوت ہو گئے کیونکہ
 پہلی آیت سے ثابت ہو گیا کہ اب وہ کھانا نہیں کھاتے اور دوسری آیت بتلا رہی ہے
 کہ جب تک یہ جسم خاکی زندہ ہے طعام کھانا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے قطعی
 طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔

(۶) چھٹی آیت یہ ہے وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ۔ اس آیت کو پہلی آیت
 کے ساتھ ابھی بیان ہو چکا ہے اور درحقیقت یہی کیسی آیت کافی طور پر مسیح کی موت پر
 دلالت کر رہی ہے کیونکہ جبکہ کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا یہی سنتِ اشد
 ہے تو پھر حضرت مسیح کیونکر اب تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں۔ اور اشد متبشاشانہ فرماتا
 ہے وَلَوْ تَعْبَدُونَ لِمَا تَبْدُلُوا۔ اور اگر کوئی کہے کہ اصحاب کف بغیر طعام
 کے زندہ موجود ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ ان کی زندگی بھی اس جہان کی زندگی نہیں۔ مسلم کی
 حدیث سو بکس والی اُن کو بھی ماری جی رہی ہے۔ بیشک ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ

صحاب کفہ بھی شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ ان کی بھی کامل زندگی ہے مگر وہ دنیا کی ایک ناقص کثیف زندگی سے نجات پائے ہیں۔ دنیا کی زندگی کیا چیز ہے اور کیا حقیقت۔ ایک جاہل اسی کو بڑی چیز سمجھتا ہے اور ہر ایک قسم کی زندگی کو جو قرآن شریف میں مذکور و مندرج ہے اسی کی طرف گھیسنا ہو چلا جائے۔ وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ دنیوی زندگی تو ایک ادنیٰ درجہ کی زندگی ہے جسے ازل حصہ سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے اور جس کے ساتھ نہایت غلیظ اور مذکورہ لوازم لگے ہوئے ہیں۔ اگر ایک انسان کو اس کی زندگی سے ایک بہت زندگی حاصل ہو جائے اور سنت اللہ میں فرق نہ آوے تو اس سے زیادہ اور کونسی خوبی ہے۔

(۷) ساتویں آیت یہ ہے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نبی ہیں ان سے پہلے سب نبی فوت ہو گئے ہیں۔ اب کیا اگر وہ بھی فوت ہو جائیں یا مارے جائیں تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا جس کی وجہ سے تم دین سچ بھراؤ۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر نبی کیلئے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو کوئی ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کر دیا ہو اب تک زندہ موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر یہ دلیل جو خدا تعالیٰ نے پیش کی صحیح نہیں ہوگی۔

(۸) آٹھویں آیت یہ ہے وما جعلنا نبیاً من قبلك الا خلد افان مات فم الخلد وین یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ زندہ اور ایک حالت پر رہنے نہیں بنایا پس کیا اگر تو مر گیا تو یہ لوگ باقی رہ جائیں گے۔ اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنت اللہ کے نیچے داخل ہیں اور کوئی موت سے بچا نہیں اور نہ آئندہ بچے گا۔ اور لغت کے رُوسے خلود کی مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہے۔ کیونکہ تغیر موت اور زوال کی تمہید ہے پس نفی خلود ثابت ہوا

کہ زمانہ کی تاثیر کو ہر ایک شخص کی موت کی طرف حرکت ہے اور یہ لڑ سال کی طرف رجوع اور اس کے سچ ابن مریم کا بوجہ امتداد زمانہ اور شیخ غالی ہو جانے کی باعث فوت ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔

(۹) نوں آیت تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی اس وقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہو گیا۔ اُن کے اعمال اُن کے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ اور اُن کے کاموں سے تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔

(۱۰) دسویں آیت وَاوصَانِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ اس کی تفصیل ہم اسی رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کیلئے حضرت عیسیٰ کو وصیت کی گئی تھی اور وہ آسمان پر عیسیٰوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں اور حضرت یحییٰ ان کی نماز کی حالت میں اُن کے پاس یونہی پڑے رہتے ہیں مُردے ہوئے۔ اور جب دنیا میں حضرت عیسیٰ آئیں گے تو برخلاف اس وصیت امتی بزرگ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھیں گے۔

(۱۱) گیارھویں آیت و سلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیات۔ اس آیت میں واقعات عظیمہ جو حضرت مسیح کے وجود کے متعلق تھے۔ صرف تین بیان کئے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعات صحیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ضروری تھا۔ کیا نفوذ باللہ رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الہی نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ سو اس جگہ پر خدا تعالیٰ کا اس رفع اور نزول کو ترک کرنا جو مسیح ابن مریم کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے صاف اس بات پر دلیل ہے کہ وہ خیال بیچ اور خلاف واقعہ ہے بلکہ وہ رفع پوم اموت میں داخل ہو اور نزول سر اسر باطل ہے۔

(۱۲) بارہویں آیت و منکم من یتوفی و منکم من یرد الی اذل العمار لکیلا یعلم من بعد علمہ شیعنا۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کثرت اللہ وہی طرح سے تم پر جاری رہے۔

بعض تم میں سے عربی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض عربی کو پہنچتے ہیں۔
یہاں تک کہ ازل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد
علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔ یہ آیت بھی سچ ابن مریم کی موت پر دلائل کرتی ہے
کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگر زیادہ عمر پاوے تو دن بدن ازل عمر کی
طرف حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ بچے کی طرح نادان محض ہو جاتا ہو اور پھر مر جاتا ہے۔

(۱۳) تیرھویں یہ آیت ہے وَلَكَمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ اَلْحٰی حٰیثُ یَعْنٰی تَمَّ اِنِّیْ جَسْمُ خَلْقِ
کے ساتھ زمین پر ہی رہو گے یہاں تک اپنے متاع کے دن پورے کر کے مچاؤ گے۔
یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے کیونکہ لکھ جو اس جگہ فائدہ تخصیص
کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلاتا کہ رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر جا نہیں
سکتا بلکہ زمین سے ہی نکلا اور زمین میں ہی رہے گا اور زمین میں ہی داخل ہوگا۔

(۱۴) چودھویں یہ آیت ہے وَمِنْ نِّعْمٰتِہٖۤ اَنۡ یَّخْلُقَ فِی الْخَلْقِ مِمَّنۡ یَّجۡزٰیہُمۡ زَیۡدًا وَّعَمَرًا
ہیں تو اس کی پیدائش کو اُلٹا دیتے ہیں یعنی انسانیت کی طاقتیں اور قوتیں اس
سے دور ہو جاتی ہیں۔ سو اس میں اس کے فرق آجاتا ہے عقل اس کی زائل ہو جاتی
ہے۔ اب اگر مسیح ابن مریم کی نسبت فرض کیا جائے کہ اب تک جسم خاکی کے ساتھ
زندہ ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک مدت دراز سے اُن کی انسانیت کے قوی میں
بکلی فرق آگیا ہو گا اور یہ حالت خود موت کو چاہتی ہے اور یقینی طور پر ماننا پڑتا ہے
کہ مدت سے وہ مر گئے ہوں گے۔

(۱۵) پندرھویں آیت یہ ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ ضَعِیْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ
ضَعِیْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشِیْبَةً۔ یعنی خدا وہ خدا ہے جس
نے تمہیں ضعیف سے پیدا کیا پھر ضعیف کے بعد قوت دے دی۔ پھر قوت کے بعد
ضعف اور پیرانہ سالی دی۔ یہ آیت بھی صریح طور پر اس بات پر دلائل کر رہی ہے

کہ کوئی انسان اس قانون قدرت سے باہر نہیں اور ہر یک مخلوق اس محیط قانون میں داخل ہے کہ زمانہ اس کی عمر پر اثر کر رہا ہے یہاں تک کہ تاشیر زمانہ کی سے وہ پیر فرتوت ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے

(۶۱) سولہویں آیت یہ ہے۔ انما مثل الحیوة الدنیا کما یرزقہ من السماء فاختلط به نبات الارض حکایا کل الناس والا نعام الخ یعنی اس دنیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے اس پانی کی مثال ہے جس کو ہم آسمان سے اتارتے ہیں پھر زمین کی روئیدگی اس سے مل جاتی ہے پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے اور آخر کاٹی جاتی ہے۔ یعنی کھیتی کی طرح انسان پیدا ہوتا ہے اول کمال کی طرف رُخ کرتا ہے پھر اس کا زوال ہوتا جاتا ہے کیا اس قانون قدرت سے سیح باہر رکھا گیا ہے۔

(۶۲) سترہویں آیت ثم انکم بعد ذالک لمیتون (الحروفیہ سورۃ المؤمنون) یعنی اول رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ تم کو کھال تک پہنچاتا ہے اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو یہاں تک کہ مر جاتے ہو یعنی تمہارے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی قانون قدرت ہے کوئی بشر اس سے باہر نہیں۔ اے خداوند قدیر اپنے اس قانون قدرت کے سمجھنے کے لئے ان لوگوں کو بھی آنکھ بخش جو ابیم کو اس سے باہر سمجھتے ہیں۔

(۶۳) اٹھارہویں آیت العنتر ان الله انزل من السماء ماء فسلکھ ینا بیح فی الارض ثم یخرج به زرعاً مختلفاً الوانہ ثم یھیج فتراہ مصفرّاً ثم یجعلہ حطاً مّا ان فی ذالک لذرکری لا ولی الا للباب (الحروفیہ سورۃ الزمر) ان آیات میں بھی مثال کے طور پر یہ ظاہر کیا ہے کہ انسان کھیتی کی طرح رفتہ رفتہ اپنی عمر کو پورا کر لیتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔

(۱۹) انیسویں آیت یہ ہے وما ارسلنا قبلك من المرسلین الا انهم لیاكلون الطعام ویمشون فی الارض سواق (الجمرو نمبر ۷، سورۃ الفرقان) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرتے تھے۔ اور پہلے ہم بھس قرآنی ثبات کر چکے ہیں کہ دنیوی حیات کے لوازم میں سے طعام کا کھانا ہے سو چونکہ وہ اب تمام نبی طعام نہیں کھاتے لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ب فوت ہو چکے ہیں جن میں بوجہ گمہ صریح بھی داخل ہے۔

(۲۰) بیسویں آیت یہ ہے والذین یدعون من دون اللہ لایخلقون شیئاً وہم یخلقون اموات غیر احياء وما یشعرون ایمان یبعثون (سورۃ الاحقاف نمبر ۱۷) یعنی جو لوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے اور پکارے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں۔ مرنے والے ہیں تو نہیں ہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ دیکھو یہ آیتیں کس قدر صراحت کے معنی اور ان سب انسانوں کی وفات پر دلالت کر رہی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنا محبوب ٹھہراتے تھے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے۔ اگر اب بھی آپ لوگ مسیح ابن مریم کی وفات کے قائل نہیں ہوتے تو سیدھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہمیں قرآن کریم کے ماننے میں کلام ہے۔ قرآن کریم کی آیتیں سنکر پھر وہیں ٹھہر نہ جانا کیا ایسا اندازوں کا کام ہے۔

(۲۱) اکیسویں آیت یہ ہے ما کان محمد اباً احد من رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتما للنبیین یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔ یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا پس اس سے بھی بخمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ و نبیائیں نہیں سکتا۔ کیونکہ

سچ ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ برائیل حاصل کرے۔ اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے اس سے ضروری طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سچ ابن مریم ہرگز نہیں آئے گا اور یہ امر خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مر گیا۔ اور یہ خیال کہ پھر وہ موت کے بعد زندہ ہو گیا مخالف کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اگر وہ زندہ بھی ہو گیا تاہم اس کی رسالت جو اس کے لئے لازم غیر منکف ہے اُسے دنیا میں آنے سے روکتی ہے۔ ماسوا اس کے ہم میان کر آئے ہیں کہ سچ کا مرنے کے بعد زندہ ہونا اس قسم کا نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے بلکہ شہداء کی زندگی کے موافق ہر جس میں مراتب قرب و مکمل حاصل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی حیات کا تہرآن کریم میں جا بجا بیان کیا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے یہ آیت قرآن شریف میں درج ہے۔ والذی یمیتخیثم یحییہ یعنی وہ خدایو مجھے مارتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے۔ اس موت اور حیات سے مراد صرف جسمانی موت اور حیات نہیں بلکہ اس موت اور حیات کی طرف اشارہ ہے جو سالک کو اپنے مقامات و منازل سلوک میں پیش آتی ہے۔ چنانچہ وہ خلق کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور خالق حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے اور پھر اپنے رفقاء کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر اپنے نفس کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور محبوب حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کئی موتیں اس پر وارد ہوتی رہتی ہیں اور کئی حیاتیں۔ یہاں تک کہ کامل حیات کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے سو وہ کامل حیات جو اس سفلی دنیا کے چھوڑنے کے بعد ملتی ہے وہ جسم خاکی کی حیات نہیں بلکہ اور رنگ اور شان کی حیات ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وان الدار الاخرۃ لھى الخیوان لوکانوا یعلمون (المجموعہ نمبر ۲۱)

۶۱۵

۶۱۶

(۲۲) بایں سیوں آیتیں یہ ہے فاستلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون یعنی اگر تم میں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جاوے۔ سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور علوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو تو وہی آجاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہر شکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم [ؑ] ہی فیصلہ کر چکے ہیں اور ان کے فیصلہ کا ہمارے فیصلہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ دیکھو کتاب سلاطین و کتاب طحا کی نبی اور انجیل ہوا یلیا کا دوبارہ آسمان سے اترنا کس طور سے حضرت مسیح [ؑ] نے بیان فرمایا ہے۔

وسمعی تیسویں آیت یا ایہا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة قرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنی اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پھر اس کے بعد میرے ان بندوں میں داخل ہو جا جو دنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور میرے بہشت کے اندر آ۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گزشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن معراج کی حدیث سے جس کو بخاری نے بھی بسوٹ طور پر اپنے صحیح میں لکھا ہے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے لہذا حسب دلائل ^{۲۱۸} صریحہ اس نفس کے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ضروری طور پر ماننا پڑا۔ انا بکتاب اللہ القرآن الکریم وکفرنا بکل ما یخالفہ ایہا الناس اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء قد جاءکم موعظة من ربکم وشفاء لکما فی الصلوة۔ فاتبعوه۔ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلکم۔

(۲۳) پیسویں آیت یہ ہے اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم میمیتکم ثم یرحیہکم
 والحجہ نمبر ۱۲ سورۃ الروم اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنا قانون قدرت یہ بتلاتا ہے کہ
 انسان کی زندگی میں صرف چار واقعات ہیں پہلے وہ پیدا کیا جاتا ہے پھر تکمیل اور
 تزویرت کے لئے روحانی اور جسمانی طور پر رزق مقسوم اُسے ملتا ہے پھر اس پر موت
 وارد ہوتی ہے۔ پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان آیات میں کوئی
 ایسا کلمہ استثنائی نہیں جس کی رو سے مسیح کے واقعات خاصہ باہر رکے گئے ہوں
 حالانکہ مسلمان کریم لولہ کے آخر تک ^{۱۱۹} یہ التزام رکھتا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے ذکر
 کرنے کے وقت کوئی فرد بیشد باہر نکالنے کے لائق ہو تو فی الفور اس قاعدہ کلیہ کو
 اس کو باہر نکال لیتا ہے یا اس کے واقعات خاصہ بیان کر دیتا ہے۔

(۲۴) پچیسویں آیت یہ ہے کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ووالجلال
 والا کلام والحجہ نمبر ۲۷ سورۃ الرحمن یعنی ہر ایک چیز جو زمین میں موجود ہے
 اور زمین سے نکلتی ہے وہ معرض فنا میں ہے یعنی مبدم فنا کی طرف میل کر رہی
 ہے مطلب یہ کہ ہر ایک جسم خاکی کو نابود ہونے کی طرف ایک حرکت ہے اور
 کوئی وقت اس حرکت سے خالی نہیں۔ وہی حرکت بچہ کو جوان کر دیتی ہے اور جوان
 کو بڑھا اور بڑھے کو قبس میں ڈال دیتی ہے اور اس قانون قدرت کو کوئی باہر
 نہیں۔ خدا تعالیٰ نے قانون کا لفظ اختیار کیا یعنی نہیں کہا تا معلوم ہو
 کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں یک دفعہ واقعہ ہوگی بلکہ سلسلہ فنا
 کا ساتھ ساتھ جاری ہے لیکن ہمارے مولوی یہ گمان کر رہے ہیں کہ مسیح ابی مریم
 اسی فانی جسم کے ساتھ جس میں بموجب نص صریح کے ہر دم فنا کام کر رہی ہے
 بلا تفتیر و تبدل آسمان پر بیٹھا ہے اور زمانہ اُس پر اثر نہیں کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ
 نے اس آیت میں بھی مسیح کو کائنات الارض میں سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

بے حضرات مولوی صاحبان کہاں گئی تمہاری توحید اور کہاں گئے وہ جسے چوٹے
دعوے اطاعت قرآنی کریم کے۔ هل منکم رجل فی قلبہ عظمۃ القرآن
مشقال ذرہ؟

(۲۶) چھ بیسویں آیت ان المتقین فی جنت و نصرا فی مقعد صدق عند ملیک
مقتدر۔ (الحج و نحر، سورۃ القمر) یعنی متقی لوگ جو خدا تعالیٰ سے ڈر کر ہر ایک
قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہونے کے بعد جنت اور نہر میں ہیں
صدق کی نشست گاہ میں یا اقتدار بادشاہ کے پاس۔ اب ان آیات کی رو سے
صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے دخول جنت اور مقعد صدق میں تلازم رکھا ہے
یعنی خدا تعالیٰ کے پاس پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا ایک دوسرے کا لازم
ٹھہرایا گیا ہے۔ سو اگر رافعک الی کے ہی معنی ہیں جو سج خدا تعالیٰ کی طرف
اٹھایا گیا تو بلاشبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا جیسا کہ دوسری آیت یعنی ارجی
الی ربک جو رافعک الی کے ہم معنی ہے بصراحت اسی پر دلالت کر رہی ہے۔
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھنے جانا اور گزشتہ مقررہوں
کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا یہ تینوں مفہوم ایک
ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پس اس آیت سے بھی سچ ابن عربی کا فوت
ہونا ہی ثابت ہوا۔ فالحمد لله الذی احق الحق و ابطال الباطل و نصرا
عبدہ و ایتد مامورہ۔

(۲۷) ستائیسویں آیت یہ ہے ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولئک عنہا
مبعدون لا یسمعون حسيسها و هم فی ما اشتہت انفسهم خلد و حق۔
یعنی جو لوگ جنتی ہیں اور ان کا جنتی ہونا ہماری طرف سے قرار پا چکا ہے۔ وہ
دورخ سے دور کئے گئے ہیں اور وہ بہشت کی دائمی لذات میں ہیں اس آیت کے مراد

حضرت عزیز اور حضرت سچ ہیں اور اُن کا بہشت میں داخل ہو جانا اس سے ثبات ہوتا ہے جس سے اُن کی موت بھی بپایہ ثبوت پہنچتی ہے۔

(۲۸) اٹھائیسویں آیت اِن مَاتَكَوْا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ مَرْجٍ مُّشِيْدٍ ۝ (الجزء نمبر ۵) یعنی جس جگہ تم ہو اُسی جگہ موت تمہیں پکڑے گی اگرچہ تم بڑے مرتفع و برجول میں بود و باش اختیار کرو۔ اس آیت سے بھی صریح ثبات ہوتا ہے کہ موت اور لوازم موت ہر جگہ جسم خاکی پر وارد ہو جاتے ہیں۔ یہی مُتُّ اللہ ہے اور اس جگہ بھی استثنائے طور پر کوئی ایسی عبارت بلکہ ایک ایسا کلمہ بھی نہیں لکھا گیا ہے جس سے سچ باہر رہ جاتا۔ پس بلاشبہ یہ اشارۃ النص بھی سچ ابن مریم کی موت پر دلالت کر رہے ہیں۔ موت کے تعاقب سے مرا و زمانہ کا اثر ہے جو ضعف اور پیری یا امراض و آفات منجر الی الموت تک پہنچاتا ہے مگر کوئی نفس مخلوق خالی نہیں۔

(۲۹) اَتَيْدِسْوِيْنَ اَيْتِ مَا اَتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَاَنْهٰكُمُ عَنْهٖ فَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی رسول جو کچھ تمہیں علم و معرفت عطا کرے وہ لے لو اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔ لہذا اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں کیا فرمایا ہے۔ سو پہلے وہ حدیث سنو جو مشکوٰۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ یہ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَعْمَارُ مَتٰی مَیِّتٍ اِلٰی السَّبْعِیْنَ وَاَقْلَمُ مِنْ یَّحْزُوْذَ الْاَلْکِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَہٌ۔ یعنی اکثر عمریں میری امت کی ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی۔ اور ایسے لوگ کمتر ہونگے جو ان سے تجاوز کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت سچ ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آگئے ہیں۔ پھر اتنا فرق کیونکر ممکن ہے کہ اور لوگ ستر برس تک مشکل سے پہنچیں اور اُن کا یہ حال ہو کہ دو ہزار کے قریب ان کی زندگی کے برس گزر گئے اور اب تک مرنے میں

نہیں آتے۔ بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں اگر پھر چالیس پینتالیس برس زندہ رہیں گے پھر دوسری حدیث مسلم کی ہے جو جابر سے روایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے۔
 وعن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشہر
 تستلونی عن الساعة وانما علمها عند اللہ طقسہم باللہ ما علی الارض
 من نفس منفوسۃ یا قی علیہا مائۃ سنۃ وہی حیتہ رواہ مسلم اور
 روایت ہے جابر سے کہا سنا میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وہ قسم
 کھا کر فرماتے تھے کہ کوئی ایسی زمین پر مخلوق نہیں جو اس پر سو برس گزرے اور
 وہ زندہ رہے۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص زمین کی مخلوقات میں سے ہو
 وہ شخص سو برس کے بعد زندہ نہیں رہے گا۔ اور ارض کی قید سے مطلب یہ ہے کہ تا
 آسمان کی مخلوقات اس سے باہر نکالی جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم
 آسمان کی مخلوقات میں سے نہیں بلکہ وہ زمین کی مخلوقات اور ماعلی الارض میں داخل
 ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی جسم خاکی زمین پر رہے تو فوت ہو جائیگا اور
 اگر آسمان پر چلا جائے تو فوت نہیں ہوگا۔ کیونکہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا تو خود
 بموجب نص قرآن کریم کے ممتنع ہے بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا
 ہوا اور خاک میں سے نکلا وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔

(۴۴) تیسویں آیت یہ ہے اوتترقی فی السماء... قل سبحان ربی هل کنت الالبشرا
 رسولاً یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لے آویں گے۔
 ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دار الالبشرا میں ایسے کھلے
 کھلے نشان دکھلاوے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔ اس آیت
 سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے
 کا نشان مانگا تھا اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت اللہ نہیں کہ کسی جسم خاکی کو

آسمان پر لے جائے۔ اب اگر جسم خاکی کے ساتھ ابن مریم کا آسمان پر جانا صحیح مان لیا جائے تو یہ جواب مذکور بالا سخت اعتراض کے مطابق ٹھہر جائیگا اور کلام الہی میں تناقض اور اختلاف لازم آئے گا لہذا قطعی اور یقینی یہی امر ہے کہ حضرت مسیح مجیدہ انصاری آسمان پر نہیں گئے بلکہ موت کے بعد آسمان پر گئے ہیں۔ بھلا ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا موت کے بعد حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم اور حضرت ادریس اور حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف وغیرہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے یا نہیں اگر نہیں اٹھائے گئے تو پھر کیونکر معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آسمان میں دیکھا اور اگر اٹھائے گئے تھے تو پھر ناحق مسیح ابن مریم کدفع کے کیوں اور طور پر مرنے کے جلتے ہیں۔ تعجب کہ توفی کا لفظ جو صریح وفات پر دلالت کرتا ہے جب جائے حق میں موجود ہے اور اٹھائے جانے کا نمونہ بھی یہی طور پر کھلا ہے کیونکہ وہ انہیں قوت شدہ لوگوں میں جلتے جہاں سے پہلے اٹھائے گئے تھے۔ اور اگر کہو کہ وہ لوگ اٹھائے نہیں گئے تو میں کہتا ہوں کہ وہ پھر آسمان میں کیونکر پہنچ گئے آخر اٹھائے گئے تھے یا آسمان میں پہنچے۔ کیا تم قرآن شریف میں یہ آیت نہیں پڑھتے ورفعتہ مکانا علیا کیا یہ وہی دفع نہیں ہے جو مسیح کے بارہ میں آیا ہے؟ کیا اس کے اٹھائے جانے کے معنی نہیں ہیں فانی تصرفون ؟

۶۱۵

حضرات غزنوی اور مولوی محی الدین صاحب

الہامات کے بارے میں کچھ مختصر تحریر

میں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محی الدین صاحب لکھنؤ والے اس عاجز کے حق میں لکھتے ہیں کہ میں الہام ہوا ہے کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ چنانچہ عبدالحق صاحب کے الہام میں تو صریح سیصلی نارا ذات الہیٰ موجود ہے اور محی الدین صاحب کو یہ الہام ہوا ہے

۶۱۶

کہ یہ شخص ایسا لحد اور کافر ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جس کافر کا مال کار کفر ہی ہو وہ بھی جہنمی ہی ہوتا ہے۔ غرض ان دونوں صاحبوں نے کہ خدا انہیں بہشت نصیب کرے اس عاجز کی نسبت جہنم اور کفر کا فتوے دے دیا اور بڑے زور سے اپنے الہامات کو شائع کر دیا۔ ہم اس جگہ ان صاحبوں کے الہامات کی نسبت کچھ زیادہ لکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ صرف اس قدر تحریر کرنا کافی ہے کہ الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ یا استخارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تنازعہ ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بڑا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وہ بلا توقف نکالا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جل شانہ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا ان یقولوا الحق الشیطان فی امنیۃ الخ ایسا ہی انجیل میں بھی لکھا ہے کہ شیطان اپنی شکل نوری فرشتوں کے ساتھ بدل کر بعض لوگوں کے پاس آ جاتا ہے دیکھو خط دوم قرنتھیاں باب آیت ۱۴۔ اور مجموعہ توریت میں سے سلاطین اول باب بائیس آیت انیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سونی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے ٹکٹے اور بادشاہ کو شکست دینی بلکہ وہ اُسی میدان میں مر گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ دراصل وہ الہام ایک ناپاک روح کی طرف سے تھا فوری فرشتہ کی طرف سے نہیں تھا اور ان غیبیوں نے دھوکا کھا کر ربانی سمجھ لیا تھا۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ جس حالت میں قرآن کریم کی رو سے الہام اور وحی میں دخل شیطان ممکن ہے اور پہلی کتابیں توریت اور انجیل اس دخل کی مصدق ہیں اور اسی بنا پر

الہام ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت و مطابقت قرآن کریم کے حجت بھی نہیں
 تو پھر ناطقین کے لئے غور کا مقام ہے کہ کیونکر اور کن حالات تینہ سے میاں عبدالحق
 صاحب اور میاں محی الدین صاحب نے اپنے الہامات کو رحمانی الہامات سمجھ لیا ہے۔ ان کے
 الہامات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص عیسیٰ بن مریم کی وفات کا قائل ہو اور دنیا میں انہیں
 کا دوبارہ آنا تسلیم نہ کرے وہ کافر ہے۔ لیکن ناظرین اب اس رسالہ کو پڑھ کر بطور
 حق الیقین سمجھ جائیں گے کہ درحقیقت واقعی امر جو قرآن شریف سے ظاہر ہو رہا ہے
 یہی ہے کہ سچ سچ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہی ہو گئے اور فوت شدہ جماعت میں صد
 سال سے داخل ہیں۔ سو بڑی اور بھاری نشانی میاں محی الدین اور میاں عبدالحق صاحب
 کے شیطانی الہام کی یہ نکل آئی کہ ان کے اس خیال کا قرآن شریف مکتذب ہے۔ اور
 شمشیر بر منہ لے کر مقابلہ کر رہا ہے۔ اب اس سے یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ ابلیس و مکار
 نے کسی اندرونی مناسبت کی وجہ سے ان دونوں صاحبوں کو استخارہ کے وقت جاپا کرنا
 اور قرآن کریم کے منشاء کے خلاف ان کو تعلیم دی۔ بھلا ان صاحبوں کے یہ الہامات
 سچے ہیں تو اب قرآن کریم کی رو سے مسیح ابن مریم کا زندہ ہونا ثابت کر کے دکھلا دیں اور ہم
 دشا یا بیشش آیتوں کا مطالعہ نہیں کرتے صرف ایک آیت ہی زندہ ہونے کے بارے
 میں پیش کریں۔ اور جس فرشتہ نے اس عاجز کے جہنمی یا کافر ہونے کے بارے میں
 جھٹ پٹ ان کے کانوں تک دو تین غریبے پہنچا دئے تھے اب اُسی سے درخواست کریں
 کہ ہماری مدد کر۔ اور کچھ شک نہیں کہ اگر وہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو کم از کم
 تیس آیت حضرت عیسیٰ کے زندہ ہونے کے بارے میں فی الفور القاد ہو جائیں گی
 کیونکہ ہم نے بھی تو تیس آیت ان کے مرنے کے ثبوت میں پیش کی ہیں لیکن یاد رکھنا
 چاہیے کہ یہ لوگ ایک بھی آیت نہیں پیش کر سکیں گے۔ کیونکہ ان کے الہامات شیطانی
 ہیں اور حرب شیطان ہمیشہ مغلوب ہے۔ وہ بے چارہ لعنتوں کا مارا اور کمزور اور ضعیف ہے

پھر دوسرے دل کی کیا مدد کرے گا۔

ماسوا اس کے یہ بھی یاد رہے کہ رحمانی الہامات اپنے بابرکت نشانیوں سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے قبول کرنے کے لائق نہیں ہوتا خداوند عظیم و حکیم اس بات کو خوب جانتا ہے کہ اس عاجز نے صرف ایسی صورت میں اپنے الہامات کو منجانب اللہ سمجھا کر جب صدا الہامی پیش گوئیاں روز روشن کی طرح پوری ہو گئیں سو جو شخص اس عاجز کے مقابل پر کھڑا ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ اپنے الہامات منجانب اللہ ہونے کے اثبات میں میری طرح کسی قدر پیش گوئیاں بیان کرے۔ بالخصوص ایسی پیش گوئیاں جو فضل اور احسان باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہوں۔ کیونکہ مقبولین کی شناخت کے لئے ایسی ہی پیش گوئیاں عمدہ دلیل ہیں جو کسی آئندہ عنایات باریہ کا وعدہ دیتی ہوں۔ وہ یہ کہ خدا تعالیٰ انہیں پر فضل و احسان کرتا ہے جن کو نظر عنایت دیکھتا ہے۔

جن پیش گوئیوں کی سچائی پر میری سچائی کا حصر ہے وہ یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو مغلوب ہو کر یعنی بظاہر مغلوبوں کی طرح حقیر ہو کر پھر آفرغالب ہو جائے گا اور انجام تیرے لئے ہو گا۔ اور ہم وہ تمام پوچھتے تھے کہ جس نے تیری مکر توڑ دی۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تیری توحید تیری عظمت تیری کمالیت پھیلے۔ خدا تعالیٰ تیرے چہرہ کو ظاہر کرے گا اور تیرے سایہ کو لمبا کر دے گا۔ سو نیلیں ایک تذیبا یا پردہ نیانے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے نور اور حلول سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ عقوبت اسے ایک ملک عظیم دیا جائے گا یعنی اُسکو قبولیت بخشی جائے گی اور خلاق کثیر کے دل اس کی طرف مائل کئے جائیں گے۔ اور خزان اُن اُس پر کھولے جائیں گے یعنی خزان معارف و حقائق کھولے جائیں گے کیونکہ کمالی مال جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو ملتا ہے جس کو وہ دنیا میں تقسیم کرتے ہیں۔ دنیا کا درہم و دینار نہیں بلکہ حکمت و معرفت ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کر کے

فرمایا ہے کہ یوقی الحکمة من يشاء ومن يوتى الحکمة فقد اوتى خیراً
 کثیراً۔ خیر مال کو کہتے ہیں۔ سو پاک مال حکمت ہی ہے جس کی طرف حدیث نبوی میں بھی
 اشارہ ہے کہ انما انا قاسم واللہ هو المعطی۔ یہی مال ہے جو حج موعود کے نشانوں
 میں سے ایک نشان ہے) یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور تمہاری آنکھوں میں عجیب۔
 ہم غریب تم میں ہی اور تمہارے ارد گرد نشان دکھلا دیں گے حجت قائم ہو جائے گی
 اور فتح کھلی کھلی ہوگی۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بھاری جماعت ہیں یہ سب
 بھاگ جائیں گے اور بیٹھ پھیر لیں گے اگرچہ لوگ تجھے چھوڑ دیں گے ہمیں نہیں چھوڑے گا
 اور اگر لوگ تجھے نہیں بچائیں گے پر میں تجھے بچاؤں گا میں اپنی چمکار دکھاؤں گا اور
 قدرت نمائی سے تجھے اٹھاؤں گا اے ابراہیم تجھ پر سلام ہم نے تجھے خالص دوستی کے
 ساتھ چن لیا۔ خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دیگا
 تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید اور تعزید۔ خدا ایسا نہیں جو تجھے چھوڑ دے۔
 جب تک وہ غیث کو طیب سے جدا نہ کرے۔ وہ تیرے مجد کو زیادہ کرے گا اور تیری
 ذریت کو بڑھائے گا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتداء قرار دیا جائیگا
 میں تجھے زمین کے کناروں تک عزت کے ساتھ شہرت دوں گا اور تیرا ذکر بلند
 کروں گا اور تیری محبت دلوں میں ڈال دوں گا۔ جہلناک اسحٰق ابن مریم دم نے تجھ کو
 صبح (ان مریم بنایا) ان کو کہہ دے کہ میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔ یہ کہیں گے کہ ہم
 نے پہلوں سے ایسا نہیں سنا۔ سو تو ان کو جواب دے کہ تمہارے معلومات پہنچ نہیں
 خدا بہتر جانتا ہے۔ تم ظاہر لفظ اور الامام پر قائل ہو اور اصل حقیقت تم پر مشکوف
 نہیں جو شخص کبھی بنیاد کو ایک حکمت الہی کا مسئلہ سمجھتا ہے وہ بڑا عقلمند ہے
 کیونکہ اس کو اسرار ملکوتی سے حصہ ہے۔ ایک اولوالعزم پیدا ہوگا۔ وہ حسن اور احسان
 میں تیسرا نظیر ہوگا وہ تیری ہی نسل سے ہوگا۔ فرزند و بلند گرامی ارجمند

۴۴۲

۴۴۵

مظہر الحق والعلم کائن الشد نزل من السماء۔

یاتی علیک زمان مختلف بأزواج مختلفہ وترى نسلابعدا ولنجیمناک
حیوة طیبہ ثمانین حولاً او قریباً من ذلک۔ انک بأعیننا سمیتک المتوکل
یحمدک اللہ من عمر شہ۔ کذبوا بآیتنا وکانوا بہا یستہزئون فسیکفیکہم
اللہ ویوردہا الیک لا تبدیل لکلمات اللہ ان سبک فعال لما یرید لہ عبارت
اشتمار دہم جولائی ۱۸۸۵ء کی پیشگوئی ہے۔

اب جس قدر میں نے بطور نمونہ کے پیشگوئیاں بیان کی ہیں۔ و تحقیقت میرے صدق
یا کذب کے آزمانے کے لئے یہی کافی ہے اور جو شخص اپنے میں مہم قرار دیکر مجھے کاؤب
اور جہنمی خیال کرتا ہے اُس کے لئے فیصلہ کا طریق یہ ہے کہ وہ بھی اپنی نسبت چند
ایسے اپنے الہامات کسی اخبار وغیرہ کے ذریعہ سے شائع کرے جس میں ایسی ہی صاف اور
میرج پیشگوئیاں ہوں۔ تب خود لوگ ظہور کے وقت اندازہ کر لیں گے کہ کون شخص مقبول الہی
ہے اور کون مردود الہی۔ ورنہ صرف دعویٰ سے کچھ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور خدا تعالیٰ
کی عنایات خاصہ میں سے ایک یہ بھی مجھ پر ہے کہ اُس نے علم حقائق و معارف قرآنی مجھ کو
عطا کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مطہرین کی علامتوں میں سے یہ بھی ایک عظیم اعلان علامت ہو
کہ علم معارف قرآن حاصل ہو کیونکہ اشد جلسائے فرماتا ہے لایمستہ الا المظہرون
سو مخالف پر بھی لازم ہے کہ جس قدر میں اب تک معارف قرآن کریم اپنی متفرق کتابوں
میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کے مقابل پر کچھ اپنے معارف کا نمونہ دکھلاؤں اور کئی رسالہ
چھاپ کر شہر کریں تا لوگ دیکھ لیں کہ جو دقائق علم و معرفت اہل اشد کو ملتے ہیں۔ وہ
کہاں تک اُن کو حاصل ہیں مگر بشرطیکہ کتابوں کی نقل نہ ہو۔

۶۳۷

ناظرین پر واضح رہے کہ میاں عبدالحق نے مباہلہ کی بھی درخواست کی تھی۔ لیکن
اب تک میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسے اختلافی مسائل میں جن کی وجہ سے کئی فرقہ کافرا ظالم

نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ مباہلہ جائز ہے۔ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ مباہلہ میں دونوں فریق کا اس بات پر یقین چاہیئے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے۔ یعنی عداوت چھائی سے روگردان ہے مخفی نہیں ہے۔ تاہر یک فریق لعنت اللہ علی الکاذبین کہ سکے۔ اب اگر میاں عبدالحق اپنے تصور فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا بلکہ مخطی جا تا ہوں اور مخطی مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔ کیا بجائے لعنت اللہ علی الکاذبین یہ کہنا جائز ہے کہ لعنت اللہ علی المظننین۔ کوئی مجھے سمجھا دے کہ اگر میں مباہلہ میں فریق مخالف حق پر لعنت کروں تو کس طور سے کروں۔ اگر میں لعنت اللہ علی الکاذبین کہوں تو صحیح نہیں کیونکہ میں اپنے مخالفین کو کاذب تو نہیں سمجھتا بلکہ ماول مخطی سمجھتا ہوں جو نصوص کو اُنکے ظاہر سے پھیر کر ماقیام قرینہ باطن کی طرف لے جاتے ہیں اور کذب اس شے کا نام ہے جو عداوت اپنے بیان میں اس یقین کی مخالفت کی جائے جو دل میں حاصل ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ آج مجھے روزہ ہے اور خوب جانتا ہے کہ محمد میں روٹی کھا کے آیا ہوں سو یہ شخص کاذب ہے۔ غرض کذب اور چیز ہے اور خطا اور چیز ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاذبوں پر لعنت کرو یہ تو نہیں فرماتا کہ مخطیوں پر لعنت کرو۔ اگر مخطی سے مباہلہ اور ملاءنہ جائز ہوتا تو اسلام کے تمام فرقے جو باہم اختلاف سے بھرے ہوئے ہیں۔ بے شک باہم مباہلہ و ملاءنہ کر سکتے تھے اور بلاشبہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کا روئے زمین سے خاتمہ ہو جاتا۔ اور مباہلہ میں جماعت کا ہونا بھی ضروری ہر نفس قرین کریم جماعت کو ضروری ٹھہراتی ہے۔ لیکن میاں عبدالحق نے اب تک ظاہر نہیں کیا کہ مشاہیر علماء کی جماعت اس قدر میرے ساتھ ہے جو مباہلہ کے لئے تیار ہے اور نسا و ابناء بھی ہیں۔ پھر جب شرائط مباہلہ متحقق نہیں تو مباہلہ کیونکر ہو۔ اور مباہلہ میں یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اول ازالہ شبہات کیا جائے بجز اس صورت کے کہ کاذب قرار دینے میں کوئی تاثر اور شبہ کی جگہ باقی نہ ہو۔ لیکن میاں عبدالحق بحث مہارثہ کا تو نام تک بھی نہیں لیتے۔

ایک پرانا خیال جو دل میں جما ہوا ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم آسمان سے نازل ہو گئے اسی خیال کو اس طرح پر سمجھ لیا ہے کہ گویا مسیح حضرت مسیح ابن مریم رسول اللہ جن پر انجیل نازل ہوئی تھی کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے حالانکہ یہ ایک بھاری غلطی ہے۔ جو شخص فوت ہو چکا اہد جس کا فوت ہونا قرآن کریم کی تیس آیت سے پہلے ثابت ہو چکا تھا۔ کیا وہ کہاں سے اب زمین پر آجائے گا۔ قرآن شریف کی آیات، بینات و حکمت کو کونسی حدیث منسوخ کر دے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بعد اللہ و ایتہ یومنون و سچ ہے کہ خدا تعالیٰ زندہ کرنے پر قادر ہے مگر یہ قدرت اس کی وعدہ کے مخالف ہے۔ اُس نے مسیح اور صاف لفظوں میں نساہا دیا ہے کہ جو لوگ مر گئے پھر دنیا میں نہیں آیا کرتے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے فیہمک الہی قضی علیہا الموت اور جیسا کہ فرماتا ہے ثم انکم یوم القیمة تبعثون (الجزء ۱۸) یعنی تم مرنے کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے اور جیسا کہ فرماتا ہے حرام علی قریۃ اہلکناہم لایرجعون اور جیسا کہ فرماتا ہے وما ہم منها بمخرجین۔ اور اگر یہ کہو کہ مجروحہ کے طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی موت نہیں ہوگی بلکہ غشی یا نیمند و غیرہ کی قسم سے ہوگی۔ کیونکہ مات کے معنی لغت میں نام کے بھی ہیں دیکھو قاموس۔ غرض وہ موٹی جو ایک دم کے لئے زندہ ہو گئے ہوں وہ حقیقی موت سے باہر ہیں۔ اور کوئی اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ کبھی حقیقی اور واقعی طور پر کوئی مردہ زندہ ہو گیا اور دنیا میں واپس آیا اور اپنا ترکہ مقسومہ واپس لیا اور پھر دنیا میں رہنے لگا اور خود موت کا لفظ قرآن کریم میں ذوالوہد ہے۔ کافر کا نام بھی مردہ رکھا ہے۔ اور ہوا و ہوس سے مرنا بھی ایک قسم کی موت ہے اور قریب الموت کا نام بھی میت ہے۔ اور یہی تینوں وجوہ استعمال حیات میں بھی پائی جاتی ہیں یعنی حیات بھی تین قسم کی ہیں۔ لیکن آیت فیہمک الہی قضی علیہا الموت بینات و حکمت میں سے ہے اور نہ صرف ایک کت

بلکہ اس قسم کی بہت سی آیات قرآن شریف میں موجود ہیں کہ جو مرگیا وہ ہرگز پھر دنیا میں واپس نہیں آئے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہو چکا کہ حضرت مسیحؑ فی الواقع فوت ہو چکے ہیں۔ پھر باوجود اس قرینہ صریحہ تینہ کے اگر حدیثوں میں ابن مریم کے نزول کا ذکر آیا ہے تو کیا یہ عقلمندی ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ ابن مریم رسول اللہ آسمان سے اتر آئے گا۔ مثلاً دیکھئے کہ اللہ جل شانہ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے کہ اے نبی اسرائیل ہماری اس نعمت کو یاد کرو کہ ہم نے آل فرعون سے تمہیں چھڑایا تھا جب وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو رکھ لیتے تھے۔ اور وہ زمانہ یاد کرو جب دریائے تمہیں راہ دیا تھا اور فرعون اس کے لشکر کے سمیت غرق کیا گیا تھا اور وہ زمانہ یاد کرو جب تم نے موسیٰ کو کہا تھا کہ ہم بغیر دیکھے خدا پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تمہیں بدلی کا سایہ دیا اور تمہارے لئے من و سلویٰ اتانا اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کہہ طور تمہارے سر کے اوپر ہم نے رکھا تھا پھر تم نے سرکشی اختیار کی۔ اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم نے خون نہ کرنا اور اپنے عزیزوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالنا اور تم نے اقرار کر لیا تھا کہ ہم اس عہد پر قائم رہیں گے لیکن تم پھر بھی ناحق کا خون کرتے اور اپنے عزیزوں کو ان کے گھروں سے نکالتے رہے۔ تمہاری یہی عادت رہی کہ جب کوئی نبی تمہاری طرف بھیجا گیا تو بعض کو تم نے بھٹلایا اور بعض کے سر پرے قتل ہوئے یا قتل ہی کر دیا۔

اب فرمائیے کہ اگر یہ کلمات بطور استعارہ نہیں ہیں اور ان تمام آیات کو ظاہر پر حمل کرنا چاہیئے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جو لوگ وحی و تحقیق ان آیات کے مخاطب ہیں جن کو آل فرعون سے نجات دی گئی تھی اور جن کو دریائے راہ دیا تھا اور جن پر من و سلویٰ اتارے گئے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک زندہ ہی تھے

یا مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر آگئے تھے۔ کیا آپ لوگ جب مسجدوں میں بیٹھ کر قرآن کریم کا ترجمہ پڑھاتے ہیں تو ان آیات کے معنی یہ سمجھایا کرتے ہیں کہ ان آیات کے مخاطبین ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت تک بقید حیات تھے یا قبروں سے زندہ ہو کر پھر دنیا میں آگئے تھے۔ اگر کوئی طالب العلم آپ سے سوال کرے کہ ان آیات کے ظاہر مفہوم سے تو یہی معنی نکلتے ہیں کہ مخاطب وہی لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ اور دوسرے نبیوں کے وقت موجود تھے کیا اب یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں زندہ تھے یا زندہ ہو کر پھر دنیا میں آگئے تھے۔ تو کیا آپ کا یہی جواب نہیں کہ بھائی وہ تو سب فوت ہو گئے اور اب مجازی طور پر مخاطب ان کی نسل ہی ہے جو ان کے کاموں پر راضی ہے گویا انہیں کا وجود ہے یا یوں کہو کہ گویا وہی ہیں۔ تو اب سمجھ لو کہ یہی مثال ابن مریم کے نزول کی ہے سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ مراتب وجود و ولای ہیں اور بعض کے ارواح بعض کی صورت مثالی لے کر اس عالم میں آتے ہیں اور روحانیت ان کی بجلی ایک دوسرے پر منطبق ہوتی ہے۔ آیت تشابہت قلوبہم کو غور سے پڑھو اس بات کو خوب غور سے سوچنا چاہیے کہ ابن مریم کے آنے کی اس امت میں کیا صورت تھی اور یہ بات کس حکمت اور سر مخفی پر مبنی ہے کہ ابن مریم کے آنے کی خبر دی گئی داؤد یا موسیٰ یا سلیمان کے آنے کی خبر نہیں دی گئی۔ اس کی کیا حقیقت ہے اور کیا اصل ہے اور کیا بعید ہے۔ موجب ہم عین نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سطحی خیال کو چھوڑ کر غور کرتے کرتے بحر تدبر اور تفکر میں بہت نیچے چلے جاتے ہیں تو اس گہرا غوطہ مارنے سے گویا ہر معرفت ہمارے ہاتھ آتا ہے کہ انکس بیش گوئی کے بیان کرنے سے اصل مطلب یہ ہے کہ تاحمد مصطفیٰ حبیب اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ میں جو عند اللہ ماثلت نامہ ہے اور ان کی امتوں پر جو احسانات حضرت احدیت مشابہ اور متشاکل طور پر واقع ہیں ان کو بتصریح ہمایہ ثبوت پہنچایا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ موسیٰ شریعت کے آخری زمانہ میں امت کو

فساد یہودیوں میں واقع ہو گیا تھا اور انواع و اقسام کے فرقے اُن میں پیدا ہو گئے تھے اور باہمی ہمدردی اور محبت اور حقوق اخوت سب دور ہو کر بجائے اس کے بغض و تحاسد اور کینہ اور عداوت باہمی پیدا ہو گئے تھے اور خدا تعالیٰ کی پرستش اور خوفِ الہی بھی اُن کے دلوں میں سے اُٹھ گیا تھا اور جھگڑے اور فساد اور دنیا پرستی کے خیالات اور انواع و اقسام کے مکمل ہدول اور مولویوں اور دنیا داروں میں اپنے اپنے طرز کے موافق پیدا ہو گئے تھے اور اُن کے ہاتھ میں بجائے مذہب کے صرف رسم اور عادت رہ گئی تھی۔ اور حقیقی نیکی سے بکلی بے خبر ہو گئے تھے اور دلوں میں از حد سختی بڑھ گئی تھی۔ ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کو یعنی اسرائیل کے نبیوں کا خاتم الانبیاء کر کے بھیجا۔ مسیح ابن مریم تلوار یا نیزہ کے ساتھ نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ اس کو جہاد کا حکم تھا بلکہ صرف محبت اور بیان کی تلوار اس کو دی گئی تھی تا یہودیوں کی اندرونی حالت درست کرے اور قوریت کے احکام پر دوبارہ اُن کو قائم کر دے۔ ایسا ہی شریعت محمدیہ کے آخری زمانہ میں جو یہ زمانہ ہے اکثر مسلمانوں نے سراسر یہودیوں کا رنگ قبول کر لیا اور اپنے باطن کی رو سے اُسی طرز کے یہودی ہو گئے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے تجدید احکام فرقان کریم کے لئے ایک شخص کو بعینہ مسیح ابن مریم کے رنگ پر بھیج دیا اور استعارہ کے طور پر اس کا نام بھی عیسیٰ ابن مریم رکھا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کا پورا نام فرقان کریم میں یہی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم وجیہا فلان نبیا والاخرۃ ومن المقربین۔ سو چونکہ اس بات کا ظہر کرنا منظور تھا کہ جب آخری زمانہ میں اس اُمت میں فساد واقع ہو تو اس اُمت کو بھی ایک مسیح ابن مریم دیا گیا جیسا کہ حضرت موسیٰ کی اُمت کو دیا گیا تھا۔ لہذا یہ ضروری ہوا کہ اس آئے والے کا نام بھی ابن مریم ہی رکھا جائے تا یہ احسان باری تعالیٰ کا ہر ایک آنکھ کے سامنے آجائے اور تا اُمت موسویہ اور اُمت محمدیہ میں از روئے

۲۳۵

۲۳۶

مورد اس حالت حضرت عزت ہونے کے پوری پوری مماثلت ثابت ہو جائے کیا یہ سچ نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب القیامت لوگوں کا نام یہودی رکھا ہے پھر اگر اسی نبی نے ایسے شخص کا نام ابن مریم رکھ دیا ہو جو ابن یہودیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہو تو اس میں کوئی تعجب اور قباحیت اور استبعاد کی بات ہے۔ بلاغت میں یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ ایک فقرہ کے مناسب حال دوسرا فقرہ بیان کرتا پڑتا ہے۔ مثلاً جیسے کوئی کہے کہ تمام دنیا فرعون بنی گئی ہے تو اس فقرہ کے مناسب حال یہی ہے کہ اب کوئی موسیٰ ان کی اصلاح کے لئے آنا چاہیے۔ لیکن اگر اس طرح کہا جائے کہ تمام دنیا فرعون بنی گئی ہے ان کی اصلاح کے لئے عیسیٰ آنا چاہیے تو کیسا بڑا اور بے محل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرعون کے ساتھ موسیٰ کا جوڑ ہے نہ عیسیٰ کا باسی طرح جب آخری زمانہ کی امت محمدیہ کو یہودی قرار دیا اور یہودی بھی وہ یہودی جو شریعت موسوی کے آخری حمد میں تھے جی کے لئے حضرت مسیح جیسے گئے تھے اور تمام خصلتیں ان کی بیان کر دی گئیں اور بعینہ ان کو یہودی بنا دیا تو کیا اس کے مقابل پر یہ موزون نہ تھا کہ جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے لئے عیسیٰ بن مریم بھیجا جائے گا یہ قابلیت حقیقت میں یہودیوں کا ہی ورثہ تھا اور ان سے نصاریٰ کو پہنچا۔ اور دجال اس گروہ کو کہتے ہیں جو کذاب ہو۔ اور زمین کو نجس کرے اور حق کے ساتھ باطل کو ملا دے۔ سو یہ صفت حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں کمال درجہ پر تھی پھر نصاریٰ نے ان سے لی۔ سو سچ ایسی دجال صفت کے معدوم کرنے کے لئے آسمانی حربہ لیکر اترتا ہے وہ حربہ دنیا کے کاریگروں نے نہیں بنایا بلکہ وہ آسمانی حربہ ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مثیل موسیٰ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو موسیٰ سے افضل ہیں تو پھر مثیل مسیح کیوں ایک امتی آیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مثیل موسیٰ کی شان نبوت ثابت کرنے کے لئے اور خاتم الانبیاء کی عظمت دکھانے

کے لئے اگر کوئی نبی آتا تو پھر خاتم الانبیاء کی شان عظیم میں رخنہ پڑتا۔ اور یہ قیامت ہے کہ اس مسیح کو اسرائیلی مسیح پر ایک جزئی فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس کی دعوت عام ہے اور اس کی خاص تھی اور اس کو طفیلی طور پر تمام مخالف فرقوں کے اوہام دور کرنے کیلئے ظہری طور پر وحکت اور معرفت سکھائی گئی ہے جو مسیح ابن مریم کو نہیں سکھائی تھی کیونکہ بغیر ضرورت کے کوئی علم عطا نہیں ہوتا۔ او مانتر لہر الا بقدر معلوم۔

قرآن کریم کے دسے ٹیل مسیح کا آخری زمانہ میں اس اُمت میں آنا اس طور سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسرا آن کریم اپنے کئی مقالات میں فرماتا ہے کہ اس اُمت کو اسی طرز سے خلافت دی جائے گی اور اسی طرز سے اس اُمت میں طیفے آئیں گے جو اہل کتاب میں آئے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ اہل کتاب کے خلفاء کا خاتمہ مسیح ابن مریم پر ہوا تھا جو بغیر سیف و سنان کے آیا تھا۔ مسیح درحقیقت آخری خلیفہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ لہذا حسب وعدہ قرآن کریم ضرور تھا کہ اس اُمت کے خلفاء کا خاتمہ بھی مسیح پر ہی ہوتا اور جیسے موسیٰ شریعت کا ارتداد موسیٰ سے ہوا اور انتہا مسیح ابن مریم پر۔ ایسا ہی اس اُمت کے لئے ہو۔ فطوبی لہذا الامت۔

اور احادیث میں جو نزول مسیح ابن مریم کا لفظ ہے ہم اس میں یہ ببط تمام لکھ آئے ہیں کہ نزول لفظ سے درحقیقت آسمان سے نازل ہونا ثابت نہیں ہوتا ہمارے فی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کھلے کھلے طور پر قرآن شریف میں آیا ہے قد انزل اللہ الیکم ذکرا و سؤلا تو کیا اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ہی اترے تھے۔ بلکہ قرآن شریف میں یہ بھی آیت ہے وان من شیء الا عندنا خزائنه و ما ننزلہ الا بقدر معلوم یعنی دنیا کی تمام چیزیں نزول کے ہمارے پاس خزانے میں ہیں مگر بقدر ضرورت و مقتضائے مصلحت و حکمت ہم ان کو اتارتے ہیں۔ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ہر ایک چیز جو دنیا میں پائی جاتی

ہے وہ آسمان سے ہی اُتری ہے۔ اس طرح پر کہ ان جیسنڈل کے علل موجب کسی خالق حقیقی کی طرف سے ہیں اور نیز اس طرح پر کہ انہی کے الہام اور انقاد اور سہلنے اور قیل اور فہم بخشنے سے ہر ایک منعت ظہور میں آتی ہے لیکن زمانہ کی ضرورت سے زیادہ ظہور میں نہیں آتے اور ہر ایک مامور من اللہ کو وسعت معلومات بھی زمانہ کی ضرورت سے موافق ہی جاتی ہے۔ علیٰ ذلکا تقیاس قرآن کریم کے وقائق و معارف و حقائق بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق ہی کھلتے ہیں۔ مثلاً جس زمانہ میں ہم ہیں اور جن معارف و فرقانہ کے بمقابلہ جالی فرقوں کے ہیں اس وقت ضرورت کہ ٹری ہے وہ ضرورت ان لوگوں کو نہیں تھی جنہوں نے ان و جالی نسقوں کا زمانہ نہیں پایا۔ سو وہ باتیں ان پر مخفی رہیں اور ہم پر کھولی گئیں۔ مثلاً اس بات کی انتظار میں بہت لوگ گذر گئے کہ مسیح مسیح ابن مریم ہی دوبارہ دنیا آجائے گا اور خدائے تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے قبل از وقت ان پر یہ راز نہ کھولا۔ کہ مسیح کے دوبارہ آنے سے کیا مراد ہے۔ اب جو یہودیت کی صفتوں کا عام و بار پھیل گیا اور مسیح کے زندہ ماننے سے نصاریٰ کو اپنے مشرکہ کا خیالات میں بہت سی کامیابی ہوئی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اب اصل حقیقت ظاہر کرے۔ سو اس نے ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کا مسیح مسلمانوں میں سے ہی ہو گا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کا مسیح بنی اسرائیل میں سے ہی تھا۔ اسی طرح مسیح کھل دیا کہ اسرائیلی مسیح فوت ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی بیان کر دیا کہ فوت شدہ پھر دنیا میں آ نہیں سکتا۔ جیسا کہ جابرؓ کی حدیث میں بھی مشکوٰۃ کے باب مناقب میں اسی کے مطابق لکھا ہے اور وہ یہ ہے قال قد سبق القول متی انہم لا یرجعون رواہ الترمذی یعنی جو لوگ دنیا سے گذر گئے پھر وہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔

قرآن کریم کی شان بلند ہو آئی کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے

وکل العلم فی القلوب لکن

تقاصر منه افہام الرجال

جاننا چاہیئے کہ اس زمانہ میں اسباب ضلالت میں سے ایک بڑا سبب یہ ہو کہ اکثر لوگوں کی نظر میں عظمت قرآن شریف کی باقی نہیں رہی۔ ایک گروہ مسلمانوں کا خلا سلف ضالہ کا مقلد ہو گیا کہ وہ ہر ایک امر کا عقل سے ہی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا بیان ہو کہ اعلیٰ وجہ کا حکم جو تصفیہ تنازعات کے لئے انسان کو طاہر ہے وہ عقل ہی ہے۔ ایسے ہی لوگ جب دیکھتے ہیں کہ وجود جبرائیل اور عزرائیل اور دیگر ملائکہ کرام جیسا کہ شریعت کی کتابوں میں لکھا ہے اور وجود جنت و جہنم جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے وہ تمام صدائق عقلی طور پر بیاہر ثبوت نہیں پہنچتیں تو فی الفور ان سے منکر ہو جاتے ہیں اور تاویلات لکھ کر شرم کر دیتے ہیں کہ ملائکہ سے صرف توہیں مراد ہیں اور وحی رسالت صرف ایک ملائکہ ہے اور جنت اور جہنم صرف ایک روحانی راحت یا رنج کا نام ہے۔ ان بے چاروں کو خبر نہیں کہ آئمہ دریافت جمولات صرف عقل نہیں ہے و بس۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کی صدقہیں اور انتہائی مقام کے معارف تو وہی ہیں جو مبلغ عقل سے صد بار درجہ بلند تر ہیں جو پیر یہ مکاشفات صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر صدائقوں کا محکم صرف عقل کو ہی ٹھہرایا جائے تو بڑے بڑے عجائبات کا راز خانہ الوہیت کے درپردہ مستوری و مجھبی رہیں گے اور سلسلہ معرفت کا محض ناتمام اور ناقص ^{۱۵۳} اور احوال راہ جائے گا اور کسی حالت میں انسان شکوک اور شبہات سے مخلصی نہیں پاسکے گا اور اس کی طرف معرفت کا آخری نتیجہ یہ ہوگا

۲۵۳

۲۵۴

۲۵۵
 فیہا کتب قیمۃ لا یتہ الباطل من بین یدیدہ ولا من خلفہ۔ ہذا
 بصائر للناس و ہدی و رحمۃ لقوم یوقنون۔ فبآتی حدیث بعد اللہ و
 آیتہ یومنون۔ قل بفضل اللہ و برحمۃ فبذلک فلیفرحوا ہو خیر
 مما یجمعون۔ یعنی یہ قرآن اس راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو نہایت سیدھی ہے
 اس میں ان لوگوں کے لئے جو پرستار ہیں حقیقی پرستش کی تعلیم ہے اور یہ ان کیلئے
 جو متقی ہیں کمالات تقویٰ کے یاد دلانے والا ہے یہ حکمت ہے جو کمال کو پہنچی ہوئی ہے
 اور یہ یقینی سچائی ہے اور اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے یہ نور علی نور اور سینہ دل کو
 شفا بخشنے والا ہے رحمن نے قرآن کو سکھایا۔ لہٰذا کتاب نازل کی جو اپنی ذات میں
 حق ہے اور حق کے وزن کرنے کے لئے ایک ترازو ہے وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہو
 اور اجالی ہدایتوں کی اس میں تشریح ہے اور وہ اپنے دلائل کے ساتھ حق اور باطل
 میں فرق کرتا ہے اور وہ قول فصل ہے اور شک و شبہ سے خالی ہی ہم نے اس کو اس
 لئے تجھ پر اتارا ہے کہ تا مویت نازعہ فیہ کا اس سے فیصلہ کر دیں اور مومنوں کیلئے ہدایت
 اور رحمت کا سامان طیار کر دیں۔ اس میں وہ تمام صدقاتیں موجود ہیں جو پہلی کتابوں
 میں متفرق اور پرانہ طور پر موجود تھیں ایک ذرہ باطل کا اس میں دخل نہیں نہ آگے
 سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ لوگوں کے لئے روشن دلیلیں ہیں اور جو یقین لانے والے
 ہوں ان کے لئے ہدایت و رحمت ہے سو ایسی کوئی حدیث ہے جس پر تم اشد اور اس کی
 آیات کو چھوڑ کر ایمان لاؤ گے یعنی اگر کوئی حدیث قرآن کریم سے مخالف ہو تو ہرگز
 نہیں ماننی چاہئے بلکہ ذکر دینی چاہئے ہاں اگر کوئی حدیث بذریعہ تاویل قرآن کریم کے
 بیان سے مطابق آسکے مان لینا چاہئے۔ پھر بعد اس کے ترجمہ بقیہ آیات کا یہ ہے کہ
 ان کو کہہ دے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل و رحمت کے یہ قرآن ایک بیش قیمت مال ہے
 سو اس کو تم خوشی سے قبول کرو۔ یہ ان مالوں سے اچھا ہے جو تم جمع کرتے ہو یہ اس کا

کی طرف اشارہ ہے کہ علم و حکمت کی مانند کوئی مال نہیں۔ یہ وہی مال ہے جس کی نسبت پیش گوئی کے طور پر لکھا تھا کہ مسیح دنیا میں آکر اس مال کو اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ یہ نہیں کہ مسیح ^{۱۴۵۰} درم و دینار کو جو مصداق آیت انما اموالکم و اولادکم فتنتہ ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر ایک کمال کثیر روئے کفنتہ میں ڈال دیگا مسیح کی پہلی فطرت کو بھی ایسے مال سے مناسبت نہیں۔ وہ خود انجیل میں بیان کر چکا ہے کہ مومن کا مال درم و دینار نہیں بلکہ جو اہر حقائق و معارف اُس کا مال ہیں۔ یہی مال انبیاء خدا تعالیٰ سے پاتے ہیں اور اسی کو تقسیم کرتے ہیں۔ اسی مال کی طعن اشارہ ہے کہ انما انا نقاسم واللہ ہوا المعطی۔ حدیثوں میں یہ بات بوضاحت لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اُس وقت دنیا میں آئے گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اٹھ جائے گا اور جمل شیوع پا جائے گا۔ یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں یہا اشارہ ہے لو كان الایمان معتقاً عند الثریا لئلا رجل من فارس۔ یہ وہ زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا جو کمال طفیان اس کا اس سن بھری میں شروع ہوگا جو آیت وانا علی ذہاب بہ نقدِ روح میں بحسابِ عمل معنی رہی یعنی ^{۱۴۵۰}۔

اس مقام کو غور سے دیکھو اور جلدی سے مکمل نہ جاؤ۔ اور خدا سے دعا مانگو کہ تمہارے سینوں کو کھل دے۔ آپ لوگ تھوڑے سے تامل کے ساتھ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ حدیثوں میں یہ وارد ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن زمین سے اٹھایا جائیگا اور علم قرآن مفقود ہو جائے گا اور جہل پھیل جائے گا اور ایمانی ذوق اور صلاحات دلوں سے دور ہو جائے گی۔ پھر ان حدیثوں کی حدیث بھی ہے کہ اگر ایمان خریا کے پاس بھی جا ٹھہرے گا یعنی زمین پر اس کا نام و نشان نہیں رہے گا تو ایک آدمی فارسیوں میں سے پہنچا تھا پیدائے گا اور وہیں خریا کے پاس سے اس کو لے لیگا

اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب جہل اور بے ایمانی اور فسادات جو سب سے بدترین میں دھن خان کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے دنیا میں پھیل جاتے گی اور زمین میں حقیقی ایمان داری ایسی کم ہو جائے گی کہ گویا وہ آسمان پر اٹھ گئی ہوگی اور قرآن کریم ایسا متروک ہو جائے گا کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا ہوگا۔ تب ضرور ہے کہ فارس کی اصل سے ایک شخص پیدا ہوا اور ایمان کو دنیا سے لے کر پھر زمین پر نازل ہو۔ سو فیصلہ سمجھو کہ نازل ہونے والا لہن مریم ہی ہے جس نے عیسیٰ بن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا۔ اور تربیت کی کٹار میں لیا اور اس اپنے بند کا نام لہن مریم رکھا۔ کیونکہ اس نے مخلوق میں سے اپنی روحانی والدہ کا تو منہ کھنکھا جس کے ذریعہ سے اُس نے قالبِ سلام کپایا لیکن حقیقت اسلام کی اس کو خیر انسانوں کے ذریعہ کے حاصل ہوئی تب وہ وجود روحانی پا کر خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ماسوا سے اس کو موت دے کر اپنی طرف اٹھالیا اور پھر ایمان اور عرفان کے ذخیرہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا۔ سو وہ ایسا لہن اور عرفان کا ثمر ہے دنیا میں محفوظ رہا اور زمین جو سنسان پڑی تھی اور تاریک تھی اس کے روشن نور آباد کرنے کے فکر میں لگ گیا۔ پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسیٰ بن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں کوئی سلسلہ میں یہ داخل ہو۔ پھر اگر یہ لہن مریم نہیں تو کون ہے ؟

اور اگر اب بھی تمہیں شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ جزئی اختلافات کی وجہ سے لعنت ہادی صد لفظوں کا کام نہیں۔ مومن لعان نہیں ہوتا۔ لیکن ایک طریق بہت آسان ہے اور وہ حقیقت قائم مقام مبالغہ ہی ہے جس سے کاذب اور صادق اور قبول اور مردود کی تفریق ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے جو قبل میں موعی قلم سے لکھتا ہوں۔

اے حضرات مولوی صاحبان! آپ لوگوں کا یہ خیال کہ ہم مومن ہیں اور یہ شخص کافر اور ہم صادق ہیں اور یہ شخص کاذب اور ہم متبع اسلام ہیں اور یہ شخص ملحد اور ہم مقبول الہی ہیں اور یہ شخص مردود اور ہم جہنمی ہیں اور یہ شخص جہنمی۔ اگرچہ خود کرنیوالوں کی نظر میں قرآن کریم کی رو سے جو فیصلہ پا چکا ہے اور اس رسالہ کے پڑھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ لیکن ایک اور بھی طریق فیصلہ ہے جس کی رو سے صادقوں اور کاذبوں اور مقبولوں اور مردودوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہو کہ اگر مقبول اور مردود اپنی اپنی جگہ پر خدا تعالیٰ سے کوئی آسمانی مدد چاہیں تو وہ مقبول کی ضرورت مند کرتا ہے اور کسی ایسے علم سے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہے اس مقبول کی قبولیت ہر کر دیتا ہے۔ سو چونکہ آپ لوگ اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ کی جماعت میں وہ لوگ بھی ہیں جو ظہم ہو نیچے ملے ہیں جیسے مولوی محی الدین و عبدالرحمن صاحب لکھنؤ والہ اور میاں عبدالحق متا غزنوی جو اس عاجز کو کافر اور جہنمی ٹھہرتے ہیں لہذا آپ پر واجب ہے کہ اس آسمانی ذریعہ سے بھی دیکھ لیں کہ آسمان پر مقبول کس کا نام ہے اور مردود کس کا نام۔

میں اس بات کو منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتہ تک اس بات کے فیصلہ
 کیلئے اعظم الحاکمین کی طرف توجہ کریں تا اگر آپ سمجھے ہیں تو آپ کی سچائی
 کا کوئی نشان یا کوئی اعلیٰ درجہ کی پیشگوئی جو راستبازوں کو ملتی ہے
 آپ کو دی جائے۔ ایسا ہی دوسری طرف میں بھی توجہ کر دوں گا اور مجھے
 خداوند کریم و تدبیر کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ نے اس طور
 سے میرا مقابلہ کیا تو میری فتح ہوگی۔ میں اس مقابلہ میں کسی پرہیز
 کرنا نہیں چاہتا اور نہ کر دوں گا اور آپ کا اختیار ہے جو چاہیں کریں۔
 لیکن اگر آپ لوگ اعراض کر گئے تو گریز پر حمل کیا جائیگا۔ میری
 اس تحریر کے مخاطب مولوی محی الدین۔ عبدالرحمن صاحب لکھنؤ اور
 میاں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی
 اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی عبدالباقی صاحب
 غزنوی اور مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں اور باقی انہیں کے
 زیر اثر آجائیں گے ۛ

آج ہم دہلی کے اور دہلی ہوا
 کیا ہوا اگر قوم کا دل سب خراب ہو گیا

جو ہلا تھا وہ اب دہلی کا سا ہو گیا
 شکر لاشد مل گیا ہکو وہ بعل بے بدل

وہ تستقل کا زمانہ ہو جو ہو دیول برائے کے آخری دنوں میں آیا تھا۔

اس زمانہ کے بعض نو تعلیم یافتہ ایسے شخص کے آنے سے ہی شک میں ہیں جو ہر دم کے نام پر آئے گا وہ کہتے ہیں کہ عظیم الشان شخص جو حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے اگر واقعی طور پر ایسا آدمی آنے والا تھا تو چاہیے تھا کہ قرآن کریم میں اس کا کچھ ذکر ہوتا جیسا کہ واجب الارض اور دغلی اور یا جوج اور ما جوج کا ذکر ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ سراسر غلطی پر ہیں خدا تعالیٰ نے اپنے کشف مریح سے اس عاجز پرغا ہر کیا ہے کہ قرآن کریم میں مثالی طور پر ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے اور وہ یوں ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے انا لا سلنا الیہکم رسولاً شاہداً علیکم کما آرا سلنا آئی فرعون رسولاً اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ کی طرح اور کفار کو فرعون کی طرح ٹھہرایا ہے پھر دیکھو جگہ فرمایا و عدد اللہ الذین امنوا منکم و حملوا الصلحۃ لیست خلفتہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیست کن لہم دین لہم الذی اوقفی لہم ولیسبد لہم من بعد خوفہم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذالک فاو لئک ہم الفاسقون (انجروم نمبر ۸ سورۃ التوبہ) یعنی خدا تعالیٰ نے اس امت کے مومنوں اور نیکو کاروں کے لئے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے پہلوں کو بنایا تھا یعنی اسی طرز اور طریق کے موافق وہ نبیر اسی مدت اور زمانہ کے مشابہ اور اسی صورت جلالی اور جمالی کی مانند جو بنی اسرائیل میں سنت اللہ گذری چکی ہے اس امت میں بھی خلیفہ بنائے جائیں گے اور ان کا سلسلہ خلافت اس سلسلے سے کم نہیں ہو گا۔ جو بنی اسرائیل کے خلفاء کے لئے مقرر کیا گیا تھا اور خدا کی طرز خلافت اس طرز سے مبائن و مخالف ہوگی جو بنی اسرائیل کے خلیفوں کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ پھر آگے فرمایا گیا ہے کہ ان خلیفوں کے ذریعے سے زمین پر رہی

جہاد یا جانے گا اور خدا خوف کے دلوں کے بعد امن کے دلی لانے کا۔ خلاصاً اسی کی
 بندگی کیوں گے اور کوئی اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ لیکن اس زمانہ کے بعد پھر
 کفر پھیل جائے گا۔ مخالفت نامہ کا اشارہ جو کمالاً مختلف المیزان میں قبلم سے سمجھا جاتا ہے۔
 صاف دلائل کر رہا ہے کہ یہ مخالفت مدت ایام خلافت اور غلیغوں کی طرز اصلاح اور
 طرز طور سے متعلق ہے سو چونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں خلیفۃ اللہ بنی کا منصب
 حضرت موسیٰ کے شروع ہوا اور ایک مدت دراز تک فوہبت یہ فوہبت انبیاء بنی اسرائیل
 میں رہ کر آخر ہودہ (سور) برس کے پورے ہوتے تک حضرت عیسیٰ ابن مریم پر یہ سلسلہ ختم ہوا
 حضرت عیسیٰ ابن مریم نے خلیفۃ اللہ تھے کہ ظاہری نشان حکومت ان کے ہاتھ میں نہیں آتی
 تھی اور سیاست ملکی اور اس دیوی بادشاہ سے ان کو کچھ علاقہ نہیں تھا اور دنیا کے مقیاریہ
 وہ کچھ کام نہیں لیتے تھے بلکہ اس مقیاریہ سے کام لیتے تھے جو ان کے انفاس طیبہ میں تھا۔
 یعنی اس موجد بیان سے جو ان کی زبان پر جاری کیا گیا تھا جس کے ساتھ بہت سی برکتیں
 تھیں اور جس کے ذریعہ سے وہ مرے ہوئے دلوں کو زندہ کرتے تھے اور ہرے کانوں کو
 کھولتے تھے اور مایہ زائد اذہول کو سچائی کی روشنی دکھاتے تھے اور وہ الہی کافر کو مارتا
 تھا اور اُس پر پوری محبت کرتا تھا لیکن مومن کو زندگی بخشتا تھا۔ وہ بغیر باپ کے پیدا
 کئے گئے تھے اور ظاہری اسباب ان کے پاس نہیں تھے اور ہر بات میں خدا یتعالیٰ ان
 کا متولی تھا۔ وہ اُس وقت آئے تھے کہ جبکہ یہودیوں نے نہ صرف یمن کو بلکہ انسانیت کی
 خصلتیں بھی چھوڑ دی تھیں اور بے رحمی اور خود غرضی اور کینہ اور بغض ظلم اور حسد اور
 بے جا جوش نفس امارہ کے ان میں ترقی کر گئے تھے۔ اور نہ صرف بنی نوح کے حقوق کو انہیں
 نے چھوڑ دیا تھا بلکہ غلبہ شقاوت کی وجہ سے حضرت محمد حقیقی سے عبودیت اور اطاعت
 اور سچے اخلاص کا رشتہ بھی توڑ بیٹھے تھے۔ صرف بے مغز استخوان کی طرح توحید کے
 پند الفاظ ان کے پاس تھے جو قرآنی کی وجہ سے ان کی حقیقت تک وہ نہیں پہنچ سکتے تھے

کیونکہ ایمانی فراموشی اور زیرکی باطل ان میں سے اٹھ گئی تھی اور ان کے نفوس مظلمہ پر
جمل غلبہ آگیا تھا اور غفلت مکاریاں اور کراہت کے کام ان سے سرزد ہوتے تھے۔
اور جھوٹ اور ریاکاری اور غداری ان میں انتہاء تک پہنچ گئی تھی۔ ایسے وقت میں ان کی
طوت سح ابن مریم بھیجا گیا تھا جو بنی اسرائیل کے مسیحوں اور خلیفوں میں سے آخری
مسح اور آخری خلیفہ اللہ تھا جو برخلاف سنت اکثر نبیوں کے بغیر تلوار اور نیزہ کے آیا تھا
یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت موسیٰ میں خلیفہ اللہ کو مسیح کہتے تھے اور حضرت داؤد کے
وقت اور یا ان سے کچھ عرصہ پہلے یہ لفظ بنی اسرائیل میں شائع ہو گیا تھا بہر حال اگرچہ
بنی اسرائیل میں کئی مسیح آئے لیکن سب کے پیچھے آئے والا مسیح وہی ہے جس کا نام قرآن کریم
میں مسیح عیسیٰ ابن مریم بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل میں مریم میں بھی کئی تھیں اور ان کے
بیٹے بھی کئی تھے لیکن مسیح عیسیٰ بن مریم ان تینوں ناموں سے ایک مرکب نام بنی اسرائیل
میں اُس وقت اور کوئی نہیں پایا گیا۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم یہودیوں کی اس خراب حالت
میں آیا جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ آیات موصوفہ بالا میں ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ
خدا تعالیٰ کا اس امت کے لئے وعدہ تھا کہ بنی اسرائیل کی طرز پر ان میں بھی خلیفہ پیدا
ہوں گے۔ اب ہم جب اس طرز کو نظر کے سامنے لاتے ہیں تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ضرور
تھا کہ آخری خلیفہ اس امت کا مسیح ابن مریم کی صورت مثالی پر آوے اور اس زمانہ میں آوے
کہ جو اُس وقت کے مشابہ ہو جس وقت میں بعد حضرت موسیٰ کے مسیح ابن مریم آئے تھے یعنی
چودھویں صدی میں یا اسکے قریب اُس کا ظہور ہوا اور ایسا ہی فیسیف و سنان کے بعد خیرات عرب کے آوے
جیسے کہ مسیح ابن مریم آئے تھے اور نیزہ پر ہی لوگوں کی اصلاح کیلئے آئے جیسا کہ مسیح ابن مریم اُس وقت کو خواب نذران
یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ اور جب آیات ممدوحہ بالا کو غور سے دیکھتے ہیں تو
ہمیں ان کے اندر سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ ضرور آخری خلیفہ اس امت کا جو چودھویں
صدی کے سر پر ظہور کرے گا حضرت مسیح کی صورت مثالی پر آئیگا اور بغیر آلات حرب ظہور کرے گا

۷۴۵

۷۴۵

جس کا محض خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے تولد ہوتا جس کا اسمان پر ابن مریم نام ہے تو کیوں خدا تعالیٰ کی طوریت میں ابن مریم کو پیدا کرنے سے مجبور رہ سکتی۔ سو اس نے محض اپنے فضل سے بغیر وسیلہ کسی زمینی والد کے اس ابن مریم کو روحانی پیدا بخش اور طاقی زندگی بخشی جیسا کہ اس نے نوح اس کو اپنے الہام میں فرمایا اے احیینا ک بعد ما اهلکنا القرون الاولیٰ وجعلناک المسیح ابن مریم۔ یعنی پھر ہم نے تجھے زندہ کیا بعد اس کے جو پہلے قرون کو ہم نے ہلاک کر دیا اور تجھے ہم نے مسیح ابن مریم بنا دیا یعنی بعد اس کے جو عالم طور پر مشغول اور علماء میں موت روحانی پھیل گئی۔ انجیل میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ مسیح ستاروں کے گرنے کے بعد آئے گا۔

اب اس تحقیق سے ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیش گوئی موجود ہے۔ قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی ۴۰۰ سو برس تک مدت ٹھہرائی ہے۔ مدت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رو سے اس مدت کو ملتے ہیں اور آیت وانا علی ذہاب بہ لقادرون جس کے بحساب جمل مسئلہ مدد میں اسلامی ہانڈ کی سلاخ کی راقول کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی اشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے مددوں میں بحساب جمل پائی جاتی ہے اور یہ آیت کہ هو الذی یصل رسولہ بالهدی ویدی الحق لیظہرہ علی الدین علیہ السلام درحقیقت اسی مسیح ابن مریم کے زمانہ سے متعلق ہے کیونکہ تمام ادیان پر روحانی غلبہ بخیر اس زمانہ کے کسی اور زمانہ میں ہرگز ممکن نہیں تھا وچہ یہ کہ یہی زمانہ ہے کہ جس میں ہزار ہا قسم کے اعتراضات اٹھ شہادت پیدا ہو گئے ہیں اور انواع اقسام کے عقلی حملے اسلام پر کئے گئے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے وای موشیٰ الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم ^{۱۶۷} یعنی ہر ایک چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر بقدر معلوم اور بقدر ضرورت ہم ان کو اتارتے ہیں۔ سو جس قدر معارف وحقائق بطور قرآن میں

پچھے ہوئے ہیں جو ہر ایک قسم کے ادیان فلسفہ و غیر فلسفہ کو مقہور و مغلوب کرتے ہیں
 اُن کے ظہور کا زمانہ ہی تھا کیونکہ وہ بجز تحریک پیش آمدہ کے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے
 سو اب مخالفانہ حملے جو نئے فلسفہ کی طرف سے ہوئے تو اُن معارف کے ظاہر ہونے
 کا وقت آگیا اور ممکن نہیں تھا کہ بغیر اس کے کہ وہ معارف ظاہر ہوں اسلام تمام
 ادیان باطلہ پر فتح پائے کیونکہ سیفی فتح کچھ چیز نہیں اور چند روزہ اقبال کے دور ہونے
 سے وہ فتح بھی محسوس ہو جاتی ہے۔ سچی اور حقیقی فتح وہ ہے جو معارف اور حقائق کو کامل
 صداقتوں کے لشکر کے ساتھ حاصل ہو۔ سو وہ یہ فتح ہے جو اب اسلام کو نصیب ہو رہی
 ہے۔ بلاشبہ یہ پیشگوئی اسی زمانہ کے حق میں ہے اور سلف صلح بھی ایسا ہی سمجھتے
 آئے ہیں۔ یہ زمانہ حقیقت ایسا زمانہ ہے جو باطیج تقاضا کر رہا ہے جو قرآن شریف
 اُن تمام بطون کو ظاہر کرے جو اُس کے اندر مخفی چلے آئے ہیں کیونکہ لطفی معارف قلوب کو
 کہ جس کا وجود احادیث صحیحہ اور آیات تینہ سے ثابت ہے مفہول طور پر بھی ظہور نہیں کرتے
 بلکہ یہ معجزہ فرقانی ایسے ہی وقت میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے جبکہ اس روحانی معجزہ کے
 ظہور کی اشد ضرورت پیش آتی ہے۔ سو اس زمانہ میں کامل طور پر یہ ضرورتیں پیش
 آگئی ہیں۔ انسانوں نے مخالفانہ علوم میں بہت ترقی کر لی ہے اور کچھ خشک نہیں کہ
 اگر اس نازک وقت میں لطفی علوم قرآن کریم کے ظاہر نہ ہوں گے اور موتی تعلیم جس پر
 حال کے علماء قائم ہیں کبھی اور کسی صورت میں مقابلہ مخالفین کا نہیں کر سکتے اور ان کو مغلوب
 کرنا تو کیا خود مغلوب ہو جانے کے قوی خطرہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ بات ہر ایک فہیم
 کو جلدی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اشد جلش ان کی کوئی مصنوع و دقائق و غرائب خواص سے خالی
 نہیں۔ اور اگر ایک مکھی کے خواص اور عجائبات کی قیامت تک تفتیش و تحقیقات کرتے
 کرتے جائیں تو بھی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ تو اب سوچنا چاہیے کہ کیا خواص و عجائبات
 قرآن کریم کے اپنے قدر و انداز میں مکھی جتنے نہیں۔ بلاشبہ وہ عجائبات تمام مخلوقات کے

مجموعی عجائبات سے بہت بڑھ کر ہیں اور ان کا انکار درحقیقت قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کا انکار ہے کیونکہ دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے صادر ہو اور اس میں بے انتہاء عجائبات نہ پائے جائیں۔ اب یہ عذر کہ اگر تم قرآن کریم کے ایسے دقائق و معارف بھی مان لیں جو پہلوں نے دریافت نہیں کئے تو اس میں اجماع کی کسر شان ہے۔ گویا ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ جو پہلے اماموں کو معلوم نہیں ہوا تھا وہ ہم نے معلوم کر لیا۔ یہ خیال مان مٹا لوگوں کا بالکل فاسد ہے۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ جبکہ یہ ممکن ہے کہ بعض نباتات و غیرہ میں زمانہ نہ حال میں کوئی ایسی خاصیت ثابت ہو جائے جو پہلوں پر نہیں کھلی تو کیا ممکن نہیں کہ قرآن کریم کے بعض عجیب حقائق و معارف اب ایسے کھل جائیں جو پہلوں پر کھل نہیں سکے کیونکہ اس وقت ان کے کھلنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہاں ایمان اور عقائد کے متعلق جو ضروری باتیں ہیں جو شریعت سے علاقہ رکھتے ہیں جو مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ تو ہر ایک کی اطلاع کئے کھلے کھلے بیان کے ساتھ قرآن شریف میں درج ہیں لیکن وہ نکات و حقائق جو معرفت کو زیادہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ حسب ضرورت کھلتے رہتے ہیں اور نئے نئے فسادات کی وقت نئے نئے پر حکمت معانی منصفہ ظہور آتے رہتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم بذات خود معجزہ ہے اور بڑی بھاری وجہ اعجاز کی اس میں یہ ہے کہ وہ جامع حقائق غیر متناہیہ ہو۔ مگر بغیر وقت کے وہ ظاہر نہیں ہوتے۔ جیسے جیسے وقت کے مشکلات تقاضا کرتے ہیں وہ معارف خفیہ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو دنیوی علوم جو اکثر مخالف قرآن کریم اور غفلت میں ڈالنے والے ہیں۔ کیسے آج کل ایک زور سے ترقی کر رہے ہیں اور زمانہ نچانے علوم ریاضی اور طبیعی اور فلسفہ کی تحقیقاتوں میں کیسی ایک عجیب طور کی تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ کیا یہ ناکثرت میں ضرور نہ تھا کہ ایمانی اور عرفانی ترقیات کیلئے بھی دروازہ کھولا جاتا۔ تا شہر و محدث کی ملافت کے لئے آسانی پیدا ہو جاتی ہو لیسنا سمجھو کہ وہ

دروازہ کھولا گیا ہے اور خدا تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ تا قرآن کریم کے عجائبات مخفیہ اس دنیا کے حاکم فلسفہ پہلے پر ظاہر کرے۔ اب نیم ٹلاں دشمن اسلام اس ارادہ کو روک نہیں سکتے۔ اگر اپنی شہ راتوں سے باز نہیں آئیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے اور قہری طمانچہ حضرت قہار کا ایسا لگے گا کہ خاک میں مل جائیں گے۔ ان نادانوں کو حالت موجودہ پر بالکل نظر نہیں چاہتے ہیں کہ قرآن کریم مغلوب اور کمزور اور ضعیف اور حقیر سا نظر آوے لیکن اب وہ ایک جگہ بہادری کی سطح پر نکلے گا۔ اس وہ ایک شیر کی طرح میدان میں آئے گا اور دنیا کے تمام فلسفہ کو کھا جائے گا اور اپنا غلبہ دکھائے گا اور لفظ علی الدین کلمہ کی پیش گوئی کو پوری کر دے گا اور پیش گوئی کو ممکن اہم دینم کو روحانی طور سے کمال تک پہنچائے گا۔ کیونکہ دین کا زمین پر بوجہ کمال قائم ہو جانا محض جسم و اکراہ سے ممکن نہیں۔ دین اس وقت زمین پر قائم ہوتا ہے کہ جب اس کے مقابل پر کوئی دین کھڑا نہ رہے اور تمام مخالف سپر ڈال دیں۔ سو اب وہی وقت آگیا۔ اب وہ وقت نوان مولویوں کے روکنے سے رک نہیں سکتا اب وہ ابن موم جس کا روحانی باپ زمین پر بحیرہ متعمق حقیقی کے کوئی نہیں جو اس وجہ سے آدم بھی مشابہت رکھتا ہے بہت سا خزانہ قرآن کریم کا لوگوں میں تقسیم کرے گا یہاں تک کہ لوگ قبول کریتے کرتے تھک جائیں گے اور لایق بلہ احد کا مصداق بن جائیں گے اور ہر یک طبیعت اپنے ظرف کے مطابق پُر ہو جائے گی۔ وہ خلافت جو آدم سے شروع ہوئی تھی خدا تعالیٰ کی کامل اور بے تغیر حکمت نے آخر کار آدم پہنچی تھی یہی حکمت اس الہام میں ہے کہ اودت ان استخلف فخلقت آدم یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ بناؤں سو میں نے آدم کو پیدا کر دیا۔ چونکہ استدارت زمانہ کا یہی وقت ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر ناظر ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے آخر اور اہل کے لفظ کو ایک ہی کرنے کے لئے آخری خلیفہ کا نام آدم رکھا اور آدم اور عیسیٰ میں کسی وجہ سے روحانی مہانت نہیں بلکہ مشابہت ہے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خدا تعالیٰ نے اگرچہ ایک طرزِ جسدِ ید سے قرآن کریم میں صاف طور پر بیان کر دیا کہ آخری خلیفہ اسلام کے انہی خلیفوں کا روحانی طور پر ایسے خلیفہ کا روپ اور رنگ لے کر آئے گا جو اسر ائیلی خلیفوں میں سے آخری خلیفہ تھا یعنی مسیح بن مریم لیکن کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں مسیح بن مریم کا بصرِ صحت نام لیا۔ گو مطلب وہی نکل آیا

اس کا جواب یہ ہے کہ تاوگ غلط فہمی سے بلا میں نہ پڑ جائیں۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ صاف طور پر نام لے کر بیان کر دیتا کہ اس امت کا آخری خلیفہ یہی مسیح بن مریم ہی ہوگا تو نادانوں و بولوں کے لئے بلا پہ بلا پیدا ہو جاتی اور غلط فہمی کی آفت ترقی کر جاتی۔ سو خدا تعالیٰ نے اپنے بیان میں دو مسلک اختیار کرنا پسند رکھا۔ ایک وہ مسلک جو حدیثوں میں ہے جس میں ابن مریم کا لفظ موجود ہے۔ اور دوسرا وہ مسلک جو قرآن کریم میں ہے جس کا ابھی بیان ہو چکا ہے۔ اب ثبوت اس بات کا کہ وہ مسیح موعود جس کے آنے کا قرآن کریم میں وعدہ دیا گیا ہے یہ عاجز ہی ہے۔ ان تمام دلائل اور علامات اور قرآن ہی جو ذیل میں لکھتا ہوں ہر ایک طالب حق پر بخوبی مکمل جائے گا۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ یہ عاجز ایسے وقت میں آیا ہے جس وقت میں مسیح موعود آنا چاہئے تھا کیونکہ حدیث اللہیات بعد المائین جس کے یہ معنی ہیں کہ آیات کبریٰ تیرہویں صدی میں ظہور پذیر ہوں گی اسی پر قطعی اور یقینی دلالت کرتی ہے کہ مسیح موعود کا تیرہویں صدی میں ظہور یا پیدا ہونا واقع ہو۔ بات یہ ہے کہ آیات صغریٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مبارک سے ہی ظاہر ہونی شروع ہو گئی تھیں پس بلاشبہ آیات سے آیات کبریٰ مراد ہیں جو کسی طرح سے دو سو برس کے اندر ظاہر نہیں ہو سکتی تھیں لہذا علماء کا اسی پر اتفاق ہو گیا ہے کہ بعد المائین سے مراد تیرہویں صدی ہے اور آیات سے مراد آیات کبریٰ ہیں جو ظہور مسیح موعود اور دجال اور یا جوج ماجوج وغیرہ میں اور ہر ایک شخص

سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ بلکہ اس نامت تیسرے سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ ہاں عیسائیوں نے مختلف زمانوں میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ایک عیسائی نے امریکہ میں جی جی این برک ہولے کا دم مارا تھا۔ لیکن ان مشرک عیسائیوں کے دعوے کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ ہاں ضرور تھا کہ وہ ایسا دعویٰ کرتے تا انجیل کی وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی کہ ہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں پر سچا مسیح ان سب کے آخر میں آئے گا اور مسیح نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کا منتظر رہنا میرے آنے کا یعنی میرے ظہور پر جو آئے گا اس کا نشان یہ ہے کہ اُس وقت سوچ اور چاند تاریک ہو جائے گا۔ اور ستارے زمین پر گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں سست ہو جائیں گی تب تم آسمان پر ابن آدم کا نشان دیکھو گے۔ یہ تمام اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ اس وقت نور علم کا اٹھ جائے گا اور باقی علماء فوت ہو جائیں گے اور جمالت کی تاریکی پھیل جائے گی۔ تب ابن مریم آسمانی حکم سے ظہور ہو گا یہی اشارہ سورۃ الزلزال میں ہے کہ اُس وقت زمین پر سخت زلزلہ آئے گا اور زمین اپنے تمام خزان اور دفائن باہر نکال دے گی یعنی علوم ارضیہ کی خوب ترقی ہوگی مگر آسمانی علوم کی نہیں یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ مکاشفات اکابر اولیاء بالاتفاق اس بات پر شامد ہیں کہ مسیح موعود کا ظہور چودھویں صدی سے پہلے چودھویں صدی کے سربر ہو گا اور اس سے تجاوز نہیں کرے گا چنانچہ ہم نمونہ کے طور پر کسی قدر اس رسالہ میں لکھ بھی آئے ہیں۔ اور ظاہر ہو گا کہ اس وقت میں بجز اس عاجز کے اور کوئی شخص دعوے دار اس منصب کا نہیں ہوا۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ مدت ہوئی کہ گروہ دجال ظہور ہو گیا ہے اور بڑے زور سے اس کا ظہور ہو رہا ہے اور اس کا لگا ہوا بھی جو حقیقت اسی کا بتایا ہوا ہے جیسا کہ

احادیث صحیحہ کا منشاء ہے مشرق و مغرب کا سیر کر رہا اور وہ گدھا دجال کا بتایا ہوا ہونا جو حدیث کے منشاء کے موافق ہے اس دلیل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایسا گدھا معمولی طور پر کسی گدھی کے شکم سے پیدا ہوتا تو اس قسم کے مت سے گدھے اب بھی موجود ہونے چاہیئے تھے کیونکہ بچے کی مشابہت فتد و قامت اور سیر و سیاحت اور قوت و طاقت میں اس کے والدین سے ضروری ہے۔ لہذا احادیث صحیحہ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ وہ گدھا دجال کا اپنا ہی بنایا ہوا سوگا پھر اگر وہ ریل نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسا ہی یا تو حج یا ہوج کی قوتیں بھی بڑے زور سے شروع کر رہی ہیں۔ دابہ الارض بھی جا بجا نظر آتا ہی ایک تارک دھان نے بھی آسمان سے نازل ہو کر دنیا کو ڈھاگ لیا ہے۔ پھر اگر ایسے وقت میں مسیح ظاہر نہ ہوتا تو پیش گوئی میں کذب لازم آتا سو حج موعود جس نے اپنے تئیں ظاہر کیا وہ یہی عاجز ہے۔

اگر یہ شبہ پیش کیا جائے کہ دجال کی علامتیں کامل طور پر ان انگریز بادریلوں کے فرقوں میں کہاں پائی جاتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کامل طور پر اسی رسالہ میں ثابت کر آئے ہیں کہ درحقیقت یہی لوگ دجال مہود ہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام علامات ان پر صادق آ رہی ہیں۔ اور ان لوگوں نے باعث اپنی صنعتیں اور تدبیریں اور حکمانہ یدِ طولیٰ اور وسعت مالی کے ہر ایک چیز کو یا اپنے قابو میں کر رکھی ہے۔ اور یہ علامت کہ دجال صرف چالیس دن رہے گا اور بعض دن برس کی طرح ہوں گے یہ حقیقت پر محمل نہیں ہو سکتی کیونکہ بعض حدیثوں میں بجائے چالیس دن کے چالیس سال بلکہ پینتالیس برس بھی آیا ہے پھر اگر بعض دن برس کے برابر ہوں گے تو اس سے لازم آتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت بھی ہو جائے اور دجال ہنوز باقی رہے۔ لہذا اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ رب الفاظ قابل تاویل ہیں دجال کے فوت ہونے سے مراد اس قوم کا استیصال نہیں بلکہ اس مذہب کے دلائل اور حجج کا استیصال ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ جو مذہب دلائل یقینیہ کے رو سے کج مغلوب ہو جائے

اور اس کی ذلت اور رسوائی ظاہر ہو جائے وہ بلاشبہ میت کے ہی حکم میں ہوتا ہے۔
 بعض یہ شبہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ایک سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے یہ فرمایا تھا کہ جب دجال کے زمانہ میں دن بے ہو جائیں گے یعنی برس کی مانند یا اس کو کم
 تو تم نے نماز کا اندازہ کر لیا کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو انہیں ظاہری
 معقول یقین تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف فرضی طور پر ایک سوال کا جواب حسب
 منشاء سائل دیا گیا تھا اور اصلی واقعہ کا بیان کرنا مدعا نہ تھا بلکہ آپ کے خصائص فرمادیا تھا
 تھا کہ سائر آیامہ کا یا مکم۔ ماسوا اس کے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ایسے امور میں
 جو عملی طور پر سکھائے نہیں جاتے اور نہ اُن کی عزیمت مخفیہ سمجھائی جاتی ہیں۔ انبیاء سے
 بھی اجتہاد کے وقت امکان سہو و خطا ہے۔ مثلاً اس خواب کی بناء پر جس کا قرآن کریم
 میں ذکر ہے جو بعض مومنوں کے لئے موجب ابتلاء کا ہوتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور کئی دن تک منزل در منزل طے کر کے اس
 بلوہ مبارکہ تک پہنچے مگر کفار نے طواف خانہ کعبہ سے روک دیا اور اُس وقت اس روڈ یا
 کی تعبیر طور میں نہ آئی۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی امید
 پر یہ سفر کیا تھا کہ اب کے سفر میں ہی طواف میسر آجائے گا اور بلاشبہ رسول اللہ صلعم کی
 خواب وحی میں داخل ہے لیکن اس وحی کے اصل معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی اس پر متنبہ
 نہیں کیا گیا تھا تبھی تو خدا جانے کئی روز تک مصائب سفر اٹھا کر مکہ معظمہ میں پہنچے۔
 اگر راہ میں متنبہ کیا جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور مدینہ منورہ میں واپس آجاتے
 پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کئے
 تھے تو آپ کو اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا گیا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے اور بظاہر معلوم
 ہوتا ہے کہ آپ کی یہی رائے تھی کہ حقیقت جس بیوی کے لئے ہاتھ میں وہی سب سے پہلے
 فوت ہوگی۔ اسی وجہ سے بلوہ دیکھ آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے لگے مگر آپ نے منع نہ فرمایا

کہ یہ حرکت تو خلاف منشاء پیشگوئی ہے۔ ایسی طرح ابن صیام کی نسبت صاف طور پر
وہی نہیں کہی تھی اور آنحضرتؐ کا قول قول ہی خیال تھا کہ ابن صیام ہی وقابل ہے۔ مگر آخر
میں راستے بدل گئی تھی۔ ایسا ہی سورہ روم کی پیشگوئی کے متعلق جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے شرط لگائی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا کہ صانع کا لفظ لغت عرب
میں ۹ برس تک مطلاق رہا تاہم اور میں نے غیبی مطالع نہیں کیا گیا کہ نو برس کی حد کے اندر کس
سال یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ ایسا ہی وہ حدیث جس کے یہ الفاظ ہیں فذهب وہلی
الی انھا الیامۃ او هجر فاذا هی المدینۃ یشرب صاف صاف ظاہر کر رہی
ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصادیق سمجھا
تھا وہ غلط نکلا۔ اور حضرت مسیحؑ کی پیشگوئیوں کا سب سے عجیب تر حال ہے۔ ہمارا انہوں نے
کسی پیشگوئی کے معنی کچھ سمجھے اور آخر کچھ اور ہی ظہور میں آیا یہود اسکرپٹوں کو ایک
پیشگوئی میں بہشت کا بارہواں تخت دیا لیکن وہ بجلی بہشت سے محسوس رہا۔ اور بطرس کو
کبھی بہشت کی گنجیاں دیں اور کبھی اُس کو شیطان بنایا۔ اسی طرح انجیل سے معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت مسیحؑ کا مکہ شہر کچھ بہت صاف نہیں تھا اور کئی پیشگوئیاں ان کی بسبب غلطی تھی
کہ پوری نہیں ہو سکیں مگر اپنے اصلی معنوں پر پوری ہو گئیں۔ بہر حال ان تمام باتوں سے
یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام
کبھی غلطی بھی کھاتے ہیں جس قدر الفاظ وحی کے ہوتے ہیں وہ تو بلاشبہ اول درجہ کے
سچے ہوتے ہیں مگر نبیوں کی عادت ہوتی ہے کہ کبھی اجتہادی طور پر بھی اپنی طرف کو اُن کی
کسی قدر تفصیل کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ انسان ہیں اس لئے تفسیر میں کبھی احتمال خطا کا
موتا ہے۔ لیکن امور دینیہ لہذا نیزہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ انکی تبلیغ
میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی کھلائی جاتی ہیں چنانچہ
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہشت اور دوزخ بھی دکھایا گیا اور آیات متواترہ محکمہ بیکر

جنت اور نار کی حقیقت بھی غیب ہر کی گئی ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ اس کی تفسیر میں غلطی کر سکتے غلطی کا احتمال صرف ایسی پیش گوئیاں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دینیہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت دقیق رائے ہے جس کے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان مریم اور دجال کی حقیقت کا طور و جہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے بموجب منکشف نہ ہوتی ہو اور نہ دجال کے شریاع کے گدھے کی اس کیفیت کھلی ہو اور نہ یا جوج ماجوج کی عمیق نہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کما ہی ہی ظاہر فرمائی گئی اور صرف امثلہ قریب اور دور متشابہ اور امور متشاکک کے طرز بیان میں حد معائنات غیب محض کی تعلیم بلکہ انسانی قوی کے ممکن ہر احوالی طور پر سمجھا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت طور کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں تو شان نبوت پر کچھ جائے حرف نہیں مگر قرآن اور حدیث پر غور کر نیسے یہ بخوبی ثابت ہو گیا ہو کہ ہمارے سینہ و عقل صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو یقینی اور قطعی طور پر سمجھ لیا تھا کہ وہ ابن مریم جو رسول اللہ نبی نامری صاحب نخل، جو وہ ہرگز دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا کوئی سنی آئے گا جو بوجہ مماثلت روحانی اس کے نام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے پائیے گا۔

اور منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے سچ موعود ہونے کے بارے میں ہائی عالتی ہیں وہ خدمات خاصہ ہیں جو اس عاجز کو سچ ابن مریم کی خدمات کے رنگ پر سپرد کی گئی ہیں۔ کیونکہ سچ اُس وقت یودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور وطن یہودیوں کے دلوں سے اٹھایا گیا تھا اور وہ زمانہ حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد تھا کہ جب سچ ابن مریم یہودیوں کی اسلحہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ پس ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا کہ جب قرآن کریم کا مغز اور وطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا اور یہ زمانہ بھی حضرت مثیل موسیٰ کے وقت سے ^{۶۶۳} اسی زمانہ کے قریب گندہ چکا تھا جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان میں زمانہ تھا۔

ازانحلال ایک یہ کہ ضرورت تھا کہ آنے والا ابن مریم الفتح شمس کے آخر میں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ظلمت عامہ اور تامہ کے عام طور پر پھیلنے کی وجہ سے اور حقیقت انسانہ پر ایک فنا طاری ہونے کے باعث سے وہ روحانی طور پر ابوالبشر یعنی آدم کی صورت پر پیدا ہونے والا ہے اور بڑے علامات اور نشان اُس کے وقت ظہور کے آئیل اور فرقان میں یہ لکھے ہیں کہ اس سے پہلے روحانی طور پر عالم کون میں ایک فساد پیدا ہو جائے گا۔ آسمانی نور کی جگہ دھماکے لے لے گا اور ایک عالم پر دھماکا کی تاریکی طاری ہو جائے گی۔ ستارے گر جائیں گے زمین پر ایک سخت زلزلہ آجائے گا۔ مرد و حقیقت کے طالب ہوتے ہیں تھوڑے رہ جائیں گے۔ اور دنیا

میں کثرت سے عورتیں پھیل جائیں گی یعنی مغربی لذات کے طالب دست ہو جائیں گے جو مغربی خزان اور دفائن کو زمین سے باہر نکالیں گے مگر آسمانی خزانوں سے بے بہرہ ہو جائیں گے تب وہ آدم جس کا دوسرا نام ابن مریم بھی ہے بغیر وسیلہ ہاتھوں کے پیدا کیا جائیگا اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کر رہا ہے جو برائیلین میں درج ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے اذیت ان استخلف خلقت آدم یعنی میں نے ارادہ کیا جو اپنا خلیفہ بناؤں سو میں نے آدم کو پیدا کیا۔ آدم اور ابن مریم دو حقیقت ایک ہی مضمون پر مشتمل ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ آدم کا لفظ قطع الحال کے زمانہ پر ایک دلالت تامہ رکھتا ہے اور ابن مریم کا لفظ دلالت ناقصہ۔ مگر دونوں لفظوں کے استعمال سے حضرت باری کا مدعا اور مراد ایک ہی ہے۔ اسی کی طرف اس الہام کا بھی اشارہ ہے جو برائیلین میں درج ہے اور وہ یہ ہے ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقناھما کنت کنتا مخفیا فاحسبت ان اعراف۔ یعنی زمین آسمان بند تھے اور حقائق و معارف پوشیدہ ہو گئے تھے سو ہم نے ان کو اس شخص کے بھیجے سو کھول دیے میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا سو میں نے چاہا کہ شناخت کیا جاؤں۔

اب جبکہ اس تمام تقریر سے ظاہر ہوا کہ ضرور ہے کہ آخر اختلاف آدم کے نام پر آتا۔

اور ظاہر ہے کہ آدم کے ظہور کا وقت روز ششم قریب عصر ہے جیسا کہ احادیث مجمعوں اور تورات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک منصف کو ماننا پڑے گا کہ وہ آدم اور ابن مریم ہی عاجز ہے۔ کیونکہ اول تو ایسا دعویٰ اس عاجز سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا اور اس عاجز کا یہ دعویٰ دس برس سے شائع ہو رہا ہے اور یا بن احمد یہ میں مدت سے یہ الہام پھپ چکا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ آدم ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی ایک باریک اور کامل حکمت ہے کہ اس طوفان نزاع کے وقت سے دس برس پہلے ہی اس نے اس عاجز کا نام آدم اور عیسیٰ رکھ دیا تا غور کرنے والوں کے لئے نشان ہو اور تا اس تکلف اور تاویل کا خیال دور ہو جاوے جو خام طبع لوگوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے سو اس حکیم مطلق نے اس عاجز کا نام آدم اور خلیفۃ اللہ رکھ کر اور انی جاعل فی الارض خلیفہ کی کھلے کھلے طور پر براہین احمدیہ میں بشارت دے کر لوگوں کو توجہ دلائی کہ تا اس خلیفۃ اللہ آدم کی اطاعت کریں اور اطاعت کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں اور ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھاویں اور من شدّ شدّ فی النار کی تہدید سے بچیں اور اپنے اہل ہول کی حقیقت کو سمجھیں لیکن انہوں نے کورانہ لکیر کا نام جماعت رکھا اور حقیقی جماعت جو نظر ظاہر میں ایک فقہ فقیہ اور قلیلاً ما ہم میں داخل ہے اس سے منہ پھیر لیا اور اس عاجز کو جو خدا تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اس کا یہ نشان رکھا کہ الف ششم میں جو قائم مقام روز ششم ہے یعنی آخری حصہ الف میں جو وقت عصر سے مشابہ ہے اس عاجز کو پیدا کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے ان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدّون۔ اور ضرور تھا کہ وہ ابن مریم جس کا انجیل اور فرقان میں آدم بھی نام رکھا گیا ہے وہ آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں ظہور کرتا۔ سو آدم اول کی پیدائش سے الف ششم میں ظاہر ہونے والا یہی عاجز ہے۔ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز ظہور پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے

سودہ یہی ہے جو پیدا ہو گیا۔ قال حمد لله على ذلك۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ سچ کے نزول کی علامت یہ لکھی ہے حکم فرشتوں کے پروردگار
اس نے اپنی تفصیلات رکھی ہوئی ہوں گی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا دیار اور یاں
ہاتھ جو تحصیل علوم عقلی اور انوار باطنی کا ذریعہ ہے آسمانی لوگوں کے سامنے پر ہو گا اور وہ مکتب اور
کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے علم لدنی پائے گا اور اس کی ضروریات زندگی کا
بھی خدای متولی اور متکفل ہو گا جیسا کہ عرصہ دس سال سے برائین احمدیہ میں اس عاجز کی نسبت
یہ الہام چھپ چکا ہے کہ انک باعیننا سمیتک المتوکل وعلمنه من لدنا علما
یعنی تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہم ہم فقیر نام توکل رکھا اپنی طرف سے علم سکھایا ہوا ہے
کہ انجھ سے مراد جو حدیث میں ہے صفات اور قومی طبع میں جیسا کہ صاحب لمعات شام مشکوٰۃ
نے حدیث مسند رجبہ ذیل کی شرح میں یہی معنی لکھے ہیں عن لیلید ابن ثابت قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم طوبى للشام قلنا لای ذلک یا رسول الله قال لان
ملائکة الرحمن باسطة اجفعتها علیها رواه احمد والترمذی۔ یہ بات بہت سی
حدیثوں اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جو شخص کامل انقطاع اور کامل توکل کا مرتبہ پیدا کر لیتا
ہے تو فرشتے اس کے خادم کئے جاتے ہیں اور ہر ایک فرشتہ اپنے منصب کے موافق اس کی
خدمت کرتا ہے وقال الله تعالى ان الذين قالوا ائمانا الله ثم استقاموا تنزل
عليهم الملائكة الاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم توعدون
ایسا ہی خدا تعالیٰ فرماتا ہے وحملنا هم فی البرد والجحیم یعنی اٹھایا ہم نے ان کو جہنم
میں اور دیر یا دیر میں۔ اب کیا اس کے یہ معنی کرنے چاہئیں کہ حقیقت میں خدا تعالیٰ اپنی گود
میں لے کر اٹھائے پھر سو اسی طرح ملائکہ کے پروردگار ہاتھ رکھنا حقیقت پر عمل نہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ عاجز ایسی علامت متذکرہ بالا کے ساتھ آیا ہو اور انجھ ملائکہ
پر اس عاجز کے دلوں ہاتھ ہیں اور غیبی قوتوں کے سہارے سے علوم لدنی کھل رہے ہیں۔ اگر کوئی

شخص نابینا نہیں تو صبح اس علامت کے دیکھ لیگا اور دوسرے میں اس کی نظیر نہیں پائیگا۔

۶۹۷

ازرا بخملہ ایک یہ ہے کہ مسیح کی علامت یہ لکھی ہے کہ اس کے دم سے کافر مر جائیگا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مخالف اور منکر کسی بات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس کے دلائل کا ملکہ کے سامنے مرجائیں گے سو غریب لوگ دیکھیں گے کہ حقیقت میں مخالف حجت اور دلیل جتنی کی رو سے مر گئے۔

ازرا بخملہ ایک یہ ہے کہ مسیح جب آئے گا تو لوگوں کے عقائد اور خیالات کی غلطیاں نکالے گا جیسا کہ بخاری میں یہی حدیث لکھی ہے کہ مسیح ابن مریم حکم اور عدل ہونے کی حالت میں نازل ہوگا پس حکم اور عدل کے لفظ سے ہر ایک دانائے سمجھ سکتا ہے کہ مسیح بہتوں کے فہم اور سمجھ کے مخالف حق اور عدل کے ساتھ حکم کرے گا اور جیسے حکم عدل سے ناہان لوگ ناراض ہو جاتے ہیں ایسا ہی اس سے بھی ہوں گے۔ سو یہ عاجز حکم ہو کر آیا اور امت مغلط اوہام کا غلط اوہام ہونا ظاہر کر دیا۔ چنانچہ لوگ اول یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ مسیح ابن مریم نبی ماضی جو فوت ہو چکا ہے پھر دوبارہ دنیا میں آجائے گا۔ سو پہلے ہی غلطی ان کی دور کردی گئی اور ان لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا جو مسلمانوں میں سے مسیح کی موت کے قائل تھے یا جیسے عیسائیوں میں تھے یونی ٹیرین فرقہ جو اسی بات کا قائل ہے کہ مسیح مر گیا اور پھر دنیا میں نہیں آئے گا اور ظاہر کر دیا گیا کہ قرآن کریم کی جس آیتوں سے مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی نبی کی وفات ایسی صراحت قرآن کریم میں نہیں لکھی جیسی مسیح ابن مریم کی۔ اور یہ وہ امر ہے جس کو ہم مشرعی طور پر قرآن کریم کی رو سے پیش کر سکتے ہیں۔ اور ہم نے مسیح کی موت کا ثبوت دینے کے بعد یہ بھی ثابت کر دیا کہ وعدہ صرف یہ تھا کہ جب چودھویں صدی تک اس امت کے ایام پہنچ جائیں گے تو خدا تعالیٰ اس لطف و احسان کی طرح جو حضرت موسیٰ کی امت سے اس امت کے آخری زمانہ میں کیا تھا۔ ثبیل موسیٰ کی ایک غافل امت پر بھی ان کے آخری زمانہ میں وہی احسان کرے گا

۷۰۰

اور اسی امت میں سے ایک کو مسیح ابن مریم بنا کر بھیجے گا سو وہ علمائوں میں سے ہی آوے گا۔
جیسا کہ اسرائیلی ابن مریم بنی اسرائیل میں سے ہی آیا۔

ایسا ہی لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسیح وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کیا جائے گا۔ لیکن وہ اس بے ادبی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ایسے نالائق اور بے ادب کون آدمی ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھودیں گے۔ اور یہ کس قدر نحو حرکت ہے کہ رسول مقبول کی قبر کھودی جائے اور پاک نبی کی ہڈیاں لوگوں کو دکھائی جائیں بلکہ پیچیت روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی بہت سی غلطیاں ہیں جو نکل رہی ہیں۔

ازرا بمثلہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ منجی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پانے والا۔ لیکن اس جگہ نبوت تامرہ کا طرہ مراد نہیں کیونکہ نبوت تامرہ کا طرہ ہر گاہ بچی ہے بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے جو مشکوۃ نبوت محمدیہ سے فوراً حاصل کرتی ہے۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے اور اگرچہ ہر ایک کو روایا صحیحہ اور مکاشفات میں سے کسی قدر حصہ ہے۔ مگر مخالفین کے دل میں اگر گمان اور شک ہو تو وہ مقابلہ کر کے آزما سکتے ہیں کہ جو کچھ اس عاجز کو روایا صالحہ اور مکاشفہ اور استجاب دعا اور الہامات صحیحہ صادقہ سے حصہ وافرہ نبیوں کے قریب قریب دیا گیا ہے وہ وہ سرور کو تمام حال کے مسلمانوں میں سے ہرگز نہیں دیا گیا اور یہ ایک بڑا محکم آزمائش ہے کیونکہ آسمانی تائید کی مانند صادق کے صدق پر اور کوئی گواہ نہیں جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے بے شک خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک خاص طور پر مقابلہ کے میدانوں میں اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ پتھر ٹکڑی میں حق پر ہوں اور دیکھتا ہوں کہ خدا میرے ساتھ ہے جس نے مجھے سمجھا ہے اس لئے میں بڑے اطمینان اور یقین کامل سے کہتا ہوں کہ اگر میری ساری قوم کیا پنجاب کے رہنے والے اور کیا ہندوستان کے باشندے اور کیا عرب کے مسلمان اور کیا روم اور فارس کے کلمہ گو اور کیا افریقہ اور دیگر بلاد کے اہل سلام

اور اُن کے علماء اور اُن کے فقراء اور اُن کے مشائخ اور اُن کے صلحاء اور اُن کے مرد اور اُن کی عورتیں مجھے کا ذب خیال کر کے پھر میرے مقابل پر دیکھنا چاہیں کہ قبولیت کے نشانی مجھ میں ہیں یا اُن میں۔ اور آسمانی دروازے مجھ پر کھلتے ہیں یا اُن پر۔ اور وہ محبوب حقیقی یعنی خاص عنایات اور پسندے علوم لدنیہ اور معارف روحانیہ کے انقاد کی وجہ سے میرے ساتھ ہے یا اُن کے ساتھ۔ تو بہت جلد اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ خاص فضل اور خاص رحمت جس سے دل مورد فیوض کیا جاتا ہے اسی عاجز پر اس کی قوم سے زیادہ ہے۔ کوئی شخص اس بیان کو تکبر کے رنگ میں نہ سمجھے بلکہ یہ تحدیث نعمت کی قسم میں سے ہے و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ اسی کی طرف اشارہ ان الہامات میں ہے قل انی امرت وانا اول المؤمنین۔ الحمد للہ الذی افرج عنی الحزن وانا تانی مالک میوت احد من الغلیمین۔ احمد من العلمین سے مراد زمانہ حال کے لوگ یا آئندہ زمانہ کے ہیں واللہ اعلم۔

ازراجملہ بعض مکاشفات مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مرحوم کے ہیں جو اس عاجز کے زمانہ ظہور سے پہلے گذر چکے ہیں۔ چنانچہ ایک یہ ہے کہ آج کی تاریخ ۱۷ جون ۱۳۸۲ء سے عرصہ چار ماہ کا گذرا ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب جو ایک مرد صالح بے ریاستی اور متبع سنت اور اول درجہ کے رفیق اور مخلص مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی ہیں وہ قادیان میں اس عاجز کے پاس آئے اور باتوں کے سلسلہ میں بیان کیا کہ مولوی عبد اللہ صاحب موم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے کشف سے ایک پیشگوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان ہو قادیان کی طرف نازل ہوا مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔ فقط ایک صاحب غلام نبی ناروہا لے نام اپنے اشتہار مرحومہ دوم ذیقعدہ میں لکھتے ہیں کہ یہ افتراء ہے اگر افتراء نہیں تو اُس راوی کا نام لینا چاہیے جس کے روبرو مولوی صاحب مرحوم نے بیان کیا۔ سواب ہم نے بیان کر دیا کہ وہ راوی کون ہے اور کس درجہ کا آدمی ہے۔ چاہیے کہ حافظ صاحب دریافت کریں کہ افتراء ہی یا بھی بات صحیح ومن اعظم ممن افتتری او کذب وانی

ایسا ہی فروری ۱۸۸۷ء میں مقام ہوشیار پور منشی محمد یعقوب صاحب بلور حافظ محمد یوسف نے میرے پاس بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم سے ایک دن میں نے سنا کہ وہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے وہ مامور کئے جائیں گے۔ مگر مجھے یاد نہیں رہا کہ منشی محمد یعقوب صاحب کے منہ سے یہی الفاظ نکلے تھے یا انہیں کے ہم معنی اور الفاظ تھے۔ بہر حال انہوں نے بعض آدمیوں کے روبرو جن میں سے ایک میاں عبداللہ سنوری پٹیالہ کی ریاست کے رہنے والے ہیں اس مطلب کو انہیں الفاظ یا اور لفظوں میں بیان کیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت منشی آٹھ بجش صاحب اکونٹ اور کئی اور صاحب میرے مکان پر جو شیخ نر علی صاحب رئیس کامکان تھا موجود تھے مگر یہ معلوم نہیں کہ اس جلسہ میں کون کون موجود تھا جب یہ ذکر کیا گیا مگر میاں عبداللہ سنوری نے میرے پاس بیان کیا کہ میں اس تذکرہ کے وقت موجود تھا اور میں نے اپنے کانوں سے سنا۔

از انجملہ ایک کشف ایک مجذوب کا ہے جو اس زمانہ سے تیس یا اکتیس برس پہلے اس عالم بے بقا سے گذر چکا ہے۔ جس شخص کی زبان سے میں نے یہ کشف سنا ہو وہ ایک معترف سید رئیس آدمی ہے۔ جس کے چہرہ پر آثار صلاحیت و تقویٰ ظاہر ہیں جس کی نسبت اس کے جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ یہ درحقیقت راستگو اور نیک بخت اور صالح آدمی ہیں۔ یہاں تک کہ مولوی عبداللہ قادری صاحب لکھنؤ نے جو ایک صالح آدمی ہے اس پر سید رئیس کی بہت تعریف کی کہ درحقیقت یہ شخص متقی اور متبع سنت اور راستگو ہے۔ اور نہ صرف انہوں نے آپ ہی تعریف کی بلکہ اپنی ایک تحریر میں یہ بھی لکھا کہ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لکھنؤ نے جو کہ وہ موصوفین میں سے ایک منتخب اور شریف اور غایت عابدہ کے خلیق اور رُرد بار اور ثقہ ہیں جن کے والد صاحب مرحوم کا جو ایک ہاکمل بزرگ تھے یہ سید رئیس بڑا حقیقی دوست اور ہم قوم اور پُرانے زمانہ سے تعارف

رکھنے والا اور ان کی پرفیض صحبتوں کے رنگ سے رنگین ہے بیان فرماتے تھے کہ حقیقت میں میاں کریم بخش یعنی یہ بزرگ سفید پیش بہت اچھا آدمی ہے اور اعتبار کے لائق ہو مجھ کو اس پر کسی طور سے شک نہیں ہے۔

اب وہ کشف جس طور سے میاں کریم بخش صاحب موصوف نے اپنے تحریری اظہار میں بیان کیا ہے اس اظہار کی نقل معان تمام شہادتوں کے جو اس کا غدر ثبت ہیں خلی میں ہم لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

میرا نام کریم بخش والد کا نام غلام رسول قوم اعوان ساکن جمالی پور احوالہ تحصیل لودھیانہ پیشہ زمینداری عمر تخمیناً پونسٹھ سال مذہب موصداً الہدیث حلفاً بیان کرتا ہوں کہ عمر تخمیناً تیس یا اکتیس سال کا گذرا ہو گا یعنی سترہ سال میں جبکہ سن سترہ کا ایک شہور قحط پڑا تھا ایک بزرگ گلاب شاہ نام جس نے مجھے توحید کا راہ سکھلایا اور جو باعث اپنے کمالات فقر کے بہت مشہور ہو گیا تھا اور اصل باشندہ ضلع لاہور کا تھا ہمارے گاؤں جمالی پور میں آکر ہوا تھا اور استاد میں ایک فقیر سالک اور زہد عابد تھا اور اسرار توحید اس کے منہ سے نکلتے تھے لیکن آخر اس پر ایک ربودگی اور بیہوشی طاری ہو کر مجذوب ہو گیا اور بعض اوقات قبل از ظہور بعض غیب کی باتیں اس کی زبان پر جاری ہوتیں اور جس طرح وہ بیان کرتا آخر اسی طرح پوری ہو جاتیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے سمت سترہ کے قحط سے پہلے ایک قحط شدید کے آنے کی پیش گوئی کی تھی اور پیش از وقوع مجھے بھی خبر دی تھی۔ سو تھوڑے دنوں کے بعد سترہ کا قحط پڑ گیا تھا۔ اور ایک دفعہ اُس نے بتلایا تھا کہ موضع رام پور ریاست پٹیالہ تحصیل پائیلی کے قریب جہاں اب نہر چلتی ہے ہم نے وہاں نشان لگایا ہے کہ یہاں دریا چلیگا۔ پھر بعد ایک مدت کے وہاں اُسی نشان کی جگہ پر نہر جاری ہو گئی جو درحقیقت دریا کی ہی ایک شاخ ہے۔ یہ پیش گوئی اُن کی سارے جمالی پور میں مشہور ہے۔ ایسا ہی ایک دفعہ انہوں نے سمت سترہ کے قحط سے پہلے کہا تھا کہ اب بیہاریوں کو

بہت فائدہ ہوگا چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد قحط پڑا اور یہ بوپاری لوگوں کو اس قحط میں بہت فائدہ ہوا۔ ایسی ہی اُن کی اور بھی کئی پیشگوئیاں تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔

اس بزرگ نے ایک دفعہ جس بات کو عرصہ تیس سال کا گذرا ہوگا مجھ کو کہا کہ عیسیٰ ابن حواں ہو گیا ہے اور لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا اور قرآن کی رو فیصلہ کرے گا اور کہا کہ مولوی اس سے انکار کریں گے پھر کہا کہ مولوی انکار کر جائیں گے تب میں نے تعجب کی راہ سے پوچھا کہ کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں قرآن تو اللہ کا کام ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ تفسیروں پر تفسیریں ہو گئیں اور شاعری زبان پھیل گئی یعنی مبالغہ پر مبالغہ کر کے حقیقتوں کو چھپایا گیا جیسے شاعر مبالغات پر زور دیکر اس حقیقت کو چھپا دیتا ہے پھر کہا کہ جب وہ عیسیٰ آئے گا تو فیصلہ قرآن سے کرے گا پھر اس مجذب نے بات کو دوہرا کر یہ بھی کہا تھا کہ فیصلہ قرآن پر کرے گا اور مولوی انکار کر جائیں گے۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ انکار کریں گے اور جب وہ عیسیٰ لدھیانہ میں آئے گا تو قحط بہت پڑے گا۔ پھر میں نے پوچھا کہ عیسیٰ اب کہاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بیچ قادیان کے یعنی قادیان میں تب میں نے کہا کہ قادیان تو لدھیانہ سے تین کوس ہے وہاں عیسیٰ کہاں ہے (لدھیانہ کے قریب ایک گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے) اس کا انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ ضلع گورداسپورہ میں بھی کوئی گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے۔ پھر میں نے اُن سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ آسمان پر اٹھائے گئے اور کعبہ پر اتریں گے۔ تب انہوں نے جواب دیا۔ عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ تو مر گیا ہے اب وہ نہیں آئے گا ہم نے اچھی طرح تحقیق کیا ہے کہ مر گیا ہے ہم بادشاہ ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے اور کہا کہ جو آسمانوں والے صاحب ہیں وہ کسی کے پاس چل کر نہیں آیا کرتے۔

الملاحظہ

میاں کریم بخش بمقام لدھیانہ محلہ اقبال گنج ۱۴ جون ۱۸۹۱ء روز شنبہ

نام اُن صاحبوں کے جنہوں نے اپنے کانوں سے اس بیان کو سنکر میاں کریم بخش کے اظہار تحریر ہی پر اسی وقت اُن کے روبرو اپنی اپنی گواہییں لکھیں۔

میرے سامنے میان کریم بخش صاحب نے یہ بیان تحریر کرایا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

عاجز علی دہلی اسپیکر پورے پریس کونسل ۹۱

میرے سامنے میان کریم بخش نے مضمون مذکورہ صدر حرف بحرف لکھوایا۔

میر عباس علی بقلم خود

میرے سامنے میان کریم بخش نے یہ بیان حرف بحرف تحریر کرایا

الہ بخش بقلم خود سکنہ لدھیانہ

اس عاجز کے روبرو میان کریم بخش نے یہ بیان تحریر کرایا اور یہ مضمون بلا کمی بیشی حرف بحرف لکھا گیا۔

عبد اللہ پٹواری غوث گدہ

میرے روبرو بیان مذکورہ بالا میان کریم بخش نے حرف بحرف لکھوایا۔

عطاء الرحمن ساکن دہلی

میرے سامنے میان کریم بخش نے مضمون مذکورہ صدر حرف بحرف لکھوایا

غلام محمد از بچو حال بقلم خود

میرے روبرو میان کریم بخش نے حرف بحرف بیان مذکورہ بالا تحریر کرایا۔

عبد الحق خلف عبدالسمیع ساکن لدھیانہ

اس عاجز کے روبرو میان کریم بخش نے اظہار مذکورہ بالا حلقاً لکھوایا

سید فضل شاہ ساکن ریاست جہوں

یہ بیان میان کریم بخش نے حلقاً میرے روبرو لکھوایا ہے۔

عبد القادر مدرس جالپورہ بقلم خود

میرے روبرو بیان مذکورہ بالا حرف بہ حرف میان کریم بخش نے حلقاً لکھوایا ہے

سید عنایت علی سکنہ لدھیانہ محلہ صوفیاں

بیان بالا میری موجودگی میں حلقاً میان کریم بخش سکنہ جالپور نے لکھوایا ہے

کنہیا لال سیکندر راج سکنہ گور ریاست

جیت سکنہ لدھیانہ

میرے روبرو بیان مذکورہ بالا کی میاں کریم بخش
نے تصدیق کی۔ ناصر نواب

میاں کریم بخش نے حلفاً بیان مذکورہ بالا کھوایا ہے
مولوی تاج محمد

میاں کریم بخش نے وہ تمام بیان جو اس کی زبان سے
لکھا گیا حلفاً تصدیق کیا۔ مولوی نصیر الدین واعظ

ساکن بہاولریاست بہاولپور۔ حال وار دلاھانہ

اس بیان کے بعد پھر میاں کریم بخش نے بیان کیا کہ ایک بات میں بیان کرنے سے مراد کیا۔
اور وہ یہ ہے کہ اس مجذوب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس عیسیٰ کا نام خلاص احمد ہے۔
اب وہ گواہیاں ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ جنہوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ درحقیقت
میاں کریم بخش ایک مرد صالح اور نیک چلن آدمی ہے جس کا کبھی کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا
یہ گواہ اسی گاؤں کے یا اس کے قریب کے رہنے والے ہیں۔

ہم حلفاً بیان کرتے ہیں کہ میاں کریم بخش ایک راست باز آدمی ہے اور صوم و صلوة
کا اعلیٰ درجہ کا پابند ہے اور ہم نے اپنی تمام عمر میں اس کی نسبت کوئی جھوٹ بات بولنے اور
خلاف واقعہ بیان کرنے میں اہتمام نہیں سنا۔ بلکہ آج تک ایک گنا یا چلتی تک کسی شخص کی نہیں
توڑی۔ اور میاں گلاب شاہ بھی اس دیہہ میں ایک مشہور مجذوب گذرا اور اس مجذوب کے
انتقال کو عرصہ شہیدنا پچیس سال کا ہوا ہے اس مجذوب کی اکثر پیش گوئی وقوع باتیں بتلائی

ہوئی ہمارے روبرو پوری ہوئی ہیں۔
الحسب
حسبہ الہی مہیوار جمالیور

۳۳ جون ۱۳۵۷ء سے میں جبکہ ملازم مولیٰ میں نے میاں
کریم بخش کا کوئی جھوٹ آج تک نہیں معلوم کیا اور یہ شخص
اول درجہ کا پابند صوم و صلوة اور راست باز آدمی ہے۔ اور
موجودہ۔ الح۔

عبد القادر مدرس جمالیور بقلم خود

میرے روبرو میاں کریم بخش نے بیان مذکورہ بالا
کی تصدیق کی۔ قاضی خواجہ علی بقلم خود

میرے روبرو مضمون سنی کریم بخش کو سنا گیا اور اس نے
تصدیق کیا۔ مراری لال کلک نہر ہندوستانی لکھنؤ

بیان مذکورہ بالا کو میاں کریم بخش نے میرے روبرو
تصدیق کیا۔ محمد نجیب خاں

دفتر نہر سر ہندوستانی لکھنؤ

اس بیان کے بعد پھر میاں کریم بخش نے بیان کیا کہ ایک بات میں بیان کرنے سے مراد کیا۔
اور وہ یہ ہے کہ اس مجذوب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس عیسیٰ کا نام خلاص احمد ہے۔
اب وہ گواہیاں ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ جنہوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ درحقیقت
میاں کریم بخش ایک مرد صالح اور نیک چلن آدمی ہے جس کا کبھی کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا
یہ گواہ اسی گاؤں کے یا اس کے قریب کے رہنے والے ہیں۔

ہم حلفاً بیان کرتے ہیں کہ میاں کریم بخش ایک راست باز آدمی ہے اور صوم و صلوة
کا اعلیٰ درجہ کا پابند ہے اور ہم نے اپنی تمام عمر میں اس کی نسبت کوئی جھوٹ بات بولنے اور
خلاف واقعہ بیان کرنے میں اہتمام نہیں سنا۔ بلکہ آج تک ایک گنا یا چلتی تک کسی شخص کی نہیں
توڑی۔ اور میاں گلاب شاہ بھی اس دیہہ میں ایک مشہور مجذوب گذرا اور اس مجذوب کے
انتقال کو عرصہ شہیدنا پچیس سال کا ہوا ہے اس مجذوب کی اکثر پیش گوئی وقوع باتیں بتلائی

الحسب
نور الدین ولد داتا ساکن جمالیور

میاں کریم بخش نیک آدمی براہوچکا نمازی۔ میں نے اپنی
تمام عمر میں اس کا کوئی جھوٹ نہیں سنا حلفاً بیان کیا ہے
اور میاں گلاب شاہ بہت اچھا فقیر تھا اس گلاب شاہ کو
تمام زن و مرد اس دیہہ کے جانتے ہیں

الحسب
نبی بخش اراکس مکتبہ الیور

میان کریم بخش سچا آدمی ہے اور بخت نمازی کا
اور نماز جمعہ کا سخت پابند اور کم گو ہے۔

بیر محمد نمبر دار بقلم خود سکند جہا پور

اوپر کا لکھا ہوا نہایت صحیح ہے اور کریم بخش
نہایت سچا آدمی ہے اور نماز روزہ اور جمعہ
کبھی قصداً نہیں کیا اور کوئی جھوٹ آفران کی بات کی
نسبت ثابت نہیں ہوئی اور بہت کم گو آدمی ہے

نور محمد ولد مادا سکند جہا پور

میان کریم بخش بہت سچا آدمی ہے اور کبھی اس
شخص نے جھوٹا کوئی نہیں دی اور نہ
جھوٹ کی تمت اس کو کسی نے میری ہوش میں لگائی۔

خیالی ولد گورکھ ترکان سکند جہا پور

کریم بخش سچا آدمی ہے اور نہایت بخت نماز
نمازی ہر وقت اور میان گلاب بہت اچھا بنو تھا

بوٹا ولد احمد بقلم بیر محمد نمبر دار

میل کریم بخش بہت سچا اور بہت نیک اور نمازی
ہے اور میں نے اپنی ہوش میں اس کا کوئی جھوٹ نہیں

گلزار شاہ بقلم خود

کریم بخش نمازی ہے اور بہت سچا آدمی ہے۔
الدوتا سکند جہا پور

کریم بخش نہایت سچا اور نیک بخت اور کم گو اور
پرہیزگار اور نمازی آدمی ہے اور سب عادتیں
اس کی بہت اچھی ہیں۔

روشن لال ولد قاسم نمبر دار جہا پور

کریم بخش غلام رسول کا بیٹا بہت نیک آدمی ہے
اور سچا ہے اور ہمیشہ جمعہ پڑھتا ہے اور کبھی اس
نے جھوٹ نہیں بولا۔

کا کا ولد چوہدری سکند جہا پور

میان کریم بخش بہت سچا اور نیک چلن آدمی اور اس
شخص نے کبھی جھوٹا شہادت نہیں دی اور نہ سنی۔

بیر لال ولد دوسنھی سکند جہا پور

میان کریم بخش کو میں بخوبی جانتا ہوں کہ شخص نیک بخت
ہے اور بہت سچا آدمی ہے میں اس کو وقف ہوں اور
اس شخص کا جھوٹ کوئی نہیں سنا اور نہ کوئی بد چلنی
اس کی سنی گئی ہے اور یہ شخص نمازی ہے اور جمعہ

پڑھنے بھی لہذا یہ آیا کرتا ہے۔

امیر علی لدی بخش ولد انصاری نمبر دار جہا پور

میان کریم بخش بہت سچا آدمی ہے اور بہت نیک اور نمازی
ہے اور میں نے اپنی ہوش میں اس کا کوئی جھوٹ نہیں

گلزار شاہ بقلم خود

کریم بخش پکا نمازی ہے اور سچا اور نیک بخت اور کبھی جو ٹھٹھا سوات اس نے نہیں دی۔
 بقلم خود امان علی ولد چامن شاہ ٹھٹھیکار۔

مسی کریم بخش پکا نمازی اور پختہ نمازی ہو کر مضاف
 کے روز سے ہمیشہ رکھتا ہے اور کبھی جمعہ تھا نہیں کرتا
 اور کبھی اس کا جھوٹ ثابت نہیں ہوا اور نہایت
 نیک چلن ہے۔

بقلم غلام محمد پسر روشن ذات آوان ساکن جالپور۔

مسی کریم بخش بہت سچا اور پکا نمازی اور نیک چلن
 آدمی ہے اور کبھی اس کا کوئی جھوٹ بولنا ثابت
 نہیں ہوا۔ اور غلاب شاہ بہت اچھا فقیر تھا۔
 اور اس ہمارے دیہ میں مدت تک رہے ہیں۔
 بقلم اکبر ولد محمد پناہ سکنتہ جالپور۔

میان کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن نمازی
 ہے اور جمعہ پڑھنے والا اور سچا آدمی ہے۔
 بقلم نظام الدین سکنتہ جالپور بقلم خود نظام الدین۔

میں مسی کریم بخش کو بہت نیک بخت جانتا ہوں۔
 اور سچا ہے اور یہ شخص پکا نمازی ہے۔
 بقلم غلام محمد نائب درویش جالپور سکنتہ پکاوال بقلم خود۔

میان کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن آدمی ہے
 اور اس شخص نے کبھی جھوٹی شہادت نہیں دی اور دشمنی۔
 بقلم گوگل ولد متا با سود از جالپور۔

میان کریم بخش بہت اچھا اور نیک چلن اور نمازی
 اور جمعہ پڑھنے والا اور سچا آدمی ہے۔
 بقلم شیرا ولد روشن گوہر از جالپور۔

کریم بخش بہت اچھا بخت آدمی ہے اور سچا اور نمازی اور پسر بکا
 لکھا ولد سونڈا رائیں جالپور۔

میان کریم بخش آدمی نمازی ہے اور بہت سچا ہے
 بقلم کریم بخش ولد غلام غوث آوان از جالپور۔

کریم بخش پکا نمازی ہے اور بہت سچا آدمی ہے اور کبھی
 اس نے جھوٹی گواہی نہیں دی۔
 بقلم گاندھی ولد عالم گوہر حیدر از جالپور۔

کریم بخش بہت نیک بخت ہے اور سچا ہے اور اس میں
 جھوٹ بولنے کی عادت نہیں۔
 بقلم گنیش شال سود جالپور بقلم لڈے۔

الع	الع
پیر بخش سکنہ جمالپور	کرم بخش ساکن جمالپور
الع	الع
خدا بخش سکنہ جمالپور اعوان	پیر محمد سکنہ جمالپور اعوان
الع	الع
کاسو ولد اکو گجر جمالپور	روشن سقہ جمالپور
الع	الع
ٹھا کر داس پٹواری جمالپور	پوتا جمپور سکنہ جمالپور
الع	الع
شاہ محمد سکنہ جمالپور آوان	غوث ولد نبی بخش سکنہ جمالپور آوان
الع	الع
فیضا ولد نادا سکنہ جمالپور آوان	کا کا ولد علی بخش سکنہ جمالپور آوان
الع	الع
جمال شاہ فقیر سکنہ جمالپور	علی بخش ولد لہنا سکنہ جمالپور
الع	الع
کرم بخش ولد شمس الدین جمالپور	محمد بخش ولد روشن سکنہ جمالپور آوان
الع	الع
مالی سکنہ جمالپور	شمس الدین گوجر سکنہ جمالپور
الع	الع
سو بھا بھگت سکنہ جمالپور	نور محمد ولد عمرا آوان سکنہ جمالپور
الع	الع
عبدالحق ولد علفا زات آوان جمالپور	نہال ترکھان سکنہ جمالپور
الع	الع
علی بخش ولد غلام رسول آوان	کرم بخش ولد جیوا موچی سکنہ جمالپور
الع	الع
کرم بخش اچھا نیکیخت اور باشرع آدمی نہایت پیر پیر کا ہے	غوثو ولد بہالی آوان سکنہ جمالپور

نہال مسرور

مرکا شرفہ مذکورہ بالا کی رو یا صالحہ ذیل میں بیان کی جاتی ہے جس کو ایک بزرگ محمد نام خاص مکہ مکرمہ کے رہنے والے عربی مکئی نے دیکھا ہے اور اس خواب کی مندرجہ ذیل عبارت خود انہیں کے منہ سے نکلی ہوئی بلکہ ان کی ایک خاص تحریر کے مجھ کو ملی ہے اور وہ یہ ہے اتول وانا محمد ابن احمد ذالمکئی من حارة شعب عامر انی رایت فی المنام مشہدہ ان ابی قائم وانا معہ فنظرت الی جانب المشرق فرئیت عیسیٰ علیہ السلام نزل من السماء وانا ارید ان اتوضا فتوجهت الی البصر ثم توضئت ورجعت الی ابی فقلت یا ابی ان عیسیٰ علیہ السلام قد نزل فکیف املی فقال لی ابی انه نزل علی دین الاسلام و دینہ دین النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل مثل ما کنت تصلی اولا فصلیت ثما استیقظت من منامی فقلت فی نفسی

لا بد انشاء اللہ ان سینزل عیسیٰ علیہ السلام فی حیاتہ وانظرہ بعینی یعنی میں محمد بن احمد بنی رہنے والا خاص مکہ معظمہ محلہ شعب عامر کا ہوں کہتا ہوں کہ میں نے ۱۳۵۰ ہجری میں خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ میرا باپ کھڑا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں اس وقت جو میں نے مشرق کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر آیا اور میں ارادہ کر رہا ہوں کہ وضو کر دوں سو میں نے دریای کی طرف رخ کیا۔ پھر وضو کر کے اپنے باپ کی طرف چلا آیا۔ میں نے باپ کو کہا کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام تو نازل ہو گیا اب میں کس طور سے نماز پڑھوں سو میرے باپ نے مجھے کہا کہ یہ وہ دین اسلام پر اتر رہا ہے اور اس کا دین کوئی الگ دین نہیں بلکہ وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی دین رکھتا ہے۔ سو تو اسی طرح نماز پڑھ جیسے پہلے پڑھا کرتا تھا۔ تب میں نے نماز پڑھ لی پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دل میں کہا کہ انشاء اللہ عیسیٰ علیہ السلام میری زندگی میں اتر آئے گا اور میں اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں گا۔

ازاجملہ اس عاجز کے مسیح موعود ہونے پر یہ نشان ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کی خصوصیت کے ساتھ یہ علامت ہے کہ دجال معبود کے خروج کے بعد نازل ہو کیونکہ یہ ایک واقعہ مسلمہ ہے کہ دجال معبود کے خروج کے بعد کئے والا وہی سچا مسیح ہے جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے جس کا مسلم کی حدیث میں وجہ تمییز مسیح ہونے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کی شدت اور محنت اور استقامت کا بخار جو دجال کی وجہ سے ان کے طاری حال ہوگا ان کے چہرہ سے پونچھ دے گا یعنی لیسل اور حجت سے ان کو غالب کر دکھائے گا۔ سو اس لئے وہ مسیح کہلائے گا کیونکہ مسیح پونچھنے کو کہتے ہیں جس کے مسیح مشتق ہے۔ اور ضرور ہے کہ وہ دجال معبود کے بعد نازل ہو۔ سو یہ عاجز دجال معبود کے خروج کے بعد آیا ہے پس اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دجال معبود یہی پادریوں اور عیسائی متکلموں کا گروہ ہے جس نے زمین کو اپنے مساحرانہ کاموں سے تہ و بالا کر دیا کہ وہاں سے اور جو ٹھیک ٹھیک اس وقت سے

زور کے ساتھ خروج کر رہا ہے اور جو اعداد آیت انا علیٰ ذہاب بہ لقد ردونہ کے سمجھا جاتا ہے یعنی ۷۵۰ء کا زمانہ * تو ساتھ ہی اس عاجز کا سچا موعود ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ اور ہم پہلے بھی تحریر کرتے ہیں کہ عیسائی و غفلوں کا گروہ بلاشبہ دجال موعود ہی۔ اگرچہ حدیثوں کے ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دجال ایک خاص آدمی ہے جو ایک آنکھ سے کاٹا اور دوسری بھی عیب دار ہے۔ لیکن چونکہ یہ حدیثیں پوچھ گچھوں کی قسم سے ہیں مکاشفات کی نوع میں سے ہیں جن پر موافق سنت اللہ کے استعارہ اور مجاز غالب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ملاحظہ فرمائی گئی ہے اور جن کے معنی سلف صالح ہمیشہ استعارہ کے طور پر لیتے رہے ہیں۔ اس لئے جو قرآن تو یہ ہم دجال کے لفظ سے صرف ایک شخص ہی مراد نہیں لے سکتے۔ روایا اور مکاشفہ میں اسی طرح سنت اللہ واقع ہے کہ بعض اوقات ایک شخص نظر آتا ہے اور اس سے مراد ایک گروہ ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے ایک عرب کے بادشاہ کو خواب میں دیکھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس سے مراد ملک عرب ہے جو ایک گروہ ہے۔ اور اس ہمارے بیان پر یہ قرینہ شاہد ناطق ہے کہ دجال درحقیقت لغت کی رو سے اسم جنس ہو

* آیت انا علیٰ ذہاب بہ لقد ردونہ میں ۷۵۰ء کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک عہد عظیم ہو کر آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند کو ناپید ہو گئے تھے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جل ۱۲۷۴ میں اور ۱۲۷۴ کے زمانہ کو جب عیسوی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو ۷۵۰ء ہوتا ہے۔ یہ حقیقت صنف اسلام کا ابتدائی زمانہ ہی ۷۵۰ء ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائیگا۔ جو ایسا ہی ۷۵۰ء میں مسلمانوں کی حالت ہو گئی تھی کہ بھڑی چلتی اور فسق و فجور کے اسلام کے رسول کو اور کچھ یاد تھا جس کا انہو عام پر بھی بہت بڑی گیتا تھا انہیں ایام میں انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سرکار کو رکنی کر یا جو مذکور اور رحمت ہونے کے مقابل کیا۔ حالانکہ اس مقابلہ اور ایسا جہاد ان کے لئے شرعاً جائز نہ تھا

جس سے ایسے لوگ مراد ہیں جو کذاب ہوں۔ چنانچہ قاموس میں یہی معنی لکھے ہیں کہ دجال اس گمراہ کو کہتے ہیں کہ جو باطل کو حق کے ساتھ ملانے والا اور زمین کو بخش کرنے والا ہو۔ اور مشکوٰۃ کتاب الفتن میں مسلم کی ایک حدیث لکھی ہے جس میں دجال کے ایک گمراہ ہونے کی طرف صریح اشارہ کیا گیا ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ دجال مہمود کی طری علامتیں حدیثوں میں یہ لکھی ہیں۔

(۱) آدم کی پیدائش سے قیامت کے دن تک کوئی فتنہ دجال کے فتنے سے بڑھ کر نہیں یعنی جس قدر دین اسلام کے تخریب کے لئے فتنہ اندازی اس سے طور میں آنے والی ہے اور کسی سبابت نہ دنیا سے قیامت کے وقت تک ظہور میں نہیں آئیگی۔ صحیح مسلم۔
(۲) دجال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کشف اور رویا میں دیکھا کہ دہنی آنکھ سے وہ کانٹا ہے اور دوسری آنکھ بھی عیب کے خالی نہیں یعنی دینی بعیرت ان کو بکلی نہیں دی گئی اور تحصیل دنیا کی وجہ بھی حلال اور طیب نہیں۔ بخاری اور مسلم۔

۴۶: کیونکہ وہ اس گونٹ کی رعیت اور ان کے زیر سایہ تھے اور رعیت کا اس گونٹ کے مقابل پر سر اٹھانا جس کی وہ رعیت ہے اور جس کے زیر سایہ امن اور آزادی سے زندگی بسر کرتی ہے سخت حرام اور مصیبت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے جب ہم ۱۸۵۰ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتوؤں پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے عام طور پر جس لگا دی تھیں جو انگریزوں کو قتل کر دینا چاہیے تو ہم بحر مذمت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جن میں نرم تھانہ تھل تھی نہ اخلاق نہ انصاف۔ ان لوگوں نے پوروں اور قزاقوں اور صرامیوں کی طرح اپنی جس گونٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام چما اور کھا۔ ننھے ننھے بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور نہایت یرجی سے انہیں پانی تک نہ دیا۔ کیا حقیقی اسلام تھا یا یہودیوں کی خصلت تھی۔ کیا کوئی تلامذہ کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسے جہاد کا کسی جگہ حکم دیا ہے پس اس حکیم و عظیم کا قتران کریم میں یہ بیان فرمانا کہ ۱۸۵۰ء میں میرا کلام آسمان پر اٹھایا جائے گا یہی معنی رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے جیسا کہ

(۳) دجال کے ساتھ بعض اسباب تنعم اور آسائش رحمت کی طرح ہوں گے اور بعض اسباب محنت اور بلا کے آگے یعنی دوزخ کی طرح ہوں گے (دھاریہ سلم) جس قدر عیسائی قوم نے تنعم کے اسباب نئے سے نئے ایجاد کئے ہیں اور جو دوسری راہوں کو محنت اور بلا اور فقر اور فاقہ بھی اُن کے بعض انتظامات کی وجہ سے لوگوں کو پکڑتا جاتا ہے اگر یہ دو اہل حالتیں بہشت اور دوزخ کے نمونے نہیں ہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) دجال کے بعض دلیہ برس کی طرح ہوں گے اور بعض دلیہ حیدر کی طرح اور بعض دن ہفتہ کی طرح مگر یہ نہیں کہ دلوں میں فرق ہوگا بلکہ اُس کے دلی اپنی مقدار میں ایسے ہی ہوں گے جیسے تمہارے۔ مسلم۔

(۵) دجال کے گدھے کا اس قدر جسم ہوگا کہ اس کے ایک کان سے دوسرے کان تک شتریان کا فاصلہ ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس جسامت کی گدھی خدا تعالیٰ نے پیدا نہیں کی تا امید کی جائے کہ انکی اولاد سے یہ گدھا ہوگا۔

۴۹۰

مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ خدا تعالیٰ پر یہ الزام لگانا کہ ایسے جہاد اور ایسی لڑائیاں اس کے حکم سے کی گئیں یہ دوسرا گناہ ہے۔ کیا خدا تعالیٰ ہمیں ہی شریعت سکھاتا ہے کہ ہم نیکی کی جگہ بدی کریں۔ اور اپنی محسن گورنمنٹ کے احسانات کا اس کو یہ صلہ دیں کہ اُن کی قوم کے صغیر بچوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کریں اور ان کی محبوبہ بیویوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ بلاشبہ ہم یہ داغ مسلمانوں کے خاص کر اپنے اکثر مولویوں کی پیشانی سے دھو نہیں سکتے کہ وہ مشنری مذہب کے پیروں کی طرح ایسے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے جس کی ہم کسی قوم کی تواریخ میں نظیر نہیں دیکھتے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ انہوں نے اور بھی ایسے بڑے کام کئے جو صرف وحشی حیوانات کی عادات میں نہ انسانوں کی خصلتیں انہوں نے سمجھا کہ اگر اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے کہ ایک معمولی منت اُن کا اُن کے بچوں کو مار دے اور ان کی عورتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرے تو اُس وقت اُن کے دل میں کیا کیا خیال پیدا ہوگا۔ بلاوجود

۴۹۱

(۶) وجمال جب گدھے پر سوار ہو گا تو گدھا جس جلدی سے چلیگا اس کی یہ مثال ہے کہ جیسے بادل اس حالت میں چلتا ہے جب کہ پیچھے اس کے ہوا ہو۔ یہ ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وجمال گدھا کوئی جاندار محسوس نہیں ہو گا بلکہ کسی ہوائی مادہ کے زور سے چلے گا۔

(۷) زمین اور آسمان دونوں وجمال کے فرمانبردار ہوں گے یعنی خدا تعالیٰ اس تدبیر کے ساتھ تقدیر موافق کر دے گا اور اس کے ہاتھ پر زمین کو اس کی مرضی کے موافق آباد کریگا۔

(۸) وجمال مشرق کی طرف سے خروج کرے گا یعنی ملک ہند سے کیونکہ یہ ملک زمین حجاز سے مشرق کی طرف ہے۔ متفق علیہ۔

(۹) وجمال جس ویرانہ پر گزرے گا اُسے کیسے گا تو اپنے خزانے باہر نکال دے وہ تمام خزانے باہر نکل آئیں گے اور وجمال کے پیچھے پیچھے جائیں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وجمال زمین سے بہت فائدہ اٹھائے گا۔ اور اپنی تدبیروں سے زمین کو آباد کرے گا اور ویرانے کو خزانے کر کے دکھائے گا پھر آذرباب لُڈ پر قتل کیا جائیگا لُڈاں لوگوں کو کہتے ہیں جو بے جا جھگڑنے والے ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے

۴۳۰

بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا ہے۔ کتاب الہی کی غلط تفسیر میں انہیں بہت خراب کیا ہو اور ان کے دلی اور دماغی قومی پر بہت بُرا اثر اُن سے پڑا ہے۔ اس زمانہ میں بلاشبہ کتاب الہی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ایک نئی صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کر سکتی ہیں اور نہ ایمانی حالت پر نیک اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشنی کی مزاحم ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل اپنے اکثر فوائد کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم نہیں ہے قرآنی تعلیم ایسے لوگوں کے دلیوں سے مٹ گئی ہے کہ گویا قرآن آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ وہ ایمان جو قرآن نے سکھایا تھا اس سے لوگ بے خبر ہیں وہ عرفان جو قرآن نے بخشا تھا اس سے لوگ غافل ہو گئے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن اُن کے ملحق سے نیچے نہیں اُترتا۔ انہیں محسنوں سے

۴۳۱

کہ جب دجال کے بے جا جھگڑے کمال تک پہنچ جائیں گے تب سچ موعود ظہور کرے گا اور اس کے تمام جھگڑے کا خاتمہ کر دے گا۔

(۱) دجال خدا نہیں کہلائے گا بلکہ خدا تعالیٰ کا قاتل ہوگا بلکہ بعض انبیاء کا بھی۔ مسلم۔
ان دشمن علامتوں میں سے ایک بھاری علامت دجال محمود کی یہ لکھی ہے کہ اُس کا فتنہ تمام اُن قتلوں سے بڑھ کر ہوگا کہ جو ربانی دین کے مٹانے کے لئے ابتدا سے لوگ کرتے آئے ہیں اور ہم اسی رسالہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ علامت عیسائی مشنوں میں بخوبی ظاہر ہو رہا ہے۔

از الجملہ ایک بڑی بھاری علامت دجال کی اُس کا گدھا ہے جس کے بین الاذنین کا اندازہ ستر ہج کیا گیا ہے اور ریل کی گاڑیوں کا اکثر اسی کے موافق سلسلہ طولانی ہوتا ہے اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ دھان کے زور سے چلتی ہیں جیسے بادل ہوا کے زور سے تیز حرکت کرتا ہے۔ اس جگہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے طور پر مدلل گاڑی کی طرف اشارہ فرمایا ہے چونکہ یہ عیسائی قہقارہ بجا رہے ہیں کہ امام مقتدا ہی دجال کی گروہ ہے اس لئے ان گاڑیوں کو دجال کا گدھا قرار دیا گیا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ علامات خاصہ دجال کے انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ انہیں لوگوں نے مکروں اور فریبوں کا اپنے وجود پر خاتمہ کر دیا ہے اور دین اسلام کو وہ ضرر پہنچایا ہے جس کی نظیر دنیا کے ابتداء سے نہیں پائی جاتی اور انہیں لوگوں کے متبعین کے پاس وہ گدھا بھی ہے جو دشمن کے زور سے چلتا ہے جیسے بادل ہوا کے زور سے۔ اور انہیں لوگوں کے متبعین زمین کو

کہا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن آسمان پر اُٹھایا جائے گا۔ پھر انہیں حدیثوں میں لکھا ہے کہ پھر دوبارہ قرآن کو زمین پر لائے والا ایک مرد فارسی اور صل ہوگا جیسا کہ فرمایا گئیں کہ ان الایمان محلثاً فی عند الشریا لنا لد سرجل من فارس۔ یہ حدیث و حقیقت اسی زمانہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جو آیتنا علی ذہاب بعد لغادون میں اشارۃ بیان کیا گیا ہے۔ منہ

آباد کرتے جاتے ہیں اور جس ملک ویران پر قبضہ کرتے ہیں اس کو کہتے ہیں کہ اپنے خزانے باہر نکال۔ تب ہزار ہا وجوہ تحصیل مال کی اُسی ملک سے نکال لیتے ہیں۔ زمین کو آباد کر دیتے ہیں امن کو قائم کر دیتے ہیں لیکن وہ تمام خزانے انہیں کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور انہیں کے ملک کی طرف وہ تمام روپیہ کھینچا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ مثلاً ملک ہند کے خزانے یورپ کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ یورپ کے لوگ آپ ہی ان خزانوں کو نکالتے ہیں اور پھر اپنے ملک کی طرف روانہ کرتے ہیں۔

۴۹۵

غرض ان تمام اصول و پرمیٹ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سید الشہید علیہ وسلم نے اس زمانہ کے لئے یہ پیش گوئی فرمائی ہے اور انہی لوگوں کا نام دجال رکھا ہے اور قرآن کریم میں اگرچہ تبصریح کسی جگہ دجال کے نکلنے کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن کچھ شک نہیں کہ قرآن کریم نے دجان کا ذکر کر کے اسی کے ضمن میں دجال کو داخل کر دیا ہے اور پھر اس زمانہ کا بیان بھی قرآن میں ہے کہ جب دنیا میں دجان کے بعد نور اللہ پھیلے گا اور اس فداانی زمانہ سے مراد وہی زمانہ ہے کہ جب سچ موعود کے ظہور کے بعد پھر دنیا نیکی کی طرف رُخ کرے گی۔ کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جو ہنوز دجانی زمانہ ہے سچائی کی حقیقت کو مستور چھوڑ گیا ہے اور دجانی ظلمت نے دلوں پر ایک سخت اثر ڈالا ہے۔ اور کروڑ ہا مخلوقات شیاطین الانس کے اغواء سے توحید اور راستی اور ایمان سے باہر ہو گئی ہے۔ اب اگر فرض کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دجال کی جو عیسائی پادریوں کا گروہ ہے خبر نہیں دی جس کی نظیر دنیا کی ابتداء سے آج تک نہیں پائی جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کشفیہ پر سخت اعتراض ہو گا کہ ایسا بڑا فتنہ جو ان کی امت کے لئے وریشش تھا جس میں نہ ستر ہزار بلکہ ستر لاکھ سے زیادہ متفرق ملکوں میں لوگ اسلام سے انحراف کر چکے ہیں اس کی آنحضرتؐ نے خبر نہیں دی لیکن اگر جیسا کہ شرط انصاف ہے ہم تسلیم کر لیں کہ آنجناب نے اس دجال کی خبر دی ہے اور

۴۹۶

اس کے گدھے کی بھی خبر دی ہے جو خشکی اور تری دونوں کو پیسہ تاپتا اور دو رنگوں تک انہیں پہنچاتا ہے اور اُن کے یک چشم ہونے سے بھی اطلاق بخشی ہے اور اُن کی بہشت اور دوزخ اور روٹیوں کے پہاڑ اور خزانوں سے بھی طلع فرمایا ہے۔ تو پھر ان حدیثوں کے سوا جو دجال کے حق میں ہیں اور کونسی حدیثیں ہمارے پاس ہیں جو اس دعویٰ کی تائید میں ہم پیش کریں۔ اور اگر ہم موجودہ حدیثوں کو اُن پر وارد نہ کریں بلکہ وہی اور فرضی طور پر کوئی اور دجال اپنے حل میں تراش رکھیں جو کسی اور زمانہ میں ظاہر ہوگا تو پھر ان کے لئے حدیثیں کہاں سے لائیں۔ اور ظاہر ہے کہ موجودہ کو چھوڑ کر ہم اور خیال کی طرف دھڑنا بلاشبہ جہنمی پوشی ہے۔ کیونکہ جو موجود ہو گیا ہے اور جس کو ہم نے پیش قدمی کیے لیا ہے اور اس کے بے مثل فتنوں کو مشاہدہ کر لیا ہے اور تمام پیشگوئیوں کا اس کو مصداق بھی سمجھ لیا ہے۔ اگر پھر بھی ہم اس کو ان پیشگوئیوں کا حقیقی مورد نہ ٹھہرائیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہمیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی پوری ہو۔ حالانکہ سلف صلح کا یہ طریق تھا کہ اس بات پر سخت حریص تھے کہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی نسبت کہ حرم کعبہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا جائے گا وہ لوگ مینڈھے کے ذبح ہونے کے منتظر نہ رہے بلکہ جب حضرت عبداللہ ابن زبیر شہید ہوئے تو انہیں نے یقیناً سمجھ لیا کہ یہی مینڈھا ہے حالانکہ حدیث میں انسان کا نام نہیں وہاں تو صاف مینڈھا لکھا ہے اور اس پیشگوئی کے متعلق بھی جو بخاری اور مسلم میں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے پہلے وہ فوت ہوگی جس کے بے ہاتھ ہوں گے انہوں نے زینبؓ کی وفات کے وقت یقین کر لیا کہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ حالانکہ یہ بات (جماعی طور پر) تسلیم ہو چکی تھی کہ سودہ کے بے ہاتھ ہیں وہی پہلے فوت ہوگی۔ اُن جرگوں نے جب دیکھا کہ پیشگوئی کے الفاظ کو حقیقت پر عمل کرنے سے پیشگوئی ہی ہاتھ سے جاتی ہے تو بے ہاتھوں سے ایثار اور صدقہ کی صفت مراد لے لی۔ لیکن ہمارے زمانہ کے علماء کو اس بات کا

شرم آتی ہے کہ باوجود قرآنِ قویہ بھی کسی حدیث کے ظاہری معنی کو چھوڑ سکیں اور قرآن اور حدیث کو باہم تطبیق دے کر ابنِ مریم سے روحانی طور پر ابنِ مریم کا مصداق مراد لے لیں اور دجال یک چشم سے روحانی یک چشمی کی تعبیر کر لیں اور قرآن کے انکار سے اپنے حتمیں بچا لیں۔ ہمیں سوچتے کہ ابنِ مریم یا ایک چشم کا لفظ بھی اُسی پاک مُنہ سے نکلا ہے جس سے لمبے ہاتھ کا لفظ نکلا تھا بلکہ ہاتھ کے حقیقی اور ظاہری معنی مراد ہوئے تو تصدیقِ نبوی بھی ہو چکی تھی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربوہی سرکردہ کے ساتھ ہاتھ ناپے گئے تھے اور سووہ کے ہاتھ سب سے لمبے تھے اور یہی قرار پاتا تھا۔ کہ سب سے پہلے سووہ فوت ہو گئی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو نپتے دیکھ کر بھی منع نہیں فرمایا تھا جس سے اجماعی طور پر سووہ کی وفات تمام بیویوں سے پہلے یقین کی گئی۔ لیکن آخر کار ظاہری معنی صحیح نہ نکلے جس سے ثابت ہوا کہ اس پیشگوئی کی اصل حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھی۔

اگر حال کے علمائے ذرا سوچیں اور تواریخ کے صفحہ صغیر پر نظر ڈالیں اور آدم کے وقت سے آج تک جو قریب چھ ہزار برس کے گزرا ہے جس قدر دینِ حق کے مقابلہ پر فتنہ اندازیاں ہوئی ہیں اُن کا حال کی فتنہ اندازیوں اور کوششوں سے موازنہ کریں تو خود انہیں اقرار کرنا پڑے گا جو باطل کو حق کے ساتھ ملانے کے لئے جس قدر منصوبے اس عیسائی قوم سے ظہور میں آئے اور آرہے ہیں اس کا کروڑم حصہ بھی کسی دوسری قوم سے ہرگز ظہور میں نہیں آیا۔ اگرچہ ناحق کے خون کرنے والے، کتابوں کے جملانے والے، راستبازوں کو قید کرنے والے مست گذرے ہیں مگر اُن کے فتنے دلوں کو تہ و بالا کرنے والے نہیں تھے بلکہ مومن لوگ دکھ اٹھا کر اور بھی زیادہ استقامت میں ترقی کرتے تھے۔ لیکن ان لوگوں کا فتنہ دلوں پر ہاتھ ڈالنے والا اور ایمان کو شبہات سے ناپاک کرنے والا ہے جو اعتقادوں کے بگاڑنے کیلئے زہرِ لہلہ کا اثر رکھتا ہے۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ جس قوم نے

۴۳۷

چھ کر ڈ کتاب و ساویں اور شہادت کے پھیلانے کے لئے اب تک تقسیم کر دی اور اسے بھی
 بڑی سرگرمی سے یہ کارروائی جاری ہے۔ اس قوم کے مقابل پر کس زمانہ میں کوئی نظیر مل
 سکتی ہے۔ بلکہ چھ ہزار برس کی مدت پر نظر ڈالنے سے کوئی نظیر پیدا نہیں ہوئی تو پھر کیا
 ابھی تک منشاء حدیث کے موافق ثابت نہیں ہوا کہ ان لوگوں کی فتنہ اندازی جسے شام
 مانند ہے۔ زمانہ نے آخر کار جس فتنہ عظیم کو ظاہر کیا وہ یہی فتنہ ہے جس نے لاکھوں
 مسلمانوں کو گر جاول میں بٹھا دیا۔ کروڑ ہا کتابیں رد اسلام میں تالیف ہو گئیں سو اس
 موجودہ فتنہ کو کافق لم یکن سمجھنا انہیں مولویوں کا کام ہے جن کے دل میں ہرگز یہ خیال
 نہیں کہ اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوتی دیکھ لیں۔
 بعض نا فہم مولوی بطور حرج یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کی یہ علامت بھی
 ہے کہ وہ جبال محمود کو تہل کرے گا اور تمام اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں گے اور
 اس خیال کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وان من اهل الکتاب الا
 لیو منن بہ قبل موتہ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ مسیح
 کے نزول کے وقت تمام اہل کتاب ایمان لے آئیں گے تو پھر ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے
 کہ وہ جبال کفر کی حالت میں ہی قتل کیا جائے گا۔ ماسوا اس کے مسلم کی حدیث میں صاف
 لکھا ہے کہ وہ جبال کے ساتھ ستر ہزار اہل کتاب شامل ہو جائیں گے اور اکثر کی ان میں
 سے کفر پر موت ہوگی اور مسیح کی وفات کے بعد بھی اکثر لوگ کافر اور بے دین باقی
 رہ جائیں گے جن پر قیامت آئے گی اور قرآن کریم بھی صریح اور صاف طور پر اس پر شہاد
 دیتا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے یا عیسیٰ انی متوفیک و افعک الی و مطہرک
 من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی
 یوم القیامت یعنی میں تیرے متبعین کو تیرے عنکین پر یعنی یہود پر قیامت تک
 غلبہ دوں گا پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت کے دن تک یہود کی نسل ٹھوڑی بہت

باقی رہ جائے گی اور پھر فرماتا ہے اغربنا بینہم الحداۃ والبغضاء الی یوم
القیامۃ یعنی ہم نے یہود اور نصاریٰ میں قیامت کے دن تک عداوت اور بغض ڈال
دیا ہے۔ اس آیت سے بھی صاف طور پر ثابت ہے کہ یہودی قیامت کے دن تک رہیں گے
کیونکہ اگر وہ پہلے ہی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے تو پھر سلسلہ عداوت اور بغض کا
قیامت تک کیونکر متحد ہو گا۔ لہذا ماننا پڑا کہ ربا خیال کہ حضرت مسیح کے نزول کی یہ علامت
ہے کہ تمام اہل کتاب اُس پر ایمان لے آویں گے صریح نص قرآن اور حدیث کے مخالف ہے:

خلاصہ فیصلہ

ہمارا دعویٰ جو الہام الہی کی رو سے پیدا ہوا اور قرآن کریم کی شہادتوں سے چمکا
اور احادیث صحیحہ کی مسلسل تائیدوں سے ہر ایک دیکھنے والی آنکھ کو نظر آنے لگا وہ یہ ہے
کہ حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ جن پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ عالم سفلی سے انتقال
کر گئے اور اس جہان فانی کو چھوڑ کر جہان جاودانی کے لوگوں میں جملے۔ اور اس
جسد غصری کے خواص اور لوازم کو ترک کر کے ان خواص اور لوازم سے متمتع ہو گئے جو موت
اُن لوگوں کو ملتے ہیں جو فوت ہو جاتے ہیں۔ اور ان لذات سے بہرہ یاب ہو گئے جو محض
اُن لوگوں کو دی جاتی ہیں جو موت کے پہلے سے گذر کر محبوب حقیقی کو جاملتے ہیں اور کچھ
شک نہیں کہ جو شخص اس عالم کے لوگوں کو چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لوگوں سے جاملتا
ہے اور اس عالم کے لوازم اور خواص چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لوازم اور خواص قبول
کر لیتا ہے اور اس عالم کے لذات قطعاً چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کے لذات پالیتا ہے
اور اس عالم کے مونزات ارضی و سماوی چھوڑتا ہے اور عالم ثانی کی فیہر تبتل زندگی حاصل
کر لیتا ہے اور اس عالم سے بکلی گم اور ناپدید ہو جاتا ہے اور اس عالم میں ظہور فرما ہوتا ہے

وہی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں کہتے ہیں کہ مر گیا۔ اور اس بات میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ یہ تبدیلی جو پختہ تر الفاظ موت کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت مسیح کی دنیوی زندگی پر وارد ہو چکی ہے اور اس تبدیلی کے ضروری لوازم میں وہ اپنے اُن دوسرے بھائیوں سے کسی بات میں کم نہیں ہیں جو دنیا و مافیہا کو چھوڑ گئے۔ اس عالم کے لوگ جو مرنے کے بعد اُس جگہ پہنچتے ہیں اُن کی یہ علامات خاصہ ہیں کہ وہ نہ سوتے ہیں اور نہ اس عالم کی روٹی کھاتے ہیں اور نہ پانی پیتے ہیں اور نہ وہ بیمار ہوتے ہیں اور انہیں پاخانہ اور پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے نہ بالوں اور ناخنوں کے کٹانے کی انہیں حاجت پڑتی ہے اور نہ روشنی کے لئے وہ سورج اور چاند کے محتاج ہوتے ہیں اور نہ اُن پر زمانہ اثر کرتا ہے اور نہ ہوا کے ذریعے وہ دم لیتے ہیں اور نہ کسی روشنی کے ذریعے وہ دیکھتے ہیں۔ ایسا ہی وہ ہوا کے ذریعے سنتے بھی نہیں اور نہ سونگھتے ہیں اور نہ قوالد و تناسل پر قادر ہوتے ہیں۔ غرض ایک پورا انقلاب اُن کی ہستی پر وارد ہو جاتا ہے جس کا نام موت رکھا گیا ہے۔ اُن کو جسم تو دیا جاتا ہے مگر وہ جسم اس عالم کے خواص اور لوازم نہیں رکھتا۔ ہاں وہ بہشت میں کھاتے پیتے بھی ہیں مگر وہ اس عالم کا طعام اور شراب نہیں جس کا جسم مفصری محتاج ہے بلکہ وہ ایسی نعمتیں ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح مرنے نہیں اور اسی دنیوی زندگی کے ساتھ کسی آسمان پر بیٹھے ہیں تو کیا تمام لوازم جسم خاکی کے اُن میں خصوصیت کے ساتھ موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں پائے جاتے۔ کیا وہ کبھی سوتے اور کبھی جاگتے ہیں اور کبھی اُٹھتے ہیں اور کبھی بیٹھتے ہیں اور کبھی دنیوی شراب اور طعام کھاتے پیتے ہیں اور کیا وہ اوقات ضروریہ میں پاخانہ پھرتے اور پیشاب بھی کرتے ہیں اور کیا وہ ضرورتوں کے وقت ناخنوں کو کٹاتے اور بالوں کو منڈواتے یا قصر شعر کراتے ہیں۔ کیا اُن کے لیٹنے کے لئے کوئی چار پائی اور کوئی بستر بھی ہے۔ کیا وہ ہوا کے ساتھ دم لیتے

۴۷

۹

۴۸

اور ہوا کے ذریعے سوگھتے اور ہوا ہی کے ذریعے سنتے اور روشنی کے ذریعے دیکھتے ہیں۔ اور کیا زمانہ کے اثر سے اب بدھے ہو گئے ہیں؟ تو بلاشبہ اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ذیوی ہستی کے لوازم اور خواص اُن میں باقی نہیں رہے بلکہ وہ ہر ایک حالت میں اُن لوگوں کے ہم رنگ ہیں جو اس دُنیا کو فوت ہونے کی وجہ سے چھوڑ گئے ہیں اور نہ صرف ہم رنگ بلکہ اس فوت شدہ جماعت میں داخل ہیں۔ سو اس جواب سے تو اُن کی موت ہی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کہ انہوں نے فوت شدہ لوگوں کی طرح عالم ثانی کی زندگی کے تمام لوازم اختیار کر لئے جو فوت شدہ لوگوں کی علامات میں سے ہیں اور نہ صرف اختیار ہی کئے بلکہ اس جماعت میں جا ملے اور فرمانِ ارجعی الی سربلک کا قبول کر کے فادِ خلی فی عبادِی کا مصداق ہو گئے۔ تو اب بھی اگر اُن کو فوت شدہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جاوے۔ ظاہر ہے کہ عالمِ دُعا ہی ہیں۔

تلا

ایک یہ دنیا کا عالم۔ جب تک انسان اس عالم میں ہوتا ہے اور اس عالم کے لوازم جیسے کھانا پینا پہننا دم لینا جاگنا سونا اور بدنی نشوونما یا تحلیل کی وجہ سے معرض تغیر میں ہونا اس کے شامل حال ہوتے ہیں اُس وقت تک اُس کو زندہ کہا جاتا ہے اور جب یہ لوازم بکلی اس سے دور ہو جاتے ہیں تب سب بول اُٹھتے ہیں کہ مر گیا اور پھر ہجرتِ موت کے عالمِ ثانی کے لوازم اُس میں پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ جس عجمت میں انسان داخل ہوتا ہے اسی جماعت کے حالات پر اس کے حالات کا قیاس کیا جاتا ہے جو شخص اس دنیا کے لوگوں میں داخل ہے وہ اسی دنیا میں سے سمجھائے گا اور جو شخص اس دُنیا کو چھوڑ گیا اور عالمِ ثانی کی جماعت میں داخل وہ اسی جماعت میں سے خیال کیا جائے گا۔ اب دیکھ لینا چاہیے کہ مسیح کس جماعت میں داخل ہے جس جماعت میں داخل ہو گا اسی جماعت کے احکام اس پر وارد ہوں گے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی شخص فوت شدہ جماعت میں بغیر فوت ہونے کے داخل نہیں ہو سکتا

۴۴

لیکن یہ بات صحیح بخاری سے بھی معلوم ہو چکی ہے کہ مسیح ابن مریم فوت شدہ جماعت میں داخل ہے اور یحییٰ بن زکریا کے ساتھ دوسرے آسمان میں موجود ہے۔ اور خدا تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ کوئی شخص میری طرف بغیر مرنے کے نہیں سکتا۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ مسیح اس کی طرف اٹھایا گیا سو وہ ضرور مر گیا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں اس کو انی متوفیک ورافعت الی سے پکارا ہے۔ سو لفظ متوفی جن عام معنوں سے تمام قرآن اور حدیثوں میں مستعمل ہے وہ یہی ہے کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو معطل چھوڑ دینا۔ یہ بڑے تعصب کی بات ہے کہ تمام جہان کے لئے توفی کے یہی معنی روح قبض کرنے کے ہوں لیکن مسیح ابن مریم کے لئے جسم قبض کرنے کے معنی لئے جاویں۔ کیا ہم خاص عیسیٰ کے لئے کوئی نئی لغت بنا سکتے ہیں جو کبھی اللہ اور رسول کے کلام میں مستعمل نہیں ہوئی اور نہ عرب کے شعراء اور زبان دان کبھی اس کو استعمال میں لائے۔ پھر جس حالت میں توفی کے یہی شائع متعارف معنی ہیں کہ روح قبض کی جاتے خواہ بطور ناقص یا بطور تام۔ تو پھر رفیع سے رفیع جسم کیوں مراد لیا جلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز پر قبضہ کیا جائے گا رفیع بھی اسی کا ہو گا۔ نہ یہ کہ قبض تو روح کا ہوا اور جسم کا رفیع کیا جائے۔ غرض برخلاف اس متبادرا و مسلسل معنوں کے جو قرآن شریف سے توفی کے لفظ کی نسبت اقل سے آخر تک سمجھے جاتے ہیں ایک نئے معنی اپنی طرف سے گھڑنا یہی تواجد اور تحریف ہے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچا دے اگر یہ کہا جائے کہ توفی کے معنی تفسیروں میں کئی طور سے کئے گئے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ وہ مختلف اور متضاد اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے نہیں لئے گئے ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ بیان جو چشمہ وحی سے نکلا ہے اس میں اختلاف اور تناقض راہ پاسکتا بلکہ وہ مفسرین کے صرف اپنے اپنے بیانات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی ان کا کسی خاص معنی پر اجماع نہیں ہوا۔ اگر ان میں سے کسی کو وہ بصیرت دی جاتی جو اس

۴۵

عاجز کو دی گئی تو ضرور اسی ایک بات پر اُن کا اجماع ہو جاتا لیکن خدا تعالیٰ نے اس قلعی اور یقینی علم سے اُن کو محسوس رکھانا اپنے ایک بندہ کو کامل طور پر علم دیکر آدم صغی اللہ کی طرح اس کی علمی فضیلت کا ایک نشان ظاہر کرے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اکثر مفسرین مسیح ابن مریم کی موت کے قائل ہیں لیکن یہ بھی تو کہتے ہیں کہ بعد اس کے زندہ ہو گئے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ جن بزرگوں کو مسیح ابن مریم کے فوت ہونے کے بعد اُس کے زندہ ہو جانے کا اعتقاد ہے وہ ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ مسیح کو مرنے کے بعد دنیوی زندگی ملی تھی۔

بلکہ وہ خود مانتے ہیں کہ مسیح کو مرنے کے بعد ایسی زندگی ملی تھی جو دنیوی زندگی سے بالکل مسائن اور مغائر اور عالم ثانی کی زندگی کی قسم میں سے تھی اور اس زندگی کی قسم میں تھی جو فوت ہونے کے بعد حضرت یحییٰ کو ملی۔ حضرت ادریس کو ملی۔ حضرت یوسف کو ملی۔ حضرت ابراہیم کو ملی۔ حضرت موسیٰ کو ملی۔ حضرت آدم کو ملی اور جو سب سے زیادہ تر ہمارے سید و مولیٰ نبی عربی ہاشمی اُمّی کو ملی۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وَاٰخِرُہٗ وَسَلَّمَ۔

اور اگر کوئی کہے کہ نہیں صاحب وہ زندگی جو مسیح کو مرنے کے بعد ملی وہ حقیقت میں دنیوی زندگی تھی تو ایسے قائل کو اس بات کا مان لینا لازم ہو گا کہ مسیح میں دنیوی زندگی کے لازم موجود ہیں اور وہ اس عالم کے زندگی کی طرح ہوا کے ذریعہ دم لیتا ہے اور ہوا کے ذریعہ سونگھتا ہے اور ہوا کے ذریعہ آوازیں سُنتا اور کھانا پیتا اور تمام مکروہات پیشاب و پاخانہ وغیرہ کے اس کو لگے ہوئے ہیں لیکن قرآن فریضہ توان سب کی اس کی ذات سے نفی کرتا ہے۔ اور حدیثیں صاف اور بلند آواز سے کہہ رہی ہیں کہ مسیح کی زندگی تمام گزشتہ اور فوت شدہ نبیوں کی زندگی سے بالکل ہمزگ ہے چنانچہ معراج کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور عیسائی لوگ بھی باوجود اس کے

کہ ان کو مسیح کے فوت ہونیکے بعد زندہ اٹھائے جانے پر بڑا اصرار ہے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ آسمانوں میں دنیوی زندگی سے عمر بسر کرتے ہیں بلکہ محض موسیٰ اور داؤد اور دوسرے نبیوں کی زندگی کی مانند مسیح کی زندگی خیال کرتے ہیں کیونکہ مسیح کو خود اس بات کا اقرار ہے۔ اس جگہ یہ بھی ظاہر ہے کہ توفی کے معنی وفات دینے کے صرف اجتماعی طور پر ہم نے معلوم نہیں کئے بلکہ مشکوٰۃ کے باب الحشر میں بخاری اور مسلم کی حدیث جو ان سے ہے صریح اور صاف طور پر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت فلنماتنوفیتنی کی یہی تفسیر فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس سے وفات ہی مراد ہے۔ بلکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سوال حضرت مسیح سے عالم رزخ میں ان کی وفات کے بعد کیا گیا تھا نہ یہ کہ قیامت میں کیا جائے گا۔ پس جس آیت کی تفسیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کھل دیا پھر اگر کوئی تفسیر نبوی کو بھی منکر شک میں رہے تو اس کے ایمان اور اسلام پر افسوس اور تعجب نہ کریں تو اور کیا کریں۔ دیکھو اس حدیث کو امام بخاری انہیں محض کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں لایا ہے۔ دیکھو صفحہ ۶۶۵ بخاری۔ بعض صاحبان سب دلائل شافیہ کو سن کر حضرت مسیح کی وفات کے قائل تو ہو جاتے ہیں مگر پھر وہ دوبارہ یہ وہم پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اس کو زندہ کر کے پھر قبر میں سے اٹھا دے۔ ہم اس وہم کے جواب میں کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں وعدہ کر چکا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مر چکا اور واقعی موت جو اس کے لئے معتد تھی اس پر وار د ہو چکی پھر دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا اور نہ دنیا میں دو موتیں اس پر وار د کی جائیں گی۔ اس جواب کے سننے کے بعد پھر وہ ایک اور وہم پیش کرتے ہیں کہ تسران کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض مردے زندہ ہو گئے۔ جیسے وہ مرد جس کا خون بنی اسرائیل نے چھپا لیا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے واذ قتلتم نفساً فادعہم فیہا واوللہ مخرج ما کنتم تکتمون

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہو گیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پر لگتی تھی۔ بلکہ اس آیت پر نظر فرمائیے کہ جس نے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے ایک خون کر کے چھپا دیا تھا اور بعض بعض پر خون کی نعمت لگاتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے اسل مجرم کے پکڑنے کے لئے یہ تدریس سمجھائی تھی کہ تم ایک گائے کو ذبح کر کے اس کی یونیاں اس لاش پر مارو۔ اور وہ تمام اشخاص جن پر شبہ ہے ان یونوں کو نوبت یہ نوبت اس لاش پر مارو۔ تب اصل خونی کے ساتھ سے جب لاش پر بوٹی لگیگی تو لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے گا۔

اب اس قصہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دھمکی تھی کہ تلخو رہیدل ہو کر اپنے تئیں ظاہر کرے۔ لیکن ایسی تاویل سے عالم الغیب کا عجیب ظاہر ہوتا ہے اور ایسی تاویلیں وہی لوگ کرتے ہیں کہ جن کو عالم ملکوت کے اسرار سے ^{بے}خبر نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق علم عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص میں سے یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بھرت حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبہ اور مبہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے۔ یہیں چاہیے کہ کسی سچائی کو ضائع نہ کریں اور ہر ایک وہ حقیقت یا حاکیت جو عین صداقت ہے اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں۔ علم عمل الترب ایک عظیم الشان علم ہے جو طبیعی کا ایک روحانی حصہ ہے جس میں بڑے بڑے خواص اور عجائبات پائے جاتے ہیں۔ اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ انسان جس طرح باعث بار اپنے مجموعی وجود کے تمام چیزوں پر خلیفۃ اللہ ہے اور سب چیزیں اس کے تلخ کر دی گئی ہیں اسی طرح انسان جس قدر اپنے اندر انسانی قوی رکھتا ہے تمام چیزیں ان قوی کی اس طرح پر تلج ہیں کہ شرائط مناسبہ کے ساتھ ان کا اثر قبول کر لیتی ہیں۔ انسان قوت فاعلہ کے ساتھ

ذیہ میں بھیجا گیا ہے اور دوسری چیزیں قوت منفعلہ رکھتی ہیں۔ ادنیٰ اثر انسان کی قوت فاعلہ کا یہ ہے کہ ہر ایک جاندار اس سے ایسا بل سکتا ہے کہ اس کے غلاموں میں اپنے شیئیں شمار کر لیتا ہے اور اس کا مستحق ہو جاتا ہے۔ فطرت نے جن انسانوں کو قوت فاعلہ کا بہت سا حصہ دیا ہے ان سے عمل الترب کے عجیب عجیب خواص نکال سہر ہوتے ہیں۔

درحقیقت انسان ایک ایسا جانور ہے کہ اس کے ملک ہری و باطنی قوی ترقی دینے کو قوی زیر ہو سکتے ہیں اور انکی قوت فاعلی کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً جن لوگوں کو ہمارے ملک میں ڈال کر رکھتے ہیں ان کی صرف اس قدر حقیقت ہے کہ ان کی زہریلی نظر سے ضحیف المخلقت لوگ بچے وغیرہ کسی قدر متاثر ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی زہریلی نظر سے درندوں کو مغلوب اور متاثر کر کے آسانی سے ان کا شکار کر لیتے ہیں۔ بعض اپنے تصورات ترقی ترقی کی وجہ سے دوسرے کے دل میں اثر ڈال دیتے ہیں۔ بعض اپنی کیفیت ذوقی کا اثر اسی عمل کے ذریعے دوسرے کے دل تک پہنچا سکتے ہیں۔ بعض بے جان چیزیں ہل پر اثر ڈال کر ان میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ زمانہ حال میں بھی ان باتوں میں مشق رکھنے والے بہت نظر آتے ہیں۔ بعض کٹے ہوئے سر بکری وغیرہ کے عمل الترب کے ذریعے ایسی حرکت میں لاتے ہیں کہ وہ ناپتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بعض عمل الترب کے ذریعے سے چوروں کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ قرآن شریف یا لوٹے کو حرکت دے کر جو چور کا پتہ نکالتے ہیں حقیقت میں عمل الترب کی ایک شاخ ہے۔ اگرچہ اس کی شرائط ضروریہ نہ پائے جانے کی وجہ سے غلطی واقع ہو چنانچہ اسی وجہ سے بکثرت غلطی واقع ہوتی بھی ہے لیکن یہ غلطی اس عمل کی عزت اور عظمت کو گھٹانا نہیں سکتی۔ کیونکہ بہت سے تجارب صحیح سے اس کی اصلیت ثابت ہو چکی ہے۔ بے شک انسانی حیات اور شعور کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑ سکتا ہے اور انسان کی قوت کشفی کا پر توہ جمادات یا کسی مردہ حیوان پر پڑ کر اس کو بعض جمولات کے استکشاف کا آلہ بنا سکتا ہے۔ چنانچہ قضیہ مذکورہ بالا جس کا

آیت مذکورہ بالا میں ذکر ہے اسی قسم میں سے ہے اور بعد میں جو آیت ہے کذابا
یعنی اللہ الموقیٰ یہ حیات حقیقی کا ثبوت نہیں بلکہ ایک عجوبہ قدرت کے ثابت ہونے
سے دوسری قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ جب قرآن شریف میں یہی طریق
ہے یہاں تک کہ نباتات کے اُگنے کو احیاء موقیٰ پر دلیل ٹھہرائی گئی ہے اور یہی آیت
کذابا یعنی اللہ الموقیٰ ان مقامات میں بھی لکھی گئی ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ
کہ جو قرآن کریم میں چاہے نہ دلوں کا ذکر لکھا ہے کہ اُن کو اجزا متفرقہ یعنی جدا جدا کر کے
چار پہاڑیوں پر چھوڑا گیا تھا اور پھر وہ بلا نے سے آگئے تھے یہ بھی عمل الترب کی
طرف اشارہ ہے کیونکہ عمل الترب کے تجارب بتلا رہے ہیں کہ انسان میں جمیع کائنات الارض
کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایک قوت مقناطیسی ہے اور ممکن ہے کہ انسان کی قوت
مقناطیسی اس حد تک ترقی کرے کہ کسی پرند یا چند کو صرف توجہ سے اپنی طرف
کھینچ لے۔ فتدبروا لتفصل۔

اب پھر ہم اصل بحث کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ تمام مقدس لوگ جو اس دنیا
سے رخصت ہو گئے وہ دوسرے جہان میں زندہ ہیں۔ چنانچہ جب مسیح سے قیامت کے
منکروں نے سوال کیا کہ مُردوں کے جی اُٹھنے پر کیا دلیل ہے تو مسیح نے یہی جواب دیا کہ
خدا تعالیٰ تو ریت میں فرماتا ہے کہ ابراہیم کا خدا اسحق کا خدا یعقوب کا خدا۔ سو خدا
زندوں کا خدا ہوتا ہے نہ مُردوں کا۔ اس کے سچ نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ ابراہیم
اور اسحق اور یعقوب سب زندہ ہیں۔ اور عاذر کے قصہ میں بھی مسیح نے ابراہیم کا زندہ
ہونا مان لیا ہے اور اب تک عیسائی لوگ اس بات کا ثبوت نہیں دے سکے کہ مسیح کی
زندگی کو ابراہیم کی زندگی پر کیا ترجیح ہے اور مسیح کی زندگی میں وہ کون سے خاص لوازم
ہیں جو ابراہیم کی زندگی میں نہیں نظر آ رہے کہ اگر ابراہیم کو ایک جسم نہ ملتا تو عاذر
اُس کی گود میں کیونکر بیٹھتا۔ مسیح نے انجیل میں خود اقرار کر لیا کہ ابراہیم جسم میت عالم ثانی میں

موجود ہے پھر مسیح کے جسم میں کوئی انوکھی بات ہے تاکہ کوئی منصف یقین کر لے کہ مسیح تو جسم خاکی عنصری رکھتا ہے مگر ابراہیم کا نورانی جسم ہے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح کے جسم میں خاکی جسم کے لوازم موجود ہیں۔ جیسے روٹی کھانا۔ پانی پینا پیشاب کرنا پاخانہ پھرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ابراہیم کے جسم میں یہ لوازم موجود نہیں تو بھلا پھر کون ہے کہ اس ثبوت کے بعد پھر برسر انکار رہے۔ لیکن اب تک یہ ثبوت نہ عیسائی لوگ پیش کر سکے اور نہ مسلمانوں میں سے کسی نے پیش کیا بلکہ دونوں فریق کو صاف اقرار ہے کہ مسیح کی زندگی دوسرے فیول کی زندگی سے صاف اور متحدہ حقیقت اور ہر رنگ اور ایک ذرہ ماہ الامتیاز درمیان نہیں۔ پھر بھلا ہم کیونکر مان لیں کہ مسیح کسی زلے جسم کے ساتھ آسمان پر بیٹھا ہے اور دوسرے سب بغیر جسم کے ہیں۔ ہم کو محض جبر و تحکم کی راہ سے یہ سنایا جاتا ہے کہ اسی بات پر تمام امت کا اجماع ہے۔ لیکن جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سلف اور خلف کا تو کسی ایک بات پر اتفاق ہی نہیں تو ہم کیونکر قبول کر لیں کہ ہاں اجماع ہی ہے۔ بھلا اگر مسیح کی زندگی پر کسی کا اجماع ہے تو ایک قول تو دیکھو جس میں سلف کے لوگوں نے مسیح کی زندگی ایک دنیوی زندگی قرار دی ہو اور دنیوی زندگی کے لوازم اس میں قبول کر لئے ہوں اور دوسروں کو اس سے باہر رکھا ہو۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس بات پر تمام خلف و سلف کا اجماع معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اس عالم کو چھوڑ کر دوسرے عالم کے لوگوں میں جا ملا ہے اور بلا کم و بیش انہیں کی زندگی کے موافق اس کی زندگی ہے گو بعض نے نلافانی سے سچ کی موت سے انکار کیا ہے مگر باوجود اس کے قبول کر لیا ہے کہ وہ مرنے والے لوگوں کی طرح اس عالم کو چھوڑ گیا ہے اور اس جماعت میں جا ملا جو مر گئے ہیں اور بتلی اُن کے رنگ میں ہو گیا۔ بھلا کوئی دانشمند اُن سے پوچھے کہ اگر یہ موت نہیں تو اور کیا ہے جس نے دنیا کے عالم کو چھوڑ دیا اور دوسرے عالم میں جا پہنچا اور دنیا کے لوگوں کو چھوڑ دیا اور دوسرے جہان کے لوگوں میں سے

ایک ہو گیا۔ اگر اس کو فوت شدہ نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔

اور ہم کھچکے ہیں کہ مسلمان کریم مسیح ابن مریم کو اپنی آیات کے تیس مقامات میں مار چکا ہے اور کیا عبارت انص کے طور پر اور کیا اشارۃ انص کے طور پر کیا فحوائض کے طور پر ان کی موت پر شہادت دے رہا ہے۔ اور ایک بھی ایسی آیت نہیں پائی جاتی جو ان کے زندہ ہونے اور زندہ اٹھائے جانے پر ایک ذرہ بھی اشارہ کرتی ہو۔ ہاں بعض بے اصل اور بے ہودہ اقوال تفسیر ول میں پائے جاتے ہیں جن کی تائید میں نہ کوئی آیت قرآن کریم کی پیش کی گئی ہے اور نہ کوئی حدیث معرض بیان میں لائی گئی ہو اور یا اینہما ان اقوال کی بنا یقین پر نہیں۔ کیوں کہ انہیں تفسیروں میں بعض اقوال کے مخالف بعض دوسرے اقوال بھی لکھے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کا یہ مذہب لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم جسد غصری کے ساتھ زندہ ہی اٹھایا گیا تو ساتھ اس کے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ بعض کا یہ بھی مذہب ہے کہ مسیح فوت ہو گیا ہے۔ بلکہ ثقات صحابہ کی روایت کو فوت ہو جانے کے قول کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب بیان کیا گیا ہے۔

رہی حدیثیں سو ان میں کسی جگہ بیان نہیں کیا گیا کہ مسیح ابن مریم جو رسول اللہ تھا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی جو فوت ہو چکا ہے درحقیقت وہی عالم آخرت کے لوگوں میں سے نکل کر پھر اس دنیا کے لوگوں میں آجائے گا۔ بلکہ حدیثوں میں ایک ایسی طرز اختیار کی گئی ہے جس سے ایک دانا انسان صریح سمجھ سکتا ہے کہ مسیح ابن مریم سے مراد مسیح ابن حاریم نہیں ہے بلکہ اس کی صفات خاصہ میں کوئی اس کا ثبیل مراد ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں دو پہلوئیں قائم کر کے ایک پہلو میں یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ اسلام سننل کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جائے گا کہ اس وقت کے مسلمان ان یہودیوں کے مشابہہ بلکہ بعینہ وہی ہو جائیں گے جو حضرت مسیح ابن مریم کے وقت یہود تھے

پھر دوسرے پہلو میں یہ ظاہر کیا ہے کہ اس تنزیل کے زمانہ میں کہ جب مسلمان لوگ ایسے یہودی بن جائیں گے کہ عیسیٰ بن مریم کے وقت میں تھے تو اُس وقت اُن کی اصلاح کے لئے ایک مسیح ابن مریم بھیجا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اس پیش گوئی کے وہ دونوں ٹکڑے اکٹھے کر کے پڑھے جائیں جو ایک طرف اس اُمت میں یہودیت کو قائم کرتے ہیں اور دوسری طرف مسیحیت کو۔ تو پھر اس بات کے سمجھنے کے لئے کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا کہ یہ دونوں صفتیں اسی اُمت کے افراد کی طرف منسوب ہیں اور ان حدیثوں کی تفسیر ان کریم کے منشاء سے اسی صورت میں تطبیق ہوگی کہ جب یہ دونوں صفتیں اسی اُمت کے متعلق کی جائیں کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قرآن شریف وعدہ فرما چکا ہے کہ خلافت محمدیہ کا سلسلہ باعث بار اول و آخر کے بعینہ خلافت موسویہ کے سلسلہ سے مماثل و مشابہ ہے یعنی اس اُمت کے اعلیٰ و ادنیٰ افراد کا بنی اسرائیل کی اُمت سے تشابہ قلوب ہے اعلیٰ کی اعلیٰ سے اور ادنیٰ کی ادنیٰ سے۔ اور یہ دونوں سلسلے اپنی ترقی اور تنزل کی حالت میں بالکل باہم مماثل اور مشابہ ہیں اور جیسا کہ موسوی شریعت پر وہ موسیٰ برسر کے قریب عمر پاکر اس مدت کے آخری ایام میں اوج اقبال سے گر گئی تھی اور ہر یک بات میں تنزل راہ پا گیا تھا کیا دنیوی حکومت و سلطنت میں اور کیا دینی تقویٰ اور طہارت میں یہی تنزل اسی مدت کے موافق اسلامی شریعت میں بھی راہ پا گیا۔ اور موسوی شریعت میں تنزل کے ایام کا مصلح جو منجانب اللہ آیا وہ مسیح ابن مریم تھا۔ پس ضرور تھا کہ دونوں سلسلہ میں پوری مماثلت دکھانے کی غرض سے اسلامی تنزل کے زمانہ میں بھی کوئی مصلح مسیح ابن مریم کے رنگ پر آتا اور اسی زمانہ کے قریب قریب آتا جو موسوی شریعت کے تنزل کا زمانہ تھا۔ یہ وہ تمام باتیں ہیں جو قرآن کریم سے مترشح ہوتی ہیں۔ جب ہم قرآن شریف پر غور کریں تو گویا وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر ہمیں بتلا رہا ہے کہ یہی مسیح ہے تم اس کو قبول کرو۔ لیکن انھوں نے کہ ہمارے علماء سچائی کو دیکھ کر پھر اس کو

قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ کیا پہلے علماء میں یہ سمجھ اور رسم نہیں تھا جو تمہیں دیا گیا اور آپ ہی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ جب مسیح ابن مریم آئے گا تو وہ ایسے ایسے استنباط قرآن کریم سے کرے گا جو علماء وقت کی نظر میں ایسی معلوم ہوں گے اور اسی وجہ سے وہ آمادہ مخالفت ہو جائیں گے۔ دیکھو جلد ثانی مکتوبات امام ربانی صفحہ ۱۰۷۔ اور کتاب اثبات القیامت مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم۔ اب کیا ضرورت تھا کہ ایسا ہی ہوتا اور وہ قرآن جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ مسیح ابن مریم کو نبی اسرائیلی صاحب انجیل مراد ہے تفصیل ذیل میں۔

اول^۱۔ یہی جو اوپر لکھا گیا ہے کہ ایسا خیال مسلمان کریم کی ان پیشگوئیوں کے مخالف ہے جن میں خلافت موسویہ اور خلافت محمدیہ کی ترقی اور تنزل کا سلسلہ معہ اس کے تمام لوازم کے ایک ہی طرز پر واقعہ ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور صریح بلند آواز سے بتلایا گیا ہے کہ اسلامی شریعت کے تنزل کے زمانہ کا تدارک ایسی طرز اور نہج سے اور اسی رنگ کے مصلح سے کیا جائے گا جیسا کہ موسوی شریعت کے تنزل کے زمانہ کے وقت کیا گیا تھا۔ یعنی اللہ جل شانہ کا قہر ان کریم میں منشاء یہ ہے کہ اسی شریعت کے مصلح جو اس دین میں پیدا ہوں گے شریعت موسوی کے مصلحین سے منشاء اور مماثل ہوں گے اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے موسوی شریعت کی ترقی اور تنزل کے زمانہ میں کارروائیاں کی تھیں وہی کارروائیاں اس امت کی ترقی اور تنزل کے زمانہ میں کرے گا اور جو اس کی مشیت نے تنزل کے زمانہ میں یہودیوں پر کسل اور ضلالت اور تفرقہ وغیرہ کا اثر ڈالا تھا اور پھر اس کی اصلاح کے لئے ایک برہ بار اور دقیقہ رس روح سے تائید یافتہ مصلح دیا تھا۔ یہی سنت اللہ اسلام کے تنزل کی حالت میں ظہور میں آئے گی۔ اب اگر اس منشاء کے مخالف اصل مسیح ابن مریم کو ہی دوبارہ نہیں پاتا مارا جائے تو قرآن شریف کی تعلیم سے صریح مخالفت ہے۔

دوم قرآن شریف قطعی طور پر عیسیٰ ابن مریم کی موت ثابت و ظاہر کر چکا ہے صحیح بخاری جو بعد کتاب الشرح الکتب سمجھی گئی ہے۔ اس میں فلماً تو فیتنی کے معنی وفات ہی لکھے ہیں اسی وجہ سے امام بخاری اس آیت کو کتاب التفسیر میں لایا ہے۔

سوم قرآن کریم کئی آیتوں میں تصریح فرما چکے ہیں کہ جو شخص مر گیا وہ پھر دنیا میں کبھی نہیں آئے گا۔ لیکن نبیوں کے ہمنام اس اُمت میں آئیں گے۔

چہارم قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ دنیا رسول ہو یا پیمانہ ہو۔ کیونکہ رسول کو عظیم دین توسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل پر پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے۔ اور یہ بات خود محتج ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔

پنجم یہ کہ احادیث صحیحہ بصرحت بیان کر رہی ہیں کہ آنے والے مسیح ابن مریم انبیوں کے رنگ میں آئے گا۔ چنانچہ اس کو امتی کر کے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث امام کو عنکم سے ظاہر ہے اور نہ صرف بیان کیا گیا بلکہ جو کچھ اطاعت اور پیروی اُمت پر لازم ہے وہ سب اس کے لازم حال ٹھہرائی گئی۔

ششم یہ کہ بخاری میں جو صحیح الکتب بعد کتاب الشرح ہے اصل مسیح ابن مریم کا اور حلیم بتایا گیا ہے اور آنے والے مسیح ابن مریم کا اور حلیم ہر کیا گیا ہے۔ اب ان قرآن ستر کے رو سے صریح اور صاف طور پر ثابت ہے کہ آنے والے مسیح ہرگز وہ مسیح نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی بلکہ اس کا مثیل ہے اور اس وقت اُس کے آنے کا وعدہ تھا کہ جب کروڑوں افراد مسلمانوں میں سے یہودیوں کے مثیل ہو جائینگے تا خدا تعالیٰ اس اُمت کی دونوں قسموں کی استعدادیں ظاہر کرے نہ یہ کہ اس اُمت میں صرف یہودیوں کی نجس صورت قبول کرنے کی استعداد ہو اور مسیح بنی اسرائیل میں سے آئے۔ بلاشبہ ایسی صورت میں اس مقدس اور روحانی معلم اور پاک نبی کی

بڑی ہنسک ہے جس نے یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ اس اُمت میں مثیل انبیاء
بنی اسرائیل پیدا ہوں گے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ جس حالت میں اصل عیسیٰ ابن مریم آنے والا نہیں تھا
بلکہ اس کا مثیل آنے والا تھا تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ مثیل آنے والا ہے۔ اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ عام محاورہ ہے کہ جب مشکم کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں
مماثلت تامہ ہے تو مشبہ کا مشبہ بہ پر حمل کر دیتا ہے تا انطباق لگی ہو جیسے امام
بخاری کی نسبت ایک جلسہ میں کہا گیا کہ دیکھو یہ احمد حنبلؒ آیا ہے انہ اور جیسے
کہتے ہیں کہ یہ شیر ہے اور یہ نوشیرواں ہے یہ حاتم ہے۔ یا مثلاً جیسے کوئی کسی کو
کہتا ہے کہ تو گدھا ہے یا بندر ہے۔ اور نہیں کہتا کہ تو گدھے کی مانند ہے یا
بندر کی مانند۔ کیونکہ وہ مطلب مماثلت تامہ کا جو اس کے دل میں ہوتا ہو مانند
کہنے سے فوت ہو جاتا ہے اور جس کیفیت کو وہ ادا کرنا چاہتا ہے وہ ان لفظوں
سے ادا نہیں ہو سکتی۔ فتدبر

اُمت احمد نماں دارد و و خدا را در جود مے تواند شد سیحانے تواند شد یہود
زمرہٴ نیشاں ہمہ بدین تال چاہئے تنگ زمرہٴ دیگر بجائے انبیاء وارد قعود
بعض نہایت سادگی سے کہتے ہیں کہ سلاطین کی کتاب میں جو لکھا ہے کہ
ایلیا جسم کے سمیت آسمان پر اُٹھایا گیا تھا تو پھر کیا مسیح ابن مریم کے اُٹھانے
جانے میں کچھ جاتے اشکال ہے تو ان کو واضح ہو کہ درحقیقت ایلیا بھی خاکی جسم کے
ساتھ نہیں اُٹھایا گیا تھا۔ چنانچہ مسیح نے اس کی وفات کی طرف اشارہ کر دیا
جبکہ اس نے یہودیوں کی وہ امید توڑ دی جو وہ اپنی خام خیالی سے باندھے ہوئے
تھے اور کہہ دیا کہ وہ ہرگز نہیں آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر وہ جسم خاکی کے ساتھ
اُٹھایا جاتا تو پھر خاک کی طرف اس کا رجوع کرنا ضروری تھا کیونکہ لکھا ہے کہ خاکی جسم

خاک کی طرف عود کرتا ہے منہا خلقنا کھم و فیہا نعیذکھ کیا ایلیا آسمان
پر ہی فوت ہو گا یا کل من علیہا فلان سے باہر رہے گا۔ اگر سوچ کر دیکھو تو لے لیا
کی چادر کرنے والی وہی اس کا وجود تھا جو اس نے چھوڑ دیا اور نیا چولہا پہن لیا ہے
کیوں نہیں لوگو تمہیں حق کا خیال
ابن مریم مر گیا حق کی قسم
ماتا ہے اُس کو فرقاں سرسبز
وہ نہیں باہر ہلا اموات سے
کوئی مردوں سے کبھی آیا نہیں
عہد شد از کردگار بے چگون
اے عزیزو سوچ کر دیکھو ذرا
یہ تو رہنے کا نہیں پیار و مکمل
ہاں نہیں پاتا کوئی اس سے نجات
کیوں تمہیں انکار پر اصرار ہے
بر خلاف نص یہ کیا جوش ہے
کیوں بنایا ابن مریم کو خدا
کیوں بنایا اس کو با شان کبیر
مر گئے سب پر وہ مرنے سے بچا
ہے وہی اکثر پرندوں کا خدا
مولوی صاحب یہی تو حید ہے
کیا یہی تو حید حق کا راز تھا
کیا بشر میں ہے خدائی کا نشان

دل میں اٹھتا ہے مرے سو سو ابال
داخل جنت ہوا وہ محترم
اس کے مرجانے کی دیتا ہے خبر
ہو گیا ثابت یہ تیس آیات سے
یہ تو فرقاں نے بھی بتلایا نہیں
غور کر در انھم لایو جعون
موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا
جل بے سب انبیاء و راستاں
یو نہی باتیں ہیں بنائیں و اہیات
ہے یہ دیں یا سیرت کفار ہے
سوچ کر دیکھو اگر کچھ ہوش ہے
سنت شد سے وہ کیوں باہر رہا
غیب دان و خالق و حتی و قدیر
اب تلک آئی نہیں اس پر فنا
اس خدا دانی پہ تیرے مرجبا
سچ کہو کس دیو کی تقلید ہے
جس پہ برسوں سے نہیں اک تاز تھا
الاماں ایسے گمماں سے الاماں

۷۶۳ ہے تعجب آپ کے اس جوش پر
کیوں نظر آتا نہیں راہِ صواب
کیا یہی تعلیمِ فرقان ہے بھلا
مومنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
شرک اور بدعت سے ہم بیزاریں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
دسے چکے دل اب تن جناس کی راہ
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
سختِ ثورے اوفتاد اندر زمیں
کچھ نمونہ اپنی قدرت کا دکھا

فہم پر اور عقل پر اور ہوش پر
پر گئے کیسے یہ آنکھوں پر حجاب
کچھ تو آخر چاہیے خوفِ خدا
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشان
دل سے پیر خدام ختم المرسلین
خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
جان و دل اس راہِ پستربان ہے
ہے یہی خواہش کہ ہودہ بھی فدا
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب
رحم کن بر خلق اے جاں آفریں
تجھ کو سب قدرت ہے رب الورا

۷۶۴ بعض مبایعین کا ذکر اور نیز اس سلسلہ کے معاونین کا ذکر اور اسلام کو
یورپ اور امریکہ میں پھیلانے کی اس تجویز

۷۶۵ میں رسالہ فتح اسلام میں کسی قدر لکھ آیا ہوں کہ اسلام کے ضعف اور غربت اور
تمنائی کے وقت میں خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے تا میں ایسے وقت میں
جو اکثر لوگ عقل کی بد استعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلارہے ہیں اور روحانی
امور کے رشتہ مناسبت بالکل کھو بیٹھے ہیں اسلامی تعلیم کی روشنی ظاہر کر دوں۔ میں

یقیناً جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ اسلام اپنا اصلی رنگ نکال لائے گا اور اپنا وہ مکمل ظہر کرے گا جس کی طرف آیت لفظہ علی الدین علیہ میں اشارہ ہے۔ سنت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ خزانہ معارف و دقائق اسی تسرظا ہر کئے جلتے ہیں جس قدر ان کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سو یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جو اس نے ہزار اعلیٰ مفاسد کو ترقی دے کر اور بے شمار معقولی شبہات کو بمنصہ طور لا کر بالسطح اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ ان اوہام و اعتراضات کے رنج دفع کے لئے فرقانی حقائق و معارف کا خزانہ کھولا جائے۔ بے شک یہ بات یقینی طور پر مانی پڑے گی کہ جس قدر حق کے مقابل پر اب معقول پسندوں کے دلوں میں اوہام باطلہ پیدا ہوئے ہیں اور عقلی اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہوا ہے اس کی نظیر کسی زمانہ میں پہلے زمانہ میں سے نہیں پائی جاتی۔ لہذا ابتداء سے اس امر کو بھی کہ ان اعتراضات کا براہین شافیہ و کافیہ سے بحوالہ آیات قرآن مجید بجلی استیصال کر کے تمام ادیان باطلہ پر فوقیت اسلام ظاہر کر دی جائے اسی زمانہ پر چھوڑا گیا تھا کیونکہ کیش از طور مفاسد ان مفاسد کی اصلاح کا تذکرہ محض بے محل تھا۔ اسی وجہ سے حکیم مطلق نے ان حقائق اور معارف کو اپنی کلام پاک میں مخفی رکھا اور کسی پر ظہر نہ کیا جب تک کہ ان کے اظہار کا وقت آگیا۔ ہاں اس وقت کی اس نے پہلے سے اپنی کتاب عزیز میں خبر دے رکھی تھی جو آیت ہوالذی ارسل رسولہ بالہدٰی میں صاف اور کھلے کھلے طور پر مرقوم ہے۔ سواب وہی وقت ہے اور ہر ایک شخص روحانی روشنی کا محتاج ہو رہا ہے سو خدا تعالیٰ نے اس روشنی کو دیکر ایک شخص کو دنیا میں بھیجا وہ کون ہے؟ یہی ہے جو بل رہا ہے۔ رسالۃ اسلام میں یہ امر مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ایسے عظیم اشران کاموں کے لئے قوم کے کے ذی قدرت لوگوں کی امداد ضروری ہوتی ہے اور اس سے زیادہ اور کون سی سخت محصیت ہوگی کہ ساری قوم مددگار رہی ہے کہ اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔

اور وہ باپسیل رہی ہے جو کسی اُنکھ نے پہلے اس سے نہیں دیکھی تھی۔ اس نازک وقت میں ایک شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے اُٹھا اور چاہتا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دنیا پر ظاہر کرے اور اس کی راہیں مغربی ملکوں کی طرف کھولے لیکن قوم اس کی امداد سے دستکش ہے اور سودن اور دنیا پرستی کی راہ سے بنگی قطع تعلقات کر کے چپ چلپ بیٹھی ہے۔ افسوس کہ ہماری قوم میں سے بہتوں نے سودن کی راہ سے ہر ایک شخص کو ایک ہی مددگار اور فریب میں داخل کر دیا ہے اور کوئی ایسا شخص جو روحانی سرگرمی اور دیانتداری کا اظہار کرتا ہو شاید اُن کے نزدیک ممنوع الوجود ہے بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ وہ صرف دنیوی زندگی کی شکروں میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ میں وہ لوگ سخت بے وقوف ہیں جو کبھی آخرت کا بھی نام لیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ دین سے بھی کچھ دلچسپی رکھتے ہیں۔ مگر صرف بیرونی صورت اور مذہب کی بے اصل باتوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ نبیوں کی تعلیم کا اعلیٰ مقصد کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے جس سے ہم اپنے مولیٰ کی دائمی رضامندی میں داخل ہو جائیں۔

میرے پیارے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے سچا جوش آپ لوگوں کی ہمدردی کے لئے بخشا ہے اور ایک سچی معرفت آپ صاحبوں کی زیادت ایمان و عرفان کے لئے مجھے عطا کی گئی ہے اس معرفت کی آپ کو اور آپ کی ذریت کو نہایت ضرورت ہے۔ سو میں اس لئے مستعد کھڑا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اموال طیبہ سے اپنے دینی مہمات کے لئے مدد دیں اور ہر ایک شخص جہاں تک خدا تعالیٰ نے اس کو وسعت و طاقت و مقدرت دی ہے اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ اور رسول سے اپنے اموال کو مقدم نہ سمجھے اور پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ تالیفات کے ذریعہ سے اُن علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں۔ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ امریکا اور یورپ میں

تعلیم اسلام پھیلانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے کیا یہ مناسب ہے کہ بعض انگریزی خاں مسلمانوں میں سے یورپ اور امریکہ میں جائیں اور وعظ اور منادی کے ذریعہ سے مقاصد اسلام اُن لوگوں پر ظہر کریں۔ لیکن میں عموماً اس کا جواب ہاں کے ساتھ کبھی نہیں دوں گا۔ میں ہرگز مناسب نہیں جانتا کہ ایسے لوگ جو اسلامی تعلیم سے پورے طور پر واقف نہیں اور اس کی اعلیٰ درجہ کی خوبوں سے بکلی بے خبر اور نیز زمانہ حال کی نکتہ جینیوں کے جوابات پر کامل طور پر حلوی نہیں ہیں اور نہ روح القدس سے تعلیم پانے والے ہیں وہ ہماری طرف سے دکیل ہو کر جائیں۔ میرے خیال میں ایسی کارروائی کا ضرر اس کے نفع سے اقرب اور اسرع الوقوع ہے اَلَا مَاشَاءُ اللہ۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کرنے کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ جینی کا رکھتا ہے۔ میں نے دریافت کیا ہے کہ تین ہزار کے قریب حال کے زمانہ نے وہ مخالفانہ باتیں پیدا کی ہیں جو اسلام کی نسبت بصورت اعتراض سمجھی گئی ہیں حالانکہ اگر مسلمانوں کی لاپرواہی کوئی بد نتیجہ پیدا نہ کرے تو ان اعتراضات کا پیدا ہونا اسلام کے لئے کچھ خوف کا مقام نہیں۔ بلکہ ضرورت تھا کہ وہ پیدا ہوتے۔ تا اسلام اپنے ہر ایک پہلو سے چمکتا ہوا نظر آتا ہے لیکن ان اعتراضات کا کافی جواب دینے کے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو جس کے معلومات کو خدایتحائے کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کام ان لوگوں سے کب ہو سکتا ہے جن کی سماجی طور پر بھی نظر محیط نہیں اور ایسے سفیر اگر یورپ اور امریکہ میں جائیں تو کس کام کو انجام دیں گے اور مشکلات پیش کردہ کا کیا حل کریں گے۔ اور ممکن ہے کہ اُن کے جاہلانہ جوابات کا اثر معکوس ہو جس سے وہ تھوڑا سا دلولہ اور شوق بھی محال میں امریکہ اور یورپ کے بعض منصف دلوں میں

پیدا ہوا ہے جاتا رہے اور ایک بھاری شکست اور ناسحق کی سبکی اور ناکامی کے ساتھ واپس ہوں۔ سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان غظلوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کر کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ ہی میں داخل ہے۔ ہاں اس قدر میں پسند کرتا ہوں کہ ان کتابوں کے تقسیم کرنے کے لئے یا ان لوگوں کے خیالات اور اعتراضات کو ہم تک پہنچانے کی غرض سے چند آدمی ان ملکوں میں بھیجے جائیں جو امامت اور مولویت کا دعویٰ نہ کریں بلکہ ظاہر کر دیں کہ ہم اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ تا کتابوں کو تقسیم کریں اور اپنے معلومات کی حد تک سمجھاویں اور مشکلات اور مباحث دقیقہ کا حل ان اماموں سے چاہیں جو اس کام کے لئے ملک ہند میں موجود ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام میں اس قدر صداقت کی روشنی چمک رہی ہے اور اس قدر اس کی سچائی پر نورانی دلائل موجود ہیں کہ اگر وہ اہل تحقیق کے زیر توجہ لائی جاویں تو یقیناً وہ ہر یک سلیم العقل کے دل میں گھر کر جا دیں۔ لیکن افسوس کہ ابھی وہ دلائل اندرونی طور پر بھی اپنی قوم میں شائع نہیں چہ جائیکہ مخالفوں کے مختلف فرقوں میں شائع ہوں۔ سو انہیں براہین اور دلائل اور حقائق اور معارف کے شائع کرنے کے لئے قوم کی مالی امداد کی حاجت ہے کیا قوم میں کوئی ہے جو اس بات کو سنے؟ جب سے میں نے رسالہ فتح اسلام کو تالیف کیا ہے ہمیشہ میرا اسی طرف خیال لگا رہا کہ میری اس تجویز کے موافق جو میں نے دینی چندہ کے لئے رسالہ مذکور میں لکھی ہے دلوں میں حرکت پیدا ہوگی۔ اسی خیال سے میں نے چار سو کے قریب

وہ رسالہ مفت بھی تقسیم کر دیا۔ تالوگ اس کو پڑھیں اور اپنے پیارے دین کی امداد کے لئے اپنے گزشتہ گزشتہ مالوں میں سے کچھ حق مقرر کریں مگر افسوس کہ بجز چند میرے مخلصوں کے جن کا ذکر میں عنقریب کر دوں گا کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ میں حیران ہوں کہ کن الفاظ کو استعمال کر دیں تا میری قوم پر وہ موثر ہوں۔ میں سوچا ہوں کہ وہ کون سی نصیر رہے جس سے وہ میرے غم سے بھرے ہوئے دل کی کیفیت سمجھ سکیں۔ اے قادر خدا ان کے دلوں میں آپ الہام کر اور غفلت اور بدظنی کی رنگ آمیزی سے ان کو باہر نکال اور حق کی روشنی دکھلا۔

پیار و یقیناً سمجھو کہ خدا ہے اور وہ اپنے دین کو فراخوش نہیں کرتا بلکہ تادیبی کے زمانہ میں اس کی مدد فرماتا ہے مصلحت عام کے لئے ایک کو خاص کر لیتا ہے اور اس پر علوم لدنیہ کے انوار نازل کرتا ہے۔ سو اسی نے مجھے جگایا اور سچائی کے لئے میرا دل کھول دیا۔ میسر ہی روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اسی کام میں لگا رہوں بلکہ میں اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا کہ میں اس کا اور اس کے رسول کا اور اس کی کلام کا جملہ خطا ہر کر دوں مجھے کسی کی تکفیر کا اندیشہ نہیں اور نہ کچھ پرہیز میرے لئے یہ بس ہے کہ وہ راضی ہو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ ہاں میں اس میں لذت دیکھتا ہوں کہ جو کچھ اس نے مجھ پر ظاہر کیا وہ میں سب لوگوں پر ظاہر کر دوں اور یہ میرا فرض بھی ہے کہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ دوسروں کو بھی دوں۔ اور دعوت مولیٰ میں ان سب کو شریک کر لوں جو ازل سے بلائے گئے ہیں۔ میں اس مطلب کے پورا کرنے کے لئے قرینہاسب کچھ کر نیسکے لئے مستعد ہوں اور جانفشانی کے لئے راہ پر کھڑا ہوں۔ لیکن جو امر میرے اختیار میں نہیں میں خداوند قدیر سے چاہتا ہوں کہ وہ آپ اسکو انجام دیوے۔ میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ایک دست غیبی مجھے مدد دے رہا ہے۔ اور اگرچہ میں تمام فانی انسانوں کی طرح ناتواں اور ضعیف البنیان ہوں تاہم میں دیکھتا ہوں کہ مجھے غیبی قوت ملتی ہے

اور نفسانی تعلق کو دبانے والا ایک صبر بھی عطا ہوتا ہے اور میں جو کتا ہوں کہ ان الہی کاموں میں قوم کے ہمدرد مدد کریں وہ بے صبری سے نہیں بلکہ صرف ظاہر کے لحاظ اور اسباب کی رعایت سے کتا ہوں۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے فضل پر میرا دل مطمئن ہے اور امید رکھتا ہوں کہ وہ میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا اور میرے تمام ارادے اور امیدیں پوری کر دے گا۔ اب میں ان مخلصوں کا نام لکھتا ہوں جنہوں نے حتی الوسع میرے ہمتی کاموں میں مدد دی یا جن پر مدد کی امید ہے یا جن کو اسبابِ ميسر آنے پر تیار دیکھتا ہوں۔

(۱) جتنی فی اللہ مولوی حکیم نور دین صاحب بھیروی۔ مولوی صاحب ممدوح کا حال کسی قدر رسالہ فتح اسلام میں لکھ آیا ہوں۔ لیکن ان کی تازہ ہمدردیوں نے مجھے اس وقت ذکر کرنے کا موقع دیا۔ ان کے مال سے جس قدر مجھے مدد پہنچی ہے میں کوئی ایسی نظیر نہیں دیکھتا جو اس کے مقابل پر بیان کر سکوں۔ میں نے انکو طبی طور پر اور نہایت انشراح صدر سے دینی خدمتوں میں جان نثار پایا۔ اگرچہ ان کی روزمرہ زندگی اسی راہ میں وقف ہے کہ وہ ہر ایک پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کے سچے خادم ہیں مگر اس سلسلہ کے نامرین میں سے وہ اہل درجہ کے نکلے۔ مولوی صاحب موصوف اگرچہ اپنی فیاضی کی وجہ سے اس مصرعہ کے مصداق ہیں کہ قرار در کف آزاد گاہ نگیر و مال لیکن پھر بھی انہوں نے بارہ السورہ و پیہ نقد متفرق حاجتوں کے وقت اس سلسلہ کی تائید میں دیا۔ اور اب سنیس روپے ماہواری دینا اپنے نفس پر واجب کر دیا اور ان کے سوا اور بھی ان کی مالی خدمات ہیں جو طرح طرح کے رنگوں میں ان کا سلسلہ جاری ہو میں یقیناً دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ نسبت پیدا نہ ہو جو محب کو اپنے محبوب سے ہوتی ہے تب تک ایسا انشراح صدر کسی میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنے قوی ہاتھ سے اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور طاقت بالائے عارق عادت ان پر کیا ہے۔

انہوں نے ایسے وقت میں بلا تردد مجھے قبول کیا کہ جب ہر طرف سے تکفیر کی صداؤں بلند ہونے کو تھیں اور ہتیروں نے باوجود بیعت کے عہد بیعت فسخ کر دیا تھا اور ہتیر سے سست اور متذبذب ہو گئے تھے۔ تب سب سے پہلے مولوی صاحب ممدوح کا ہی خط اس عاجز کے اس دعویٰ کی تصدیق میں کہ میں ابھی مسیح موعود ہوں قادیان میں میرے پاس پہنچا جس میں یہ فقرات درج تھے۔ امانا و صدقنا فاعجبنا مع الشہدین مولوی صاحب موصوف کے اعتقاد اور اعلیٰ درجہ کی قوت ایمانی کا ایک یہ بھی نمونہ ہے کہ ریاست جموں کے ایک جلسہ میں مولوی صاحب کا ایک ڈاکٹر صاحب سے جن کا نام جگن ناتھ ہے اس عاجز کی نسبت کچھ تذکرہ ہو کر مولوی صاحب نے بڑی قوت اور استقامت سے یہ دعویٰ پیش کیا کہ خدا تعالیٰ ان کے یعنی اس عاجز کے ہاتھ پر کوئی آسمانی نشان دکھلانے پر قادر ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے انکار پر مولوی صاحب نے ریاست کے بڑے بڑے ارکان کی مجلس میں یہ شرط قبول کی کہ اگر وہ یعنی یہ عاجز کسی مدت مسلمہ فریقین پر کوئی آسمانی نشان دکھلا نہ سکے تو مولوی صاحب ڈاکٹر صاحب کو پانچ ہزار روپیہ بطور جرمانہ دیں گے اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے یہ شرط ہوئی کہ اگر انہوں نے کوئی نشان دیکھ لیا تو بلا توقف مسلمان ہو جائیں گے اور ان تحریری اقراروں پر مندرجہ ذیل گواہیاں ثبت ہوئیں۔

خلان بہادر جنرل ممبر کونسل ریاست جموں غلام محی الدین خاں

سراج الدین احمد سپرنٹنڈنٹ و افسر ڈاکٹر انجمن ریاست جموں

سیرکار سنگھ سیکریٹری راجا مرٹھ صاحب بہادر پریذیڈنٹ کونسل

مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب ناقابل قبول اعجازی صورتوں کو پیش کر کے ایک حکمت عملی سے گریز کر گئے۔ چنانچہ انہوں نے ایک آسمانی نشان یہ مانگا کہ کوئی مراٹھا

پر مدد زندہ کر دیا جائے حالانکہ وہ خوب جانتے ہوں گے کہ ہمارے اصولوں سے یہ مخالف ہے۔ ہمارا یہی اصول ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی علوت نہیں اور وہ آپ فرماتا ہے حَوَامٌّ عَلَى قَرِيْبَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ یعنی ہم نے یہ واجب کر دیا ہے کہ جو مر گئے پھر وہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ کہا تھا کہ آسمانی نشان کی اپنی طرف سے کوئی تعین ضروری نہیں بلکہ جو امر انسانی طاقتوں سے بالاتر ثابت ہو خواہ وہ کوئی امر ہو اسی کو آسمانی نشان سمجھ لینا چاہیے۔ اور اگر اس میں شک ہو تو بالمقابل ایسا ہی کوئی دوسرا امر دکھلا کر یہ ثبوت دینا چاہیے کہ وہ امر الہی قدرتوں سے مخصوص نہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اس سے کنارہ کر گئے اور مولوی صاحب نے وہ صدق قدم دکھلایا جو مولوی صاحب کی عظمت ایمان پر ایک محکم دلیل ہے۔ حل میں از بس آرزو ہے کہ اور لوگ بھی مولوی صاحب کے نمونہ پر چلیں۔ مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا ایک نمونہ ہیں۔ جزاء ہم اللہ خیرہ العز و احسن الہم فی الدنیا والبعثی۔

(۲) جتنی فی اللہ حکیم فضلہ بن صاحب بھیروی حکیم صاحب انجم مولوی حکیم نور دین صاحب کے دوستوں میں سے اور ان کے رنگ اخلاق سے رنگین اور بہت با اخلاص آدمی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ان کو اللہ اور رسول سے سچی محبت ہے اور اسی وجہ سے وہ اس عاجز کو خادم دین دیکھ کر حب و عشق کی شرط کو بجالا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دین اسلام کی حقانیت کو بھیلانے میں اسی عشق کا وافر حصہ طلب ہے جو تقسیم ازلی سے میرے پیارے بھائی مولوی حکیم نور دین صاحب کو دیا گیا ہے۔ وہ اس سلسلہ کے دینی اخراجات کو بنظر غور دیکھ کر ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ چند روکی صورت پر کوئی ان کا احسن انتظام ہو جائے۔ چنانچہ رسالہ فتح اسلام میں جس میں مصارف دینیہ کی بیخ شاخوں کا بیان ہے انہیں کی تحریک اور مشورہ سے لکھا گیا تھا۔ اچھی

فراست نہایت صحیح ہے وہ بات کی تہ تک پہنچتے ہیں اور اُن کا خیال ظنونِ فاسد سے مصفیٰ اور مزنی ہے۔ رسالہ ازالہ اوہام کے طبع کے ایام میں دو سو روپیہ اُن کی طرف سے پہنچا اور اُن کے گھر کے آدمی بھی اُن کے اس اخلاص سے متاثر ہیں اور وہ بھی اپنے کئی زیورات اس راہ میں محض شہ خرچ کر چکے ہیں۔ حکیم صاحب موصوف نے باوجود ان سب خدمات کے جو اُن کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں خاص طور پر بیچ روپے باہواری اس سلسلہ کی تائید میں دینا مقرر کیا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء و احسن الہیم فی الدنیا و الاٰخری۔

(۳) جی فی اللہ مولوی عبدالکَریم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی صاحب اس عاجز کے یکرنگ دوست ہیں اور مجھ سے ایک سچی اور زندہ محبت رکھتے ہیں اور اپنے اوقات عزیز کا اکثر حصہ انہوں نے تائید دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اُن کے بیان میں ایک اثر ڈالنے والا ہوش ہے۔ اخلاص کی برکت اور نورانیت اُن کے چہرہ سرِ ظاہر ہے میری تسلیم کی اکثر باتوں سے وہ متفق الراء ہیں مگر خیال میں ہے کہ شاید بعض سے نہیں۔ لیکن انھیں مولوی عظیم نور دین صاحب کے انوارِ صحبت نے بہت سا نورانی اثر اُن کے دل پر ڈالا ہے اور نیچریت کی اکثر خشک باتوں سے وہ بیزار ہوتے جاتے ہیں۔ اور درحقیقت میں بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ الہی کتاب کے واقعی اور سچے منشاء کے مخالف نیچر کے ایسے تالچ ہو جائیں کہ گویا کامل ہادی ہمارا وہی ہے۔ میں ایسے حصہ نیچریت کو قبول کرتا ہوں جس کو میں دیکھتا ہوں کہ میرے مولیٰ اور ہادی نے اپنی کتاب قرآن کریم میں اس کو قبول کر لیا ہے اور سنت اللہ کے نام سے اس کو یاد کیا ہے۔ میں اپنے خداوند کو کامل طور پر قادر مطلق سمجھتا ہوں اور اسی بات پر ایمان لا چکا ہوں کہ وہ جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے اور اسی ایمان کی برکت سے میری معرفت زیادت میں ہے اور محبت ترقی میں۔ مجھے بچوں کا ایمان پسند آتا ہے اور فلسفیوں کے بودے ایمان سے میں متنفر ہوں مجھے یقین ہے کہ مولوی صاحب اپنی محبت کے پاک جذبات کی وجہ سے

اور بھی ہمرنگی میں ترقی کریں گے اور اپنے بعض معلومات میں نظر ثانی فرمائیں گے۔

(۴) جی فی اللہ مولوی غلام قادر صاحب فصیح جوان صلح خوش شکل اور اس عاجز کی بیعت میں داخل ہیں۔ باہمت اور ہمدرد اسلام ہیں۔ قول فصیح جو مولوی عبدالکیم صاحب کی تالیف ہے اسی مراد باہمت نے اپنے مصارف کے چھاپی اور مفت تقسیم کی۔ قوت بیانی نئی طرز کے موافق امت عمدہ رکھتے ہیں۔ اب ایک ماہواری رسالہ انکی طرف سے لکھنے والا ہے جس کا نام الحق ہوگا۔ یہ رسالہ محض اس غرض سے جاری کیا جائے گا کہ تم اس میں وقتاً فوقتاً ان مخالفوں کا جواب دیا جائے جو دین اسلام پر حملہ کرتے ہیں خدا تعالیٰ اس کام میں ان کی مدد کرے۔

(۵) سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی۔ یہ سید صاحب محب صادق اور اس عاجز کے ایک نہایت مخلص دوست کے بیٹے ہیں جس قدر خدا تعالیٰ نے شعر و سخن میں ان کو قوت بیان دی ہے وہ رسالہ قول فصیح کے دیکھنے سے ظاہر ہوگی۔ میر حامد شاہ کے بشرہ سے علامات صدق و اخلاص و محبت ظاہر ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اسلام کی تائید میں اپنی نظم و نشر سے عمدہ عمدہ خدمتیں بجالائیں گے۔ ان کا ہوش سے بھرا ہوا اخلاص اور ان کی محبت صافی جس حد تک مجھے معلوم ہوتی ہے۔ میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ وہ میرے پرانے دوست میر سہام الدین صاحب رئیس سیالکوٹ کے خلف رشید ہیں۔

(۶) جی فی اللہ مولوی سید محمد آسن صاحب امروہی، متتم مصارف ریاست بھوپال۔ مولوی صاحب موصوف اس عاجز کے کمال درجہ کا اخلاص و محبت اور تعلق روحانی رکھتے ہیں۔ ان کی تالیف کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ لیاقت کے آدمی اور علوم عربیہ میں فاضل ہیں بالخصوص علم حدیث میں ان کی نظر بہت محیط اور عمیق معلوم ہوتی ہے۔ حال میں انہوں نے ایک رسالہ اعلیٰ الناس

اس عاجز کے تائید و دعویٰ میں بحال متانت و خوش اسلوبی دکھائی دے جس کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ مولوی صاحب موصوف علوم دینیہ میں کس قدر محقق اور سچ نظر اور مدق آدمی ہیں انہوں نے نہایت تحقیق اور خوش بیانی سے اپنے رسالہ میں کئی قسم کے معارف بھر دیے ہیں۔ ناظرین اس کو ضرور دیکھیں۔

(۶) جتنی فی اللہ مولوی عبدالغنی صاحب محروف مولوی غلام نبی خوشابی دقیق فہم اور حقیقت شناس ہیں اور علوم عربیہ تازہ بہ تازہ ان کے سینہ میں موجود ہیں اوائل میں مولوی صاحب موصوف سخت مخالف نظر لائے تھے۔ جب ان کو اس بات کی خبر پہنچی کہ یہ عاجز مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور سچ ابن مریم کی نسبت وفات کا قائل ہے تب مولوی صاحب میں پورے خیالات کے جذبہ سے ایک جوش پیدا ہوا اور ایک عام اشتہار دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد اس شخص کے رد میں ہم وعظ کریں گے۔ شہر لودھیانہ کے صدر آدمی وعظ کے وقت موجود ہو گئے تب مولوی صاحب اپنے علمی زور سے بخاری اور مسلم کی حدیثیں بارش کی طرح لوگوں پر برسانے لگے اور صحاح ستہ کا نقشہ پُرانی لکیر کے موافق آگے رکھ دیا۔ ان کے وعظ سے سخت جوش مخالفت کا تمام شہر میں پھیل گیا۔ کیونکہ ان کی علمیت اور فضیلت و لہل میں مسلم تھی لیکن آخر محاورت ان کی کشاں کشاں ان کو اس عاجز کے پاس لے آئی اور مخالفانہ خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ اب ان کے پرانے دوست ان سے سخت ناراض ہیں۔ مگر وہ نہایت استقامت کے اس شعر کے مضمون کا ورد کر رہے ہیں ۵

حضرت ناصح جاوید دیدہ وطن فرس راہ پیر کوئی کچھ کو تو تسبیح و تہجد کہ سمجھائیں گے کیا
(۸) جتنی فی اللہ نواب محمد علی خان صاحب حبیب خاندان ریاست یلیر کوٹہ یہ
نواب صاحب ایک معزز خاندان کے نامی رئیس ہیں۔ مورث اعلیٰ نواب صاحب موصوف کے شیخ صدر جمال ایک باخدا بزرگ تھے جو اہل باشنندہ جلال آباد و سرائی قوم کے

پٹھان تھے ۱۶۹۹ء میں عہد سلطنت بہلول لودھی میں اپنے وطن سے اس ملک میں آئے
 شاہ وقت کا اُن پر اس قدر اعتقاد ہو گیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح شیخ مومون سے کر دیا۔
 اور چند گاؤں جاگیر میں دے دیئے۔ چنانچہ ایک گاؤں کی جگہ میں یہ قصبہ شیخ صاحب نے
 آباد کیا جس کا نام مالیر ہے۔ شیخ صاحب کے پوتے بایزید خاں نامی نے مالیر کے متصل
 قصبہ کوٹہ کو تقریباً ۱۷۵۰ء میں آباد کیا۔ جس کے نام سے اب یہ ریاست مشہور ہے۔
 بایزید خاں کے پانچ بیٹوں میں سے ایک کا نام فیروز خان تھا اور فیروز خان کے بیٹے
 کا نام شیر محمد خاں اور شیر محمد خاں کے بیٹے کا نام جمال خان تھا جمال خان کے پانچ بیٹے تھے۔
 مگر ان میں سے صرف دو بیٹے تھے جن کی نسل باقی رہی یعنی بہادر خاں اور عطاء اللہ خاں۔
 بہادر خاں کی نسل میں شے یہ جوان صالح خلف رشید نواب غلام محمد جمال صاحب جو
 ہے جس کا عنوان میں ہم نے نام لکھا ہے خدا تعالیٰ اس کو ایمانی امور میں بہادر کرے
 اور اپنے جد شیخ بزرگوار صدر جہان کے رنگ میں لاوے سردار محمد علی خاں صاحب
 نے گورنمنٹ برطانیہ کی توجہ اور مہربانی سے ایک شائستگی بخش تعلیم پائی جس کا اثر
 اُن کے دماغی اور دلی قومی پر نمایاں ہے۔ اُن کی خدا داد فطرت بہت تسلیم اور معتدل ہے
 اور باوجود عین شباب کے کسی قسم کی حدت اور تیزی اور جذبات نفسانی اُن کے
 نزدیک آئی معلوم نہیں ہوتی۔ میں قادیان میں جب وہ ملنے کے لئے آئے تھے اور کئی
 دن رہے پوشیدہ نظر سے دیکھتا رہا ہوں کہ التزام اوائے نماز میں اُن کو خوب اہتمام
 ہے اور صلیب کی طرح توجہ اور شوق سے نماز پڑھتے ہیں اور منکرات اور مکروہات سے بکلی
 مجتنب ہیں۔ مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صلح بیٹا ہو کہ باوجود
 بہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور حیاشی کے اپنے عنفوان جوانی میں ایسا
 پرہیزگار ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بتوفیقہ تعالیٰ خود اپنی اصلاح پر زور
 دے کر رئیسوں کے بے جا طریقوں اور چلنوں سے نفرت پیدا کر لی ہے اور نہ صرف

اسی قدر بلکہ جو کچھ ناجائز خیالات اور اوہام اور بے اصل بدعات شیعہ مذہب میں
 ملائی گئی ہیں اور جس قدر تہذیب اور صلاحیت اور پاک باطنی کے مخالف ان کا
 عملدرآمد ہے ان سب باتوں سے بھی اپنے نور قلب سے فیصلہ کر کے انہوں نے
 علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ وہ اپنے ایک خط میں مجھ کو لکھتے ہیں کہ ابتداء میں گو
 میں آپ کی نسبت نیک ظن ہی تھا لیکن صرف اس قدر کہ آپ اور علماء اور مشائخ ظاہری
 کی طرح مسلمانوں کے تفرقہ کے مؤید نہیں ہیں۔ بلکہ مخالفان اسلام کے مقابل پڑھو
 ہیں۔ مگر الہامات کے بارے میں مجھ کو نہ اقرار تھا اور نہ انکار۔ پھر جب میں مٹھی
 سے بہت تنگ آیا اور اُن پر غالب نہ ہو سکا تو میں نے سوچا کہ آپ نے بڑے مجھے
 کئے ہیں یہ سب بھوٹے نہیں ہو سکتے۔ تب میں نے بطور آزمائش آپ کی طرف
 خط و کتابت شروع کی جس سے مجھ کو تسکین ہوتی رہی اور جب قریباً اگست میں
 آپ سے لودیا نہ ملنے گیا تو اُس وقت میری تسکین خوب ہو گئی اور آپ کو ایک
 با خدا بزرگ پایا اور بقیہ شکوک کا پھر بعد کی خط و کتابت میں میرے دل کی کئی دھویا
 گیا۔ اور جب مجھے یہ اطمینان دی گئی کہ ایک ایسا شیعہ جو غلفائے ثلاثہ کی کسر شان
 نہ کرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو سکتا ہے تب میں نے آپ سے بیعت کر لی۔
 اب میں اپنے آپ کو نسبتاً بہت اچھا پاتا ہوں۔ اور آپ گواہ رہیں کہ میں نے تمام
 گناہوں سے آئندہ کھلے قوبہ کی ہے۔ مجھ کو آپ کے اخلاق اور طرز معاشرت
 سے کافی اطمینان ہے کہ آپ ایک سچے مجدد اور دنیا کے لئے رحمت ہیں۔

(۹) جی فی اللہ میرے عباس علی لودیا لومی۔ یہ میرے وہ اقل دوست ہیں
 جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جو سب سے پہلے
 تکلیف سفر اٹھا کر ابرارِ اخیر کی سنت پر بقدم تجرید محض شد قادیان میں میرے
 ملنے کے لئے آئے وہ یہی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ بڑے

سچے جوشوں کے ساتھ انہوں نے وفاداری دکھلائی اور میرے لئے ہر ایک قسم کی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کے مُنہ سے ہر ایک قسم کی باتیں سنیں۔ میرا صاحب نہایت عمدہ حالات کے آدمی اور اس عاجز سے روحانی تعلق رکھنے والے ہیں اور اُن کے مرتبہ اخلاص کے ثابت کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو اُن کے حق میں الہام ہوا تھا اَصْلُہ ثابت و خرعہ فی السَّماء۔ وہ اس مسافر خانہ میں محض متوکلانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنے اوائل ایام میں وہ بیس برس تک انگریزی دفتر میں سرکاری ملازم رہے مگر باعث غربت و درویشی کے اُن کے چہرہ پر نظر ڈالنے سے ہرگز خیال نہیں آتا کہ وہ انگریزی خواں بھی ہیں۔ لیکن دراصل وہ بڑے لائق اور ستقیم الاحوال اور دقیق الفہم ہیں مگر بااینہما سادہ بہت ہیں۔ اسی وجہ سے بعض مہووسین کے وساوس اُن کے دل کو غم میں ڈال دیتے ہیں لیکن انکی قوت ایمانی جلد انکو دفع کر دیتی ہے۔

(۱۰) جتنی فی اللہ منشی احمد جان صاحب مرحوم۔ اس وقت ایک نہایت غم سے بھرے دل کے ساتھ یہ پُر درد قصہ مجھے لکھنا پڑا۔ کہ اب یہ ہمارا پیارا دوست اس عالم میں موجود نہیں ہے اور خداوند کریم و رحیم نے بہشت بریں کی طرف بلا لیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ وَاِنَّا بِفِہِ لَمَحْزُونُونَ۔ حاجی صاحب مغفور مرحوم ایک جماعت کثیر کے پیشوا تھے اور اُن کے مریدوں میں آثارِ رشد و سعادت و اتباعِ سنت نمایاں ہیں۔ اگرچہ حضرت موصوف اس عاجز کے شروع سلسلہ بیعت سے پہلے ہی وفات پا چکے لیکن یہ امر اُن کے خوارق میں سو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بیت اللہ کے قصد سے چند روز پہلے اس عاجز کو ایک خط ایسے انگسار سے لکھا جس میں انہوں نے درحقیقت اپنے تئیں اپنے دل میں سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا چنانچہ انہوں نے اس میں سیرۃ صالحین پر اپنا توبہ کا اظہار کیا اور اپنی مغفرت کے لئے دعا چاہی اور لکھا کہ میں تپ کی لہری ربط کے زیر سایہ اپنے تئیں سمجھتا ہوں اور پھر لکھا کہ میری زندگی کا

نہایت عمدہ حصہ یہی ہے کہ میں آپ کی جماعت میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور پھر کسر نفسی کے طور پر اپنے گزشتہ ایام کا شکوہ لکھا اور بہت سے رقت آمیز ایسے کلمات لکھے جن سے رونا آتا تھا۔ اس دوست کا وہ آخری خط جو ایک دردناک بیان سے بھرا ہے اب تک موجود ہے مگر افسوس کہ حج بیت اللہ سے واپس آتے وقت پھر اس مخدوم پر بیماری کا ایسا غلبہ طاری ہوا کہ اس دورافتادہ کو ملاقات کا اتفاق نہ ہوا بلکہ چند روز کے بعد ہی وفات کی خبر سنی گئی اور خبر سننے ہی ایک جماعت کے ساتھ قادریان میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ حاجی صاحب مرحوم اظہارِ حق میں بہادر آدمی تھے۔ بعض ناقص لوگوں نے حاجی صاحب موصوف کو اس عاجز کے ساتھ تعلق ارادت رکھنے سے منع کیا کہ اس میں آپ کی کسر شان ہے لیکن انہوں نے فرمایا کہ مجھے کسی شان کی پرواہ نہیں اور نہ مریدوں کی حاجت۔ آپ کا صاحبزادہ کلاں حاجی افتخار احمد صاحب آپ کے قدم پر اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اور آثارِ رشد و اصلاح و تقویٰ اُن کے چہرے پر ظاہر ہیں۔ وہ باوجود متوکلانہ گذارہ کے اول درجہ کی خدمت کرتے ہیں اور دل و جان کے ساتھ اس راہ میں حاضر ہیں خدا تعالیٰ ان کو ظاہری اور باطنی برکتوں سے متمتع کرے۔

(۱۱) جتنی فی اللہ قاضی خواجہ علی صاحب قاضی صاحب موصوف اس عاجز کے ایک منتخب دوستوں میں سے ہیں۔ محبت و خلوص و وفا و صدق و صفا کے آثار اُن کے چہرہ پر نمایاں ہیں۔ خدمت گزاری میں ہر وقت کھڑے ہیں۔ وہ اُن اولین و سابقین میں سے ہیں جن میں انویم میر عباس علی صاحب ہیں۔ وہ ہمیشہ خدمت میں لگے رہتے ہیں اور ایام سکونت لودھیان میں جو چھ ماہ تک بھی اتفاق ہو تا ہے ایک بلا صحر ہما نداری کا خوشی کے ساتھ وہ اپنے ذمے لیتے ہیں اور جہاں تک اُن کے قبضہ قدرت میں ہے سوہ ہمسردی اور خدمت اور ہر ایک قسم کی غمخواری میں کسی بات کو فرق

نہیں کرتے۔ اور اگرچہ وہ پہلے ہی سے مخلص باصفائیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ زیادہ تر قریب کھینچے گئے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ حقانیت کی روشنی ایک بے غرضانہ خلوص اور قلبی محبت میں دم بدم اُن کو ترقی دے رہی ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان ترقیات کی وجہ سے اپنے حسن ظن کے حالات میں زیادہ سے زیادہ پاکیزگی حاصل کرتے جاتے ہیں اور روحانی کمزوری پر غالب ہوتے جاتے ہیں میسر اہل انکی نسبت یہ بھی شہادت دیتا ہے کہ وہ ذہنی طور سے ایک صحیح اور باریک فراست رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل نے اس عاجز کی روحانی شناسائی کا بھی ایک قابل قدر حصہ انہیں بخشا ہے اور آداب ارادت میں وہ صفائی حاصل کرتے جاتے ہیں اور قلت اعتراض اور حسن ظن کی طرف ان کا تہدم بڑھتا جاتا ہے اور میری دانست میں وہ ان مراحل کو طے کر چکے ہیں جن میں کسی خطرناک لغزش کا اندیشہ ہے۔

۴۹۵

(۱۲) جی بی فی اللہ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب سامانوی۔ مرزا صاحب مرزا عظیم بیگ صاحب مرحوم کے حقیقی بھائی ہیں جن کا حال رسالہ فتح اسلام میں لکھا گیا ہے اور وہ تمام الفاظ اخلاص کے جو میں نے انویم مرزا عظیم بیگ صاحب مغفور و مرحوم کے بارے میں فتح اسلام میں لکھے ہیں اُن سب کا مصداق میرزا محمد یوسف بیگ صاحب بھی ہیں۔ ان دونوں بزرگوار بھائیوں کی نسبت میں ہمیشہ حیران رہا کہ اخلاق اور محبت کے میدانوں میں زیادہ کس کو قرار دوں۔ میرزا صاحب موصوف ایک اعلیٰ درجہ کی محبت اور اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور اعلیٰ درجہ کا حسن ظن اس عاجز سے رکھتے ہیں جو میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ میں اُن کے خلوص کے مراتب بیان کر سکوں یہ کافی ہے کہ اشارہ کے طور پر میں اسی قدر کہوں کہ ہو در جل یجتنبنا و غبہ و نسل اللہ خیرہ فی الدنیا و الاخرۃ۔ میرزا صاحب نے اپنی زبان اپنا مال اپنی عزت اس قلبی محبت میں وقف کر رکھی ہے اور اُن کا مریدانہ اور محبتانہ اعتقاد اس حد تک

بڑھا ہوا ہے کہ آپ ترقی کے لئے کوئی مرتبہ باقی نہیں معلوم ہوتا۔ وذاک فضل اللہ یؤتیه من یشاء

(۱۳) جتنی فی اللہ میاں عبداللہ سنوری۔ یہ جوان صلح اپنی فطرتی مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھینچا گیا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اُن وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلا و جنبش نہیں لاسکتا۔ وہ متفرق وقتوں میں دو دو تین تین ماہ تک بلکہ زیادہ بھی میری صحبت میں رہا اور میں ہمیشہ بنظر احسان اس کی اندرونی حالت پر نظر ڈالتا رہا ہوں سو میری فراست نے اس کی تہ تک پہنچنے سے جو کچھ معلوم کیا وہ یہ ہے کہ یہ نوجوان درحقیقت اللہ اور رسول کی محبت میں ایک خاص بخش رکھتا ہے۔ اور میرے ساتھ اس کے اس قدر تعلق محبت کے بجز اس بات کے اور کوئی بھی وجہ نہیں جو اس کے دل میں یقین ہو گیا ہے کہ شیعہ محبان خدا اور رسول میں سے ہے۔ اور اس بھان نے بعض خوارق اور آسمانی نشان جو اس عاجز کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے بحشم خود دیکھے ہیں جن کی وجہ سے اس کے ایمان کو بہت فائدہ پہنچا۔ الخضر میاں عبداللہ نہایت عمدہ آدمی اور میرے منتخب محبوبوں میں سے ہے اور یاد ہو دھوڑے سے گزارہ ملازمت پوار کے ہمیشہ حسب مقدرت اپنی مالی خدمت میں بھی حاضر ہے اور اب بھی بارہ روپیہ سالانہ چندہ کے طور پر مقرر کر دیا ہے۔ بہت بڑا موجب میاں عبداللہ کے زیادہ خلوص و محبت و اعتقاد کا یہ ہے کہ وہ اپنا خرچ بھی کر کے ایک عرصہ تک میری صحبت میں آکر رہتا رہا اور کچھ آیات ربانی دیکھتا رہا۔ سو اس تقریب سے روحانی امور میں ترقی پا گیا۔ کیا اچھا ہو کہ میرے دوست مخلص بھی اس عادت کی پیروی کریں۔

(۱۴) جتنی فی اللہ مولوی حکیم غلام احمد صاحب انجینئر ریاست جموں۔ مولوی صاحب موصوف نہایت سادہ و ضحیک رنگ ساف باطن دوست ہیں اور عطر محبت اور اخلاص سے اُن کا دل معطر ہے۔ دینی امدادات میں پورے پورے صدق سے حاضر ہیں مولوی صاحب

اکثر علوم و فنون میں کامل بیعت رکھتے ہیں اور ان کے چہرے پر استقامت و شجاعت کے انوار پائے جاتے ہیں اس سلسلہ کے چند میں دو روپیہ ماہواری انہوں نے اپنی مرضی سے مختصر کیا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(۱۵) جنابی فی اللہ سید فضل شاہ صاحب لاہوری اصل کنہ ریاست جموں نہایت صاف باطن اور محبت اور اخلاص سے بھرے ہوئے اور کامل، قنقاو کے نوے منور ہیں۔ اور مال و جان سے حاضر ہیں اور اب اور جس ظن جو اس راہ میں ضروریات کے ایک عجیب انکسار کے ساتھ ان میں پایا جاتا ہے۔ وہ تہ دل سے سچی اور پاک اور کامل ارادت اس عاجز سے رکھتے ہیں اور قلبی تعلق اور محبت میں اعلیٰ درجہ انہیں حاصل ہے اور کثرت اور وفاداری کی صفت ان میں صاف طور پر نمایاں ہے اور ان کے برابر حقیقی ناصر شاہ بھی اس عاجز سے تعلق و محبت رکھتے ہیں اور ان کے مامول منشی کرم الہی صاحب بھی اس عاجز کے ایک رنگ دوست ہیں۔

(۱۶) جنابی فی اللہ منشی محمد اروڑا نقشہ نویس محشری۔ منشی صاحب محبت اور اخلاص اور ارادت میں زندہ دل آدمی ہیں سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں خدا کی نہایت نشاط سے بھلائیے ہیں۔ بلکہ وہ تو دن رات اسی فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی خدمت کج سے صادر ہو جائے۔ عجیب شہرہ صدر اور جان نثار آدمی ہے میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو اس عاجز سے ایک نسبت عشق ہے شاید ان کو اس سے بڑھ کر اور کسی بات میں خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اپنی طاقتوں اور اپنے ملکہ اور اپنے ہونے کی ہر ایک توفیق سے کوئی خدمت نکالیں وہ دل و جان سے وفادار اور مستقیم الاحوال اور بہادر آدمی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے۔ آمین

(۱۷) جنابی فی اللہ میاں محمد خاں صاحب ریاست کپور تھلہ میں نوکر ہیں۔ نہایت درجہ کے غریب طبع صاف باطن دقیق فہم حق پسند ہیں اور جس قدر انہیں سیری نسبت انہیں عقیدت اور محبت و نیک ظن ہے میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مجھے ان کی نسبت یہ تردد نہیں کہ ان کے اس درجہ ارادت میں کبھی کبھی ظن پیدا ہو بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ حدیث زیادہ نہ رہ جائے وہ سچے وفادار اور جان نثار اور مستقیم الاحوال ہیں۔ خدا ان کے ساتھ ہوں گا جو ان بھائی سردار علی خاں بھی میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہے۔ یہ لڑکا بھی اپنے بھائی کی طرح بہت معبد و رشید ہے۔ خدا تعالیٰ ان کا محافظ ہو۔

(۱۸) جنابی فی اللہ منشی ظفر احمد صاحب۔ یہ جوان صالح کم گو اور خلوص سے بھر دق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے تمامہ انوار اس میں ظاہر ہیں۔ وفاداری کی علامات و امارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اور

اُن سے لذت اُٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے اور اب جس پر تمام مہار حصول فیض کا ہے اور حُسن ظن جو اس راہ کا مرکب ہے دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(۱۹) جتنی فی اللہ سید عبدالمادی صاحب اور سیر۔ یہ سید صاحب انکسار اور ایمان اور حُسن ظن اور یشار اور سخاوت کی صفت میں حصہ وافر رکھتے ہیں۔ وفادار اور متانت شعار ہیں۔ ابتلاء کے وقت استقامت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ وعدہ اور عہد میں پختہ ہیں۔ حیا کی قابل تعریف صفت اُن پر غالب ہے۔ اس عاجز کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی وہی ادب ملحوظ رکھتے تھے جو آپ ہے۔ اللہ جل شانہ کا اُن پر یہ خاص احسان ہے کہ وہ نیک کاموں کے کرنے کے لئے منجانب اللہ توفیق پاتے ہیں۔ ان کی طبیعت فقر کے مناسب حل ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ کے لئے دو روپے ماہواری چندہ مقرر کیا ہے۔ مگر اس چندہ پر کچھ موقوف نہیں وہ بڑی سرگرمی سے خدمت کرتے رہتے ہیں اور اُن کی مالی خدمات کی اس جگہ تصریح مناسب نہیں۔ کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کی مالی خدمات کے اظہار سے ان کو رنج ہو گا۔ وجہ یہ کہ وہ اس ہی مت پر ہمسز کرتے ہیں کہ اُن کے اعمال میں کوئی شعبہ ریا کا دخل کرے اور ان کو یہ وہم ہو کہ اجر کسی عمل کا اس کے اظہار سے ضائع ہو جاتا ہے۔

(۲۰) جتنی فی اللہ مولوی محمد یوسف سنوری میاں عبد اللہ صاحب سنوری کے ناموں ہیں۔ بہت راست طبع نیک ظن پاک خیال آدمی ہیں۔ اس عاجز سے استقلال اور وفا کے ساتھ خلوص اور محبت رکھتے ہیں۔

(۲۱) غشی حشمت اللہ صاحب مدرس مدرسہ سنور اور نشی ہاشم علی صاحب پٹواری تحصیل برنالہ اس عاجز کے یکرنگ مخلصین میں سے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا مددگار ہو۔

(۲۲) جی فی اللہ صاحب جزا و کسراج الحق صاحب ابوالمخاض محمد سرور الحق جلالی اعظمی
 ابن شاہ حبیب الرحمن ساکن سرساوہ ضلع سہارنپور ازاولاد قطب الاقطاب شیخ جمال الدین
 ہانسوی اکابر مخلصین اس عاجز سے ہیں۔ صاف باطن یکرنگ اور قلبی کاموں میں خوش
 رکھنے والے اور علائے کلمہ حق کے لئے بل و جان ساعی و سرگرم ہیں۔ اس سلسلہ میں
 داخل ہونے کے لئے خدا تعالیٰ نے جو ان کے لئے اقرب پیدا کی وہ ایک پچسپ حال
 ہے جو ان کے ایک خط سے ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں اس زمانہ کو ایک
 آخری زمانہ سمجھ کر اور علماء اور فقراء سے ظہور حضرت مسیح ابن مریم موعود اور حضرت ہمدی
 کی بشارتیں سن کر ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ خداوند کریم مجھ کو ان میں سے کسی کی زیارت
 کراوے خواہ حالت جوانی میں ہی یا ضعیفی میں۔ سو جب میری دعائیں انتہا کو پہنچیں
 تو ان کا یہ اثر ہوا کہ مجھے عالم رویا میں وقتاً فوقتاً مقصد مذکورہ بالا کے لئے کچھ کچھ
 بشارتیں معلوم ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دفعہ میں سفر کی حالت میں شہر حیدر میں تھا
 تو عالم رویا میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مسجد میں وضو کر رہا ہوں اور اس مسجد کے
 متصل ایک کوچہ ہے وہاں سے ہر قسم کے آدمی ہندو مسلمان نصاریٰ آتے جاتے ہیں
 میں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم حضرت رسول مقبول کی خدمت
 میں گئے تھے۔ تب میں نے بھی جلد وضو کر کے اس کوچہ کی راہ لی۔ ایک مکان میں دیکھا کہ
 کثرت سے آدمی موجود ہیں اور حضرت رسول مقبول خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ
 علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں۔ سفید پوشاک پہنے ہوئے اور ایک شخص دوزانو اٹکے سامنے
 باوب بیٹھا ہے۔ میں نے پوچھا چاہا کہ مرشد کے قدم جو منے میں علماء و فقراء کو اختلاف
 ہے۔ اصل بات کیا ہے۔ تب ایک شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تھا
 خود بخود بول اٹھا کہ نہیں نہیں۔ اس وقت میں بے تکلف اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے نزدیک جا بیٹھا۔ تب حضرت نبی کریم نے مجھ کو دیکھا اور اپنا داہنا ہاتھ مبارک

میسری طرف لیا کر دیا۔ میں نے حضرت کے قدم مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا
 اُس وقت حضرت نے ایک بوراب سُوتی اپنے پائے مبارک سے اُتار کر مجھ کو عنایت فرمائی۔
 اس رُوباً صادقہ سے میں بہت متلذذ رہا۔ پھر دو برس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ میں لودھیان
 میں آیا اور میں نے آپ کا یحییٰ اس عاجز کا شہرہ سنا اور رات کو آپ کی خدمت میں حاضر
 ہوا اور وہی جلسہ دیکھا اور وہی کثرتِ مخلوق دیکھی جو میں نے حضرت نبی کریم کی خواب میں
 دیکھی تھی۔ اور جب میں نے آپ کی صورت دیکھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی صورت ہے
 کہ جس صورت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا تب مجھے یقین ہو
 گیا کہ میں نے آپ ہی کو خواب میں دیکھا تھا اور خدا تعالیٰ نے آپ کو بھی کریم کے
 پیسہ راہ میں میرے پر ظاہر کیا۔ تا وہ عینیت جو برکت متابعت پیدا ہو جاتی ہے
 میرے پر منکشف ہو جائے۔ پھر جب میں پانچ چھ ماہ کے بعد آپ کو قادیان میں ملا تو
 میسری حالت اعتقاد بہت ترقی کر گئی اور مجھ کو کامل و مکمل یقین کہ عین الیقین کا مرتبہ
 حاصل ہو گیا کہ بلاشبہ آپ مجدد الوقت اور طوٹ الوقت ہیں اور میرے پر پورے عرفان
 کے ساتھ کھل گیا کہ میرے خواب کے مصداق آپ ہی ہیں۔ پھر اس کے بعد اور بھی حالات
 نوم اور غیہ نوم میں میرے پر کھلتے رہے۔ ایک دفعہ استخارہ کے وقت آپ کی نسبت
 یہ آیت نکلی معہ ربیون کثیر۔ تب میں بیعت سے بصدق دل مشرف ہوا اور
 وہ حالات جو میرے پر کھلے اور میرے دیکھنے میں آئے وہ انشاء اللہ ایک سال میں کھونگا۔
 (۲۳) جی فی اللہ میرا ناصر و اب صاحب۔ میر صاحب موصوف علاوہ رشتہ
 روحانی کے رشتہ جسمانی بھی اس عاجز سے رکھتے ہیں کہ اس عاجز کے خسر ہیں۔ ہدایت
 یکرنگ اور صاف باطن اور خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہیں اور اللہ اور رسول کی
 اتباع کو سب چیز سے مقدم سمجھتے ہیں اور کسی سچائی کے کھننے سے پھر اسکو شجاعت قلبی
 کے ساتھ بنا توقف قبول کر لیتے ہیں۔ حُب اللہ اور بغض اللہ کا مومنانہ شیوہ اُن پر

غالب ہے کسی کے راستباز ثابت ہونے سے وہ جان تک بھی فرق نہیں کر سکتے تو کسی کو ناراستی پر دیکھ کر اُس سے ملاہنت کے طور پر کچھ تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ اوائل میں وہ اس عاجز کی نسبت نہایت نیک گمان تھے مگر درمیان میں ابتداء کے طور پر ان کے حُسن ظن میں فرق آگیا۔ چونکہ سعید تھے اس لئے عنایت الہی نے پھر دستگیری کی اور اپنے خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ اُن کا ایک دفعہ نیک ظنی کی طرف پلٹا کھانا اور جوش سے بھرے ہوئے اخلاص کے ساتھ حق کو قبول کر لینا غیبی جذبہ سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے اشتہار ۱۲ اپریل ۱۸۸۸ء میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ میں اُن کے حق میں بدگمان تھا لہذا وقتاً فوقتاً نفس و شیطان نے خدا جانے کیا کیا مجھ سے اُن کے حق میں کہوایا جس پر آج مجھ کو افسوس ہو اگرچہ اس عرصہ میں کئی بار میرے دل نے مجھے شرمندہ کیا لیکن اس کے اظہار کا یہ وقت مقدمہ تھا۔ میں نے جو کچھ مرزا صاحب کو فقط اپنی غلط فہمیوں کے سبب سے کہا نہایت بُرا کیا۔ اب میں توبہ کرتا ہوں اور اس توبہ کا اعلان اس لئے دیتا ہوں کہ میری پیروی کے سبب سے کوئی وبال میں نہ پڑے۔ اس سے بعد اگر کوئی شخص میری کسی تحریر یا تفسیر کو پھپھواوے اور اس کو فائدہ اٹھانا چلے تو میں عند اللہ بری ہوں اور اگر کبھی میں نے مرزا صاحب کی نسبت اپنے کسی دوست سے کچھ کہا ہو یا شکایت کی ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں معافی مانگتا ہوں۔

(۲۴) جتنی فی اللہ منشی رستم علی ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریوے۔ یہ ایک جوان صالح اخلاص سے بھرا ہوا میرے اول درجہ کے دوستوں میں سے ہے۔ اُن کے پھرے پر ہی علامات غربت و بے نفسی و اخلاص ظاہر ہیں۔ کسی ابتلاء کے وقت میں نے اس دوست کو مستزلال نہیں پایا۔ اور جس روز سے ارادت کے ساتھ انہوں نے میری طرف رجوع کیا اس ارادت میں قبض اور افسردگی نہیں بلکہ روز افزوں ہے۔ وہ دو روپیہ چندہ اس سلسلہ کے لئے دیتے ہیں۔ جزائرم اللہ خیر المجرور

(۲۵) جتنی فی اللہ میاں عبدالحق خلف عبد السمیع۔ یہ ایک اول درجہ کا مخلص اور سچا ہمدرد اور محض شہ محبت رکھنے والا دوست اور غریب مزاج ہے۔ دین کو ابتداء سے غریبوں سے مناسبت ہے کیونکہ غریب لوگ محترم نہیں کرتے اور پوری تواضع کے ساتھ حق کو قبول کرتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ دولت مندوں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ اس سعادت کا عشر بھی حاصل کر سکیں جس کو غریب لوگ کامل طور پر حاصل کر لیتے ہیں فطرتی اللغزباء میاں عبدالحق باوجود اپنے افلاس اور کمی مقتدرت کے ایک عاشق صادق کی طرح محض شہ خدمت کرتا رہتا ہے اور اس کی یہ خدمات اس آیت کا مصداق اس کو ٹھہرا رہی ہیں یو ثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة۔

۵۸

(۲۶) جتنی فی اللہ شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی۔ شیخ رحمت اللہ جوان صالح یک رنگ آدمی ہے۔ ان میں فطرتی طور پر مادہ اطاعت اور اخلاص اور حسن ظن اس قدر ہو جس کی برکت سے وہ بہت سی ترقیات اس راہ میں کر سکتے ہیں۔ ان کی مزاج میں غربت اور ادب بھی از حد ہے اور ان کے بشرہ سے علامات سعادت ظاہر ہیں۔ حتی الوسع وہ خدمات میں لگے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کشاکش مکروہات سے انہیں بچا کر اپنی محبت کی صلاوت سے حصہ وافر بخشے۔ آمین ثم آمین

(۲۷) جتنی فی اللہ عبدالحکیم خاں جوان صالح ہے۔ علامات رشد و سعادت اس کے چہرے سے نمایاں ہیں۔ زیرک اور فہیم آدمی ہے۔ انگریزی زبان میں عمدہ مہارت رکھتے ہیں میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کئی خدمات اسلام ان کے ہاتھ سے پوری کرے۔ وہ باوجود زمانہ طالب علمی اور تفرقہ کی حالت کے ایک روپیہ ماہواری بطور چندہ اس سلسلہ کے لئے دیتے ہیں اور ایسا ہی ان کا دوست خلیفہ رشید الدین صاحب جمہور اہل آدمی اور انہیں کے ہم رنگ ہیں اسی قدر چندہ محض لہی محبت کے جوش سے ماہ بساہوا کرتے ہیں۔ جزا ہم اللہ خیر العباد۔

۵۹

(۲۸) جنی فی اللہ یا لو کرم الہی صاحب یکا رڈ کلرک راجپورہ ریاست پٹیالہ بابو صاحب منات شعار خالص آدمی ہیں وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ آپ کے رسالوں کے پڑھنے کے بعد بھن علماء طرح طرح کے توہمات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مگر احمد شہ میرے دل میں ایک ذرہ بھی شک راہ نہیں پایا۔ سو میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے طوفان کے وقت میں شکوک اور شبہات سے بچنا بشر کے اختیار میں نہیں۔ میری تنخواہ بہت کم ہے مگر تاہم کم سے کم ایک روپیہ ماہواری آپ کے سلسلہ کی امداد کے لئے بھیجا کروں گا کیونکہ تھوڑی خدمت میں بھی شریک ہو جانا کلی محروم رہنے سے بہتر ہے۔ فقط۔ سو بابو صاحب نہایت اخلاص اور محبت سے ایک روپیہ ماہواری بھیجتے رہتے ہیں۔ جنزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(۲۹) جنی فی اللہ مولوی عبدالقادر جمالی پوری۔ مولوی عبدالقادر جوان صالح متقی مستقیم الاحوال ہے۔ اس ابتلاء کے وقت جو علماء میں باعث ناہمی اور غلبہ سوء ظن ایک طوفان کی طرح اٹھا مولوی صاحب کی بہت استقامت ظاہر ہوئی اور اول المؤمنین میں وہ داخل رہے بلکہ دعوت حق کرتے رہے۔ ان کا گزارہ ایک تھوڑی سی تنخواہ پر ہے تاہم اس سلسلہ کی امداد کے لئے ۲ روپائی وہ ماہواری دیتے ہیں۔

(۳۰) جنی فی اللہ محمد ابن احمد مکی سن حارہ شعب عامریہ صاحب عربی ہیں اور خاص مکہ معظمہ کے رہنے والے ہیں۔ صلاحیت اور رشد اور سعادت کے آثار ان کے چہرے پر ظاہر ہیں اپنے وطن خاص مکہ معظمہ سے زادہ اللہ مجدد و شرفاً بطور سیر و سیاحت اس ملک میں آئے اور ان دنوں میں بھن بد مذہبیش لوگوں نے خلاف واقعہ باتیں بلکہ تمہتیں اپنی طرف سے اس عاجز کی نسبت اُن کو سنائیں اور کہا کہ یہ شخص رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ مسیح جس پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ میں ہی ہوں۔ ان باتوں سے عربی صاحب کے دل میں بہت نقصانائے غیرت اسلامی ایک اشتعال پیدا ہوا تب انہوں نے عربی زبان میں اس عاجز کی طرف ایک خط لکھا جس میں یہ فقرات بھی درج تھے

۵۳۸

۵۳۸

ان كنت عيسى ابن مريم فانزل علينا مائدة ايها الكذاب - ان كنت عيسى ابن مريم فانزل علينا مائدة ايها الدجال - يعني اگر تو عیسیٰ بن مریم ہے تو اے کذاب اے دجال ہم پر مائدہ نازل کر۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ کس وقت کی دھاتھی کہ جو منظور ہو گئی اور جس مائدہ کو دے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے آخر وہ قادر خدا نہیں اس طرف کھینچ لایا۔ لودھیانہ میں آئے اور اس عاجز کی طاقت کی اور سلسلہ بیعت میں داخل ہو گئے۔ فالحمد لله الذي نجاه من الناس وانزل عليه مائدة من السماء۔ اُن کا بیان ہے کہ جب میں آپ کی نسبت بُرے اور فاسد ظنون میں مبتلا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ یا محمد انت کذاب۔ یعنی اے محمد کذاب تو ہی ہے۔ اور اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ تین برس ہوئے کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ عیسیٰ آسمان سے نازل ہو گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ انشاء اللہ القدر میں اپنی زندگی میں عیسیٰ کو دیکھ لوں گا۔

۴۴

۴۵

(۳۱) جی فی اللہ صاحبزادہ افتخار احمد۔ یہ جوان صالح میرے مخلص اور محب صادق حاجی حرمین شریفین نشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کے خلف ارشید ہیں۔ اور بمقتضائے الولد سر لا بیہ تمام محاسن اپنے والد بزرگوار کے اپنے اندر جمع رکھتے ہیں اور وہ ماوہ اُن میں پایا جاتا ہے جو ترقی کرتا کرتا فانیوں کی جماعت میں انسان کو داخل کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ روحانی غذاؤں سے ان کو حصہ وافر بخشے اور اپنے عاشقانہ ذوق و شوق سے سرست کرے۔ آمین ثم آمین۔

(۳۲) جی فی اللہ مولوی سید محمد عسکری خان اکسٹرنلٹ حال پیشنر سید صاحب موصوف الہ آباد کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ اس عاجز نے فی محبت رکھتے ہیں بلکہ اُن کا دل عطر کے شیشہ کی طرح محبت سے بھرا ہوا ہے۔ نہایت عمدہ صاف باطن بجز نگ دوست ہیں معلومات وسیع رکھتے ہیں۔ ایک جید عالم قابل قدر ہیں۔ ان دنوں میں

بیمار ہیں خدا تعالیٰ اُن کو جلد شفا بخشے۔ آمین ثم آمین۔

(۳۳) جی فی اللہ مولوی غلام حسن صاحب پشاورمی اس وقت نو دھیانہ میں میرے پاس موجود ہیں محض ملاقات کی غرض سے پشاور سے تشریف لائے ہیں میں یقینی رکھتا ہوں کہ وہ وفادار مخلص ہیں اور لایعنا خونِ لومۃ لائتم میں داخل ہیں ہوشِ ہمدردی کی راہ سے دورِ وہیدہ ماہواری پتہ دیتے ہیں مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد لکھی راہوں اور دینی معارف میں ترقی کریں گے کیونکہ فطرتِ نورانی رکھتے ہیں۔

(۳۴) جی فی اللہ شیخ حامد علی۔ یہ جوان صالح اور ایک صالح خاندان کا ہے اور قریباً سلت آٹھ سال سے میری خدمت میں ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ مجھ سے اخلاص اور محبت رکھتا ہے۔ اگرچہ وقائعِ تقویٰ تک پہنچنا بڑے عرصہ اور صلاح و کلام ہے مگر جہاں تک سمجھ ہے اتباعِ سنت اور رعایتِ تقویٰ میں مصروف ہے میں نے اس کو دیکھا ہے کہ ایسی بیماری میں جو نہایت شدید اور مرضِ الموت معلوم ہوتی تھی اور ضعف اور لاغری سے میت کی طرح ہو گیا تھا۔ التزامِ ادائے نماز پنجگانہ میں ایسا سرگرم تھا کہ اس بے ہوشی اور نازک حالت میں جس طرح بن پڑے نماز پڑھ لیتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ انسان کی خدا ترسی کا اندازہ کرنے کے لئے اس کے التزامِ نماز کو دیکھنا کافی ہے کہ کس قدر ہے اور مجھے یقین ہے کہ جو شخص پورے پورے اہتمام سے نماز ادا کرتا ہے اور خوف اور بیماری اور فتنہ کی حالتیں اس کو نماز سے روک نہیں سکتیں وہ بے شک خدا تعالیٰ پر ایک سچا ایمان رکھتا ہے مگر یہ ایمان غریبوں کو دیا گیا دولتِ اس نعمت کو پانے والے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ شیخ حامد علی نے خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس عاجز کے کئی نشان دیکھے ہیں اور چونکہ وہ سفر و حضر میں ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ اس کے لئے ایسے اسباب پیدا کرتا رہا اور وہ اپنی آنکھ سے دیکھتا رہا کہ کیونکر خدا تعالیٰ کی عنایتیں اس طرف رجوع کر رہی ہیں

اور کیونکر دعاؤں کے قبل ہونے سے خارق عادت نشان طور میں آئے شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پوری کے ابتلاء اور نزول بلا کی خبر جو پورے چھ مہینے پہلے شیخ صاحب کو بذریعہ خط دی گئی تھی اور پھر لکھا انجام بخیر ہونے کی بشارت جو حکمران نے موت کی حالت میں ان کو پہنچائی گئی تھی۔ یہ سب باتیں حامد علی کی چشم دید ہیں۔ بلکہ اس پیش گوئی پر بعض نادان اس سے ڈرتے اور جھگڑتے رہے کہ اس کا پورا ہونا غیر ممکن ہو۔ ایسا ہی دلیپ سنگھ کے روکے جانے کی پیش گوئی اور کئی دوسری پیش گوئیاں اور نشان جو صبح صادق کی طرح ظاہر ہو گئیں اس شخص کو معلوم ہیں جن کا خدا تعالیٰ نے اس کو گواہ بنا دیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس کو نشان دکھائے گئے وہ ایک طالب حق کا ایمان مضبوط کرنے کے لئے ایسے کافی ہیں کہ اس سے بڑھ کر حاجت نہیں۔ حامد علی بے شک ایک مخلص ہے مگر فطرتی طور پر اشتعال طبع اس میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ صبر اور ضبط کی عادت ابھی اس میں کم ہے۔ ایک غروب اور ادنیٰ مزدور کی سخت بات پر برداشت کرنا ہنوز اس کی طاقت سے باہر ہے۔ غصہ کے وقت کسی قدر جبارہ کارگ وریشہ نمودار ہو جاتا ہے۔ کاہلی اور کسل بھی بہت ہے مگر متین اور متقی اور وفادار ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کی کمزوریوں کو دور کرے۔ آمین۔ حامد علی صرف تین روپے مجھ سے تنخواہ پاتا ہے اور اس میں سے اس سلسلہ کے چندہ کے لئے ۴۰ بلیب خاطر محض لقمی شوق سے ادا کرتا ہے اور حتیٰ فی اللہ شیخ پیر غلام علی چچا اس کا اس کی تمام خوبیوں میں اس کا شریک ہے اور کینہ نگ اور بہادر ہے۔

(۳۵) حتیٰ فی اللہ شیخ شہاب الدین موصی شیخ شہاب الدین غریب طبع اور مخلص اور نیک خیال آدمی ہے۔ نہایت تنگ دستی اور عسر سے اس مسافر خانہ کے دن پورے کر رہا ہے۔ افسوس کہ اکثر دولت مند مسلمانوں نے زکوٰۃ دینا بھی پھوڑ دیا اور شریعت اسلامی کا یہ پر حکمت مسئلہ کہ یؤخذ من الاغنیاء ویرد الی الفقراء یونہی محفل

پڑا ہے۔ اگر دولت مند لوگ کسی پر احسان نہ کریں صرف فریضہ زکوٰۃ کے ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں تاہم ہزار ہارو پیہر اسلامی اور قومی بہمدردی کے لئے جمع ہو سکتا ہے لیکن مال بخیل آنکھ از خاک برآید۔ کہ بخیل در خاک رود۔

(۳۶) جتی فی اللہ میرا بخش ولد بہادر خان کیروی ایک مخلص اور پختہ اعتقاد آدمی ہے اس کے زیادت اعتقاد کا موجب اس نے یہ بیان کیا کہ ایک مجذوب نے اس کو خبر دی تھی کہ عیسیٰ جو آنے والا تھا وہ یہی ہے۔ یعنی یہ عاجز۔ اور یہ خبر اس عاجز کے اظہار و دعویٰ سے کئی سال پیشتر وہ سن چکا تھا اور صد آدھویں میں شہرت پانچے تھے۔ (۳۷) جتی فی اللہ حافظ نور احمد صاحب لودھیانوی۔ حافظ صاحب جوان صالح بڑے محب اور مخلص اور اول درجہ کے اخلاص رکھنے والے ہیں۔ ہمیشہ اپنے مال سے خدمت کرتے رہتے ہیں۔ بڑا ہم اللہ خیر المجرء۔

(۳۸) جتی فی اللہ مولوی محمد مبارک علی صاحب۔ یہ مولوی صاحب اس عاجز کے استاد زادہ ہیں۔ ان کے والد صاحب حضرت مولوی فضل احمد صاحب مرحوم ایک بزرگوار عالم باعمل تھے مجھ کو ان سے از حد محبت تھی۔ کیونکہ علاوہ استاد ہونے کے وہ ایک باخدا اور صاف باطن اور زندہ دل اور متقی اور پرہیزگار تھے۔ عین نماز کی حالت میں ہی اپنے محبوب حقیقی کو جلے۔ اور چونکہ نماز کی حالت میں ایک تبتل اور انقطاع کا وقت ہوتا ہے اس لئے ان کا واقعہ ایک قابل رشک واقعہ ہے۔ خدا تعالیٰ ایسی موت سب مومنوں کیلئے نصیب کرے۔ مولوی مبارک علی صاحب ان کے خلف رشید اور فرزند کلاں ہیں۔ بیعت اور صورت میں حضرت مولوی صاحب مرحوم سے بہت مشابہ ہیں۔ اس عاجز کے بزرگ اور پرجوش دوست ہیں اور اس راہ میں ہر قسم کے ابتلاء کی برداشت کر رہے ہیں حضرت عیسیٰ زین مریم کی وفات کے بارے میں ایک رسالہ انہوں نے تالیف کیا ہے جو چھپرک شائع ہو گیا ہے جس کا نام قل جیل ہے۔ اس عاجز کا ذکر بھی اس میں کئی جگہ کیا گیا ہے

چونکہ مولوی صاحب موصوف کی حدیث اور تفسیر پر نظر وسیع ہے اس لئے انہوں نے محدثین کی سلسلہ پر نہایت خوبی اور متانت سے اس رسالہ کو انجام دیا ہے۔ مخالفانہ رائے مولوی صاحب جن کو غور اور فکر کرنے کی عادت نہیں اور جو آنکھ بند کر کے فتوے پر فتویٰ لکھ رہے ہیں انہیں مناسب ہے کہ علاوہ اس عاجز کی کتاب ازالہ اوہام کے میرے دوست عزیز مولوی مبارک علی صاحب کے رسالہ کو بھی دیکھیں اور سیز میرے دوست رفیق سید محمد اس صاحب امر وہی کے رسالہ اعلام الناس کو بھی ذرہ غور سے پڑھیں اور خدا تعالیٰ کی ہدایت سے ناامید نہ ہوں گو ان کی حالت بہت خطرناک اور قریب قریب یاس کے ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ مولویوں کا حجاب کفار کے حجاب سے کچھ زیادہ نہیں پھر کہوں اس سچشمہ رحمت سے نوید ہوتے ہیں۔ وہو علیٰ کل شیء قدید۔

۵۱۹

(۳۹) جی فی اللہ مولوی محمد تفضل حسین صاحب مولوی صاحب ممدوح میرے ساتھ سچے دل سے اخلاص و محبت رکھتے ہیں میں نے اُن کے دل کی طرف توجہ کی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ درحقیقت نیک فطرت آدمی اور سیدوں میں سے ہیں اور قابل ترقی اور اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اگر وہ بشریت کی کمزوری کی وجہ سے کسی علجان میں پڑیں تو میں امید نہیں رکھتا کہ اسی میں وہ بند رہ جائیں۔ کیونکہ اُن کی طینت صاف اور فراست ایمانی اور اسلامی نور کا اُن کو حصہ ہے اور کسی امر کے مشتبہ ہونے کے وقت قوت فیصلہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور اس لائق ہیں کہ اگر وہ کچھ عرصہ صحبت میں رہیں تو علمی اور علمی طریقوں میں بہت ترقی کر جائیں۔ مولوی صاحب موصوف ایک بزرگ عارف باللہ کے خلف پرشید ہیں اور پدری نور اپنے اندر مخفی رکھتے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ کسی وقت وہ روحانیت اُن پر غالب ہو جائے۔ یہ عاجز جب علیگندہ میں گیا تھا تو درحقیقت مولوی صاحب ہی میرے جانے کے باعث ہوئے تھے اور اس قدر انہوں نے خدمت کی کہ میں اس کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس سلسلہ کے چندہ میں بھی انہوں نے دورو پیہ ماہواری مقرر

۵۲۰

کر رکھے ہیں۔ مولوی صاحب مولوی موصوف اگرچہ تحصیل داری کے عہدے پر ہیں مگر ایک بھاری بوجھ عیال کا ان کے سر پر ہے اور وہ دور و نزدیک کے خوشنوں اور غائب بلکہ دوستوں کی بھی اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور بڑے مہمان نوازیں اور درویشوں اور فقیروں اور غریبوں سے باطسج اُنس رکھتے ہیں اور سادہ طسج اور صاف باطن اور خیر اندیش آدمی ہیں۔ بایں ہمہ مہم دردی اسلام کا جوش پورے طور پر اُن میں پایا جاتا ہے جو امام اللہ خیر۔۔۔ باقی اسماء بعض مہاجرین کے یہ ہیں۔

جی فی اللہ منشی محمد ظل اللہ صاحب میرنشی
جی فی اللہ منشی اللہ بخش صاحب
جی فی اللہ مولوی عنایت علی صاحب
جی فی اللہ عبد المجید خاں اورنگ آبادی
جی فی اللہ منشی فیاض علی صاحب
جی فی اللہ میاں علی گوہر صاحب
جی فی اللہ میاں عبد الحکیم خاں صاحب
جی فی اللہ منشی حبیب الرحمن صاحب
جی فی اللہ مولوی حکیم محی الدین صاحب عربی
جی فی اللہ سردار خاں بلدرنجیم محمد خاں
جی فی اللہ سید خصلت علی صاحب
جی فی اللہ میر عنایت علی صاحب
جی فی اللہ میاں عطاء الرحمن صاحب ہندی
جی فی اللہ مولوی تاج محمد صاحب میرمنڈی
جی فی اللہ مولوی محمد حسین صاحب غلام علی صاحب
جی فی اللہ میر محمود شاہ صاحب سیالکوٹی
جی فی اللہ شیخ فتح محمد صاحب جونی
جی فی اللہ شیخ برکت علی صاحب
جی فی اللہ منشی احمد شاہ صاحب نور پوری
جی فی اللہ مولوی ثیر محمد صاحب بجنی
جی فی اللہ منشی محمد حسین مراد آبادی
جی فی اللہ منشی ہاشم علی صاحب
جی فی اللہ مولوی محمود حسن خاں صاحب
جی فی اللہ مولوی غلام جیلانی صاحب
جی فی اللہ سید امیر علی صاحب
جی فی اللہ مرزا اخدا بخش صاحب
جی فی اللہ منشی غلام محمد صاحب سیالکوٹی
جی فی اللہ مولوی محمد دین صاحب سیالکوٹی
جی فی اللہ مولوی فہدین صاحب پوکری
جی فی اللہ مفتی محمد صادق صاحب بھٹوی

جبی فی اللہ شیخ پیر غ علی صاحب تبوی
 جبی فی اللہ شیخ احمد شاہ صاحب منصوبہ پوری
 جبی فی اللہ مولوی نور محمد صاحب مانگٹی۔ یہ سب صاحب علی حسب مراتب اس عاجز کے مخلص
 دوست ہیں۔ بعض ان میں سے اعلیٰ درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اسی اخلاص کے موافق جو اس
 عاجز کے مخلص دوستوں میں پایا جاتا ہے۔ اگر مجھے طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں جداگانہ
 ان کے مخلصانہ حالات لکھتا۔ انشاء اللہ تقدیر کسی دوسرے مقام میں لکھوں گا۔ اب میں
 اس تذکرہ کو دو عمارت ختم کرتا ہوں۔ اے قادر خدا میرے اس ظن کو جو میں اپنے ان تمام دوستوں
 کی نسبت رکھتا ہوں سچا کر کے مجھے دکھا اور ان کے دلوں میں تقویٰ کی بے شائبہ خواہش
 صالحہ کے میوؤں سے لدی ہوئی ہیں پیدا کر۔ ان کی کمزوری کو دور فرما اور ان کا سب کسل
 دور کر دے اور ان کے دلوں میں اپنی عظمت قائم کر اور ان میں اور ان کے نفسوں میں دُوری
 ڈال۔ اور ایسا کر کہ وہ تجھ میں ہو کر بولیں۔ اور تجھ میں ہو کر سنیں اور تجھ میں ہو کر دیکھیں
 اور تجھ میں ہو کر ہر ایک حرکت سکون کریں۔ ان سب کو ایک ایسا دل بخش توتیری محبت
 کی طرف جھک جائے اور ان کو ایک ایسی معرفت عطا کر توتیری طرف کھینچ لیوے
 اے بار خدا۔ یہ جماعت تیری جماعت ہے اس کو برکت بخش اور سچائی کی روح ان میں
 ڈال کہ سب قدرت تیری ہی ہے۔ آمین

اور چند دہندوں کے نام مہ تفصیل چند یہ ہیں :-

۱	میاں عبداللہ پٹواری موضع غوث گدہ	۶	منشی عبدالرحمن صاحب پٹواری تحصیل سنام
۲	مولوی محمد یوسف صاحب مدرّس مدرّس سنور	۷	منشی احمد بخش صاحب پٹواری تحصیل بانگر
۳	منشی خشت اللہ صاحب مدرّس مدرّس سنور	۸	منشی ابراہیم ثانی پٹواری تحصیل سرہند
۴	منشی ہاشم علی صاحب پٹواری تحصیل برنالہ	۹	منشی غلام قادر صاحب پٹواری تحصیل
۵	منشی ابراہیم صاحب پٹواری تحصیل بانگر	۱۰	منشی محمد فاضل صاحب کٹہ سنور

۱۱	انیم حکیم فضل دین صاحب بھیروی	۱۹	انیم منشی ظفر احمد صاحب	۱۰	چندہ اموا
۱۲	میاں اشرف الدین صاحب عرضی نویس معرفت	۲۰	انیم میاں محمد خاں صاحب	۱۱	عمر
	حکیم فضل دین صاحب	۲۱	منشی عبدالرحمن صاحب	۱۲	عمر
۱۳	میاں نجم الدین عبدالرحمانہ سکھ بھیروی	۲۲	منشی حبیب الرحمن صاحب	۱۳	عمر
	امام سجد دہر کمانا فانی	۲۳	منشی فیاض علی صاحب	۱۴	عمر
۱۴	انیم مولوی حکیم غلام محمد صاحب بھیروی	۲۴	مولوی عبدالقادر صاحب مدرس جالپور ضلع لودیانہ	۱۵	چندہ اموا
۱۵	انیم کرم مولوی حکیم نور الدین صاحب	۲۵	منشی محمد بخش صاحب	۱۶	عمر
	معالج ریاست جنوں	۲۶	شیخ چراغ علی صاحب سکھ تھہ غلام نبی	۱۷	عمر
۱۶	انیم سید عبداللہادی صاحب دودھ پور کچہ	۲۷	منشی محمد کرم الہی صاحب ریگڑ و ٹکڑک پورہ پٹیاں	۱۸	عمر
۱۷	مولوی سید فضل حسین صاحب تحصیلدار علی گڑھ	۲۸	مولوی غلام حسن صاحب مدرس یونیورسٹی لودھیانہ	۱۹	عمر
۱۸	انیم منشی اتم علی صاحب ڈپٹی ایسٹرن ٹیکسٹریٹ		قاضی محمد اکبر خاں صاحب نائب تحصیلدار صوابی	۲۰	عمر

خاتمہ

ان دستوں کیلئے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں نصیحت کی باتیں

عزیزان بے غلوں صدق کشاں نہ لے لا مصفا قطرہ باید کہ تاگوہر شود پیدا

اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو۔ خدا ہمیں اور تمہیں اُن باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے اسی سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے۔ ہر ایک

۸۲۶

طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔ اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فخر مند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک مٹک سے کام لویا تمہارے مقابل پر تمہارے تسخیر کی باتیں کرو۔ یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی پس اختیار کیا تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

۸۲۷

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت ساتھ نہ ہو کچھ بھی چسپ نہ نہیں اگر خدا ہمیں نالود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نالود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو دشمن کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس کا اُس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ ہے۔ سوائے میرے پیارے بھائی کو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ تعمیل کے سب باتیں بیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچکر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ۔ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔ سب سے اول اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچے سچ دلوں کے حلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر ایک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء ہر ایک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹوٹتے رہو اور جیسے پان کھانے والا

اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کو مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدا تعالیٰ سے قوت اور بہت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضا اور تمہارے تمام قویٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں۔ کیونکہ جو بات دل سے نکلتی ہے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور یاد رکھو کہ قرآن کریم میں پانسو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہر ایک عضو اور ہر ایک قوت اور ہر ایک وضع اور ہر ایک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر ایک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک فی رانی دعوت تمہاری کی ہے سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھاتے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو۔ جو شخص ان سب حکموں

میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں بھی بچ کستا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔ اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجایز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جو اپنی گرفتوں پر اٹھاؤ کہ شیر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنم میں گر آیا جائے گا۔ پر جو غریبی سے گردن جھکانا ہے وہ موت سے بچ جائے گا۔ دنیا کی خوشحالی کی شہرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبارت امت کہو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھ اور پیش ہے۔ بلکہ تم اس لئے اس کی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے۔ چاہیے پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جائے سو تمہاری نیکیوں کی فقط ہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسن حقیقی رہتی ہو جائے کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہو وہ ٹھوکر کی جگہ ہو۔

خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے نیا رہو جاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو! خدا تعالیٰ کے حکموں کو بے قدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے۔ ایک بچے کی طرح بن کر اس کے کھجوں کے نیچے چلو۔ نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہر وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو۔ اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو۔ تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دعا کرو اور روزانہ گر گزانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے۔

سچائی اختیار کرو۔ سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں۔ کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش جاتی ہیں نہایت بد سخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں۔ تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔

عزیزو! اس دنیا کی محجور منطق ایک شیطان ہے اور اس دنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے اور یہاں کیاں پیدا کرتا ہے اور قریب قریب دہریت کے پہنچاتا ہے۔ سو تم اس سے اپنے تئیں بچاؤ اور ابسادل پیدا کرو جو غریب اور مسکین ہو اور بغیر جون چرا کے حکموں کو ماننے والے ہو جاؤ جیسا کہ بچہ اپنی والدہ کی باتوں کو مانتا ہے قرآن کریم کی تعلیمیں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچانا چاہتی ہیں ان کی طرف کان دھو اور ان کے موافق اپنے تئیں بناؤ۔

قرآن شریف انجیل کی طرح تمہیں صرف یہ نہیں کہتا کہ نامحرم عورتوں یا ایسوں کو جو عورتوں کی طرح محلِ مشہوت ہو سکتی ہیں مشہوت کی نظر سے مت دیکھو بلکہ اس کی کامل تعلیم کا یہ منشاء ہے کہ تو بغیر ضرورت نامحرم کی طرف نظر مت اٹھانہ مشہوت سے اور نہ بغیر مشہوت

بلکہ چاہیے کہ تو آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں ٹھوکر سے بچاؤے تا تیسری دلی پاکیزگی میں کچھ فرق نہ آوے۔ سوگم اپنے مولیٰ کے اس حکم کو خوب یاد رکھو اور آنکھوں کے زنا سے اپنے تئیں بچاؤ اور اس ذات کے غضب سے ڈرو جس کا غضب ایک دم میں ہلاک کر سکتا ہے۔ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ تو اپنے کانوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ذکر سے بچا اور ایسا ہی ہر ایک ناجائز ذکر سے۔

مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو کیونکہ بجز نہایت شریعہ آدمی کے کون ناحق کے خون کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ نا انصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو۔ حق کو قبول کر لو اگرچہ ایک سچے سے اور اگر مخالف کی طرف حق پاؤ تو پھر فی الفور اپنی خشک منطق کہ چھوڑ دو۔ سچ پر ٹھہر جاؤ اور سچی گواہی دو۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے فَلْيَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْغِ یعنی بڑوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بُت سے کم نہیں۔ جو چیز قبلہ حق سے تمہارا منہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بُت ہے۔ سچی گواہی دو اگرچہ تمہارے باپوں یا بھائیوں یا دوستوں پر ہو۔ چلپیے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف سے ملے نہ ہو۔

ہا ہم نخل اور کیسنہ اور حسد اور بغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ قرآن شریف کے بڑے حکم دوہی ہیں۔ ایک تو حید و محبت و اطاعت باری عز اسمہ۔ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی۔ اور ان حکموں کو اس نے تین درجہ پر منقسم کیا ہے۔ جیسا کہ استعلا میں بھی تین ہی قسم کی ہیں اور وہ آیت کریمہ یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاسْـَٔرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِنتَا بِهٰذَا الْقُرْآنِ ۝ پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریقِ شرعی رکھو ظالم نہ بنو۔ پس جیسا کہ درحقیقت بجز اُس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی توکل کے لائق نہیں۔ کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت و ربوبیت خاصہ کے

ہر ایک حق اُسی کا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اُس کی پرستش میں اور اُس کی محبت میں اور اُس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اُس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادب بن جاؤ اور اُس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اُس کی عظمت اور جلال اور اُس کے خُسنِ لازوال کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے لیتا ذی القربٰی کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلف اور تشعُّع دور ہو جائے اور تم اُسکو ایسے جگر سے تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپ کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اُس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

اور دوسرے طور پر جو ہمدردی بنی نوع سے متعلق ہے اس نسبت کے یہ معنی ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ اُن سے کچھ تعرض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔

اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے اور اُس کی آزار کی عوض میں تو اس کو راحت پہنچا دے اور موت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔

پھر بعد اس کے لیتا ذی القربٰی کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجالا دے اس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدتِ قرابت کے بوش سے ایک نویش دوسرے نویش کے ساتھ

نیکی کرتا ہے۔ سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلاق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی مشکر گزاری یا مدعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔

عزیزو! اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے جو میری اس کتاب میں درج ہیں باستثناء اس شخص کے کہ بعد اس کے خدا تعالیٰ اس کو رد کر دیوے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ کی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا تب تک اس کو اپنا ایک عضو سمجھو۔ لیکن جو شخص مکاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بد عہدیوں یا کسی قسم کے بور و جفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا وسوس و حرکات مخالف عہدیت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بد عملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے باہر ہے۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔

چاہیے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدا تعالیٰ کی بندگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے۔ تو حیدر قائم ہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دکھ اٹھاؤ۔ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

بیرونی شہادتیں

بعد ختم کتاب بعض شہادتیں ہم کو ملیں مناسب سمجھ کر انکو کتاب کے ساتھ شامل کر دیا (۱) یہ کہ کوہ نور یکم اگست ۱۸۸۷ء اور نور افشاں ۳۰ جولائی ۱۸۸۷ء میں کمال اخبار عام لکھا ہے کہ حال میں امریکہ کے ایک بڑے پادری صاحب پر وہاں کے لوگوں نے کفر کا الزام لگایا ہے۔ وجہ کفر یہ ہے کہ مسیح کے معجزات اور جسمانی طور پر زندہ ہونے مسیح کا اعتقاد نہیں ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایک بڑا پادری اسی فرقہ میں سے ہے کہ جو عیسائیوں کے اس عقیدہ سے پھر گیا ہے کہ مسیح زندہ ہے اور پھر دوبارہ دنیا میں ٹیگا سو یہ ایک بیرونی شہادت ہے جو خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے دعویٰ پر قائم کی اور عیسائیوں کے ایک محقق پادری سے جو درجہ کی رو سے ایک بڑا پادری ہے وہی اقرار کر لیا جس کی نسبت اس عاجز کو الہامی خبر دی گئی۔ فالحمد للہ علی ذالک :

(۲) دوسری یہ کہ ایک بزرگ حاجی حمید شریفین عبد الرحمن نام جنہوں نے دوحہ کئے ہیں مرید خاص حضرت حاجی منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور ساکن لودھیانہ جو مرد پیر بچہ قریب انہی سال کے ہیں اپنی ایک روایا میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے جس روز مولوی محمد حسین صاحب کی آپ سے یعنی اس عاجز سے بحث ہوئی تھی رات کو خواب میں دیکھا کہ میاں صاحب مرحوم یعنی حاجی احمد جان صاحب نے مجھے اپنے مکان پر بلایا ہے۔ چنانچہ میں گیا اور ہم پانچ آدمی ہو گئے اور سب مل کر حضرت خواجہ اویس قرنی کے پاس گئے۔ اُس وقت حضرت اویس قرنی فرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے ہم سب اور اویس قرنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچے اور اویس قرنی نے وہ فرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا اور عرض کی کہ آج

اس خرقہ کی توہین ہوئی اور اس کی حرمت آپ کے اختیار میں ہے۔ آپ ہی کی طرف سے
تھامیں صرف اپنی تھامت میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے دہنی طرف حضرت ابوبکر صدیق اور صحابہ اور بائیں طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام
بیٹھے تھے اور سامنے آپ یعنی یہ عاجز کھڑا ہے اور ایک طرف مولوی محمد حسین کھڑا ہے
اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ
کی یہ عادت ہوتی کہ وہ فوت شدہ لوگوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجتا اور میں بھیجا جاتا تو مجھ
سے بھی دنیا کے لوگ یونہی پیش آتے جیسا کہ ان کے ساتھ آئے یعنی اس عاجز کے ساتھ
پھر میاں صاحب مرحوم نے مجھے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے بالوں کو دیکھ۔ تب میں نے
اُن کے سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھے ہو گئے اور جب ہاتھ اٹھایا تو گندل
پڑ گئی۔ پھر میاں صاحب نے فرمایا کہ دیکھو ان کی آنکھوں کی طرف۔ جب میں نے دیکھا
تو آنکھیں شربت تھیں اور رنگ نہایت سفید جو نہیں دیکھا جاتا تھا۔ پھر میاں صاحب
نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہی علیہ ہے مگر وہ مسیح موعود جس کے آنے کا وعدہ تھا اُس
کا علیہ وہی ہے جو تم دیکھتے ہو اور آپ کی طرف اشارہ کیا یعنی اس عاجز کی طرف۔ پھر میں
بیدار ہو گیا اور دل پر اس رویا کا اثر تار برقی کی طرح پایا۔

(۳) تیسرے یہ کہ جی فی اللہ میاں عبدالحکیم خاں صاحب اپنے رسالہ ذکر الحکیم کے صفحہ ۳۴
میں لکھتے ہیں کہ میں ماہ ستمبر ۱۸۹۰ء میں بموقع تعطیلات بمبئی ٹراوڑی میں مقیم تھا۔ اُس جگہ
میں نے متواتر تین یا چار دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ایک دفعہ ایسا تو کہ میں نے خواب میں
منا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے ہیں میں یہ خبر سُن کر حضرت مسیح علیہ السلام کی زیارت کی واسطے
پہلے جب بمبئی محفل میں پہنچا تو میں نے سب پر سلام کہا اور پوچھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کس جگہ تشریف
رکھتے ہیں وہاں مرزا یوسف بیگ صاحب مانوی جو مرزا صاحب کے مرید ہیں ہی ہیں مجھ سے انہوں
نے مجھے بتلایا میں ادب سے مسیح علیہ السلام کی طرف چلا۔ مگر جب دوبارہ نظر اٹھا کر دیکھا

۸۴۹

تو مرزا غلام احمد صاحب ایک عجیب جیسے سن اور شاندار صورت میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ خواب میں نے حافظ عبدالغنی صاحب سے جو تراویحی میں ایک مسجد کا امام ہر بیان کی تھی اور میرزا صاحب نے ابھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مستہر نہیں کیا تھا۔

یہ شہادتیں ہیں جو رسالہ کے ختم ہونے کے بعد ہم کو ملیں۔ ایسا ہی ایک اعتراض بھی اس رسالہ کے ختم ہونے کے بعد پیش کیا گیا اور وہ یہ ہے کہ اگر مسیح و جہال کے گدھے سے مراد ہی ریل گاڑی ہے تو اس ریل پر تو نیک و بد دونوں سوار ہوتے ہیں بلکہ جس کو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہے وہ بھی سوار ہوتا ہے پھر یہ و جہال کا گدھا کیونکر ہو گیا۔ جواب یہ ہے کہ پوجہ ملکیت اور قبضہ اور تصرف تام اور ایجاد و جہالی گروہ کے یہ و جہال کا گدھا کھاتا ہے۔ اگر عارضی طور پر کوئی اس سے نفع اٹھاوے تو اس گروہ اس کا مالک یا موجد ٹھہر نہیں سکتا۔ نہ و جہال کی اضافت ملتی ہے۔ پھر اگر خدا تعالیٰ و جہال کے مملوکات و مصنوعات میں سے بھی مومنوں کو نفع پہنچاوے تو اس میں کیا حرج ہے۔ کیا انبیاء کفار کی مملوکات و مصنوعات سے نفع نہیں اٹھاتے تھے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خیر کی سواری کرتے تھے حالانکہ احادیثِ نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ گدھے سے گھوڑی ^{میں} ٹانا ممنوع ہے۔ ایسے ہی امت نمونے پائے جاتے ہیں۔ ماسوا اس کے جبکہ

۸۵۰

مسیح موعود قاتل و جہال ہے یعنی روحانی طور پر تو بموجب حدیث من قتل قتیل کے جو کچھ و جہال کا ہے وہ مسیح کا ہے۔ علاوہ اس کے مسلم کی حدیث میں جو ابوہریرہ مروی ہے عیسیٰ کے آنے کی یہ نشانیاں لکھی ہیں لیسنفلٹن ابن عربیہ حکماً عدلاً ظہیر کسرن الصلیب و لیقتلن الخنزیر و لیبضعن الجنیۃ و لیترکن القلاص فلا یسبح علیہا یعنی عیسیٰ حکم اور عدل ہونے کی حالت میں اترے گا اس طرح کہ مسلمانوں کے اختلافات پر حق کے ساتھ حکم کرے گا اور عدل کو زمین پر قائم کرے گا و صلیب کو توڑے گا خنزیروں کو قتل کرے گا اور جزیہ کو اٹھاوے گا اور اس کے آنے کا ایک یہ نشان ہوگا

کہ جوان اُونٹنیاں جو بار برداری اور سواری کا بخوبی کام دیتی ہیں پھوڑ دی جائیں گی۔ پھر اُن پر سواری نہیں کی جائے گی۔ اب واضح ہو کہ یہ ریل گاڑی کی طرف اشارہ ہے جس نے تمام سواریوں سے قریباً نوع انسان کو فارغ کر دیا اور جو تمام دنیا کے ستر ہزار میل میں پھرنے والی ہے اور ہندوستان کے سولہ ہزار میل میں۔ چونکہ عرب میں اعلیٰ درجہ کی سواری جو ایک عربی کے تمام گھر کو اٹھا سکتی ہے اُونٹنی کی سواری ہے جو بار برداری اور مسافت کے طے کرنے میں تمام سواریوں سے بڑھ کر ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کیا تا اعلیٰ کے ذکر کرنے سے ادنیٰ خود اس کے ضمن میں آ جائے۔ پس فرمایا کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت میں یہ سب سواریاں بے قدر ہو جائیں گی اور کوئی اُن کی طرف التفات نہیں کرے گا یعنی ایک نئی سواری دنیا میں پیدا ہو جائے گی جو دوسری تمام سواریوں کی وقت کھو دے گی۔ اب اگر عموماً تمام گاہک اس ریل گاڑی پر سوار نہ ہوں تو یہ پیشگوئی ناقص رہتی ہے۔ اس جگہ یہ بھی ظاہر ہے کہ مسلم کی حدیث سے جو فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے ثابت ہوتا ہے جو دجال ہندوستان سے نکلنے والا ہے جس کا گدھا دھان کے زور سے چلے گا جیسے بابل جس کے پیچھے ہوا ہوتی ہے۔ اور ایسا ہی مسیح بھی اسی ملک میں اول ظہور کرے گا گو بعد میں مسافر کے طور پر کسی اور ملک دمشق وغیرہ میں نزول کرے۔ نزول کا لفظ جو دمشق کے ساتھ لگایا گیا ہے خود دلالت کرتا ہے جو دمشق میں اس کا آنا مسافرانہ طور پر ہو گا اور اصل ظہور کسی اور ملک میں۔ اور ظاہر ہے کہ جس جگہ دجال ظہور کرے اُسی جگہ مسیح کا آنا ضروری ہے کیونکہ مسیح دجال کے لئے بھیجا گیا ہے اور یہ بھی اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دجال خود نہیں نکلے گا بلکہ اس کا کوئی ٹیل نکلے گا اور حدیث کے لفظ یہ ہیں الا انہ فی بحر الشام أو بحر الیمین لابل من قبل المشرق ما هو و آدمی پیدا ہوگا الی المشرق رواہ مسلم۔ یعنی خبر دار ہو کیا دجال بحر شام میں ہے یا بحر یمین میں۔ نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا۔ نہیں وہ یعنی وہ نہیں نکلے گا بلکہ اس کا

مثیل نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری کا خیال تو یہ تھا کہ دجال بحشم میں ہے یعنی اس طرف کسی جزیرہ میں۔ کیونکہ تمیم نصرانی ہونے کے زمانہ میں اکثر ملک شام کی طرف جاتا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو رد کر دیا اور نہرایا کہ وہ مشرق کی کسی خاص طرف سے نکلے گا اور ممالک مشرقیہ میں ہندوستان داخل ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ اس خبر تمیم داری کی تصدیق کے بارے میں ایسے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ہرگز نہیں نکلے جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمیم داری کے دجال کا وجود یقین کر لیا تھا بلکہ اس بات کی تصدیق پائی جاتی ہے کہ دجال مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں وحل نہیں ہوگا۔ ماسوا اس کے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تصدیق وحی کی رو سے ہے۔ اور جاننے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اخبار و حکایات بیان کر دے تصدیق کرتے تھے اس کے لئے یہ ضرور نہیں ہوتا تھا کہ وہ تصدیق وحی کی رو سے ہو۔ بلکہ بسا اوقات محض خبر کے اعتبار کے خیال سے تصدیق کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ یہ اتفاق ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خبر کی خبر کو صحیح سمجھا اور بعد ازاں وہ خبر غلط نکلی بلکہ بعض وقت ایک خبر کے اعتبار پر یہ خیال کیا گیا کہ دشمن چڑھائی کرنے والا ہے اور پیش قدمی کے طور پر اس پر چڑھائی کر دی گئی لیکن آخر کار وہ خبر غلط نکلی۔ انبیاء و ازم بشریت سے بالکل الگ نہیں کئے جاتے۔ ہاں وحی الہی کے پہچانے میں محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں۔ یہی وہ قصہ تمیم داری والا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہرگز ثبوت نہیں ہوتا کہ وحی کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ کی تصدیق کی اور حدیث میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہ اس خیال پر دلالت کر سکے پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے جس قدر تصدیق اس قصہ کی پائی جاتی تھی وہ تصدیق وحی کی رو سے ہرگز نہیں۔ بلکہ محض عقلی طور پر اعتبار راوی کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ تمیم داری اس قصہ کے بیان کر کے

وقت سلمان ہو چکا تھا اور بوجہ مشرف باسلام ہونے کے اس لائق تھا کہ اس کے بیان کو عزت اور اعتبار کی نظر سے دیکھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب و هذا الخیر ما اردنا فی هذا الباب والحمد لله اولاً و آخراً والیہ المرحع والمآب

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

گزارش ضروری بخدیشان اصحاب جو بیعت کیلئے مستعد ہیں

اے انخوانِ مومنین! ایدکم اللہ بروح منہ۔ آپ سب اصحابوں پر جو اس عاجز مسکین کا لٹا طلب اللہ بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں و انفع ہو کہ بالبقائے رب کریم و طیل جس کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو انواع و اقسام کے اختلافات اور غل اور حقد اور نزاع اور فساد اور کینہ اور بغض سے جس نے ان کو بے برکت و تکما و کمزور کر دیا ہے نجات دے کر فاصبحتم بنعمتمہ انخوانا کا مصداق بناوے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض فوائد و منافع بیعت کے جو آپ لوگوں کے لئے مقدر ہیں اس انتظام پر موقوف ہیں کہ آپ سب اصحابوں کے اسماء مبارکہ ایک کتاب میں

تاریخ ہذا سے جو ہر راجح ۱۸۸۹ء ہے ۲۵ راجح تک یہ عاجز نو دیانہ محلہ جدید میں مقیم ہے اس عرصہ میں اگر کوئی صاحب آتا تھا میں تو نو دیانہ میں ۲۰ تاریخ کے بعد جاؤں اور اگر اس بلکہ آنا موجب حج و وقت ہو تو وہ ۲۵ راجح کے بعد جس وقت کوئی چاہے قادیان میں بعد اطلاع دی بیعت کرنے کے لئے حاضر ہو جاوے۔ مگر جس مدعا کے لئے بیعت ہے یعنی حقیقی تقویٰ اختیار کرنا اور سچا مسلمان بننے کیلئے کوشش کرنا اس مدعا کو خوب یاد رکھے۔ پھر اس دم میں نہیں پڑنا چاہئے کہ اگر تقویٰ ہو سچا مسلمان بننا پہلے ہی ہے شرط ہے تو بعد اس کے بیعت کی کیا حاجت ہے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہئے کہ بیعت اس غرض سے ہے کہ تا وہ تقویٰ کو جو اول حالت میں تحف اور تشیع سے اختیار کی جاتی ہے دوسرا رنگ پکڑے اور بہرکت توجہ صادقین و جذ بہ کا طین طبیعت میں داخل ہو جائے اور اس کا جز بن جائے

بقید ولایت و سکونت متعل و عارضی طور مع کسی قدر کیفیت کے (اگر ممکن ہو) اندراج پائیں اور پھر جب وہ اسماء مستعربہ کسی تعداد موزوں تک پہنچ جائیں تو ان سب ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے اور چھپو اگر ایک ایک کا پی اس کی تمام بیعت کرنے والوں کی خدمت میں بھیجی جائے اور پھر جب دوسرے وقت میں نئی بیعت کرنے والوں کا ایک محدبہ گردہ ہو جاوے تو ایسا ہی ان کے اسماء کی بھی فہرست طیار کر کے تمام مبايعین یعنی داخلین بیعت میں شائع کی جائے اور ایسا ہی ہوتا رہے جب تک ارادہ الہی اپنے اندازہ مقدار تک پہنچ جائے۔ یہ انتظام جس کے ذریعہ سے راستبازوں کا گردہ کثیر ایک ہی سلک میں منسلک ہو کر وحدت مجموعی کے پیرایہ میں خلاق اللہ پر جلوہ نما ہو گا اور اپنی سچائی کے مختلف المخرج شعاعوں کو ایک ہی خط ممتد میں ظاہر کرے گا۔ خداوند عز و جل کو بہت پسند آیا ہے۔ مگر چونکہ یہ کارروائی بجز اس کے باسانی و صحت انجام پذیر نہیں ہو سکتی کہ خود مبايعین اپنے ہاتھ سے نو شخط قلم سے لکھ کر اپنا تمام پتہ و نشان بتفصیل عنہ صبر الہی بھیج دیں۔ اس لئے ہر ایک صاحب کو جو صدق دل اور خلوص تام سے بیعت کرنے کے لئے

اور وہ مشکوٰۃ نور دل میں پیدا ہو جاوے کہ جو عبودیت اور ربوبیت کے باہم تعلق شدید سے پیدا ہو تا ہے جس کو تصوف میں دوسرے لفظوں میں روح قدس بھی کہتے ہیں جس کے پیدا ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کی نافرمانی ایسی بالطبع بُری معلوم ہوتی ہے جیسی وہ خود خدا تعالیٰ کی نظر میں بُری و لیساکر وہ ہے اور نہ صرف خلق اللہ سے انقطاع میرا تا ہے بلکہ بجز خالق و مالک حقیقی ہر ایک موجود کو کا لعدم سمجھ کر فناء نظری کا درجہ حاصل ہوتا ہے سو اس نور کے پیدا ہونے کے لئے ابتدائی اتفاق کا طالب صادق اپنے ساتھ لانا ہے شرط ہے ایسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی ملت غالی بیان کرنے میں فرمایا ہے ہدی للمعتقین یہ نہیں فرمایا کہ ہدی للفاسقین یا ہدی للکافرین ابتدائی تقویٰ جس کے حصول سے متقی کا نظائر صادق آسکتا ہے۔ وہ ایک فطرتی حصہ ہے کہ جو سیدوں کی خلقت میں رکھا گیا ہے اور ربوبیت اولیٰ اس کی قربی اور وجود بخش ہے جس سے متقی کا

مستعد ہیں تکلیف دی جاتی ہے کہ وہ متحرک خاص اپنے پورے پورے نام ولایت و سکونت
مستقل و عارضی سے اصطلاح بخشیں یا اپنے حاضر ہونے کے وقت یہ تمام امور درج کر ادراک
اور ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کا مرتب و شائع ہونا جس میں تمام بیعت کرنے والوں کے نام و
دیگر ہتہ و نشان درج ہو انشاء اللہ القدر بہت سی خیر و برکت کا موجب ہو گا۔ از انجملہ
ایک بڑی عظیم الشان بات یہ ہے کہ اس ذریعہ سے بیعت کرنے والوں کا بہت جلد باہم تعارف
ہو جائے گا اور باہم خط و کتابت کرنے اور افادہ و استفادہ کے وسائل نکل آئیں گے اور غائبانہ
ایک دوسرے کو دعائے خیر کیا کریں گے۔ اور نیز اس باہمی شناسائی کی رو سے ہر ایک
محل و موقع پر ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے۔ اور ایک دوسرے کی غمخواری میں ران و موافق
و دوستانہ صادق کی طرح مشغول ہو جائیں گے اور ہر ایک کو ان میں سے اپنے ہم ارادت
لوگوں کے ناموں پر اصطلاح پانے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے روحانی بھائی دنیا میں
کس قدر پھیلے ہوئے ہیں اور کن کن خدا داد فضائل سے متصف ہیں۔ سو یہ علم اُن پر ظاہر
کرے گا کہ خدا تعالیٰ نے کس خارق عادت طور پر اس جماعت کو تیار کیا ہے اور کس
سرعت اور جلدی سے دنیا میں پھیلا یا ہے۔ اور اس جگہ اس وصیت کا لکھنا بھی موزون معلوم
ہوتا ہے کہ ہر ایک شخص اپنے بھائی سے بحال ہمدردی و محبت پیش آوے اور حقیقی بھائیوں
سے بڑھ کر اُن کا قدر کرے۔ اُن سے جلد صلح کر لیوے اور دلی غبار کو دور کر دیوے اور
صاف باطن ہو جاوے اور ہرگز ایک ذرا کینہ اور بغض اُن سے نہ رکھے۔ لیکن اگر کوئی عہد

پسلا تو دل ہے مگر وہ اندرونی نور جو روح القدس سے تعبیر کیا گیا ہے وہ عبودیت خالصہ تامہ اور ربوبیت
کاملہ جمعہ کے پورے جوڑ و اتصال سے بطرز ثم انشائناہ خلقاً آخر کے پیدا ہوتا ہے اور یہ
ربوبیت ثانیہ ہے جس سے متقی تولد ثانی پاتا ہے اور ملکوتی مقام پر پہنچتا ہے اور اس کے بعد
ربوبیت ثالثہ کا درجہ ہے جو خلق جدید سے مومنوم ہے جس سے متقی لاہوتی مقام پر پہنچتا
ہے اور تولد ثالث پاتا ہے۔ فستدر مند

ان شرانط کی خلاف ورزی کرے جو اشتہار ۱۲ جنوری ۱۹۵۹ء میں مندرج ہیں اور اپنی بے باکانہ حرکات سے ہارنہ آوے تو وہ اس سلسلہ سے خارج شمار کیا جاوے گا۔ یہ سلسلہ بیعت محض برادر فرامی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کیلئے ہے تا یہ سے متقبل کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے۔ اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو اور وہ ببرکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں اور ایک کامل اور تخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں اور نہ ان نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ و اتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اس کے خوبصورت چہرہ کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے اور نہ ایسے فاضل درویشوں اور گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ غرض نہیں اور اپنی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ ہوش نہیں۔ بلکہ وہ ایسے قوم کے مصلح ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں ستمیوں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح

۸۲۹

اس جماعت کے نیک اثر سے جیسے عامہ خلایق منتفع ہوں گی۔ ایسا ہی اس پاک باطنی جماعت کے وجود سے گورنمنٹ برطانیہ کے لئے انواع و اقسام کے فوائد متصور ہوں گے جن سے اس گورنمنٹ کو نوازد عزت و جل کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ از انجملہ ایک یہ کہ یہ لوگ سچے ہوش اور دینی خلوص سے اس گورنمنٹ کے خیر خواہ اور دعا گو ہوں گے کیونکہ بموجب تعلیم اسلام (جس کی پیروی اس گروہ کا عین مدعا ہے) حقوق جملہ کے متعلق اس سے بڑھ کر کوئی گناہ کی بات اور خبیثہ لو ظلم اور پیید راہ نہیں کہ انسان جس سلطنت کے زیر سایہ باطن و عافیت زندگی بسر کرے اور اس کی حمایت سے اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں بار آور کوشش کر سکے اسی کا بدخواہ و بداندیش ہو۔ بلکہ جب تک ایسی گورنمنٹ کا شکر گزار نہ ہو تب تک خدا تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں۔ پھر دوسرا فائدہ اس بابرکت گروہ کی ترقی سے گورنمنٹ کو یہ ہے کہ ان کی کلی طریق موجب اسلوب جراثیم ہے۔ فتشکروا و تاملوا د منہ ۵

فدا ہونے کو طیار ہوں اور تمام ترکوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبت الہی اور ہمدردی بندگان خدا کا پاک چشمہ ہر یک محل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آوے۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ محض اپنے فضل اور کرامت خاص سے اس عاجز کی دعاؤں اور اس ناچیز کی توجہ کو ان کی پاک استعدادوں کے ظہور و بروز کا وسیلہ ٹھہراوے۔ اور اُس قدوس مجلس الذاکرات نے مجھے جو شش بخشا ہے تا میں ان طالبوں کی تربیت باطنی میں مصروف ہو جاؤں اور اُن کی آلودگی کے ازالہ کے لئے رات دن کوشش کرتا رہوں اور اُن کے لئے وہ نور مانگوں جس سے انسان نفس اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور باطبع خدا تعالیٰ کی راہوں سے محبت کرنے لگتا ہے اور اُن کے لئے وہ روح قدس طلب کر دل جو ربوبیت تامہ اور عبودیت خالصہ کے بوڑھے پیدا ہوتی ہے اور روح خبیث کی تکفیر سے اُن کی نجات چاہوں کہ جو نفس مارا اور شیطان کے تعلقی شدید سے جنم لیتی ہے۔ سو میں توفیقہ تعالیٰ کا ہل بول سست نہیں رہوں گا اور اپنے دوستوں کی مصلحت طلبی سے جنہوں نے اس سلسلہ میں داخل ہونا بصدق قدم اختیار کر لیا ہے غافل نہیں ہوں گا۔ بلکہ اُن کی زندگی کے لئے موت تکوریٰ نہیں کروں گا اور اُن کے لئے خدا تعالیٰ سے وہ روحانی طاقت چاہوں گا جس کا اثر برقی مادہ کی طرح اُن کے تمام وجود میں دوڑ جائے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اُن کے لئے کہ جو داخل سلسلہ ہو کر صبر سے منتظر رہیں گے ایسا ہی ہو گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیا میں محبت الہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن و صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلاوے۔ سو یہ گروہ اس کا ایک خالص گروہ ہو گا اور وہ انہیں آپ اپنی روح سے قوت دے گا اور انہیں گندی زلیست سے صاف کرے گا اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشنے گا۔ وہ جیسا کہ اُنہوں نے اپنی پاک پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے

اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزار ہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا وہ خود اس کی
آپاشی کرے گا اور اس کو نشوونما دے گا۔ یہاں تک کہ اُن کی کثرت اور برکت نظر میں
عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح ہو اُوچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کے چاروں
طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے
وہ اس سلسلہ کے کامل تبعین کو ہر ایک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ
دے گا اور ہمیشہ قیامت تک اُن میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت
اور نصرت دی جائے گی۔ اس رب جلیل نے ہی چاہا ہے وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے
ہر ایک طاقت اور قدرت اُسی کو ہے۔ فالحمد لله اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً اسلمنا
له هو مولنا فی الدنیا و الاخر نعیم المولی و نعم النصیر

کسک

غلام احمد - لودھیانہ - محلہ جدید متصل مکان انجمنی منشی حاجی احمد جان صاحب مہتمم

۴۔ پانچ ۱۸۸۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی

تکمیل تبلیغ

مضمون تبلیغ جو اس جلسہ نے ہشتاویئم دسمبر ۱۸۸۸ء میں شائع کیا ہے جس میں بیعت کے لئے
حق کے طالبوں کو بلایا ہے اس کی جمل شرائط کی تشریح یہ ہے۔ اول بیعت کنندہ سچے
دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اُس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے
مجتنب رہے دوم یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بد نظری اور ہر ایک فسق اور فجور اور ظلم اور خیانت

اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی ہوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔ سووم یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد و تہلیل کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔ چہارم یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی ہوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔ پنجم یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور عسر اور کسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور ہر حالت راضی بقضاء ہوگا۔ اور ہر یک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں طیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔ ششم یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آئے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کر لے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر یک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔ ہفتم یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔ ہشتم یہ کہ دین و دنیا کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔ نہم یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض متدشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خدا و طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔ وہم یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض شد باقرار طاعت و معروف و نادر کہ اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلوق اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

یہ وہ شرائط ہیں کہ جو بیعت کرنے والوں کے لئے ضروری ہیں جن کی تفصیل یکم و دو و تیسرے بابوں میں ہے۔

کے اشہار میں نہیں لکھی گئی۔ اور الہامات جو اس بارہ میں آج تک ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

۵۵۴ اذا عزمتم فتوحك على الله واصنع الفلك باعيننا ووحينا الذين يباعدونك انما يباعدون الله يد الله فوق ايديهم يعني جب تو نے اس خدمت کے لئے قصد کر لیا تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر اور یہ کشتی ہماری آنکھوں کے رو بہ اور ہماری وحی سے بنا۔ جو لوگ تجھ سے بیعت کریں گے وہ تجھ سے نہیں بلکہ خدا سے بیعت کریں گے۔ خدا کا ہاتھ ہوگا جو ان کے ہاتھوں پر ہوگا۔ پھر ان دنوں کے بعد جب لوگ سچ موعود کے دعویٰ سے سخت اجلہ میں پڑ گئے یہ الہامات ہوئے۔ الذين تابوا واصلحوا اولئك اتوب عليهم وانا التواب الرحيم۔ احم يسر نالهم المهدى واهم حق عليهم العذاب ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين ولكيد الله اكبر وان يستخذونك الا هزوا اهدى الله الذی بعث الله قل ايها الكفار اني من الصادقين فانتظروا ليا تاتي حتى حين سنريهم اليئسنا في الافاق۔ وفي انفسهم حجة قائمة وفتح مبين۔ ان الله يفصل بينكم ان الله لا يهدي من هو مسرف كذاب۔ يريدون ان يطفئوا نورا لله فانوا هم والله متم نوره ولو كره الكافرون۔ نريد ان نزل عليك اسراراً من السماء ونمزق الاعداء كل ممزق ونرى فرعون وهامان وجنودهما ما كانوا يحذرون سلطنا سلا با عليك وغيننا سباعاً من قولك وفتناك فتونا فلا تحزن على الذي قالوا ان ربك لبالمرصاد۔ حكم الله الرحمن لخليفة الله السلطان يوتي له الملك العظيم ويفتح على يده الخزائن وتشرق الارض بنور ربها خالك فضل الله وفي اعينكم عجب عظيم يعني جو لوگ توبہ کریں گے اور اپنی حالت کو درست کر لیں گے تب میں بھی ان کی طرف رجوع کر ول گا اور میں تواب اور رحیم ہوں۔ بعض گروہ وہ ہیں جن کے لئے ہم نے ہدایت کو آسان کر دیا اور بعض وہ ہیں جن پر عذاب ثابت ہوا۔ وہ مکر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی مکر کر رہا ہے اور وہ خیالدار کریں ہے اور اس کا

مکہ ہمت بڑا ہے۔ اور تجھے ٹھٹھول میں اڑاتے ہیں۔ کیا یہی ہے جو مبعوث ہو کر آیا ہے
 ان کو کہدے کہ اے منکر و! میں صادقوں میں سے ہوں۔ اور کچھ عرصے کے بعد تم میرے
 نشان دیکھو گے۔ ہم انہیں کے ارد گرد اور خود انہیں میں اپنے نشان دکھائیں گے۔
 حجت قائم کی جائے گی اور فسخ کھلی کھلی ہوگی۔ خداتم میں فیصلہ کر دے گا۔ وہ کسی جھوٹے
 حد سے بڑھنے والے کار ہنما نہیں ہوتا۔ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں
 مگر خدا اسے پورا کرے گا اگرچہ منکر لوگ کراہت ہی کریں۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ کچھ
 اسرار تیرے پر آسمان سے نازل کریں اور دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اور
 فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر وں کو وہ باتیں دکھا دیں جن سے وہ ڈرتے ہیں۔
 ہم نے کتوں کو تیرے پر مسلط کیا۔ اور درندوں کو تیرے بات سے غصہ دلایا۔ اور سخت
 آزمائش میں تجھے ڈال دیا۔ سو تو اُن کی باتوں سے کچھ غم نہ کر۔ تیرا رب گھات میں ہے
 وہ خدا جو رحمن ہے وہ اپنے خلیفہ سلطان کے لئے مندرجہ ذیل حکم صادر کرتا ہے
 کہ اس کو ایک ملک عظیم دیا جائے گا اور خزانوں علوم و معارف اس کے ہاتھ پر رکھو لے
 جائیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشنی ہو جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے

اور تمہاری آنکھوں میں عجیب۔ اس جگہ بادشاہت سے مراد دنیا

کی بادشاہت نہیں اور نہ خلافت سے مراد دنیا کی

خلافت۔ بلکہ جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبت کے

ملک کی بادشاہت اور معارف الہی کے

خزانے ہیں جن کو بفضلہ تعالیٰ ہر قدر

دیکھا کر لوگ لیتے لیتے

تھک جاتیں گے

اکیس جولائی ۱۸۹۱ء کا ہفت روزہ لودھیانہ

اور

حضرت مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کا انتقال و خلافت

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا اشتہار مورخہ یکم اگست ۱۸۹۱ء میری نظر سے گذرا۔ جس کے دیکھنے سے مجھے سخت تعجب ہوا کہ مولوی صاحب نے کیسی بے باکی سے اپنے اس اشتہار کو سراسر افترات اور اکاذیب سے بھر دیا ہے۔ وہ نہایت چالاک سے شرانگہ فتنی کا الزام میرے ذمہ لگاتے ہیں لیکن اصل حقیقت جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یہ ہے کہ وہ ایک دن بھی شرانگہ مقررہ پر قائم نہیں رہ سکے۔ چنانچہ وہ اکثر برخلاف شرط قرار یافتہ کے اول مضمون مباحثہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر پھر دوسرے سے لکھوا کر اور جا بجا کم و بیش کر کے تحریک ثانی کو دیتے رہے ہیں اور اگر ان کی اہل تحریر اور ثانی کا مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ تحسیر ثانی میں بہت کچھ تصرف ہے جو طریق دیانت اور امانت سے بالکل بعید تھا یہ ان کی پہلی عمدہ شے ہے جو اخیر تک ان سے ظہور میں آئی گئی۔ پھر دوسری عمدہ شے یہ کہ انہوں نے پہلے ہی سے یہ عادت ٹھہرائی کہ سنانے کے وقت تحریر سے تجاوز کر کے بہت کچھ وعظ کے طور پر صرف زبانی کہتے رہے جس کا کوئی نام و نشان تحریر میں نہیں تھا۔ جب انہوں نے اپنی وہ تحریر جو ۶ صفحہ کی تھی سنانی تو بکلی شرطوں کو توڑ کر زبانی وعظ شروع کر دیا۔ اور ان زبانی کلمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ میں حدیثوں کے تعارض کو ایک دم میں رفع کر سکتا ہوں۔ ابھی رفع کر سکتا ہوں اور ساتھ اس کے بہت سی تیسری اور خلاف تہذیب اور چالاک کی باتیں تھیں جن میں بار بار یہ جتلا نا نہیں منظور تھا کہ یہ شخص نافرمان ہے۔ نادان ہے۔ جاہل ہے۔ لیکن اس عاجز نے ان کی ان تمام دل آزار باتوں پر صبر کیا اور ان کی

اس عہد شکنی پر بھی تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تاگریر اور التوا و بحث کے لئے انھو کوئی حیلہ
 ہاتھ نہ آ جاوے۔ وہ قسم کھا کر بیان کریں میں قبول کر لوں گا کہ کیا اُن کی اس عہد شکنی سے
 پہلے کوئی ایک ذرہ خلاف عہد بات مجھ سے بھی ظہور میں آئی۔ اور اگر جو مجھے غیب معلوم تھا کہ
 ایک غیب ضروری بحث طول پکڑتی جاتی ہے اور باوجودیکہ امور متفسرہ کا جواب ثنائی کافی
 دیا گیا ہے پھر بھی مولوی صاحب صرف اصل بحث کو ٹلنے کے غرض سے تمبیدی امور کی بے سود
 دُم کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے کچھ بھی بات کی تو
 اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مولوی صاحب ایک بہانہ تراش کر اپنے گھر کی طرف سدھاریں گے
 حاضرین مجلس جو میرے اور مولوی صاحب کے مباحثات کو دیکھتے رہے محض شدت شہادت
 دے سکتے ہیں کہ میں نے اُن کی سخت زبانیوں پر بھی جو میرے بالمواہد اُن سے ظہور میں آتی
 رہیں بہت صبر کیا اور ہر ایک وقت ہوا انہوں نے میسا نام جاہل یا نادان رکھا تو میں نے اپنے
 دل کو سمجھا یا کہ سچ تو ہے جو خداوند عظیم مطلق کے کون ہے جو دانا کما سکتا ہے اور اگر انہوں
 نے مجھے مفتری کہا تو میں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ پہلے بھی خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو
 یہی کہا گیا ہے۔ اور اگر انہوں نے مجھے کاذب کاذب کر کے پکارا تو دل پر قرآن کریم کی آیتیں
 عرض کیں کہ دیکھ پہلے راست باز بھی کاذب کاذب کر کے پکارے گئے ہیں۔ غرض اسی طرح میں
 نے صبر سے گیاراں روز گزارے اور شہر میں اُن کی بد زبانی کا شور مچا دیا اور جس روز انہوں
 نے چھترہ صفحہ کا جواب سنایا اور بہت کچھ بد زبانی اور چالاک کی باتیں خارج از تحریر
 بیان کیں تو اُس وقت میں نے ایک مجمع کثیر کے روبرو جس میں اُن کے خاص دوست مولوی
 محمد حسن صاحب رئیس لودھیانہ بھی تھے انہیں کہہ دیا کہ آج پھر آپ نے عہد شکنی کی اور
 خارج از تحریر بد زبانی و عطف کرنا شروع کر دیا۔ اب مجھے بھی حق حاصل ہے کہ میں بھی اپنے مضمون
 سننے کے وقت کچھ بد زبانی و عطف بھی کر دوں۔ لیکن باوجودیکہ مجھے یہ حق حاصل ہو گیا تھا پھر بھی
 میں نے جواب سننے کے وقت اس حق سے بجز ایک دو کلمہ کے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا

اسر جولائی ۱۸۹۱ء کو جب میں جواب سنانے کے لئے گیا تو جاتے ہی مولوی محمد حسین صاحب کے طور بدلے ہوئے نظر آئے۔ اُن کی ہر ایک بات میں کچی معلوم ہوتی تھی اور بد اخلاق کلکچہ انتہاء نہ تھا۔ جب میں مضمون حاضرین کے رو برو پڑھنے لگا تو انہوں نے دخل بے جا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ خواہ مخواہ فضولی کے طور پر پل اٹھے کہ تم نے کسی کتاب کا نام غلط پڑھا ہے۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس عالم نے کوئی نام غلط نہیں پڑھا تھا۔ مولوی صاحب کو صرف اپنی شیخی اور علمیت ظاہر کرنا منظور تھا جس کے جوش میں آکر انہوں نے ترک گفت گویا بانی کا حمد کئی بار توڑا۔ اور جیسے پل ٹوٹنے سے پانی زور سے بہ نکلتا ہے ایسا ہی اُن کا صبر ٹوٹ کر نفسانی جذبات کا سیلاب جاری ہوا۔ ہر چند کہا گیا کہ حضرت مولوی صاحب آپ سے یہ شرط ہے کہ آپ میسری تقریر کے وقت خاموش رہیں جیسا میں خاموش رہا۔ لیکن انہوں نے صبر نہ کیا کیونکہ سچائی کے رعب سے اُن پر حق پوشی کے لئے ایک قلق طاری ہوا تھا۔ آخر دیکھتے دیکھتے اُن کی حالت خوفناک ہو گئی۔ مگر شکر اللہ کہ اس عرصہ میں تمام مضمون سنایا گیا۔ اور آخری مضمون یہ تھا کہ اب یہ تمہیدی بحث ختم کی گئی کیونکہ امور مستفسرہ کا یہ بسط تمام جواب ہو چکا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر مولوی صاحب کے دل میں اور بھی خیالات باقی ہیں تو بذریعہ اپنے رسالہ کے شائع کریں۔ اس تمہیدی بحث کے ختم کرنے کی وجہ یہی تھی کہ فریقین کے بیانات نہایت طول تک بلکہ دس جزو تک پہنچ چکے تھے اور برابر بار بار دن اس ادنیٰ اور تمہیدی مباحثہ میں خسرے ہوئے تھے۔ اور اس تمام بحث میں مولوی صاحب کا صرف ایک ہی سوال بار بار تھا کہ کتاب اللہ اور حدیث کو ملانے ہو یا نہیں جس کا کئی دفعہ مولوی صاحب کو کھول کھول کر جواب دیا گیا کہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو بشرط ماننا ہوں اور مکرر استفسار پر اصل غشاء ظاہر کر دیا گیا کہ حدیث کا وہ حصہ جو اخبار اور مواہید اور قصص اور واقعات گزشتہ سے متعلق ہے اس شرط سے قبول کیا جائے گا کہ قرآن کریم کے

اخبار وغیرہ سے معارض نہ ہو۔ لیکن پھر بھی مولوی صاحب بار بار اپنے پرچہ میں یہی لکھتے رہے کہ ابھی میرا جواب نہیں آیا۔ ابھی جواب نہیں آیا۔ حالانکہ اُن کا حق صرف اتنا تھا کہ میرا مذہب دریافت کریں۔ اور جب میں اپنا مذہب بیان کر چکا تو پھر اُن کا ہرگز استحقاق نہ تھا کہ ناحق وہی بات بار بار پوچھیں جس کا میں پہلے جواب دے چکا ہوں اور اس طرف لوگ بہت تنگ آگئے تھے اور بعض لوگ جو دُور سے اصل بحث سننے کے لئے آئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ بار بار دن تک اصل بحث کا نام و نشان ظاہر نہیں ہوا تو وہ نہایت دل شکستہ ہو گئے تھے کہ ہم نے یونہی دن ضائع کئے لہذا بطبق حدیث من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنہ سخت لاپرواہ ہو کر اس فضول بحث کو بند کرنا پڑا۔ اگرچہ مولوی صاحب کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ اصل بحث کی طرف آویں اور اس فضول بحث کو ختم کریں بلکہ ڈراتے تھے کہ ابھی تو میرے اصول موضوعہ اور بھی ہیں جن کو میں بعد اس کے معرض بحث میں ڈالوں گا۔ اور لوگ جلتے تھے کہ خدا آپ کے اصول موضوعہ کا ستیاناس کرے آپ کیوں اصل بحث کی طرف نہیں آتے۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ مولوی صاحب کی یہ شکایت کس قدر بیچ ہے کہ مجھے جواب لکھنے کے لئے اپنا مضمون نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ عاجز حسب رائے عام یہ بحث تمہیدی ختم کر چکا تھا تو پھر مولوی صاحب کو تحریری جواب کا کیوں موقعہ دیا جاتا۔ اگر وہ جواب تحریر کرتے تو پھر میری طرف سے بھی جواب الجواب چاہیئے تھا۔ اس صورت میں یہ تسلسل کب اور کیوں نہ ختم ہو سکتا تھا میں نے بے وقت اس تمہیدی بحث کو ختم نہیں کیا۔ بلکہ بار بار دن ضائع کر کے اور مضمون بحث کو دس جزو تک پہنچا کر اور اکثر لوگوں کا واویلا اور شکایت سن کر بدرجہ ناچاری مباحثہ کو ختم کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اب اصل بحث شروع کریں میں حاضر ہوں۔ لیکن وہ اصل بحث سے تو ایسا ڈرتے تھے جیسا کہ ایک بچہ شیر سے۔ اور چونکہ پہلا سوال مولوی محمد حسین صاحب کی طرف سے تھا اس لئے میرا یہ حق بھی تھا کہ میرے جواب پر یہی بحث ختم ہوتی تاچھ پرچے

میرے بھی ہو جاتے۔ چونکہ مولوی صاحب کی نیت ٹیک نہیں تھی اس لئے انہوں نے اس بحث کا خاتمہ سنکر جس قدر بوشش دکھلایا اور جس قدر خشونت و حشیانہ ظاہر کی اور جس قدر خلاف تہذیب کلمات اس جوش کی حالت میں اُن کے مُنہ سے نکلے وہ اُن سب پر ظاہر ہیں جو اُس وقت حاضر تھے۔ انہوں نے ایک یہ بھی چالاکी اختیار کی کہ اپنی جماعت کے لوگوں کے نام بطور گواہوں کے اپنے اشتہار پر لکھ دئے تاکہ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ وہ فی الحقیقت سچے ہیں۔ تبھی تو اتنے گواہ اُن کے بیان کے مصدق ہیں۔ لیکن یہ کس قدر بددیانتی ہے کہ اپنی ہی جماعت کو جو اپنے حامی اور انصار اور ایک ہی مدعا میں شریک ہوں بطور گواہوں کے پیش کیا جائے۔ آخر اس جلسہ میں ثالث آدمی بھی تو موجود تھے جن کو فریقین سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ جیسے حضرت خواجہ احسن شاہ صاحب آئری مجسٹریٹ و رئیس عظم لودھیانہ جو اس شہر کے ایک نامی محترم اور منتخب رئیس اور صادق اور راستباز آدمی ہیں۔ اور ایسا ہی منشی میراں بخش صاحب اکوٹنٹ جو ایک معزز عمدہ دار اور متانت شعار اور اپنے عمدہ اور تنخواہ کے رُو سے اکثر اسسٹنٹوں کے ہم رتبہ ہیں۔ ایسا ہی حاجی شہزادہ عبدالحی خان صاحب ڈاکٹر مصطفیٰ علی صاحب خواجہ محمد مختار شاہ صاحب رئیس عظم لودھیانہ۔ خواجہ عبد القادر شاہ صاحب۔ ماسٹر چراغ الدین صاحب۔ منشی محمد قاسم صاحب۔ ماسٹر قادر بخش صاحب۔ میاں شیر محمد خاں صاحب جھجر والہ اور کئی اور بھی معزز موجود تھے۔ ان تمام معزز رئیسوں اور عمدہ داروں اور بزرگوں کو کیوں گواہی سے باہر رکھا گیا اور کیوں اُن کی شہادتیں درج نہ ہوئیں۔ حالانکہ فقط جناب خواجہ احسن شاہ صاحب رئیس اعظم کی گواہی ہزار عوام الناس کی گواہی کے برابر تھی۔ اس کا سبب یہی تھا کہ ان بزرگوں کے بیان سے اصل حقیقت کھلتی تھی۔ افسوس کہ مولوی محمد حسین صاحب نے علاوہ ان اکاذیب کے جو بحث کے متعلق بیان کئے ایک بازاری جھوٹ جو مبحث سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا نا حق اپنے اشتہار میں لکھ دیا۔ چنانچہ وہ اس عاجز کی نسبت اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ مجلس

اُٹھ کھڑے ہوئے اور گاڑی میں کہ جو چوکی دروازہ پر کھڑی تھی ایسے جلدی ہوا ہو کہ پھلے
 کہ آپ کے ہمراہی چلتی گاڑی پر دوڑ کر سوار ہوئے۔ اس افتراء کا میں کیا جواب دوں۔
 بجز اس کے کہ علی الکلام میں کہوں یا آپ ہی کا قول مندرجہ اشتہار آپ کی خدمت میں نہیں
 دہاں کہ جھوٹے پر اگر ہمارا لخت نہیں تو یا پنجسو سہی۔ حضرت وہ گاڑی منشی میلان بخش صاحب
 اکوٹنٹ کی تھی جو دروازے پر کھڑی تھی اور وہ خود جلسہ بحث میں تشریف رکھتے تھے اور
 دہی اس پر سوار ہو کر آئے تھے۔ تمام بازاری اس بات کے گواہ ہیں۔ منشی صاحب موصوف
 سے دریافت کیجئے کہ برخاست جلسہ بحث کے وقت اس پر کون سوار ہوا تھا اور کہا میں اپنے
 مکان تک آہستہ چال سے پیادہ آیا تھا یا اس گاڑی پر ایک قدم بھی رکھا تھا۔ میرے
 ساتھ اس وقت شاید قریب تیس آدمی کے ہوں گے جو سب پیادہ آئے تھے اور جب ہم
 اپنے مکان کے قریب پہنچ گئے تو منشی میلان بخش صاحب گاڑی پر سوار آپہنچے اور غدار کیا کہ
 میں سوار آیا اور آپ پیادہ آئے۔ اس قدر افتراء کیا اندھیر کی بات ہے کیا جھوٹ مولو لوں
 کے ہی حصہ میں آگیا۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ آپ کی عہد شکنی نہایت قابلِ غصہ ہے۔
 آپ اس بات کو مانتے ہیں کہ آپ سے یہ شرط ہو چکی تھی کہ زبانی گفتگو ایک کلمہ تک نہ ہو جو
 لکھ ہو بذریعہ تحریر ہو۔ جیسا کہ آپ نے اپنے اشتہار میں بھی لکھ دیا ہے لیکن آپ کو معلوم
 ہے کہ آپ نے عہد اس شرط کو توڑ دیا اور جب آپ توڑ چکے اور عہد شکنی کے طور پر مضمون سناتے
 کے محل میں زبانی وعظ بھی کر چکے تب میں نے آپ کو کہا کہ اب زبانی وعظ کرنا میرا بھی حق
 ہو گا۔ پس اگر میں نے مضمون سناتے کے وقت میں چند کلمے زبانی بھی کہے تو کیا یہ عہد شکنی
 تھی یا آپ کی عہد شکنی کا عوض معاوضہ تھا جس کی نسبت میں وعدہ کر چکا تھا۔ حضرت
 مولوی محمد حسن صاحب جو ریٹس اور آپ کے دوست ہیں جن کے مکان پر آپ نے یہ عہد شکنی
 کی تھی اگر قسم کھا کر میرے روبرو میرے اس بیان کا انکار کریں تو پھر میں اس الزام سے
 دست بردار ہو جاؤں گا ورنہ آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ بلاشبہ جرم عہد شکنی کے کئی دفعہ

۸۶۶

۸۶۷

مرتب ہوئے اور نخت سے بھرا ہوا جوش آپ کو اس جرم کا مرتکب بناتا رہا۔ آخری روز میں بھی آپ سے یہی حرکت صادر ہوئی اور وحشیانہ غیظ و غضب اس کے علاوہ ہوا۔ جس کی وجہ سے آپ سے حکم آیتہ کریمہ اعراض بکلی اعراض لازم آیا۔ اور آپ کو نقل جواب نہ دی گئی۔ حضرت آپ کے لفظ لفظ میں نخت اور تکبر بھرا ہوا ہے اور فقرہ فقرہ سے ناخبر منہ کی بدبو آ رہی ہے۔ بھلا ایک کتاب کے نام کی غلطی کا الزام دینا کیا یہی تہذیب تھی۔ اور وہ بھی سفہ طبع ملاؤں کی طرح سرسرد روغ۔ اگر میں چاہتا تو آپ کی صرف نحو بھی اُسی وقت لوگوں کو دکھلا دیتا۔ لیکن یہ کیسنگی کی نصلت مجھ سے صادر نہیں ہو سکتی تھی۔ میں دیکھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر آپ اپنے اس تعصب اور پست خیالی سے تائب نہیں ہوں گے تو خدا تعالیٰ جیسا کہ قدیم سے اس کی سنت ہے آپ کے علم کی بھی پردہ دری کرے گا اور آپ کو آپ کا اصلی چہرہ دکھلا دے گا۔ جس وقت آپ اس عاجز کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص بے علم اور نادان اور جاہل اور مفتری ہے تو آپ کا ایسی چالاکیوں سے صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ تا لوگوں کے ذہن نشین کریں کہ میں بڑا عالم اور دانا اور صاحب علم اور محرف اور نیز صادق آدمی ہوں۔ لیکن اپنے منہ سے کوئی مرتبہ انسان کو نہیں مل سکتا جب تک آسمانی نور اس کے ساتھ نہ ہو۔ اور جس علم کے ساتھ آسمانی نور نہیں وہ علم ہمیں وہ جمل ہے۔ وہ روشنی نہیں وہ ظلمت ہے۔ وہ مخزن نہیں وہ استخواں ہے۔ ہمارا دین آسمان سے آیا ہے اور وہی اس کو سمجھتا ہے جو وہ بھی آسمان سے ہی آیا ہو۔ کیا خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا لا یمسہ الا المطہرونؑ میں قبول نہیں کروں گا اور ہرگز نہیں مانوں گا کہ آسمانی علوم اور ان کے اندرونی بھید اور ان کے تدریج چھپے ہوئے اسرار زمینی لوگوں کو خود بخود آ سکتے ہیں۔ زمینی لوگ دابۃ الارض ہیں مسیح السماء نہیں ہیں۔ مسیح السماء آسمان سے اُترتا ہے اور اس کا خیال آسمان کو مسیح کر کے آتا ہے اور روح القدس اس پر نازل ہوتا ہے اس لئے وہ آسمانی روشنی ساتھ رکھتا ہے۔ لیکن دابۃ الارض کے ساتھ زمین کی غلاظتیں ہوتی ہیں اور نیز وہ انسان کی پوری شکل نہیں رکھتا۔

بلکہ اُس کے بعض اجزاء مسخ شدہ بھی ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے کہا تھا کہ آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ دین کے حقیقی علم سے بے خبر ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ہر ایک تکبر کو توڑ دے گا اور آپ کا چہرہ آپ کو دکھلا دے گا۔ افسوس کہ آپ کی کچی باتیں آپ کو شرمندہ نہیں کرتیں۔ اور باوجود سخت لاجواب جواب دینے کے پھر بھی علم حدیث کا دعویٰ چلا جاتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ الدجال سے مراد خاص مسیح الدجال نہیں۔ بلکہ دوسرے دجالوں کی نسبت بھی صحیح میں الدجال بولا گیا ہے۔ لیکن جب آپ کو کہا گیا کہ یہ میرا سر آپ کی غلطی ہے آپ کو حدیث رسول اللہ کا حقیقی علم نصیب نہیں۔ اگر آپ بجز دجال معبود کے کسی اور کی نسبت یہ لفظ صحیح رستہ میں اطلاق پاتا ثابت کر دیں تو آپ کو پانچ روپے بطور تاوان ملیں گے تو آپ ایسے چُپ ہوئے کہ کوئی جواب آپ سے بن نہ پڑا۔ یہ غرور اور تکبر کی سزلہ ہے کیا بے علمی اسی کا نام ہے یا کسی اور چیز کا۔ کہ آپ نے الدجال کے متعلق حدیث رسول اللہ کے اُٹے معنی کئے اور محض افسار کے طور پر کچھ کا کچھ گھڑ کے سننا دیا یہی حدیث الٰہی ہے؟ پھر آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ میں معین کی حدیثوں کا تعارض دور کر سکتا ہوں یا سبکے جواب میں آپ کو کہا گیا کہ اگر آپ قبول کریں تو چند منصف مقرر کر کے چند متعارض حدیثیں آپ کے سامنے بغرض تطبیق و توفیق پیش کی جائیں گی۔ اگر آپ اپنی علمی لیاقت سے تعارض دور کر کے دکھلا دیں گے تو پچیس روپے آپ کو انعام ملیں گے اور آپ کی علمیت مسلم ٹھہرائیگی اور اگر آپ چُپ رہیں تو آپ کی بے علمی ثابت ہوگی۔ لیکن آپ چپ رہے۔ سو میں مکرر کہتا ہوں کہ ہر چند ج مرکب کی وجہ سے آپ کو دعویٰ علم دین بہت ہے مگر آپ خوب یاد رکھیں کہ جب تک ان تمام آزمائشوں میں آپ صادق نہ ٹھکیں تب تک یہ دعویٰ بے اصل و بے دلیل ہے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ ان آزمائشوں میں ہرگز آپ عزت کے ساتھ اپنا انجام نہیں دیکھیں گے۔ یہ سزا اس کبر کی ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ایک تکبر کو تباہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اور آپ کا وہ جو جس جس کی وجہ سے شرعی طور پر

آپ نے اپنی دونوں بیویوں کو طلاق دے دی۔ ہر ایک دانائی نظر میں قابل ہنسی ہی کیونکہ آپ کو توحیح کی عبارت کا ایک حصہ سنا دیا گیا تھا جس کے حوالہ سے وہ حدیث بیان کی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ صاحب توحیح نے بطور شاہد اپنے تئیں قرار دے کر بیان کیا ہے کہ وہ حدیث یعنی عرض الحدیث علی القرآن کی حدیث بخاری میں موجود ہے۔ اب اس کے مقابل پر یہ عند پیش کرنا کہ نسجیات موجود بخاری جو ہند میں چھپ چکے ہیں ان میں یہ حدیث موجود نہیں۔ سراسر ناہنجی کا خیال ہے۔ کیونکہ علم محدود کے عدم سے کئی عدم شل لازم نہیں آتا۔ جس حالت میں ایک سرگرم مسلمانوں کا اپنی شہادت رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے اور آپ کو یہ دعویٰ نہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا کے نسجیات بخاری کے قلمی وغیرہ قلمی آپ دیکھ چکے ہیں۔ پھر کس قدر فضولی ہے کہ صرف چند نسخوں پر بھروسہ کر کے بے گناہ عورتوں کو طلاق دی جلٹے۔ اگر ثانی الحال کوئی قلمی نسخہ نکل آوے جس میں یہ حدیث موجود ہو تو پھر آپ کا کیا حال ہو۔ مومن کی شہادت عند الشرح قابل پذیرائی ہوتی ہی اور فقط ایک کی شہادت رویت ماہ رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں پر روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں علامہ تفتازانی صاحب توحیح کی شہادت بالکل ضائع اور بیکار نہیں ہو سکتی بخاری کے مطبوعہ نسخوں میں بھی بعض الفاظ کا اختلاف موجود ہے۔ پھر سارے مہمان کے قلمی نسخوں کا کون ٹھیک لے سکتا ہے۔ پس آپ کی بے دلیل نفی بے سود ہے حضرت! ثابت کے بیان کو قواعد تحقیق کی رو سے ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ زیادت علم ہے۔ اب اس شہادت کے مقابل پر جو عند الشرح قابل قبول ہے جب تک آپ سارے زمانہ کے قلمی نسخے نہ دکھادیں اور صاحب توحیح کا کذب ثابت نہ کر لیں تب تک احتمالی طور پر طلاق واقع ہو گئی ہے۔ علماء کو پوچھ کر دیکھ لیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر صاحب توحیح اپنی رویت میں کاذب ہوتا تو اسی زمانہ میں علماء کی زبان سے اس کی تشنیع کی جاتی اور اس کی جواب پوچھا جاتا۔ اور جبکہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت اسکی

رویت صحیح تھی اور ان سب کا سکوت بطور ثبوت دینا ہو کہ حقیقت وہ حدیث صاحب تلوح نے بخاری میں دیکھی تھی۔ اور جس حالت میں صاحب بخاری تین لاکھ حدیثیں یاد رکھتے تھے اس صورت میں کیا قرین قیاس نہیں کہ بعض حدیثوں کے لکھنے میں لکھوں کمی بیشی ہو۔ اور اس طلاق کے مقابل پر میرا اشتہار لکھنا محض فضول تھا۔ اس سے اگر کچھ ثابت ہو تو فقط یہ ثابت ہوگا کہ بے وجہ نکتہ چینیاں آپ کی عادت ہے حضرت آپ جلتے ہیں کہ یوں تو ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی کو نافرمان یا سرکش یا بد زبان یا لٹی یا ہوا اور ناموافق پاکر اس کو طلاق دے دیوے۔ اس طرح تو پیغمبر بھی دیتے رہیں لیکن ایک شخص بحث اور جھگڑا تو لوگوں سے کرے اور ناحق اپنی بے خبری اور بے گناہ بیویوں کو عقد میں میں آکر طلاق دیوے یہ امر وحشیانہ اور سراسر خلاف تہذیب ہے۔ کیا مناسب ہے کہ گناہ کسی کا ہو اور مارا جائے کوئی۔ کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا کوئی نمونہ پایا جاتا ہے۔ آپ کا یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہ کی تحقیق نہیں کی۔ اگر آپ کو ایک بات میں نادان کہا جائے تو آپ کو کیسا غصہ آئے گا۔ مگر آپ نے تو امام صاحب کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب قریب محروم مطلق کے ظاہر کیا کیا یہ تحقیق نہیں؟ ہمارے اور آپ کے حنفی علماء منصف رہے۔ پھر آپ اپنے اشتہار میں میرے اس قول کو اکاذیب میں داخل قرار دیتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر صحابہ کا اجماع تھا خدا تعالیٰ آپ کے حل پر رحم کرے۔ کیا خود ابن صیاد کے بیان سے جو بعد مشرت باسلام ہونے کے اس نے کیا تھا جو صحیح مسلم میں موجود ہے ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ اس کو دجال معمود کہتے تھے۔ کیا اس حدیث میں کوئی معافی یا ہر بھی رکھا ہے جو اس کو دجال معمود نہیں سمجھتا تھا۔ یا کیا اس خبر کے مشہور ہونے کے بعد کسی صحابی کا انکار مروی ہے۔ اس کا ذرہ نام تو لو۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ اصول فقہی رو سے اجماع کی قسموں میں سے ایک کوئی اجماع بھی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ابن صیاد کے دجال معمود ہونے پر حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قسم کھائی

۸۷۵

۸۷۶

جس پر نہ خود انجانب نے انکار کیا اور نہ صحابہ حاضرین میں سے کوئی منکر ہوا۔ کیا یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ اور آپ کا یہ عذر کہ الدجال و جلی مہود کا خاص نام نہیں ہے، آپ کی غبات اور علم علمی پر آول ورجہ کی شہادت سے حضرت مولوی صاحب! اگر آپ صحیح بخاری یا مسلم یا کسی اور صحیح سے یہ مجھے ثابت کر کے دکھلاویں کہ الدجال کا لفظ بجز دجال مہود کے کسی اور پر بھی صحابہ کے منہ سے اطلاق پایا ہے تو میں بجائے پانچ روپے کے بچاس روپے آپ کی نذر کروں گا۔ آپ کیوں اپنی پردہ دری کرتے ہیں۔ چپکے رہیں حقیقت معلوم مشہور۔

۸۴۵ پھر ایک جھوٹ اور افتراء میرے پر آپ نے اپنے اشتہار میں یہ کیا ہے کہ گویا میں سچ حج اپنے علم یقینی اور قطعی سے بخاری اور مسلم کی بعض احادیث کو موضوع سمجھتا ہوں حضرت میرا یہ قول نہیں معلوم نہیں کہ آپ کیوں اور کس وجہ سے اس قدر افتراء میرے پر دیا ہے۔ اور کب سے جلسہ سازی کی مشق آپ کو ہو گئی ہے۔ میں تو صرف اس قدر کہتا ہوں کہ اگر بخاری اور مسلم کی بعض اخباری حدیثوں کے اس طرز پر معنے نہ کئے جاویں جو قرآن کے اخبار سے مطاق و موافق ہوں تو پھر اس صورت میں وہ حدیثیں موضوع ٹھہریں گی۔ کیونکہ اصول فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ انما یرد خبر الواحد من معارضة الكتب میں نے کب اور کس وقت کہا تھا کہ درحقیقت قطعی اور یقینی طور پر فلاں فلاں حدیث بخاری یا مسلم کی میرے نزدیک موضوع ہے۔ مولوی صاحب حیا اور شرم شعبہ ایمان ہر فائقوا اللہ و کونوا من المؤمنین۔ پھر آپ اپنی ٹانگ خشک ہونے کی خواب سے نیم انکار کر کے لکھتے ہیں کہ یہ نقل کذب اور افتراء سے خالی نہیں۔ آپ کا یہ مقصدانہ فقرہ صاف دلالت کر رہا ہے کہ کسی قدر اس بیان کی صداقت کا آپ کو اقرار ہے۔ کیونکہ آپ کا چھپا ہوا یہ منشاء ہے کہ اس خواب کو جیسا کہ نقل کیا گیا ہے وہ صورت نقل افتراء سے خالی نہیں کیونکہ آپ نے یہ بیان نہیں کیا کہ یہ نقل سراسر افتراء ہے بلکہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ نقل افتراء سے

خالی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ دال میں کالا ہے۔ اور ضرور آپ نے اس قسم کی خواب دیکھی ہے
گو اس میں ٹانگ خشک ہو یا ہاتھ خشک ہو یا اور امور زائد ساتھ لگے ہوئے ہوں حضرت
آپ نے یہ خواب ضرور دیکھی ہے آپ کا یہ پہلو دار فقرہ ہی دلالت کر رہا ہے کہ ضرور آپ
نے ایسی خواب دیکھی ہے۔ بھلا ذرہ قسم تو کھاویں کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا اور میں پیشگوئی کرتا
ہوں کہ آپ کبھی قسم نہ کھاویں گے کیونکہ یہ دعویٰ سراسر دروغ ہے۔ اگر آپ سمجھے ہیں تو
لاہور میں ایک جلسہ مقرر کر کے حاضرین کے سامنے قسم کھالیں کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا اور
حاضرین میں وہ لوگ بھی ہوں گے جن کو ایسی روایت سے تعلق ہے۔ جس وقت آپ مجھے
قسم کھانے کے لئے اطلاع دینگے میں حاضر ہو جاؤں گا تاہم آپ کی ایمانداری اور صداقت شعاری
دیکھ لوں کہ کہاں تک آپ کو کذب اور افتراء سے پرہیز ہے۔ تب تسلی رکھیں کہ ماری حقیقت
کھل جائے گی اور آپ کی راستگوئی کا آپ کے شاگردوں پر بھی نمونہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور
جو آپ نے اس عاجز کی نسبت اپنی چند خواہیں تحریر کی ہیں اگر وہ صحیح بھی ہیں تب بھی ان کی
وہ تعبیر نہیں جو آپ نے سمجھی ہے۔ بلکہ بسا اوقات انسان دوسرے کو دیکھتا ہے اور اس سے
مراد اپنا نفس ہی ہوتا ہے۔ معبرین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً کسی نبی کو خواب میں
نامینا یا مجذوم یا کسی حیوان کی شکل میں دیکھے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ یہ دیکھنے والا خود ان
آفتوں میں مبتلا ہے۔ مثلاً اگر اُس نے کسی مقدس آدمی کو یک چشم دیکھا ہے تو اس کی یہ تعبیر
ہوگی کہ دین میں وہ آپ ہی ناقص ہے۔ اور اگر مجذوم دیکھا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ وہ
آپ ہی فساد میں پڑا ہوا ہے۔ اور اگر اُس نے نبی کی سخی صورت دیکھی ہے تو اس کی یہ تعبیر
ہوگی کہ وہ آپ ہی اپنے دین میں سخی صورت رکھتا ہے۔ کیونکہ مقدس لوگ آئینہ کی طرح ہوتے
ہیں۔ انسان جو کچھ ان کی شکل اور وضع میں اپنی رویا میں فرق دیکھتا ہے۔ درحقیقت وہ عیب اُس
کے اپنے وجود میں ہی ہوتا ہے۔ اور جس بد عملی میں اُس کو مشاہدہ کرتا ہے درحقیقت اس کا آپ ہی
مرتب ہوتا ہے۔ تعبیر رویت ابراہیم یہ اصول محکم ہے اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ ایک مدت کی

بات ہے کہ ایک نے میرے پاس بیان کیا کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ نفوذِ اللہ
 ناپینا تھے۔ میں نے کہا کہ تو ابراہیم کی سنت کا منکر اور اس کے دیکھنے سے ناپینا ہے۔ ایسا ہی
 ایک ہندو بڑھے نے بیان کیا کہ نفوذِ اللہ حضرت مسیح کو میں نے مجذوم دیکھا ہے۔ میں نے
 اس کی تعمیر کی کہ تیری مددِ نبی ناقابلِ علاج ہے تو کسی عیسیٰ دم سے اچھا نہیں ہوگا۔ ایک نے
 میرے پاس بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نیلا تہ بند باندھا ہوا
 ہے اور باقی بدن سے ننگے ہیں اور دال روٹی کھا رہے ہیں۔ میں نے اس کی یہ تعمیر کی کہ دیکھنے
 والے کو غم اور فقر و فاقہ اُٹے گا۔ اور اُس کا کوئی دستگیر نہیں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک
 دفعہ میرے استاد مرحوم مولوی فضل احمد صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ ایک شخص
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی کوٹھڑی
 میں ایسروں کی طرح بیٹھے ہیں جس میں آگ اور بہت سادھواں ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ
 گرداگرد اس کوٹھڑی کے پہرہ داروں کی طرح عیسائی کھڑے ہیں۔ اور مولوی صاحب بہت
 متوحش تھے کہ اس کی کیا تعبیر ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے فی الفور میرے دل پر القاء کیا کہ یہ
 سب دیکھنے والے کا حال ہے جو اس بد نظاہر کیا گیا۔ وہ بے ایمان ہو کر مرے گا اور
 آخر جہنم اُس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اور عیسائیوں میں مل جائے گا۔ مولوی صاحب اس تعمیر کو
 سنتے ہی بارغ بارغ ہو گئے اور مارے خوشی کے چہرہ روشن ہو گیا۔ اور فرمانے لگے کہ یہ خواب
 پوری ہو گئی اور تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ وہ شخص اس خواب کے دیکھنے کے بعد عیسائی ہو گیا۔
 غرض اس بات میں صاحب تجربہ ہوں۔ مولوی صاحب کو چاہیئے کہ ڈریں اور توبہ کریں کہ اُن
 کے آثار اچھے نظر نہیں آتے۔ یہ اُن کی ساری خوابیں اُن کی پہلی خواب کی مؤید ہیں۔ راہیہ عاجز

نوٹ: سالِ کاملِ التجیر کے صفحہ ۲۶ میں لکھا ہے کہ اگر کسے میند کہ اندامِ ازادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کہ بود آن نقصان نقصان دین، میندہ باشد، ان میرین رحمتہ اللہ علیہ گوید کہ اگر کسے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم را ناقص میند آن نقصان بہ میندہ باز گرد۔ دیکھو سالِ کاملِ التجیر ص ۳۳ منہ

تو میری صداقت یا عدم صداقت کا امتحان آسان ہے۔ صرف بے ہودہ خوابوں سے میرے پر کوئی الزام نہیں آ سکتا اگر فرض کے طور پر مولوی صاحب کی خوابیں میری طرف منسوب کی جائیں تب بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک دشمن اپنی دشمنی کے جوش میں اپنے مخالف کو خواب کی حالت میں کبھی سانپ کی شکل میں دیکھتا ہے اور کبھی کسی اور درندہ کی شکل میں۔ اور یہ قانون قدرت ہے جو اس پر طاری ہوتا ہے۔ ممکن ہے ایک اُس کا دشمن اس کو سانپ کی شکل میں نظر آوے یا کسی درندہ وغیرہ کی شکل میں۔ کیونکہ عداوت کی حالت میں ایسی تمثلات خود طبیعت عداوت اپنے جوش سے پیدا کر لیتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس مقدس کی اصل شکل یہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات حیوانی شکل قابل استعراض بھی نہیں ہوتے۔ حضرت مسیح بعض پہلے نبیوں کو تہہ کی شکل پر نظر آئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو گائیوں کی شکل پر دیکھا اور یہ بات یعنی یہ جو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میری صداقت یا عدم صداقت کا امتحان آسان ہے اس کی زیادہ تفصیل یہ ہے کہ میرا تو خدا تعالیٰ کے اعلام و افہام سے یہ دعویٰ ہے کہ اگر دنیا کے تمام لوگ ایک طرف ہوں اور ایک طرف یہ عاجز ہوا اور آسمانی امور کے انکشاف کے لئے ایک دوسرے کے قرب اور وجاہت عند اللہ کا امتحان کریں تو میں حلفاً کہتا ہوں کہ مجھے پورا یقین ہے کہ میں ہی غالب آؤں گا۔ خداوند علیم و حکیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگرچہ ہم ان نشان آسمانی میرے پر ظاہر ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگ ان نشانوں کے دیکھنے والے موجود ہیں۔ میں نے اس پر جولائی ۱۸۹۱ء کے خاتمہ مضمون میں عام طور پر سنایا تھا کہ میرے نشانوں کے دیکھنے والے اسی مجلس میں موجود ہیں۔ اگرچہ آج تو حلفاً ان سے تصدیق کر لو مگر آپ نے دم نہ مارا۔ پھر میں نے آواز بلند سے تین سو آدمی کی مجلس میں جن میں بعض عیسائی صاحبان اور ایڈیٹر صاحب پرچہ نور افشاں بھی موجود تھے یہ بھی سنایا تھا کہ مولوی صاحب کو اگر اپنے اہل باطن ہونے کا گمان ہے تو چالیس دن تک میرے ساتھ مقابلہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی جناب میں توجہ کریں اگر میں آسمانی امور کے انکشاف اور نشانوں کے ظہور میں مولوی صاحب غالب نہ آیا تو جس ہتھیار

سے چاہیں مجھے ذبح کر دیں۔ لیکن آپ نے اس کجواب میں بھی دم نہ مارا۔ اگر آپ کو بھی سچی ٹولہیں آتی ہیں اضغاث احلام نہیں اور اعتماد کے لائق ہیں تو میرے مقابل پر آپ کیوں چُپ ہے کیا آپ کے دروغ بے فروغ پر اس سے زیادہ کوئی اور دلیل ہوگی۔ اور میں تو اب بھی حاضر ہوں۔ میدان میں کھڑا ہوں۔ یقیناً یاد رکھیں کہ وہ نور جو آسمان سے اتر رہے آپ کی منگی پھونکوں سے سمجھ نہیں سکتا۔ آپ اپنے منہ کی فک کر کریں۔ ایسا نہ ہو کہ پھونکیں مارتے مارتے ایک شعلہ اُٹھے اور آپ کے منہ کی مسخ صورت بنا دے۔ من عادی کی حدیث آپ کو یاد نہیں جس کو ارادت کی راہ سے میری طرف لکھا کرتے تھے۔ اب آپ نے مجھے مفسر بنایا۔ کاذب قرار دیا۔ مکار نام رکھا۔ وجمال کے اسم سے موسوم کیا۔ مگر اپنے ہی ریویو کی وہ عبارتیں آپ کو یاد نہ رہیں جو آپ براہین احمدیہ کے ریویو جسٹس بلدے میں لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ آپ بغرض تعریف و توصیف کتاب موصوف کے صفحہ ۲۸۴ میں لکھتے ہیں۔

۴۸۲

مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہی وطن بلکہ اوائل عمر کے ہمارے ہی مکتب ہیں

اس زمانہ سے آج تک خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری ہے (صفحہ ۲۸۵)

مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربہ اور مشاہدہ کی رو سے واللہ حبیبہ شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار و صداقت شعار ہیں ملاحظہ فرمائیے کہ براہین احمدیہ (یعنی تالیفات علامہ جنکی) ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور اس کا مؤلف اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلی کتابوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ اے خدا اپنے طالبوں کے رہنما رہاں پر ان کی ذات سے ان کے مال باپ سے تمام جہان کے مشفقوں سے زیادہ رحم کر اور اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے اور اس کی برکات کا مال کر دے اور اس خاکسار شمس ارشد گار کو بھی اپنے فیوض و انعامات اور اس کتاب کی انھیں برکت عطا فرمادے۔ آمین واللہ اعلم

۴۸۳

اب حضرت سمجھ کر اور سوچ کر جواب دیں کہ یہ عبارتیں میرے حق میں آپ ہی کی ہیں یا کسی اور کی۔ اور یقیناً سمجھیں کہ آپ کی دعا کے موافق سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کا میرا پرہیزگار ہے اور یاد رکھیں کہ وہ ہرگز مجھے ضائع نہ کرے گا۔ آپ کی قسمت میں لغزش تھی سو وہ وقوع میں آگئی اور جو پیالہ ابتداء سے آپ کے لئے مقدر تھا آپ کو وہ پینا پڑا۔ کیا آپ کو میں نے ان سب باتوں سے پہلے خبر نہیں دی تھی کہ آپ کے لئے مقدر ہے کہ آپ مخالفت پر کھڑے ہو جائیں گے اور صدق اور راستی کو چھوڑ دیں گے۔ سخت بد قسمت وہ انسان ہے جو راستباز کو مکار سمجھے۔ نہایت بد نصیب وہ شخص ہے جو صدیق کو کذاب خیال کرے۔

آپ اپنے اشتہار کے اخیر میں پھر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ گویا میں بخاری و مسلم ہر منکر ہوں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اشاعت السنۃ میں سخی ظاہر کیا جائے گا۔ سویری طرف سے گزارش ہے کہ یوں تو مجھے اور ہر ایک سمجھدار کو یہی امید ہے کہ آپ اسی طرح دفع وقت کے لئے زائد اور بے تعلق باتوں میں اپنے پرچہ اشاعت السنۃ کو سیاہ کرتے رہیں گے اور اصل بحث کی طرف ہرگز نہ آئیں گے۔ لیکن میرے پر یہ ہمتان کھڑا کرنا کہ گویا میں صحیحین کا منکر ہوں آپ کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہو گا۔ آپ ذرہ غور کریں کہ کیا کوئی عقلمند ایسی کتابوں کو منکر ہو سکتا ہے جو اس کے دعویٰ کے اول درجہ پر مؤید اور حامی ہیں۔ ایسا تو کوئی نادان بھی نہیں کر سکتا۔ اگر میں بخاری و مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنی تائید دعویٰ میں کیوں بار بار ان کو پیش کرتا۔ چنانچہ اسی رسالہ ازالہ اوہام میں بہت سی حدیثیں صحیح مسلم کی اپنے تائید دعویٰ میں پیش کر چکا ہوں۔ ہاں بخاری میں سے میں نے کم لکھا ہے۔ سو اس جگہ آپ کی خاطر کچھ اور بھی لکھ دیتا ہوں تا آپ پر واضح ہو کہ بخاری بھی اس عاجز کی حامی اور ناصر ہے۔ اور اگر آپ ہزار جان کنی کریں۔ بخاری کو بھی مؤید مطلب ہرگز نہ پائیں گے۔ بلکہ قرآن کریم کی طرح وہ بھی اس عاجز کے مدعا اور دعویٰ پر کال پیش کرتی ہر حضرت یہی تو میرے گواہ ہیں جن سے بیشک دعویٰ ثابت ہوتا ہے اگر انکار کروں تو کہاں جاؤں۔

اب لیجئے نمونہ کے طور پر کسی قدیم بخاری کے دلائل پیش کرتا ہوں اگر کچھ منکرانہ جوش ہے تو رد کر کے دکھلا دیں۔ اور اگر کچھ سعادت ہے تو قبول کر لیں۔ وَطَوْبَى لِلشَّعْدَاءِ

افادات البخاری

یہ عاجز پہلے اس سے اسی رسالہ میں بیان کر چکا ہے کہ عموماً محاورہ قرآن شریف کا توفیٰ کے لفظ کے استعمال میں یہی واقعہ ہوا ہے کہ وہ تمام مقامات میں اول سے آخر تک ہر ایک جگہ جو توفیٰ کا لفظ آیا ہے اس کو موت اور قبض روح کے معنی میں لاتا ہے اور جب عرب کے قدیم و جدید اشعار و قصائد و نظم و نثر کا جہاں تک ممکن تھا تتبع کیا گیا اور عمیق تحقیقات سے دیکھا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ جہاں جہاں توفیٰ کے لفظ کا ذوی الروح سے یعنی انسانوں سے علاقت ہے اور فاعل اللہ عزوجل کو ٹھہرایا گیا ہے ان تمام مقامات میں توفیٰ کے معنی موت و قبض روح کے لئے گئے ہیں۔ اور اشعار قدیمہ و جدیدہ عرب میں اور ایسا ہی ان کی نثر میں بھی ایک لفظ توفیٰ کا ایسا نہیں ملے گا جو ذوی الروح میں مستعمل ہو اور جس کا فاعل لفظاً یا معنیاً خدا تعالیٰ ٹھہرایا گیا ہو۔ یعنی فعل بعد کا قرار نہ دیا گیا ہو اور محض خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو اور پھر اس کے معنی بجز قبض روح کے اور مراد رکھے گئے ہوں۔ لغات کی کتابوں قاموس صحاح ترمذی وغیرہ پر نظر ڈالتے والے بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ ضرب المثل کے طور پر بھی کوئی فقرہ عرب کے محاورات کا ایسا نہیں ملا جس میں توفیٰ کے لفظ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اور ذوی الروح کے بارے استعمال میں لا کر پھر اس کے اور بھی معنی لئے ہوں۔ بلکہ برابر ہر جگہ یہی معنی موت اور قبض روح کے لئے گئے ہیں اور کسی دوسرے احتمال کا ایک ذرہ راہ دکھلا نہیں رکھا۔ پھر بعد اس کے اس عاجز نے حدیثوں کی طرف رجوع کیا تا معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ توفیٰ کو

ذوی الروح کی طرف منسوب کر کے کن کن معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ آیا یہ لفظ اس وقت
 اُن کے روزمرہ محاورات میں کئی معنوں پر استعمال ہوتا تھا صرف ایک ہی معنی قبض روح
 اور موت کے لئے مستعمل تھا۔ یواس تحقیقات کے لئے مجھے بڑی محنت کرنی پڑی اور ان تمام
 کتابوں میں صحیح بخاری^۱۔ صحیح مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی۔ متوطا شیخ اکند
 وغیرہ کا صفحہ صفحہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان تمام کتابوں میں جو دخل شکوہ میں تین سو چھیالیس
 مرتبہ مختلف مقامات میں توفی کا لفظ آیا ہے اور ممکن ہے کہ میرے شمار کرنے میں بعض توفی کے
 لفظ وہ بھی گئے ہوں لیکن پڑھنے اور زیر نظر آ جانے سے ایک بھی لفظ باہر نہیں رہا۔ اور
 جس قدر وہ الفاظ توفی کے ان کتابوں میں آئے ہیں۔ خواہ وہ ایسا لفظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہے یا ایسا ہے جو کسی صحابی نے ترمذ سے نکالا ہے۔ تمام جگہ وہ الفاظ
 موت اور قبض روح کے معنی میں ہی آئے ہیں اور چونکہ میں نے ان کتابوں کو بڑی کوشش
 اور جانکاہی سے سطر سطر پر نظر ڈال کر دیکھ لیا ہے۔ اس لئے میں دعویٰ سے اوڑھ کر کہتا ہوں کہ
 کتابوں کے ہر ایک جگہ جو توفی کا لفظ ان کتابوں کی احادیث میں آیا ہے اس کے بجز موت اور
 قبض روح کے اور کوئی معنی نہیں۔ اور ان کتابوں سے بطور استقراء کے ثابت ہوتا ہے
 کہ بعد بعثت اخیر عمر تک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے توفی کا لفظ بغیر معنی موت اور قبض روح کے کسی دوسرے معنی کے لئے ہرگز استعمال نہیں
 کیا اور نہ کبھی دوسرے معنی کا لفظ زبان مبارک پر جاری ہوا۔ اور کچھ شک نہیں کہ استقراء بھی
 ادا کہ یقینیہ میں سے ہے۔ بلکہ جس قدر حقائق کے ثابت کرنے کے لئے استقراء سے مدد لی
 ہے اور کسی طریق سے مدد نہیں لی۔ مثلاً ہمارے ان یقینیات کی بناء جو عموماً تمام انسانوں کی
 ایک زبان ہوتی ہے اور دو آنکھ اور عمر انسان کی عموماً اس حد سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اور اناج کی
 قسموں میں سے چنانچہ اس انداز کا ہوتا ہے اور گیہوں کا دانہ اس انداز کا ہے۔ سب یقینیات مستقر
 سے معلوم ہوئے ہیں۔ پس جو شخص اس استقراء کا انکار کرے تو ایسا کوئی لفظ توفی کا پیش کرنا

اس کے ذمہ ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہو۔ اور بجز موت اور قبض روح کے اس کے کوئی اور معنی ہوں۔ اور امام محمد اسماعیل بخاری نے اس جگہ اپنی صحیح میں ایک لطیف نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم سات ہزار مرتبہ توفی کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بعثت کے بعد اخیر عمر تک نکلا ہے۔ اور ہر ایک لفظ توفی کے معنی قبض روح اور موت تھی۔ سو یہ نکتہ بخاری کا منجملہ ان نکات کے ہے جن سے حق کے طالبوں کو امام بخاری کی مشکوٰۃ و ممنون ہونا چاہیے۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے جس کا ہمیں شکر کرنا چاہیے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مسیح ابن حریم کی وفات کے بارے میں ایک قطعی فیصلہ ایسا دے دیا ہے جس کی بڑھ کر مستور نہیں۔ اور یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح کے کئی حصوں میں سے جن کا نام اُس نے خاص خاص غرضوں کی طرف منسوب کر کے کتاب رکھا ہے۔ ایک حصہ کو کتاب التفسیر کے نام سے نامزد کیا ہے۔ کیونکہ اس حصہ کے لکھنے سے اصل غرض یہ ہے کہ جن آیات قرآن کریم کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ تفسیر و تشریح کی ہے یا اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اُن آیات کی بحوالہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تفسیر کر دی جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی غرض سے آیت کریمہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کو کتاب التفسیر میں لایا ہے۔ اور اس ایما دے اُس کا فشاء یہ ہے کہ تالوگوں پر ظاہر کرے کہ تَوَفَّيْتَنِي کے لفظ کی صحیح تفسیر ہی ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں یعنی مار دیا اور وفات دے دی۔ اور حدیث یہ ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتُ الشَّعَالِ فَأَقُولُ يَأْتِ أَصْحَابِي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَذَرُنِي مَا أَخَذْتُوَا بَعْدَكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْغُبْدُ الْقَصَالُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۹۹

۶۶۵ بخاری ۶۹۳ بخاری یعنی قیامت کے دن میں بعض لوگ میری امت میں سے آگ کی طرف

لائے جائیں گے تب میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تب کہا جائے گا کہ تجھے اُن کاموں کی خبر نہیں جو تیرے پیچھے ان لوگوں نے کئے۔ سو اُس وقت میں وہی بات کہوں گا جو ایک نیک بندہ نے کہی تھی یعنی مسیح ابن مریم نے۔ جب کہ اُس کو پوچھا گیا تھا کہ کیا یہ تو نے تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کر کے ماننا۔ اور وہ بات (جو میں ابن مریم کی طرح کہوں گا) یہ ہے کہ میں جب اُن میں تھا اُن پر گواہ تھا پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو اُس وقت تو ہی اُن کا نگہبان اور محافظ اور مگران تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قصہ اور مسیح ابن مریم کے قصہ کو ایک ہی رنگ کا قصہ قرار دیکر وہی لفظ فلتا تو قیستی کا اپنے حق میں استعمال کیا ہے جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلتا تو قیستی سے وفات ہی مراد لی ہے۔ کیونکہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار اشریف موجود ہے۔ پس جبکہ فلتا تو قیستی کی شرح اور تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وفات پانا ہے ثابت ہوا۔ اور وہی لفظ حضرت مسیح کے منہ سے نکلا تھا اور کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ جن الفاظ کو مسیح ابن مریم نے استعمال کیا تھا وہی الفاظ میں استعمال کروں گا پس اس سے بجلی منکشف ہو گیا کہ مسیح ابن مریم بھی وفات پا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا گئے اور دونوں برابر طور پر اثر آیت فلتا تو قیستی سے متاثر ہیں۔ اسی وجہ سے امام بخاری اس آیت فلتا تو قیستی کو قصہ کتاب التفسیر میں لایا۔ تا وہ مسیح ابن مریم کی نسبت اپنے مذہب کو ظاہر کرے کہ حقیقت میں وہ اس کے نزدیک فوت ہو گیا ہے۔ یہ مقام سوچنے اور غور کرنے کا ہے کہ امام بخاری آیت فلتا تو قیستی کو کتاب التفسیر میں کیوں لایا۔ پس ادنی سوچ سے صاف ظاہر ہو گا کہ جیسا کہ امام بخاری کی عادت ہے اس کا منشاء یہ تھا کہ آیت فلتا تو قیستی کے حقیقی اور واقعی معنی وہی ہیں جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ سو اس کا مدعا اس بات کا

ظاہر کرنا ہے کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کے آپ فرمائی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس طرز کو امام بخاری نے اختیار کر کے صرف اپنا ہی مذہب ظاہر نہیں کیا بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت فلما توفیتنی کے یہی معنی سمجھتے تھے تب ہی تو انہیں الفاظ فلما توفیتنی کو بغیر کسی تبدیل و تغیر کے اپنی نسبت استعمال کر لیا۔ پھر امام صاحب نے اسی مقام میں ایک اور کمال کیا ہے کہ اس معنی کے زیادہ پختہ کرنے کے لئے اسی صفحہ ۶۶۵ میں آیت یٰعِيسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے بحوالہ ابن عباس کے اسی کے مطابق تفسیر کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں وقال ابن عباس مُتَوَفِّیْکَ مُجِئْتُکَ (دیکھو وہی صفحہ ۶۶۵ بخاری) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ جو آیت قرآن کریم ہے کہ یٰعِيسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا۔ سو امام بخاری صاحب ابن عباس کا قول بطور تائید لائے ہیں تا معلوم ہو کہ صحابہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ اور پھر امام بخاری نے ایک اور کمال کیا ہے کہ اپنی صحیح کے صفحہ ۵۳۱ میں مناقب ابن عباس رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ خود ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنے سینے سے لگایا اور دعا کی کیا آئی اسکو ملک بخش اسکو علم قرآن بخش چونکہ دعائی کویم کی مستجاب ہے اسلئے ابن عباس کا یہ بیان کہ توفی عیسیٰ جو قرآن کریم میں آیا ہے امانت عیسیٰ اس سے مراد ہے یعنی عیسیٰ کی وفات دینا۔ یہ معنی آیت کہ یہ مسیح جو ابن عباس نے کئے ہیں اس وجہ سے بھی قابل قبول ہیں کہ ابن عباس کے حق میں علم قرآن کی دعا مستجاب ہو چکی ہے۔

پھر امام بخاری نے اسی آیت فلما توفیتنی کو کتاب الانبیاء صفحہ ۷۴۳ میں اور پھر صفحہ ۶۹۰ میں انہیں مسنون کے ظاہر کر دیکر غرض موز کر لیا اور ظاہر کیا ہے کہ اس قصہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم سے ایک مشابہت ہے چنانچہ صفحہ ۶۸۹ میں یہ ﴿فَلَمَّا تَوَفَّیْکَ﴾ اس آیت کا حاشیہ صفحہ ۹۲۲ میں لکھا ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔

حدیث بھی بروایت ابو ہریرہ لکھ دی ہے انا اول الناس باہن مریم والایہا اولاد
علات اور اسی کی تائید میں امام بخاری نے کتاب المغازی میں بذیل کتاب النبی صلی اللہ
علیہ وسلم صفحہ ۶۴۰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث لکھی ہے۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے جن کا ہمیں شک کرنا چاہیے یہ ہے کہ انہوں نے صرف
اسی قدر ثابت نہیں کیا کہ حضرت سح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں بلکہ احادیث نبویہ کی روشنی
پر بھی ثابت کر دیا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے پھر دنیا میں آ نہیں سکتا۔ چنانچہ بخاری کے

صفحہ ۶۴۰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فوت ہو گئے تو بعض آدمی یہ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت فوت نہیں ہوئے اور بعض کہتے تھے کہ
فوت ہو گئے۔ مگر پھر دنیا میں آئیں گے۔ اس حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ

کے گھر گئے اور دیکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تب وہ چادر کا پردہ اٹھا کر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف جھکے اور چہرہ اور کما کہ میرے مال باپ تیرے پر
قربان مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ خدا تیرے پر درود میں جمع نہیں کرے گا۔ پھر لوگوں میں آئے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت ہو جانے کا اظہار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
فوت ہونے اور پھر دنیا میں نہ آنے کی تائید میں یہ آیت پڑھی مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی محمد اس سے زیادہ رسول نہیں کہ وہ رسول اللہ ہے اور

اس سے پہلے تمام رسول اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے گذر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ وہ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ کا الف لام استغراق کا ہے جو رسولوں کی جمع افراؤ گذشتہ پر محیط ہے اور اگر ایسا
نہ ہو تو پھر دلیل ناقص رہ جاتی ہے کیونکہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جائے تو وہ پھر استدلال ہو

معا قرآن کریم کا ہے اس آیت سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کے پیش کرنے سے
حضرت ابوبکر صدیق نے اس بات کا ثبوت دیا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جو فوت نہ ہو ہو
اور نیز اس بات کا ثبوت دیا کہ جو فوت ہو جائے پھر دنیا میں کبھی نہیں آتا کیونکہ گفت عرب

اور محاورہ اہل عرب میں خَلَا یا خَلَّت ایسے لوگوں کے گزرنے کو کہتے ہیں جو پھر آئے ہوں نہ ہوں۔ پس تمام رسولوں کی نسبت جو آیت موصوفہ بالا میں خَلَّت کا لفظ استعمال کیا گیا وہ اسی لحاظ سے استعمال کیا گیا تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ لوگ ایسے گئے ہیں کہ پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال یافتہ ہونے کی حالت میں آپ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دے کر کہا تھا کہ تو حیات اور موت میں پاک ہے تیرے پر دو موتیں ہرگز وارد نہیں ہوں گی یعنی دوسری مرتبہ دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔ اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول کی تائید میں آیت قرآن کریم کی پیش کی۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ سب رسول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے گزر چکے ہیں اور جو رسول اس دنیا سے گزر گئے ہیں پھر اس دنیا میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ کیونکہ جیسا کہ قرآن شریف میں اور فوت شدہ لوگوں کی نسبت خَلُّوا یا خَلَّت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایسا ہی یہی لفظ نبیوں کے حق میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور یہ لفظ موت کے لفظ سے انحصار ہے کیونکہ اس کے مفہوم میں یہ شرط ہے کہ اس عالم سے گزر کر پھر اس عالم میں نہ آوے۔ غرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فوت شدہ نبیوں کے دوبارہ نہ آنے کے بارے میں اول قول ابوبکر صدیق کا پیش کیا جس میں یہ بیان ہے کہ خدا تیرے پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ کیونکہ دوبارہ آنا دو موتوں کو مستلزم ہے۔ اور پھر اس بارے میں قرآن کریم کی آیت پیش کی اور یہ ثبوت دیا کہ خَلَا اس گزرنے کو کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ورنہ ہو۔ اس تحقیق و تدقیق سے کمالات امام بخاری ظاہر ہیں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء وادخلہ اللہ فی جنتہ العلیا۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح میں پانچ حدیثیں ذکر کر کے متفرق طرق اور متفرق راویوں کے ذریعے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سچ ابن مریم اپنی موت کے بعد اموات میں جا ملا اور خدا تعالیٰ کے بزرگ نبی جو اس دنیا سے گزر چکے ہیں

اُن میں داخل ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں فوت شدہ جماعت میں اُس کو پایا۔ دیکھو بخاری صفحہ ۵۰ اور صفحہ ۴۵۵ و صفحہ ۴۷۴ و صفحہ ۴۸۸ و ۱۱۲۰۔ اور ان احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ سب نبی اگرچہ دنیوی زندگی کی رو سے مر گئے اور اس جسم کثیف اور اس کے حیلے کے لوازم کو چھوڑ گئے۔ لیکن اس عالم میں ایک نئی زندگی جس کو روحانی کہنا چاہیے رکھتے ہیں۔ اور کیا سچ اور غیر سچ برابر اور مساوی طور پر اس نئی زندگی کے لوازم اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ یہی منشاء انجیل میں پطرس کے پہلے خط کا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ وہ یعنی سچ جسم کے حق میں تو مارا گیا لیکن روح میں زندہ کیا گیا۔ یعنی موت کے بعد سچ کو روحانی زندگی ملی ہے نہ جسمانی۔ دیکھو پطرس کا پہلا خط مین باب ۱ آیت۔ اور عبرانیوں کے خط نوباب تائیس آیت میں لکھا ہے کہ آدمیوں کے لئے ایک بار مرنا ہے۔ ایسا ہی بائبل کے بہت سی مقامات میں موجود ہے کہ راستبازوں کے لئے ایک موت کے بعد پھر حیات ابدی ہے۔ اب اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ سچ مر گیا اور روح اس کی فوت شدہ روحوں میں داخل ہے۔ اگر فرض محال کے طور پر پھر اس کا زندہ ہو کہ دنیا میں آنا قبول کر لیں تو آسمان سو اُترنا اس کا بہر حال غیر مسلم ہو گا۔ کیونکہ ثابت ہو چکا کہ آسمان پھر نہ آنے کے بعد صرف اس کی روح ^{نشا} گئی جو دوسری روحوں میں شامل ہو گئی۔ ہاں اس فرض کے بناء پر یہ کہنا پڑے گا کہ کئی وقت اس کی قبر پھٹ جائے گی اور اس میں سے باہر آجائے گا اور یہ کسی کا اعتقاد نہیں۔ ماسوا اس کے ایک موت کے بعد پھر دوسری موت ایک عظیم الشان نبی کے لئے تجویز کرنا خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں کے برخلاف ہے۔ اور جو شخص ایک مرتبہ سچ کو مار کر پھر قیامت کے قریب ہی دنیا میں لاتا ہے اُس کی یہ مرضی ہے کہ سب کے لئے ایک موت اور سچ کے لئے دو موتیں ہوں جس نے دنیا میں کسی جسم اور صورت میں جہنم لیا وہ موت سے بچ نہیں سکتا۔ دیکھو خط دوم پطرس ۲ باب ۱۰ آیت۔

اور منجملہ افادات امام بخاری کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے قطعی طور پر اس بات کا فیصلہ دیکر

کہ سچ ابن مریم فوت ہو گیا اور فوت شدہ بندوں میں جا ملا۔ پھر اس پیشگوئی کی نسبت جو ان کی صحیح میں درج ہے کہ ابن مریم نازل ہو گا تیرہ قوی قرینے قائم کر کے یہ ثابت کیا ہو کہ آنے والا ابن مریم ہرگز وہ سچ ابن مریم نہیں ہے جس پر انجیل نازل ہوئی تھی چنانچہ اول قرینہ یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ صفحہ ۴۳۲ - دوم قرینہ یہ ہے کہ آنے والے مسیح کی نسبت اِمَامٌ مَكْمُومٌ مَكْنُونٌ کا قول استعمال کیا گیا ہے جس سے صاف طور پر جتلا دیا ہے کہ وہ مسیح آنے والا اصل مسیح نہیں ہے بلکہ وہ تمہارا ایک امام ہو گا اور تم میں سے ہو گا۔ اور کسی اور امام کا سچ کے ساتھ ہونا ہرگز ذکر نہیں کیا۔ بلکہ امامت کی وجہ سے ہی سچ موعود کا نام حکم رکھا عدل رکھا مقسط رکھا۔ اگر وہ امام نہیں تو یہ صفات جو امامت سے ہی تعلق رکھتے ہیں کیونچو اس کے حق میں بولے جاسکتے ہیں۔ اور اگر کہو کہ امامت سے مراد نماز خوانی کی امامت ہے جیسا کہ ہر ایک مسجد میں قائل ہوا کرتے ہیں۔ تو یہ عجیب عقل کی بات ہے۔ کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن نہیں کہ بیس کروڑ مسلمانوں کے جو مختلف بلاد میں جا بجا سکونت رکھتے ہیں پنجوقت نماز ادا کرنے کے لئے ایک ہی امام کافی ہو۔ بلکہ بڑے بڑے لشکروں کے لئے بھی جو جلد بجا حسب مصلحت جنگی متفرق ہیں ایک امام کافی نہیں ہو سکتا۔ سو نماز پڑھانے کی امامت جیسا کہ آج کل لاکھوں آدمی کر رہے ہیں۔ یہی تعداد ہر ایک نفاذ کے لئے لابدی اور لازمی ہو جو صرف ایک سے انجام پذیر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ امام سے مراد رہنا اور پیشوا اور خلیفہ ہے جس کی صفات میں سے حکم اور عدل اور مقسط ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اب آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیے کہ یہ صفات بخار منی کے سیاق سباق دیکھنے سے سچ موعود کتنی پر ہلاق پائے ہیں یا کسی اور کے حق میں۔ اسے بندگان خدا کچھ تو ڈرو۔ دیکھو تمہارا دل ہی تمہیں لازم کرے گا کہ تم حق پر پردہ ڈال رہے ہو۔ ڈرو۔ اسے لوگو ڈرو اور خدا اور رسول کے فرمودہ سے عدا انحراف مت کرو اور الحاد اور تحریف سے باز آ جاؤ۔ اللہ اور رسول کے کلمات کو

ان کے مواضع سے کیوں پھیرتے ہو۔

سوم قرینہ جو امام بخاری نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ آنے والے مسیح اور اصل مسیح ابن مریم کے حلیہ میں جابجا التزام کامل کے ساتھ فرق ڈال دیا ہے۔ ہر ایک جگہ جو اصل مسیح ابن مریم کا حلیہ لکھا ہے اس کے چہرہ کو احمر بیان کیا ہے اور ہر ایک جگہ جو آنے والے مسیح کا حلیہ بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمایا ہے اس کے چہرہ کو گندم گون ظاہر کیا ہے اور کسی جگہ اس التزام کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ چنانچہ صفحہ ۴۸۹ میں دو حدیثیں امام بخاری لایا ہے۔ ایک ابو ہریرہ سے اور ایک ابن عمر سے۔ اور ان دونوں میں یہ بیان ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو جو اصل عیسیٰ ہے دیکھا اور اس کو سرخ رنگ پایا۔ اور پھر اس کے آگے ابی سالم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کو خواب میں دیکھا اور اس کا گندم گون حلیہ بیان کیا۔ پھر صفحہ ۵۵۰ میں ابن عمر سے روایت ہے کہ آنے والے مسیح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا اور معلوم ہوا کہ وہ گندم گون ہے اور دجال کو سرخ رنگ دیکھا (جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ سرخ رنگ قوم سے پیدا ہوگا) اور صفحہ ۸۹ میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے ابن مریم کو گندم گون دیکھا۔ اسی طرح امام بخاری نے اپنی کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ وہ اصل مسیح کے حلیہ کو بروایت ثقات صحابہ سرخ بیان کرتے ہیں اور آنے والے مسیح کا حلیہ گندم گون ظاہر کرتے ہیں جس سے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ آنے والا اور ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب اللباس میں بھی آنے والے مسیح کا حلیہ گندم گون لکھا ہے دیکھو صفحہ ۸۷۶ کتاب اللباس :

اور مجملہ افادات امام بخاری کے یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح بخاری کے

۶۵۲ اور ۴۶۴ میں ہے یعنی حدیث ما من مولود یولد الا والشیطان یمسک

۹۲

حین یولدہ الا مریم و ابنہا اور حدیث با صبیحۃ ... غیر عیسیٰ کو متعارض
 حدیثوں کے ساتھ ذکر کر کے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ابن مریم سے مراد
 ہر ایک وہ شخص ہے جو اس کی صفت اور رنگ میں ہو۔ اور متعارض حدیثیں یہ ہیں دیکھو
 صفحہ ۴۶۴ اور حدیث صفحہ ۶۷ جس کے اخیر سے لے کر یضراء شیطان۔ ماسوا اس
 کے آیت اق عبادی لیس لك علیہم سلطان اور آیت سلام علیہ یوم ولد
 صاف دلالت کر رہی ہے کہ مس شیطان سے محفوظ ہونا ابن مریم سے مخصوص نہیں۔ اور
 زنجیری کا یہ طعن کہ حدیث خصوصیت ابن مریم و بارہ محفوظیت از مس شیطان جو امام بخاری
 اپنی صحیح میں لایا ہے نقص سے خالی نہیں۔ اور اس کی صحت میں کلام ہے جیسا کہ خود اُس نے
 بیان کیا ہے فنقول ہے کیونکہ عتیق نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بزرگ بخاری نے خود اشارہ
 کر دیا ہے کہ ابن مریم اور اس کی والدہ سے مراد ہر ایک ایسا شخص ہے جو ان دونوں کی صفاتیں
 اپنے اندر جمع رکھتا ہو۔ فلان ناقص ولا تعارض اور جبکہ یہ ثابت ہو کہ کلام نبوی میں غیر عیسیٰ عیسیٰ
 یا ابن مریم بلا گیا ہے تحیہ محاورہ اور بھی مؤید ہمارے مطلب کا ہو گا۔ احادیث نبویہ میں یہ بھی
 ایک محاورہ مشہور متعارف ہے کہ بعض کا بعض صفات کے لحاظ سے ایک ایسا نام رکھا جاتا
 ہے جو نظر اہر وہ کسی دوسرے کا نام ہے جیسا کہ صفحہ ۵۲۱ میں یہ حدیث ہے لقد کان
 فیما کان قبلکم من الامم ناس محدثون فان یلک فی امتی احد فاندہ عمر
 دیکھو صفحہ ۵۳۱ بخاری۔ اب نظر اہر ہے کہ محدثیت حضرت عمر میں محدود نہیں۔ سو حدیث کا یہ مطلب
 ہے کہ جو محدث ہو گا وہ اپنے روحانی صفات کے رو سے عمر ہی ہو گا۔ ایسا ہی احادیث میں ثابت الارض
 کو بھی ایک خاص نام رکھ کر بیان کیا ہے لیکن احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی
 استعمال کی رو سے عام ہے اور روایت الارض کو صحیح مسلم میں ایسے سیراۃ سے ذکر کیا گیا ہے کہ
 ایک طرف تو اس کو دجال کی جیسا کہ ٹھہرا دیا گیا ہے اور اسی کی رفیق اور اسی جسیزہ میں
 رہنے والی جہاں وہ ہے۔ اور ایک طرف حرم کہ منظر میں صفا کے نیچے اس کو جگہ دے رکھی ہے

۹۳

گویا وہ اس ارض مقدس کے نیچے ہے نہ وہ جال کے پاس۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ اسی میں
ہے آس کا خروج ہوگا۔ اس استعارہ سے یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ وہیہ الارض و حقیقت
اسم جسم ایسے علماء کیلئے ہے جو وہ جہنم واقع ہیں۔ ایک تعلق ان کا دین اور حق سے ہو اور ایک
تعلق ان کا دنیا اور دجالیست سے۔ اور آخری زمانہ میں ایسے مولویوں اور ملاؤں کا پیدا ہونا
کئی جگہ بخاری میں لکھا ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ حدیث خیر البریۃ پڑھیں گے۔
اور قرآن کی بھی تلاوت کرتے ہوں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔
سو یہ وہی زمانہ ہے انیس لوگوں کی ملاقات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے اور
فرمایا ہے فاعتزل ثلاث الفرق کلہا ولو ان تعض باصل شجرة حتی یدکک
الموت وانت علی ذالک ۱۵ بخاری۔ یہی لوگ ہیں کہ باوجودیکہ اللہ جل شانہ اور اس کا
مقدس رسول سر اسر سراج ابن مریم کی وفات ظاہر کر رہے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کو فرمودہ خدا
اور رسول پر اعتقاد نہیں۔ حالانکہ حکم یہ تھا فان تنازعتم فی شئ فمرہوہ اللہ والرسول
ان کنتم تمؤمنون باللہ والیوم الآخرۃ لک خیر و احسن تلویلا ۱۶ ما کان من
شرط لیس فی کتاب اللہ فہو باطل قضاء اللہ احق بخاری ۱۷ ماعلنا
شئ الا کتب اللہ بخاری ۱۸ حسبکم القلون بخاری ۱۹۔

اب ہم بطور نمونہ امام بخاری کے اقوال کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے اور بیانات
متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ امام بخاری صاحب اول درجہ پر ہمارے دغلوں کے شاہد
اور حامی ہیں اور ہمارے مخالفوں کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ ایک ذرہ بھر بھی اپنے خیالات کی
تائید میں کوئی حدیث صحیح بخاری کی پیش کر سکیں۔ سو حقیقت صحیح بخاری خود منکر ہیں نہ ہم۔

بالآخر میں یہ بھی لکھنا چاہتا ہوں کہ میں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے یہ
درخواست کی تھی کہ اگر آپ مجھے مکارا اور غیہ سلم خیال کرتے ہیں تو اس طریق سے بھی مقابلہ
کر دو کہ ہم دونوں نشان قبولیت کے ظاہر ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں

تاجس کے شامل حال نصرت الہی ہو جائے اور قبولیت کے آسمانی نشان اس کے لئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوں وہ اس علامت سے لوگوں کی نظر میں اپنی قبولیت کے ساتھ شناخت کیا جاوے۔ اور جھوٹے کی ہر روزہ کشمکش سے لوگوں کو فراغت اور راحت حاصل ہو۔ اس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں لکھتے ہیں کہ یہ درخواست اس وقت مسموع ہوگی کہ جب تم اول اپنے عقائد کا عقائد اسلام ہونا ثابت کرو گے غیر مسلم (یعنی جو مسلمان نہیں) خواہ کتنا ہی آسمانی نشان دکھاوے اہل اسلام اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اب ناظرین انصافاً فہم یوں کر جس حالت میں اسی ثبوت کے لئے درخواست کی گئی تھی کہ تنازعہ نہ ہو جاوے کہ فریقین میں کتنی حقیقی اور واقعی طور پر مسلمان کون ہے پھر قبل از ثبوت ایک مسلمان کو چولا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل اور حقیقہ ہو غیر مسلم کتنا اور لست مسلماً کر کے پکارنا کس قسم کی مسلمانی اور ایسا نداری ہے۔ ماسوا اس کے اگر یہ عاجز بزرگ مولوی محمد حسین صاحب کافر ہے تو خیر وہ یہ خیال کریں کہ میری طرف سے جو ظاہر ہو گا وہ استدراج ہے۔ پس اس صورت میں بمقابل اس استدراج سے ان کی طرف سے کوئی کرامت ظاہر ہونی چاہیے اور ظاہر ہے کہ کرامت ہمیشہ استدراج پر غالب آتی ہے۔ آخر مقبولوں کو ہی آسمانی مدد ملتی ہے۔ اگر میں بقول ان کے مروود ہوں اور وہ مقبول ہیں تو پھر ایک مروود کے مقابل برائیا کیوں ڈرتے ہیں..... اگر میں بقول ان کے کافر ہونے کی حالت میں کچھ دکھاؤں گا تو وہ بوجہ اولیٰ دکھلا سکتے ہیں مقبول جو ہوئے۔ کہ مقبول رار و نباشد سخن و من عداو الی ولیاً فقد اذنتہ للجراب۔ ابن صیاد نے اگر کچھ دکھایا تھا تو کیا اس کے مقابل پر محجزات نبوی ظاہر نہیں ہوئے تھے اور کیا وہاں کے ساحرانہ کاموں کے مقابل پر عیسیٰ کے نشان مروی نہیں۔ ففسروا این تفرون !

سید احمد خان صاحب کے سہی۔ لیس آئی کا الہام کی نسبت خیال اور ہماری طرف سے جیسا کہ واقعی امر ہوا اس کا بیان

فای تنار عتم فی شیء فرد وہ اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ
والیوم الآخر ذالک خیر و احسن تأویلاً الحجۃ۔ آیت موصوفہ بالا کا ترجمہ
یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر کسی بات میں تم میں یا ہم نزاع واقع ہو تو اس امر کو فیصلہ کے لئے
اللہ اور رسول کے حوالہ کرو اگر تم اللہ اور آخری ولی پر ایمان لاتے ہو تو یہی کرو کہ یہی بہتر اور
احسن تأویل ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ سید صاحب نے الہام کے بارہ میں اپنے پرچہ علی گڑھ گزٹ میں
قرآن اور حدیث کے برخلاف رائے ظاہر کی ہے چنانچہ ان کی تحریر کا خلاصہ ذیل میں لکھا جاتا
ہے اور وہ یہ ہے۔ جو بات یکایک دل میں آ جاوے گو کسی امر سے متعلق ہو وہ الہام ہے۔
بشرطیکہ کوئی تعلیم یا تعریف یا بیان اس طرف کو لئے جانے والا نہ ہو۔ اس قسم کے الہامات کوئی
عجیب شے نہیں ہیں بلکہ اکثر دل کو ہوتے ہیں۔ منطقی کو منطق میں فلسفی کو فلسفہ میں طبیب کو
علم طب اور تشخیص امراض میں۔ اہل حرفہ کو اپنے حرفہ میں وغیرہ ذالک۔ یہاں تک کہ وہ اسلام
اور غیر اسلام پر بھی منحصر نہیں۔ بلکہ اس قسم کے الہامات ایک امر طبیعی انسان کا ہر جس میں
اسلام کی ضرورت نہیں۔ اس ایسی خلقت کی ضرورت ہے کہ الہام ہونے کی قابلیت رکھتی
ہو۔ الہام سے شاید بعض حالتوں میں اس شخص کو جس کو الہام ہوا ہو کوئی طمانیت قلبی حاصل
ہوتی ہو مگر اس سے کوئی ایسا نتیجہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا۔ یقین دلانے والا
تسکین بخشنے والا یا اس واقعہ کی واقفیت اور اصلیت کو ثابت کرنے والا ہو پیدا نہیں
ہو سکتا۔ سلسلہ الہامات کا زیادہ تر عرفانیات سے علاوہ رکھتا ہے جو محض تخیلات ہیں۔

اور کوئی ثبوت اُن کے محققہ اور واقعہ ہونے کا نہیں۔ صوفیاء کہے کہ تمام الہامات سحر و تنجیلات نفسی کے زیادہ رتبہ نہیں رکھتے اور محض بیچ بچ پوچ اور بیکار ہیں۔ بڑا اُن بے خلقِ اللہ کو کچھ نفع ہے اور نہ ضرر۔ دین اسلام تو بموجب الیوم اکملت لکم دینکم کہل ہو چکا اب الہام اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کر سکتا۔ جو لوگ کسی ملہم کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں وہ اس بات کا بھی تصفیہ نہیں کر سکتے کہ درحقیقت اس کا دعویٰ الہام صحیح ہے یا دماغ میں خدا خواستہ کچھ فعل ہو۔ اور ملہم جو اپنے تئیں بوجہ الہام مطمئن سمجھتا ہے یہ اطمینان اُس کے بھی اعتماد کے لائق نہیں۔ کیا معلوم کہ وہ درحقیقت مطمئن ہے یا یوہنی خیال باطل میں مبتلا ہے۔ اس سوز یا وہ ملہم اور اُن لوگوں میں جو صوفی اور اہل اللہ کہلاتے ہیں اور کچھ نہیں کر دہ اپنے ہی امور خیالیہ پر جو بے اصل محض ہیں جم جلتے ہیں اور اُن کو صحیح خیال کرنے لگتے ہیں اور ان کی ترقیات سلوک صرف اوہام کی ترقی ہے۔ الہام اور ملہم کی طرف نہ دین کے لئے اور نہ معاو کے لئے اور نہ تقرب الی اللہ کے لئے اور نہ تیسرے حق اور باطل کے لئے ہمیں کچھ حاجت ہے جو لوگ کسی ملہم کے گرد ایسے جمع ہو جائیں جیسے بُت پرست کسی بُت کے گرد۔ خلاصہ مطلب یہ کہ الہام باطل بے سود ہے اور اس کی صحت پر کوئی حجت نہیں۔ فافہم هذا ما اللہمنی بلی تم کلامہ۔ یہ عاجز سید صاحب کے دساو سس کے دور کرنے کے لئے سب سے اول اس بات کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہے کہ جو کچھ سید صاحب نے الہام کے بارے میں سمجھا ہے یعنی یہ کہ وہ صرف امور خیالیہ ہیں کہ فقط ملہمین کا دل ہی ان کا موجد ^{مخلوق} ہوتا ہے۔ یہ سید صاحب کی رائے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اب تک اس تعلیم سے بے خبر ہیں۔ جو الہام یعنی وحی کے بارے میں اللہ جل شانہ اور اس کے رسول نے فرمائی ہے۔ سو واضح ہو کہ قرآن کریم میں اس کیفیت کے بیان کرنے کے لئے جو مکالمہ الہی سے تعبیر کی جاتی ہے الہام کا لفظ اختیار نہیں کیا گیا محض لغوی طور پر ایک جگہ الہام کا لفظ آیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ سو اس کو مانع فیہ سے کچھ تعلق نہیں۔ اس کے

۹۰

۹۱

تو صرف اسی قدر سمجھئے ہیں کہ خدا تعالیٰ بوجہ علت العلل ہونے کے بدول کو اُن کے مناسب حال اور نیکیوں کو اُن کے مناسب حال اُن کے جذبات نفسانی یا متقیانہ جوشوں کے موافق اپنے قساوون قدرت کے حکم سے خیالات و تدابیر و حیل مطلوبہ کے ساتھ تائید و تباہ یعنی نئے بنے خیالات و حیل مطلوبہ اُن کو سوجھا دیتا ہے یا یہ کہ اُن کے جوشوں اور جذبول کو بڑھاتا ہے اور یا یہ کہ اُن کے تخشم مخفی کو ظہور میں لاتا ہے۔ مثلاً ایک چور اس خیال میں لگا رہتا ہے کہ کوئی عمدہ طریقہ نقب زنی کا اس کو معلوم ہو جائے تو اُس کو سوجھایا جاتا ہے۔ یا ایک متقی چاہتا ہے کہ وہ جہ حلال کی قوت کے لئے کوئی سبیل مجھے حاصل ہو تو اس بارے میں اس کو بھی کوئی طریق بتلایا جاتا ہے۔ سو عام طور پر اس کا نام الہام ہے جو کسی نیک بخت یا بد بخت سے خاص نہیں۔ بلکہ تمام نوع انسان اور جمیع افراد بشر اس علت العلل سے مناسب حال اپنے اس الہام سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

۵۹۹

لیکن اس سے بہت اوپر چڑھ کر ایک اور الہام بھی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں وحی کے لفظ سے یاد کیا ہے نہ الہام سے۔ اور اس کی تعریف یہ ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کی ایک تجلی خاص کا نام ہے جو بکثرت انہیں پر ہوتی ہے جو خاص اور مقرب ہوں۔ اور اس کی علت غائی یہ ہے کہ شبہات اور شکوک سے نکالنے کے لئے یا ایک نئی یا مخفی بات کے بتانے کے لئے یا خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم مرضی اور اس کے ارادہ پر مطلع کرنے کے لئے یا کسی محسوس خوف سے مامون اور مطمئن کرنے کے لئے یا کسی بشارت کے دینے کے لئے منجانب اللہ پس ایہ مکالمہ مخاطبہ اور کلام لہذیہ کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ وہ ایک فیہی القاء لفظوں کے ساتھ ہے جس کا ادراک غالباً غیبیت جس کی حالت میں سماع کے طور پر یا جریان علی اللسان کے طور پر یا رویت کے طور پر ہوتا ہے اور اپنے نفس اور امور خیالیہ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض الہی تحریک اور ربانی نفخ سے ایک قدرتی آواز ہے جس کو مورد وحی کی قوت حاسہ دریافت کر لیتی ہے۔

۵۹۹

جب انسان کی روح نفسانی آلائشوں سے پاک ہو کر اور اسلام کی واقعی حقیقت سے کامل رنگ پکڑ کر خدا تعالیٰ کی بے نیاز جناب میں رضا اور تسلیم کے ساتھ پوری پوری غلوار سے کوئے کر اپنا سر رکھ دیتی ہے اور ایک سچی قربانی کے بعد جو فدا کے نفس و مال و عزت و دیگر لوازم محسوب نفس سے مراد ہے محبت اور عشق مولیٰ کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے اور تمام تجب نفسانی جو اس میں اور اس کجب میں دُوری ڈال رہے تھے معدوم اور زائل ہو جاتے ہیں اور ایک انقلاب عظیم اور سخت جدیدی اس انسان کی صفات اور اس کی اخلاقی حالت اور اس کی زندگی کے تمام جذبات میں پیدا ہو کر ایک نئی پیدائش اور نئی زندگی ظہور میں آجاتی ہے اور اس کی نظر شیعوں میں وجود غیر ملکی معدوم ہو جاتا ہے۔ تب ایسا انسان اس لائق ہو جاتا ہے کہ مکالمہ آسمانی سے بکثرت مشرف ہو۔ اور مکالمہ آسمانی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ محدود اور مشتبہ معرفت سے انسان ترقی کر کے اس درجہ شہود پر پہنچتا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ کو اس نے دیکھ لیا ہے۔ سو یہ وہ مقام ہے جس پر تمام مقامات معرفت و خدا شناسی کے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وہ آخری نقطہ کمالات بشریہ کا ہے جس سے بڑھ کر عرفان کے پیاسوں کے لئے اس دنیا میں ہرگز میسر نہیں آسکتا اور نبیوں اور محدثوں کے لئے اس کے حصول کا اکثر طور پر قدرتی طریق یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی پران میں سے اپنا کلام نازل کرے تو روحانی طور پر بغیر واسطہ جسمانی اسباب کے اس پر بارودگی اور بیہوشی طاری کی جاتی ہے۔ تب وہ شخص اپنے وجود سے بکلی گم ہو کر مالا اختیار جناب الہی کی ایک خاموشش سے گہرے غوطہ میں چلا جاتا ہے اور ہوش آسنے کے وقت اپنے ساتھ ایک کلام لذیذ لے آتا ہے وہی وحی الہی ہے۔

یہ کلام جو خدا تعالیٰ کے پیاروں اور مقدسوں پر نازل ہوتا ہے یہ کوئی بھی اور خیالی بات نہیں ہوتی۔ جس کو انسان کا نفس آپ ہی پیدا کر سکے بلکہ یہ واقعی اور حقیقی طور پر اس ذات لایدرک کا کلام ہوتا ہے جس کی ہستی کا انتہائی اور اعلیٰ درجہ کا ثبوت طرفوں کی

نگاہ میں یہی کلام ہے اور اس بات کے ثبوت کے لئے کہ خدا تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اپنا کلام اپنے بعض اہل پر نازل کرے۔ ایک مسلمان کے لئے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کافی ہیں خدا تعالیٰ کا اپنے نبیوں سے ہم کلام ہونا اور اولیاء میں سے حضرت موسیٰ کی والدہ پر اپنا کلام نازل کرنا۔ حضرت خضر کو اپنے کلام سے مشرف کرنا۔ مریم صدیقہ سے اپنے فرشتہ کی معرفت ہم کلام ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر قرآن کریم میں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ حاجت بیان نہیں۔ اور صحیح بخاری میں صفحہ ۵۲۱ مناقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں یہ حدیث بھی ہے کہ قد کان فی من قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکتلمون من غیر ان یقولوا انبیاء فان یاک فی امتی منهم احد فعمرو یعنی تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ گذرے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوتا تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں سو اگر ایسے لوگ اس امت میں ہیں تو وہ عمر ہے۔

ایسا ہی جمع مشاہیر اولیاء کرام اپنے ذاتی تجارب سے اس بات کی گواہی دیتے آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنے اولیاء سے مکالمات و مخاطبات واقع ہوتے ہیں اور کلام لذیذ رب عزیز کی بوقتِ غلا اور دوسرے اوقات میں بھی اکثر وہ سنتے ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ فتح الغیب میں سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کس قدر جا بجا اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ کلام الہی اس کے مقرب اولیاء پر ضرور نازل ہوتا ہے اور وہ کلام ہوتا ہونہ فقط الہام اور حضرت مجدد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات کی جلد ثانی صفحہ ۹۹ میں ایک مکتوب بنام محمد صدیق لکھتے ہیں جس کی عبارت یہ ہے۔

اعلم ایہا الصدیق ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاہا و ذالک لافراد من الانبیاء وقد یکون ذالک لبعض الکمل من متابعیہم و اذا کثر هذا القسم من الکلام مع واحد منهم میحدثا و هذا غیر الالہام و غیر الالقاء فی الروح و غیر الکلام الذی مع الملک

انما مخاطب بهذا السلام الانسان الكامل والله يختص برحمته من يشاء
یعنی اسے دوست نہیں معلوم ہو کہ اللہ جل شانہ کا بشر کے ساتھ کلام کرنا کبھی روپرو
اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے افسردہ جو خدا تعالیٰ کے ہمکلام ہوتے
ہیں وہ خواص انبیاء میں سے ہیں۔ اور کبھی یہ ہمکلامی کا مرتبہ بعض ایسے مکمل لوگوں کو
ملتا ہے کہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے منہج میں اور جو شخص کثرت سے شرف ہمکلامی کا پاتا
ہے اس کو محدث بولتے ہیں۔ اور یہ مکالمہ الہی از قسم الہام نہیں بلکہ غیب الہام ہے
اور یہ القاء فی الردع بھی نہیں ہے اور نہ اس قسم کا کلام ہے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا
ہے۔ اس کلام سے وہ شخص مخاطب کیا جاتا ہے جو انسان کامل ہو اور خدا تعالیٰ جیس کو
چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ درحقیقت الہام اور چیز ہے اور مکالمہ الہی
اور چیز ہے۔ اور سید صاحب اپنی کتاب تبیین الکلام کے صفحہ ۷ میں اس بیان
مذکورہ بالا کا صاف اصرار کرتے ہیں۔ ناظرین کو چاہیے کہ صفحہ ۷ تبیین الکلام کا ضرور
پڑھیں تا معلوم ہو کہ سید صاحب آپ ہی پہلے ان تمام باتوں کا اقرار کر چکے ہیں اور اب
بعد اقرار کسی مصلحت سے انکاری ہو بیٹھے ہیں۔

اور سید صاحب کا یہ فرمانا کہ الہام بے سود ہے خود بے سود ہے۔ کیونکہ اگر وہ الہام
بے سود ہے جس کی سید صاحب نے تعریف اپنے مضمون میں کی ہے تو ہوا کرے۔ لیکن
کلام الہی تو بے سود نہیں۔ اور نعوذ باللہ کیونکہ بے سود ہو۔ وہی تو ایک فیہ کامل معرفت
کسے جس کی وجہ سے انسان اس پر غبار دنیا میں صرف خود تراشیدہ خیالات سے
خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہیں ہوتا بلکہ اس حقیقی وجود کے منہ سے انا الموجد کی آقا دہی
سُن لیتا ہے اور صد ما فوق العادت پیشگوئیوں اور اسرار عالیہ کی وجہ سے جو اس کلام کے
ذریعہ سے منکشف ہوتے ہیں۔ متکلم پر ایمان لانے کے لئے حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے

اور ایسے شخص کا جلس بھی ان روحانی منافع و فوائد سے محروم نہیں رہتا بلکہ رفتہ رفتہ یہاں تک اس کو قوتِ یقین مل جاتی ہے کہ گویا خدا نے عتوہ جل کو دیکھ لیتا ہے اگر سید صاحب اس بات کا کسی اخبار میں اعلان دیں کہ ہمیں اس بات پر ایمان نہیں کہ یہ مرتبہ خدا تعالیٰ کی ہولناکی کا انسان کو مل سکتا ہے اور ان تمام شہاد توں سے انکار ظاہر کریں کہ ہو روحانی تجربہ کاروں رسولوں اور نبیوں اور ولیوں نے ہمیش کی ہیں تو اس عاجز پر فرض ہو گا کہ اسی فوق العادہ طریقی سے جس کی بنیاد خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں نے ڈالی ہے۔ آزمائش کیلئے سید صاحب کو بندید کسی اخبار کے کھلے کھلے طور پر دعوت کرے۔ اور اگر سید صاحب طالب حق ہوں گے تو اس روحانی دعوت کو بسر و چشم قبول کر لیں گے والسلام علی من اتبع الهدی

توفی کے لفظ کی نسبت نیز الدجال کے بارے میں مزارِ روپے کا اشتہار

تمام مسلمانوں پر واضح ہو کہ کمال صفائی سے قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو گیا ہے کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام بطریقِ ائمت فیہا ت حیات و فیہا ت مموت و فیہا ت بعثت پر ہی اپنی جسمانی زندگی کے دن بسر کر کے فوت ہو چکے ہیں۔ اور قرآن کریم کی سولہ آیتوں اور بہت سی حدیثوں بخاری اور مسلم اور دیگر صحاح سے ثابت ہے کہ فوت شدہ لوگ پھر آباد ہونے اور بسنے کے لئے دنیا میں بھیجے نہیں جاتے اور تحقیقی اور واقعی طور پر دو موتیں کسی پر واقع ہوتی ہیں اور نہ قرآن کریم میں واپس آنے والوں کے لئے کوئی قانونِ وراثت موجود ہے۔ یا ایہذا بعض علماء وقت کو اس بات پر سخت غلو ہے کہ مسیح ابن مریم فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہی آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور حیاتِ جسمانی و نبوی کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور نہایت بے باکی اور شوخی کی راہ سے کہتے ہیں کہ توفی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنی وفات دینا نہیں ہے بلکہ

پورا لینا ہے یعنی یہ کہ روح کے ساتھ جسم کو بھی لے لیتا۔ مگر ایسے معنے کرنا ان کا ہر امر و فترا ہے قرآن کریم کا عموماً التزام کے ساتھ اس لفظ کے بارے میں یہ محاورہ ہے کہ وہ لفظ بعض ارج اور وفات دے دینے کے معنوں پر ہر ایک جگہ اس کو استعمال کرتا ہے۔ یہی محاورہ تمام حدیثوں اور جمیع اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں عرب کا جرمہ آباد ہوا ہے اور زبان عربی جاری ہوئی ہے کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ توفی کا لفظ کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو۔ بلکہ جہاں کہیں توفی کے لفظ کو خدایتحالی کا فعل ٹھہرا کر انسان کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور قبض روح کے معنی پر آیا ہے نہ قبض جسم کے معنوں میں۔ کوئی کتاب لغت کی اس کے مخالف نہیں۔ کوئی مثل اور قول اہل زبان کا اس کے مضامین نہیں۔ غرض ایک سند احتمال مخالف کے گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اشعار و قصائد و نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدایتحالی کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دول گا اور آئندہ اس کی کمالات حدیث وانی اور قرآن وانی کا اقرار کر لوں گا۔ ایسا ہی اگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یا ان کا کوئی بھتیجا یہ ثابت کر دیوے کہ الدجال کا لفظ بخاری اور مسلم میں آیا ہے جس نے دجال معبود کے کسی اور دجال کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ایسے شخص کو بھی جس طرح ممکن ہو ہزار روپیہ نقد بطور تاوان دوں گا۔ چاہیں تو مجھ سے جیڑی کر لیں یا تمسک لکھا لیں۔ اس اشتہار کے مخاطب خاص طور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں۔

جنہوں نے غرور اور تکبر کی راہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ توفی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنی پورے لینے کے ہیں یعنی جسم اور روح کو بہریت کذائی زندہ ہی اٹھا لینا۔ اور وجود مرکب جسم اور روح میں سے کوئی حصہ مشرک نہ چھوڑنا۔ بلکہ سب کو بحیثیت کذائی اپنے قبضہ میں زندہ اور صحیح سلامت لے لینا۔ سو اسی معنی سے انکار کر کے یہ شرعی اشتہار ہے۔ ایسا ہی محض نفسانیت اور عدم واقفیت کی راہ سے مولوی محمد حسین صاحب نے الدجال کے لفظ کی نسبت جو بخاری اور مسلم میں جد جہاد جہال محمود کا ایک نام ٹھہرایا گیا ہے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ الدجال دجال محمود کا خاص طور پر نام نہیں بلکہ ان کتابوں میں یہ لفظ دوسرے دجالوں کے لئے بھی مستعمل ہے اور اس دعویٰ کے وقت اپنی حدیث دانی کا بھی ایک لمبا پوڑا دعویٰ کیا جو اس صحیح معنی الدجال سے انکار کر کے اور یہ دعویٰ کر کے کہ یہ لفظ الدجال کا صرف دجال محمود کے لئے آیا ہے اور بطور علم کے اس کے لئے مقرر ہو گیا ہے۔ یہ شرعی اشتہار جاری کیا گیا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب اور اُن کے ہم خیال علماء نے لفظ توفی اور الدجال کی نسبت اپنے دعویٰ متذکرہ بالا کو بپایہ ثبوت پہنچا دیا تو وہ ہزار روپیہ لینے کے مستحق ٹھہریں گے اور نیز عام طور پر یہ عاجز یہ اقتدار بھی چند اخباروں میں شائع کر دے گا کہ درحقیقت مولوی محمد حسین صاحب اور اُن کے ہم خیال فاضل اور واقعی طور پر محدث اور مفسر اور رموز اور دقائق قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے سمجھنے والے ہیں۔ اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ لوگ دقائق و حقائق بلکہ سطحی معنوں قرآن اور حدیث کے سمجھنے سے بھی قاصر اور سرسری غیبی اور بلیہ میں اور وہ پردہ اللہ اور رسول کے دشمن ہیں کہ محض الحاد کی راہ سے واقعی اور حقیقی معنوں کو ترک کر کے اپنے گھر کے ایک نئے معنی گھڑتے ہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی یہ ثابت کر کے دکھائے کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں اور احادیث جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کوئی مردہ دنیا میں واپس نہیں آئے گا قطعیت الدلالت نہیں اور نیز بجائے

لفظ موت اور امات کے جو متعدد المعنیٰ ہے اور میت اور بے ہوشی اور کفر اور ضلالت اور قریب الموت ہونے کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ توفی کا لفظ کہیں دکھاوے مثلاً یہ کہ توفاه اللہ مائتہ عام ثم بعثہ۔ تو ایسے شخص کو بھی بلا توفی ہزار روپیہ نقد دیا جاوے گا۔ ✽

المشترک غلام احمد از لودھیانہ محلہ اقبال گنج

نوٹ۔ فوت کے بعد زندہ کرنے کے متعلق جس قدر قرآن کریم میں آیتیں ہیں کوئی اُن میں سے حقیقی موت پر محمول نہیں ہے۔ اور حقیقی موت کے ماننے سے نہ صرف اس جگہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ آیتیں قرآن کریم کی اُن سولہ آیتوں اور اُن تمام حدیثوں سے مخالف ٹھہرتی ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد پھر دنیا میں نہیں بھیجا جاتا۔ بلکہ علاوہ اس کے یہ فلسفہ بھی لازم آتا ہے کہ جان کنڈن اور حساب قبر اور دفع الی السماء جو صرف ایک دفعہ ہونا چاہیئے تھا دو دفعہ ماننا پڑتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اب شخص فوت شدہ حساب قبر کے بعد قیامت میں اٹھیا گا کہ وہ جیج ٹھہرتا ہے۔ اور اگر ان آیتوں میں حقیقی موت مراد نہ لیں تو کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ موت کے مشابہ ایک مدت تک کسی پر کوئی حالت بے ہوشی وارد کر سکے پھر اس کو زندہ کر دیوے مگر وہ حقیقی موت نہ ہو۔ اور یہ تو یہ ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کسی جاندار پر حقیقی موت وارد نہ کرے وہ مرنے سے بچتا ہے۔ اگرچہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ ان اللہ علی کل شیء قدیر و ما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ منہ

۹۲۲ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۸۹۲

یہ آیت پوری پوری یہ ہے یحییٰ اَنی متوفیک ورافعلک الی ومطہرک
من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک قوق الذین کفروا الی یم
القیامۃ۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ترتیب وار اپنے تئیں فاعل ٹھہرا کر چار فعل
اپنے یکے بعد دیگرے بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے
وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کفار کے الزاموں سے پاک
کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دینے والا ہوں
اور ظاہر ہے کہ یہ ہر چار فقرے ترتیب طبعی سے بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس میں
شک نہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف بھٹا جاوے اور ارجحی الی ربک کی خبر
اس کو پہنچ جائے پہلے اس کا وفات پانا ضروری ہے۔ پھر بموجب آیت کہ بعد ارجحی الی
ربک اور حدیث صحیح کے اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے۔ اور وفات کے بعد مومن کی
روح کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع لازمی ہے جس پر تشریح کریم اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں
پھر بعد اس کے جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو فرمایا جو میں تجھے کفار کے الزاموں سے
پاک کرنے والا ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہود چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ کو
مصلوب کر کے اس الزام کے نیچے داخل کریں جو توریت باب استثنائیں لکھا ہے جو
مصلوب لعنتی اور خدا تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب ہے۔ جو عزت کے ساتھ خدا تعالیٰ
کی طرف اٹھایا نہیں جاتا مگر خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اس آیت میں بشارت دی کہ تو اپنی
موت طبعی سے فوت ہوگا اور پھر عزت کے ساتھ میری طرف اٹھایا جائے گا اور جو تیرے
مصلوب کرنے کے لئے تیرے دشمن کو شش کر رہے ہیں ان کو ششوں میں وہ لکھ میں گئے
اور جی الزاموں کے قائم کرنے کے لئے وہ فکر میں ہیں اُن تمام الزاموں سے میں تجھے

پاک اور مستزہ رکھوں گا یعنی مصلوبیت اور اس کے بد نتائج سے جو لعنتی ہونا اور نبوت سے محروم ہونا اور رفع سے بے نصیب ہونا ہے۔ اور اس جگہ توفی کے لفظ میں بھی مصلوبیت سے بچانے کے لئے ایک بار ایک اشارہ ہے۔ کیونکہ توفی کے معنی پر غالب یہی بات ہے کہ موت طبعی سے وفات دی جائے یعنی ایسی موت سے جو محض بیماری کی وجہ سے ہو نہ کسی مرتبہ سقط سے۔ اسی وجہ سے مفسرین صاحب کشاف وغیرہ انی متوفیک کی یہ یہ تفسیر لکھتے ہیں کہ انی ممیتک حتف انفلت۔ ہاں یہ اشارہ آیت کے تیسرے فقرے میں کہ مطہرک من الذین کفروا ہے اور بھی زیادہ ہے۔ غرض فقرہ مطہرک من الذین کفروا جیسے کہ تیسرے مرتبہ پر بیان کیا گیا ہے ایسا ہی ترتیب طبعی کے لحاظ سے بھی تیسری مرتبہ پر ہے۔ کیونکہ جبکہ حضرت عیسیٰ کا موت طبعی کے بعد نبیوں اور مقدسوں کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو گیا۔ تو بلاشبہ وہ کفار کے منصوبوں اور الزاموں سے بچائے گئے اور چوتھا فقرہ وجاعل الذین اتبعوہ جیسے کہ ترتیباً چوتھی جگہ قرآن کریم میں واقع ہے ایسا ہی طبعاً بھی چوتھی جگہ ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کے قبضین کا غلبہ ان سب امور کے بعد ہوا ہے۔ سو یہ چار فقرے آیت موصوفہ بالا میں ترتیب طبعی سے واقع ہیں اور یہی قرآن کریم کی شان بلاغت سے مناسب حال ہے۔ کیونکہ امور قابل بیان کا ترتیب طبعی سے بیان کرنا کمال بلاغت میں داخل اور عین حکمت ہے۔ اسی وجہ سے ترتیب طبعی کا التزام تمام قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔ سورہ فاتحہ میں ہی دیکھو کہ کیونکہ پہلے رب العالمین کا ذکر کیا۔ پھر رحمن پھر رحیم پھر مالک يوم الدين اور کیونکہ فیض کے سلسلہ کو ترتیب وار عام فیض سے لے کر خاص فیض تک پہنچایا۔ غرض موافق عام طریق کامل ابلاغ قرآن کریم کی آیت موصوفہ بالا میں ہر چار فقرے ترتیب طبعی سے بیان کئے گئے ہیں لیکن حال کے متعصب تلامذہ کیوں یوں کی طرز پر بحر فون الکلم عن مواضع کی عادت ہے اور جو سجع ابن مریم کی حیات ثابت کرنے کے لئے

بے طرح ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور کلام الہی کی تحریف و تبدیل پر کمر باندھ لی ہے وہ نہایت
 مکلف سے خدا تعالیٰ کی ان چار ترتیب وار فقروں میں سے دو فقروں کی ترتیب طبعی ^{۹۲۵}
 سے منکر ہو بیٹھے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ اگرچہ فقرہ مطہرک من الذین کفر وہا
 فقرہ وجاعل الذین اتبعولک بنرتیب طبعی واقع ہیں لیکن فقرہ انی متوفیک
 اور فقرہ ورا فعلک الی ترتیب الہی پر واقع نہیں ہیں۔ بلکہ دراصل فقرہ انی متوفیک
 مؤخر اور فقرہ ورا فعلک الی مقدم ہے۔ جسکس کہ ان لوگوں نے باوجود اس کے کہ کلام
 بلاغت نظام حضرت فاطمہ الحسن علیہ السلام جلشانہ کو اپنی اصل وضع اور صورت اور ترتیب سے
 بدلا کر مسخ کر دیا۔ اور چار فقرہ میں سے دو فقروں کی ترتیب طبعی کو مسلم رکھا اور دو فقروں
 کو دائرہ بلاغت و فصاحت سے خارج سمجھ کر اپنی طرف سے اُن کی اصلاح کی یعنی مقدم کو
 مؤخر کیا اور مؤخر کو مقدم کیا۔ مگر باوجود اس قدر یہودیانہ تحریف کے پھر بھی کامیاب
 نہ ہو سکے۔ کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ فقرہ انی ورا فعلک الی فقرہ انی متوفیک پر مقدم
 سمجھا جائے تو پھر بھی اس سے محرفین کا مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے چوتھے
 ہوں گے کہ اے عیسیٰ میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور وفات دینے والا ہوں اور یہ
 معنی سراسر غلط ہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آسمان پر یہی وفات ہو
 وہ یہ کہ جب رفیع کے بعد وفات دینے کا ذکر ہے اور نزول کا درمیان کہیں ذکر نہیں۔ اس
 سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آسمان پر یہی حضرت عیسیٰ وفات پائیں گے۔ ہاں اگر ایک تیسرے فقرہ
 اپنی طرف سے گھڑ جائے اور ان دونوں فقروں کے بیچ میں رکھا جائے اور یوں کہا جائے
 یعیسیٰ انی ورا فعلک و منزلک و متوفیک تو پھر معنی درست ہو جائیں گے۔ مگر
 ان تمام تحریفات کے بعد فقرات مذکورہ بالا خدا تعالیٰ کا کلام نہیں رہیں گے۔ بلکہ یا عیسیٰ
 دخل انسان اور صریح تغیر و تبدیل و تحریف کے اسی حرف کا کلام متصور ہوں گے۔ جس نے
 بے حیائی اور شوخی کی راہ سے ایسی تحریف کی ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ ایسی کاروائی سراسر

الحاد اور صریح ہے ایمانی میں داخل ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہم یہ تحریفات و تمہیدات بلا ضرورت نہیں کرتے بلکہ آیات قرآنی کو بعض احادیث سے مطابق و موافق کرنے کے لئے بوجہ اشد مضرت اس حرکت بے جا کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ائمت اور حدیث میں باہم تعارض واقع ہونے کی حالت میں اصول مفسرین و محدثین دہائی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حدیث کے معنوں میں تاویل کیے کہ اس کو قرآن کریم کے مطابق کیا جائے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب الجنائز صفحہ ۱۷۲ میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حدیث ان العیبت یعذب بہ بعض بکلاء اہلہ کو قرآن کریم کی اس آیت سے کہ لا تنزروا زرعہ و زرعہ اخوی تعارض و مخالف پا کر حدیث کی یہ تاویل کر دی کہ یہ مومنوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ کفار کے متعلق ہے جو متعلقین کے بزاع فرزع پر راضی تھے بلکہ وصیت کرتے تھے پھر بخاری کے صفحہ ۱۸۳ میں یہ حدیث جو لکھی ہے قال حل وجدتم ما وعدکم ربکم حقاً۔ اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کے سیدھے اور حقیقی معنی کے رو سے قبول نہیں کیا اس عذر پر کہ یہ تشران کریم کے معارض ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے انک لا تسعح الموتی اور ابن عمر کی حدیث کو صرف اسی وجہ سے رو کر دیا ہے کہ ایسے معضے معارض تشران ہیں۔ دیکھو بخاری صفحہ ۱۸۳۔ ایسا ہی محققوں نے بخاری کی اس حدیث کو جو صفحہ ۶۵۲ میں لکھی ہے یعنی یہ کہ ما من مولود یولد الا و الشیطان یمسہ حین یولد الا مریم وابنہا قرآن کریم کی ان آیات سے مخالف پا کر کہ الا عبادک منهم المخلصین ان عبادی لیس لک علیہم سلطان و سلام علیہ یوم ولد اس حدیث کی یہ تاویل کر دی۔ کہ ابن مریم اور مریم سے تمام ایسے اشخاص مراد ہیں جو ان دونوں کی صفت پہنچوں جیسا کہ شارح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

قد طعن الزمخشری فی معنی هذا الحدیث وتوقف فی صحته وقال ان صح

فمعناه كل من كان في صفتهم لقوله تعالى الا عبادك منهم المخلصين
یعنی علامہ زنجشیری نے بخاری کی اس حدیث میں طعن کیا ہے اور اس کی صحت میں اسکو شک
ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث معارض قرآن ہے اور فقط اس صورت میں صحیح تصور ہو سکتی ہے
کہ اس کے یہ معنی کئے جاویں کہ مریم اور ابن مریم سے مراد تمام ایسے لوگ ہیں جو ان کی صفت
پر ہوں۔ ماسوا اس کے حسب آیت کریمہ فبأی حدیث بعد یومنون اور حسب
آیت کریمہ فبأی حدیث بعد الله وأیاً تم یومنون ہر ایک حدیث جو صریحاً کثرت
کے معارض پڑے رد کرنے کے لائق ہے۔ اور آخری نصیحت ائحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ
تھی کہ تم نے تمسک بکتاب اللہ کرنا۔ جیسا کہ بخاری کے صفحہ ۷۵۱ میں یہ حدیث درج ہے
کہ اوصی بکتاب اللہ۔ اسی وصیت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے۔ پھر
اسی بخاری کے صفحہ ۱۰۸۰ میں یہ حدیث ہے وهذا الکتاب الذی ھدی اللہ بہ
رسولکم فخذوا بہ تھتدوا یعنی اسی قرآن سے تمہارے رسول نے ہدایت پائی ہے
سو تم بھی اسی کو اپنا رہنما پکڑو۔ تاہم ہدایت پاؤ۔ پھر بخاری کے صفحہ ۲۵۰ میں یہ حدیث
ہے ما عندنا شیء الا کتاب اللہ یعنی کتاب اللہ کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چیز
نہیں جس سے باستقلال تمسک ہو سکیں۔ پھر بخاری کے صفحہ ۱۸۳ میں یہ حدیث ہے
حسبکم القرآن یعنی تمہیں قرآن کافی ہے۔ پھر بخاری میں یہ بھی حدیث ہے
حسبنا کتب اللہ ما کان من شرط لیس فی کتب اللہ فهو باطل قضاء
اللہ الحق دیکھو صفحہ ۲۹۰ و ۳۴۷ و ۳۴۸۔ اور یہی اصول محکم ائمہ کبار کا ہے چنانچہ ترویج
میں لکھا ہے انما یرد خیر الو احد من معارضۃ الکتاب۔ پس جس صورت میں خبر اہد
جس میں احادیث بخاری و سلم بھی داخل ہیں بحالت معارضۃ کتاب اللہ رد کرنے کے لائق
ہے۔ تو پھر کیا یہ ایمان داری ہے کہ اگر کسی آیت کا کسی حدیث سے تعارض معلوم ہو تو آیت
کے ذیور کر کرنے کی فکر میں ہو جائیں اور حدیث کی تاویل کی طرف رخ بھی نہ کریں۔

ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ صحابہ کرام اور سلف صالح کی یہی عادت تھی کہ جب کہیں آیت اور حدیث میں تعارض و متخالف پاتے تو حدیث کی تاویل کی طرف مشغول ہوتے۔ مگر اب یہ زمانہ آیا ہے کہ تہذیب و تمدن کی یہ عادتیں زیادہ پیاری ہو گئیں ہیں اور حدیثوں کے الفاظ قرآن کریم کے الفاظ کی نسبت زیادہ محفوظ سمجھے گئے ہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں جسکی حدیث کا قرآن کریم سے تعارض دیکھتے ہیں تو حدیث کی طرف ذرہ شاک نہیں گذرتا یہودیوں کی طرح قرآن کریم کا بدلانا شروع کر دیتے ہیں اور کلمات اللہ کو ان کے اصل مواضع سے پھیر کر کہیں کا کہیں لگا دیتے ہیں اور بعض فقرے اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور اپنے تئیں یحیٰ فون الکلمہ عن مواضعہ کا مصداق بنا کر اس لعنت اللہ سے حصہ لے لیتے ہیں جو پہلے اس سے یہودیوں پر انہیں کاموں کی وجہ سے وارد و نازل ہوئی تھی۔ بعض تحریف کی یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ فقرہ متوفیٰ کو مقدم ہی رکھتے ہیں مگر بعد اس کے انی عجیبک کا فقرہ اپنی طرف سے لٹا لیتے ہیں۔ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ نے تحریف کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور بخاری نے اپنی صحیح کے آخر میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کی تحریف یہی تھی کہ وہ پڑھنے میں کتاب اللہ کے کلمات کو ان کے مواضع سے پھیرتے تھے (اور حقیقی بات یہ ہے کہ وہ دونوں قسم کی تحریف تحریری و تقریری کرتے تھے) مسلمانوں نے ایک قسم میں (جو تقریری تحریف ہے) ان سے مشابہت پیدا کر لی اور اگر وعدہ صادق انا نحن نزلنا الذکر وانا لعلیٰ خلقہ لعلیٰ تصرف تقریری سے مانع نہ ہوتا تو کیا تعجب کہ یہ لوگ رفتہ رفتہ تحریر میں بھی ایسی تحریفیں شروع کر دیتے کہ فقرہ (افحک) کو مقدم اور انی متوفیٰ کو مؤخر لکھ دیتے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم پر ایسی مصیبت کیا آپڑی ہے کہ تم کتاب اللہ کے زیر و زبر اور محرف کرنے کی فکر میں لگ گئے تو اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تاکسی طرح تہذیب و تمدن کی حدیثوں کے مطابق ہو جاوے جن سے بغیر معارض و مخالف معلوم ہوتا ہے۔ ان بے چاروں کو اس بات کی طرف خیال نہیں آتا

کہ اگر حقیقت کوئی حدیث قرآن کریم سے معارض و مخالف ہے تو حدیث قابل تاویل ہے نہ کہ قرآن۔ کیونکہ قرآن کریم کے الفاظ جو اہل بیت مرسلین کی طرح اپنے اپنے محل پر چھاپے ہیں اور نیز قرآن کریم کا ہر ایک لفظ اور ہر ایک نقطہ تصرف اور دخل انسان سے محفوظ ہے برخلاف حدیثوں کے کہ وہ محفوظ الفاظ بکلی نہیں اور ان کے الفاظ کی یادداشت اور محصل پر رکھنے میں وہ اہتمام نہیں۔ بجا قرآن کریم میں تھا۔ اسی وجہ سے ان میں تعارض بھی موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقامات متعارضہ میں راویوں کے حافظہ نے وفا نہیں کی۔ اس جگہ ہم چند مقامات متعارضہ صحیح بخاری کے جو بعد کتاب الشہادۃ و کتاب الجنائز کی گئی ہے اور حقیقت اصح ہے لکھتے ہیں۔ از انجملہ وہی حدیث صفحہ ۶۵۲ بخاری ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ میں شیطان سے محفوظ صرف ابن مریم اور اس کی والدہ ہے لیکن حدیث صفحہ ۶۵۷ بخاری میں اس کے برعکس درج ہے جس میں لکھا ہے کہ جو شخص محبت کے وقت بسم اللہ اللہم الخ پڑھے اس کی اولاد میں شیطان سے محفوظ رہتی ہے۔ ایسا ہی بخاری کے صفحہ ۶۶۴ اور صفحہ ۶۶۶ کی حدیثیں بھی اس کے معارض پڑی ہیں۔ اور ایسا ہی بخاری کی وہ حدیث بھی جو صفحہ ۶۷۷ میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے ایام بناء میں کس قدر فاصلہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ چالیس برس کا۔ حالانکہ روایت صحیح سے ثابت ہے کہ بانی کعبہ ابراہیم اور بانی بیت المقدس حضرت سلیمانؑ ہیں اور ان دونوں کے زمانہ میں ہزار برس سے بھی زیادہ فاصلہ ہو۔ اسی وجہ سے ابن جوزی نے بھی اس حدیث پر لکھا کہ فیہ اشکال لان ابراہیم بنی الکعبۃ و سلیمان بنی بیت المقدس و بینہما اکثر من الف سنۃ۔ دیکھو صفحہ ۶۷۷ بخاری ایسا ہی معراج کی حدیثوں میں سخت تعارض واقع ہے۔ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۵۰ بخاری میں جو حدیث ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں مکہ میں تھا کہ چھت کو کھول کر حضرت جب بنی ہاشم سے پاس آئے اور میرے سینہ کو کھولا اور آب زمزم سے اس کو دھویا۔ پھر ایک سونے کا طشت

لایا گیا جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا سو وہ میرے سینہ میں ڈالا گیا پھر جبریل میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے گیا۔ مگر اس میں یہ نہیں لکھا کہ وہ طشت طلحہ جو عین بیداری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالہ کیا گیا۔ بہر حال آسمان پر پہنچے اور ابراہیم کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور سب سے اول آدم کو دیکھا۔ پھر ابراہیم کو دیکھا۔ پھر موسیٰ کو اور پھر ان سب کے بعد عیسیٰ کو دیکھا۔ بعد اس کے ابراہیم کو دیکھا اور سب کے بعد بنشت کا مشاہدہ کیا اور پھر واپس آئے۔ اور کتاب ہدایہ الخلق صفحہ ۴۵۵ بخاری میں یہ حدیث ہے کہ میں یہ تین مرتبہ کے پاس خواب اور بیداری کے درمیان تھا کہ تین فرشتے آدمیوں کی صورت پر آئے اور ایک جانور بھی حاضر کیا گیا جس کا قد ^{۱۰}فخر سے کچھ کم مگر گدھے سے کچھ زیادہ تھا۔ پھر میں آسمان پر گیا اور دوسرے آسمان پر پہنچی اور عیسیٰ کو دیکھا۔ پھر تیسرے میں یوسف کو دیکھا اور چوتھے میں ابراہیم کو دیکھا اور پانچویں آسمان میں ہارون کی طاقات ہوئی اور چھٹے آسمان میں موسیٰ کو ملا۔ اور جب میں موسیٰ کے مقام سے اُگے نکل گیا تو وہ رویا۔ پھر جب میں ساتویں آسمان میں گیا تو ابراہیم کو وہاں دیکھا۔

اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۴ بخاری میں یہ حدیث مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹے آسمان میں دیکھا اور اس حدیث میں براق کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ ہمیں رسول نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان پر لے گیا اور اس حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے آدم کو دیکھا اور پھر ابراہیم کو پھر موسیٰ کو پھر عیسیٰ کو پھر ابراہیم کو۔ پھر بخاری کی کتاب المناقب صفحہ ۸۵ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں جہنم میں تھا یا جبرہ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے میرا دل نکالا۔ اسی اثناء میں ایک سونے کا طشت لایا گیا جس میں ایمان بھرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ میرا دل دھویا گیا اور پھر میں براق پر سوار ہو کر آسمان پر گیا اور دوسرے آسمان پر پہنچی اور عیسیٰ کو دیکھا اور تیسرے آسمان پر یوسف کو پایا اور چوتھے آسمان پر ابراہیم کو دیکھا اور پانچویں آسمان پر ہارون کو اور چھٹے پر

۹۳۴
موسیٰ کو اور ساتویں پراسیمہ کو دیکھا۔

۹۳۵

پھر بخاری کی کتاب التوحید والروایۃ الجمیعہ میں صفحہ ۱۱۲۰ میں لکھا ہے کہ مسجد کعبہ میں
تین شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہنوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
منصب نبوت پر مامور نہیں ہوئے تھے یعنی وحی نازل ہونے اور مبعوث ہونے سے پہلے کا
زمانہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے جو معراج ہوا۔
لیکن اسی حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت مبعوث ہو چکے تھے جب یہ معراج ہوا۔ پھر بغیر
براق کے آسمان پر گئے اور ادریس کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور بارون کو چوتھے میں اور
ابراہیم کو چھٹے آسمان میں اور موسیٰ کو ساتویں میں اور جب موسیٰ سے آگے ہو گزرے اور
ساتویں آسمان سے عبور کرنے لگے تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ مجھ سے
بھی زیادہ کسی کا رفع ہوگا۔ عربی عبارت یہ ہے فقال موسیٰ رب لعل اظن ان یرفع علی
احد (یہ دہی رفع ہے جس کی طرف آیت و رافعہ الیٰی میں اشارہ ہے) پھر اس حدیث
کے آخر میں لکھا ہے کہ اس قدر واقعہ دیکھ کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی
اور جاگ اٹھے۔ اور ان پانچوں حدیثوں میں بالاتزام لکھا ہے کہ معراج کے وقت پہلے بچاس
نمازیں مقرر ہوئیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچاس سے تخفیف کر کے پانچ منظور کرائیں
۹۳۵
ابن دیکھنا چاہئے کہ ان پانچ حدیثوں میں کس قدر اختلاف ہے۔ کسی حدیث میں براق کا ذکر
ہے اور کسی میں یہ ہے کہ جب سیریل ہاتھ پکڑ کر لے گیا اور کسی میں بیداری اور کسی میں خواب لکھی
اور کسی میں لکھا ہے کہ میں حجرہ میں لیٹا ہوا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ میں مسجد کعبہ میں تھا۔ اور
کسی میں لکھا ہے کہ صرف جب سیریل آیا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ تین آدمی آئے تھے۔
اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد عیسیٰ اور یحییٰ کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد
ادریس کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ عیسیٰ کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور موسیٰ کو چھٹے آسمان
میں اور کسی میں لکھا ہے کہ پہلے موسیٰ کو دیکھا پھر عیسیٰ کو۔ اور کسی میں یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کو

ساقیوں آسمان میں دیکھا۔ اور کسی میں اکھا ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان میں دیکھا اور ابراہیم کو چھٹے میں۔ غرض اس قدر اختلاف ہیں کہ جن کے مفصل لکھنے کے لئے بہت سے اوراق چاہیے۔ اب کیونکر ممکن ہے کہ اگر ہر ایک راوی ان تمام الفاظ کو ہیئت تمام یاد رکھتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے تھے تو اس قدر اختلاف اور تعارض ان کے بیانات میں پایا جاتا۔ بلاشبہ بعض راوی بوجہ کمزوری حافظہ بعض الفاظ کو بھول گئے یا محل بے محل کا فرق یاد نہ رہا۔ اسی وجہ سے یہ صریح اختلافات پیدا ہو گئے۔ پس جبکہ احادیث کے ضبط الفاظ کا یہ نمونہ ہے جو اس کتاب سے ملتا ہے جو بعد کتاب الشراح المکتب ہے تو اس صورت میں اگر کوئی حدیث صریح کتاب اللہ کے معارض ہو یا لسانی باتوں کو بیان کرے جو اشارات انفس کے مخالف ہوں تو کیونکر ایسی حدیث کے وہ معنی مسلم رکھے جائیں جو قرآن کریم سے صریح تعارض رکھتے ہیں۔ جب کسی تعارض کے وقت حدیث کا بیان بمقابلہ بیان قرآن کریم کے چھوڑنا انفس پر شاق معلوم ہو تو حدیثوں کے باہمی تعارض پر غفلت کر دو انصاف کر لینا چاہیے کہ علاوہ اس کمال خاص قرآن کے کہ وہ وحی متلو ہے محفوظیت کی رو سے بھی حدیثوں کو قرآن کریم سے کیا نسبت ہے۔ قرآن کریم کی جیسا کہ اس کی بلاغت و فصاحت و حقائق و معارف کی رو سے کوئی چیز مثل نہیں ٹھہرتی۔ ایسا ہی اس کی صحت کاملہ اور محفوظیت اور لاریب فیہ ہونے میں کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔ کیونکہ اس کے الفاظ اور ترتیب الفاظ اور محفوظیت تمام کا اہتمام خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اور ماسوا اس کے حدیث ہو یا قول کسی صحابی کا ہو ان سب کا اہتمام انسانوں نے کیا ہے جو سہو اور نسیان سے بری نہیں رہ سکتے۔ اور ہرگز وہ لوگ محفوظیت تمام اور صحت کاملہ میں احادیث اور اقوال کو مثل قرآن نہیں بنا سکتے تھے۔ اور یہ عجائب کا اس آیت کریمہ کے اعجازات پر شکردہ میں داخل ہے۔ قل لئن اجمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً۔ جب ہر ایک بات

۹۳۰

میں خلل قرآنِ متعین ہے تو کیونکر وہ لوگ احادیث کو محنت اور مخوفیت میں شل قرآن بنا سکتے ہیں۔
بعض نے احادیث معراج کا جو صحیح بخاری میں ہیں تعارضِ دور کرنے کے لئے یہ جواب دیا
ہے کہ حقیقت میں وہ صرف ایک ہی معراج نہیں بلکہ پانچ معراج ہوئے تھے۔ کوئی بیداری میں
اور کوئی خواب میں اور کوئی بعد از زمانہ وحی اور کوئی قبل از زمانہ وحی۔ اور کوئی بیت اللہ
میں اور کوئی اپنے گھر کے چمروہ میں۔ اسی وجہ سے انبیاء کی روایت میں بھی اختلاف پڑا۔
کبھی کسی کو کسی آسمان میں دیکھا اور کبھی کسی آسمان میں۔

لیکن انھیں ہر تعارض دور کرنے کیلئے یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر پانچ معراج ہی تسلیم کئے جائیں تو
پھر بھی وہ اختلاف جو انبیاء کی روایت کی نسبت پایا جاتا ہے کسی طرح دو نہیں ہو سکتا کیونکہ خود انہیں احادیث پر
ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کیلئے خاص خاص مقامات آسمانوں میں مقرر ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے کہ حدیث صحیح
جو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب التوحید میں لکھی ہے جو بخاری مطبوعہ کے صفحہ ۱۱۲۰ میں موجود ہے باوازا
بندہ بخاری ہے کہ ہر ایک نبی آسمانوں پر اپنے اپنے مقام پر قرار پا جاتا ہے جس پر بڑے نہیں ملتا کیونکہ اس حدیث
میں یہ فسرہ بھی درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ کو ساتویں آسمان میں
دیکھا اور جب ساتویں آسمان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے جلے گئے تو موسیٰ نے کہا
اے میرے رب مجھے یہ گمان نہ تھا کہ مجھ سے بھی زیادہ کسی کا رافع ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ
اگر موسیٰ کے اختیار میں تھا کہ کبھی پانچویں آسمان پر آجلے اور کبھی چھٹے پر اور کبھی ساتویں
پر تو یہ گریہ و بکا کیسا تھا۔ جیسے پانچویں سے یا چھٹے سے ساتویں پر چلے گئے ایسا ہی آگے
بھی جاسکتے تھے اور تشرآنِ کریم سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی شخص عروج میں اپنے نفسی
نقطہ سے آگے گذر نہیں سکتا۔ ماسوا اس کے پانچ معراجوں کے ماننے سے ایک اور مصیبت
یہ پیش آتی ہے کہ تشرآنِ کریم اور خدا تعالیٰ کے احکام میں محض بے ہوا اور لغو طور پر
منسوخت ماننی پڑتی ہے اور اولیٰ را قابل تبدیل اور مسترد کو فغفل طور پر منسوخ ماننا پڑتا
ہے اور حکیم مطلق کو ایک لغو اور بے ضرورت تمنیج کا مرتکب قرار دے کر پھر پشیمانی کے طور پر

۹۳۱

پہلے ہی حکم کی طرف عود کرنے والا اعتقاد کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر قصہ معراج پانچ مرتبہ واقع ہوا ہے تو پھر اس صورت میں یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ پانچ ہی دفعہ اہل نمازیں پچاس مقصد تک گئیں اور پھر پانچ منظور کی گئیں۔ مثلاً پہلی دفعہ کے معراج کے وقت میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں اور ان پچاس میں تخفیف کرانے کے لئے جیسا کہ بخاری کی یہ پانچ حدیثیں ہی خطا ہر کر رہی ہیں کئی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ اور اپنے رب میں آمد و رفت کی یہاں تک کہ پچاس نماز سے تخفیف کر کے پانچ نمازیں منظور کرائیں اور خدا تعالیٰ نے کہہ دیا کہ اب ہمیشہ کے لئے غیرہ مبتدل یہ حکم ہے کہ نمازیں پانچ مقرر ہوئیں اور قرآن بھی پانچ کے لئے نازل ہو گیا۔ اور حسب آیات محکمہ قرآن کریم کے پانچ نماز پر عملدرآمد شروع ہو گیا۔ اور سب قصہ لوگوں کو بھی سنادیا گیا کہ اب ہمیشہ کے لئے پانچ نمازیں مقرر ہو گئیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو دوسرا معراج ہوا تو تمام پہلا سختہ پر سختہ اس میں کالعدم کیا گیا اور وہی پُرانا جھگڑا الاسرہ فویش آگیا کہ خدا تعالیٰ نے پھر نمازیں پچاس مقرر کر دیں اور قرآن میں جو حکم وارد ہو چکا تھا اس کا بھی کچھ لحاظ نہ رکھا اور منسوخ کر دیا۔ مگر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ کی تسبیح تخفیف کرانے کی غرض سے کئی دفعہ اپنے رب میں اور موسیٰ میں آمد و رفت کر کے نمازیں پانچ مقرر کرائیں اور جب الہی سے ہمیشہ کے لئے یہ منظوری ہو گئی کہ نمازیں پانچ پڑھا کریں۔ اور قرآن میں یہ حکم غیرہ مبتدل قرار پایا۔ لیکن پھر تیسری دفعہ کے معراج میں وہی مصیبت پیش آگئی اور نمازیں پچاس مقرر کی گئیں اور قرآن کریم کی غیرہ مبتدل آیتیں منسوخ کی گئیں۔ پھر بمشکل تمام بدستور مذکورہ بالا پچاس سے پانچ کر آئیں۔ مگر جو قحی دفعہ کے معراج میں دوسرا پچاس مقصد تک گئیں۔ پھر جیسا کہ بار بار لکھا گیا ہے نہایت اتجا اور کئی دفعہ آمد و رفت سے پانچ مقرر کر آئیں اور خدا تعالیٰ نے پختہ عہد کر لیا کہ اب پانچ رہیں گی۔ لیکن پھر پانچویں دفعہ کے معراج میں پھر پچاس مقرر کی گئیں۔ پھر سب سے آمد و رفت کے بعد پانچ نمازیں

منظور کرائیں۔ مگر نسوخ شدہ آیتوں کے بعد پھر کوئی نئی آیت نازل نہ ہوئی۔ اب کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام اس قدر کچے اور بے ثبات اور تعارض سے بھرے ہوئے ہیں کہ اول پچاس نمازیں مقرر ہو کر پھر پختہ طور پر ہمیشہ کے لئے پانچ نمازیں مقرر کی جائیں۔ پھر مختلف وعدہ کر کے پانچ کی پچاس بنائی جائیں۔ پھر کچھ رحم فرما کر ہمیشہ کے لئے پانچ کر دی جائیں۔ پھر بار بار وعدہ توڑ دیا جائے اور بار بار تسران کریم کی آیتیں نسوخ کی جائیں اور حسب نشاء آیت کریمہ ناسخ بخیر منہا او مشلہا اور کوئی آیت ناسخ نازل نہ ہو۔ وہ حقیقت ایسا خیال کرنا وحی الہی کے ساتھ ایک بازی ہو جن لوگوں نے ایسا خیال کیا تھا ان کا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح تعارض دُور ہو۔ لیکن ایسی تاویلوں سے ہرگز تعارض دُور نہیں ہو سکتا بلکہ اور بھی اعتراضات کا ذخیرہ بڑھتا ہو اور کتاب التوحید کی حدیث جو بخاری کے صفحہ ۱۱۲۰ میں ہے جس میں قبل ان یوحی الیہ لکھا ہے یخود اپنے اندر تعارض رکھتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ لکھا یا کہ بشت کے پہلے یہ حجاج ہوا تھا اور پھر اُسی حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ نمازیں پانچ مقرر کر کے پھر آخر کار ہمیشہ کیلئے پانچ مقرر ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ معراج نبوت سے پہلے تھا تو اس کو نمازوں کی فرضیت سے کیا تعلق تھا اور قبل از وحی جب سبیل کیونکر نازل ہو گیا اور جو احکام رسالت سے متعلق تھے وہ قبل از رسالت کیونکر صادر کئے گئے۔ غرض ان احادیث میں بہت سے تعارض ہیں۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ حدیثیں موضوع ہیں بلکہ قدر مشترک ان کا بشرطیکہ قرآن سے معارض نہ ہو قابل تسلیم اور واجب العمل ہے۔ ان یہ بھی ضروری ہے کہ نصوص مبینہ قطعیہ تسران کریم کو ان پر مقدم رکھا جائے۔ اور اگر ایک محدث جس کو خدا تعالیٰ سے بذریعہ متواتر تعلیمات ایک علم قطعی قیسی ملا ہے۔ قرآن سے اپنی وحی تحدیث کو موافق و مطابق پا کر ان احادیث کو جو اخبار قصص سے متعلق ہیں اور تعامل کے سلسلہ سے باہر ہیں مقدم سمجھے اور ان ظنی امور کو اس یقین کے تابع کرے جو اسکو ایسے

چشمہ فیض سے حاصل ہوا ہے جس سے وحی نبوت ہے تو یہ اس کو حق پہنچتا ہے کیونکہ
ظن کو یقین کے تابع کرنا عین معرفت اور سراسر سیرت ایمان ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے بعض جگہ قرآن میں بھی تعارض پایا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم
کی سولہ آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے پھر دنیا میں کبھی نہیں آسکتا
اور دو موتیں کبھی آ رہی نہیں ہو سکتیں۔ لیکن بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کی فلاں
قوم کو ہم نے مارا اور پھر زندہ کیا۔ اور ایک نبی عزیز یا کسی اور کو سو برس تک مارا اور پھر
زندہ کیا۔ اور ابداً اسیم کی معرفت چار جاں فور زندہ کئے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا جواب یہ ہے
کہ قرآن کریم میں ہرگز تعارض نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ شبہ صرف قلت فہم اور جہالت سے
پیدا ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ قرآن کریم کی سولہ آیتوں سے کھلے کھلے طور پر یہی ظاہر ہوتا ہے

وہ آیات جن میں لکھا ہے کہ فوت شدہ لوگ پھر دنیا میں نہیں آتے از اجماع یہ آیت ہے وحرام
على قرية اهلكناها انهم لا يرجعون۔ الجزء ۱۱ سورۃ الانبیاء حضرت ابن عباسؓ
سے حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے یہ نسخے ہیں کہ جن لوگوں پر دائمی عور ہو موت وارد ہو باقی ہو
اور حقیقت فوت ہو جاتے ہیں پھر وہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجے نہیں جاتے۔ یہی روایت تفسیر
معالم میں بھی زیر تفسیر آیت موصوفہ بالا حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ پھر دوسری آیت
بوصریح منطوق قرآن کریم ظاہر کر رہا ہے یہ ہے حتی اذا جاء احدہم الموت
قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیدم امرکت، کلا انھا کلمۃ ہوقالتھا و
من ورائہم برفخ الی یوم یبعثون الجزء ۱۱ سورۃ المؤمنین۔ یعنی بکفروں میں سے
ایک کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو پھر دنیا میں بھیج تاہو کہ میں نیک عمل کروں
اور تدارک نافاتحہ سے ہو سکے۔ تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ ہرگز نہیں ہو گا یہ صرف اس کا قول
ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتداء سے کوئی بھی وعدہ نہیں کہ مردہ کو پھر دنیا میں بھیجے اور

کہ جو شخص فوت ہو جائے پھر ہرگز دنیا میں نہیں آتا اور ایسا ہی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے لیکن یہ ہرگز سچ نہیں ہے کہ ان تمام مقامات میں جہاں مردہ زندہ ہونا لکھا ہو واقعی اور حقیقی موت کے بعد زندہ ہونا لکھا گیا ہے بلکہ لغت کی رو سے موت کے معنی نیست اور قسم کی بے ہوشی بھی ہے پس کیوں آیات کو خواہ مخواہ کسی تفسیر میں ڈالا جائے اور اگر فرض کے طور پر چاہا تو مرنے کے بعد زندہ ^{۹۲۳}ہو گئے ہوں تو وہ اعادہ روح میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ جس قدر انسان کے اور کسی حیوان اور کبوتر کے کوڑے کی روح کو بقاء نہیں ہے۔ اگر زندہ ہو جائے تو وہ ایک نئی مخلوق ہوگی۔ چنانچہ بعض رسائل عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ اگر دست سے پتھر کو ٹکڑا کر ایک ترکیب خاص سے کسی برتن میں بند کئے جائیں تو اس خمیس کے جس قدر جانور پیدا ہوں گے وہ سب پتھری ہوں گے۔ ثواب کیا کوئی دانا

۹۲۳

پھر آگے فرمایا کہ جو لوگ مر چکے ہیں ان میں اور دنیا میں ایک پر وہ ہے جس کی وجہ سے وہ قیامت تک دنیا کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ پھر تیسری آیت جو اسی امر کو بوضاحت بیان کر رہی ہے وہ ہے فی مسك التي قفنی علیہا الموتیٰ یعنی جس پر موت وارد ہو گئی خدا تعالیٰ نے دنیا میں آنے کو اسے روک دیتا ہے۔ پھر چوتھی آیت اسی مضمون کی یہ ہے وقال الذین اتبعوا الوان لناکرة فنتبئنا منهم کما قبروا ما کذا الک سر یہم اللہ اعلم الغیوب حسرات علیہم وما ہم بخارجین من النار یعنی وہ زخمی لوگ در خواست کریں گے جو ایک دفعہ ہم دنیا میں جائیں۔ تاہم اپنی اصل معبودوں سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے وہ ہم سے بیزار ہیں لیکن وہ دوزخ سے نہیں نکلیں گے۔ پھر پانچویں آیت اس مضمون کی یہ ہے ثم انکم یوم القیامة تبعثون۔ پھر چھٹی آیت یہ ہے لا یغنون عنہا حولا پھر ساتویں آیت یہ ہے وما ہم منها بخارجین۔ پھر آٹھویں آیت یہ ہے یریدون ان ینخرجوا من النار وما ہم بخارجین منها ولہم عذاب مقیم پھر نوں آیت

اب

خیال کر سکتا ہے کہ وہی پیکر دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھے جو مر گئے تھے بلکہ جس طرح جو قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے وہی ہے کہ مخلوقات ارضی میں سے جو جو جن وانس کے اور کسی چیز کو ابدی روح نہیں دیا گیا۔ پھر اگر خلق اللہ کے طور پر کسی ملوہ سے خدا تعالیٰ کوئی ہندہ پیدا کر دے تو کیا بعید ہے مگر ایسی روح کا اعادہ جو حقیقی موت کے طور پر قابض سے نکل گیا تھا و عدہ النبیہ کے برخلاف ہے تمام مقامات قرآن کریم میں جو احیاء موتی کے متعلق ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ فلاں قوم یا شخص کو مارنے کے بعد زندہ کیا گیا ان میں حرفات کا لفظ ہے توفی کا لفظ نہیں اس میں یہی بعید ہے کہ توفی کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں۔ لیکن امانت کے حقیقی معنی حرف ماننا اور موت دینا نہیں بلکہ سنانا اور بیہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ ہاں یہ بھی بالکل ممکن اور جائز ہے کہ خدا تعالیٰ

یہ ہے فلا یستطیعون توصیۃ ولا الی ماہلہم یرجحون پھر وہی آیت یہ ہے
اولئک اصحاب الجنتۃ ہم فیہا خالدون۔ ایسا ہی وہ تمام آئیں جن کے بعد خالدون
یا خالدین آتا ہے اسی امر کو ظاہر کر رہی ہیں کہ کوئی انسان رحمت یا رنج عالم معاویہ کے بچہ کر
پھر دنیا میں ہرگز نہیں آتا۔ اگرچہ ہم نے استدلال میں ایسی آئیں سولہ قرآن کریم میں سے نکالی
تھیں مگر دراصل ایسی آیتوں سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ نہ صرف قرآن کریم بلکہ بہت سی حدیثیں
بھی یہی شہادت دے رہی ہیں چنانچہ ہم بطور نمونہ مشکوٰۃ شریف سے حدیث جابر بن عبد اللہ
کی اس جگہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ وعن جابر قال لقینی رسول اللہ صلعم
فقال یا جابر مالی اراک منكسراً قلت استشهدا ابی وتراک عیالاً و دیناً
قال افلا ابشرك لما لقی اللہ بہم اباک قلت بلی یا رسول اللہ قال ما کلم
اللہ احداً قط الا من وراء حجاب و احيی اباک فکلمہ کفاحاً قال یا عبدی
تمن علی اعطاک قال تحیی فی فاکل فیک ثانیۃ قال الرب تبارک و تعالیٰ

کسی حیوان یا انسان یا پرند کو ایسی حالت میں بھی کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے حقیقی موت سے بچا دے اور اس کی روح کا اس کے پاش پاش جسم سے وہی تعلق قائم رکھے جو زندہ کی حالت میں ہوتا ہے اور پھر اس کے جسم کو درست کر دیوے اور اس کو زندہ کی حالت سے جگا دیوے۔ کیونکہ وہ ہر ایک بات پر قادر ہے۔ اپنی صفات قدیمہ اور اپنے عہد اور وعدہ کے برخلاف کوئی بات نہیں کرتا اور سب کچھ کرتا ہے۔ فتدبر فی هذا المقام ولا تنک من الخفلین۔ منہ :

انہ قد سبق متی انہم لایرجعون رواہ الترمذی یعنی جاؤں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھکوٹے اور سہا گیا کہ اسے جا کر کیا سب سے کہ میں تجھ کو غناک دیکھتا ہوں میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ شہید ہو گیا اور میرے سرور علی اور قریبی کا بوجھ چھوڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے اس بات کی خوشخبری دوں جس طور سے اللہ جل شانہ تیرے باپ کو ظالمین نے عرض کی کہ کھل یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کسی کے ساتھ بغیر حجاب کے کلام نہیں کرتا مگر تیرے باپ کو اس نے زندہ کیا اور بالمو اجد کلام کی اور کوئی درمیان حجاب نہ تھا۔ اور پھر اس نے تیرے باپ کو کہا کہ اے میرے بندے کچھ مجھ سے مانگ کہ میں تجھے دوں گا جب تیرے باپ نے عرض کی کہ اے میرے رب مجھ کو زندہ کر کے پھر دنیا میں بھیج تا میری راہ میں دوبارہ شہید کیا جاؤں۔ تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا میں ہو گا کیونکہ میں (مقرر ہو گیا) کہ میں اے محمد کو چکا ہوں کہ چلوگ فوت ہو جائیں پھر وہ دنیا میں بھیجے نہیں جائیں گے (انہم لایرجعون قرآن کریم کی آیت ہے) یہ وہ حدیث ہے جو ترمذی میں لکھی ہے اور اسی کے ہم معنیوں ایک صحیح بخاری میں حدیث ہے مگر خوفِ طول سے چھوڑ دی گئی۔ اب ان تمام آیات و احادیث سے ظاہر ہے کہ جس حقیقی موت وار ہو جائے وہ ہرگز دوبارہ دنیا میں بھیجا نہیں جاتا۔ اگرچہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے مگر ایسا ہونا خدا تعالیٰ کے وعدہ کے برخلاف ہو اسی جگہ ثوابت ہوتا ہے کہ وہ تمام مقامات قرآن کریم جن میں مردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہے ان سے حقیقی موت مراد نہیں ہے۔ یہ بات بالکل ممکن اور صحیح ہے کہ ایک حالت انسان پر بالکل موت کی طرح وارد ہو جائے مگر وہ حقیقی موت نہ ہو۔ اور اگر زندہ ہو کر کے دیکھیں تو صاف ظاہر ہو گا کہ کس کس کی نسبت یہ قدر

۹۳۲ عالی ہمت دوستوں کی خدمت میں گزارش

پوچھنا کہ طبع کتاب ازالہ اوہام میں معمول سے زیادہ مصارف ہو گئے ہیں اور مالک مطبع اور کتاب کا حساب بے باقی کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے لہذا بخدمت جمیع مخلص دوستوں کے التماس ہے کہ حتی الوسع اس کتاب کی خریداری سے بہت جلد مدد دیں۔ جو صاحب چند نسخے خرید سکتے ہیں وہ بجائے ایک کے اس قدر نسخے خریدیں جس قدر انکو خریدنے کی خداداد مقدرت حاصل ہے اور اس جگہ انخویم مکرم مولوی حکیم نور الدین صاحب معالج ریاست جموں کی نئی امداد جو انہوں نے کئی نوٹ اس وقت بھیجے قابل اطمینان ہے خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے۔ ایسا ہی انخویم مکرم فضل دین صاحب بھیروی نے مسطورہ اس تین سو روپے کے جو پہلے بھیجا تھا اب ایک سو روپیہ اور بھیج دیا نہایت خوشی کی بات ہے کہ حکیم فضل دین صاحب اپنے مخدوم مولوی حکیم نور الدین صاحب کے رنگ میں ایسے رنگین ہو گئے ہیں کہ نہایت اولوالعزمی سے اشارے کے طور پر ان سے اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ سو روپیہ بعض زیورات کے فروخت سے محض ابتغاء لمرضات اللہ بھیجا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

پیش کرنا کہ اگر وہ فوت ہو گیا ہے تب بھی خدا تعالیٰ قلوبہ ہے کہ اس کو زندہ کر کے بوجہ یہ عذر نہ فقط اس وجہ سے باطل ہے کہ فوت شدہ لوگ دنیا میں دوبارہ آیا نہیں کرتے بلکہ اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ جس طور سے مسیح ابن مریم کا دنیا میں دوبارہ آنا دلوں میں برپا ہوا ہے ایسے عذر کو اس طور سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ وجہ یہ کہ مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت کوئی خیال دلوں میں جما ہوا ہے کہ وہ آسمان سے بجدہ العنصری اترے گا۔ لیکن وہ فوت شدہ ہونے کی حالت میں آسمان سے کوئی طرح بجدہ العنصری اتر نہیں سکتا بلکہ قبر سے نکلا جائیے۔ کیونکہ فوت شدہ لوگوں کی لاشیں قبروں میں رکھی جاتی ہیں نہ کہ آسمانوں پر اٹھائی جاتی ہیں۔ اور ہم

اس جگہ انوریم مولوی مروان علی صاحب محاسب و خزانہ سرکار نظام حیدر آباد دکن
 بھی ذکر کے لائق ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے درخواست کی ہے کہ میرا نام سلسلہ
 بیعت کنندوں میں داخل کیا جاوے۔ چنانچہ داخل کیا گیا۔ اُن کی تحریرات سے حریت
 محبت و اخلاص پایا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے سچے دل سے پانچ برس اپنی عمر میں
 آپ کے نام لگاوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ میری عمر میں سے کاٹ کر آپ کی عمر میں شامل
 کر دے سو خدا تعالیٰ اس ایثار کی جزا ان کو یہ بخشے کہ اُن کی عمر دناز کرے۔ انھوں نے
 اور انوریم مولوی ظہور علی صاحب اور مولوی غضنفر علی صاحب نے نہایت اخلاص سے
 دس دس روپیہ ماہواری چندہ دینا قبول کیا ہے اور بہتر روپیہ اخلاص کے لئے بھیجے ہیں۔
 جو اہم اشد خیر الجزا۔ والصلوة والسلام علی نبینا وعلیٰ آلہ وعلیٰ صحابہ وجمعہ عباد اللہ الصالحین

راق

خاکسار غلام احمد درود پیادہ محلہ اقبال گنج

ثابت کر چکے ہیں کہ توفی کا لفظ عموماً علوہ کی بجائے ہی سے رکھا ہوتا ہے کہ روح کا قبض کرنا لیکن جسم کا قبض کرنا قرآنی کلمہ
 کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس جبکہ توفی کا لفظ صرف روح کی قبض کرنے میں محدود ہوتا تو
 کس طرح ان مہم کا جسم اُسی کی طرف اٹھایا جاتا قرآن کیم کے کسی لفظ سے ثابت نہ ہو سکا۔ ظاہر
 ہے کہ جس چیز کو اشد تعالیٰ قبض کرتا ہے اُٹھاتا بھی اُسی کو ہے اور یہ وعدہ بھی قرآن کیم میں ہو چکا
 ہے کہ لاشیں قبروں میں سے بروز حشر اُٹھیں گی۔ اس صورت میں اگر فرض محال کے طور پر کس چیز کو
 قبضوں سے اُٹھے تو پھر نازل غلط نہ رہے گا۔

بعض کہتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ کس چیز کو اُٹھانے کی حالت میں اٹھایا گیا ہو اور پھر آخری زمانہ میں آسمانی
 پر جاگ اُٹھے اور زمین پر نازل ہو مگر یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جسم کا اٹھایا جاتا قرآن کیم سے ہرگز ثابت
 نہیں ہوتا۔ توفی صرف روح کے قبض کرنے کو کہتے ہیں خواہ بحالت نوم قبض ہو یا بحالت موت
 پس جو چیز قبض کی جائے وہی اٹھانی جائے گی۔ اور یہ ہم ثابت کر رہے ہیں کہ کس چیز کی توفی

یعنی مسیح کی روح کا قبض کرنا بطور موت کے تھا نہ بطور خواب کے۔ اور مسیح بخاری میں چوبعد کتاب اللہ ص ۱۱۱ کتب ہے تفسیر کے محل میں انی متوفیک کے معنی انی ممیتک لکھے ہیں پس جبکہ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے من حضرت مسیح کی روح کا اٹھایا جانا ثابت ہوتا ہے تو حال کے اکثر علماء کی حالت پر رونا آتا ہے کہ وہ کیوں اللہ اور رسول کے فرمودہ سے جھلوز کر کے اپنی طرف سے بلا دلیل مسیح کے جسم کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا سمجھ کر تے ہیں کیا قرآن اور حدیث کا بالاتفاق مسیح اہی مریم کی موت پر گواہی دینا تسلی بخش نہیں ہے۔ انکس کہ یہ لوگ ذرہ خیال نہیں کرتے کہ وہ حدیثیں جو نزول مسیح کے بارہ میں آئی ہیں اگر ان کے یہی معنی کئے جاتیں کہ مسیح زن مریم کا زندہ ہے اور درحقیقت وہی آسمان سے اتر آئے گا۔ تو اس صورت میں ان حدیثوں کا تسمان کریم اور انی دوسری حدیثوں کا تسمان نہ ہوگا جن کی رو سے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا فیسی طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ آخر کتاب اللہ کی مخالفت کی وجہ سے وہ حدیثیں رد کے لائق ٹھہریں گی۔ پھر کیوں نزول کے ایسے معنی نہیں کرتے جو کتاب اللہ کے مخالف و مغائر نہ ہوں اور نہ دوسری صحیح حدیثوں سے مغائرت رکھیں حضرت مسیح علیہ السلام نے آیت فلما توفیتنی میں صاف صاف اپنا اظہار دے دیا کہ میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے اٹھایا گیا۔ کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ جب مجھے وفات دی گئی تو پھر اے میرے رب میرے بعد تو میری امت کا نگہبان تھا۔ صاف شہادت دے رہا ہے کہ وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے وفات پا گئے کیونکہ اگر ان کا دنیا میں پھر آنا مقدر ہوتا تو وہ ضرور ان دونوں واقعات کا ذکر کرتے اور نزول کے بعد کی تبلیغ کا بھی بیان فرماتے نہ یہ کہ صرف اپنی وفات کا ذکر کر کے پھر بعد اپنے خدا تعالیٰ کو قیامت کی نگہبان ٹھہرتے۔ فساد ہونے

اشتراک

نورالابصار صداقت اسماء عیسائی صاحبوں کی ہدایت کے لئے

یا ایہا المنتصرون ما کان عیسیٰ الا عبد من عباد اللہ قد مات و دخل فی العوٹی فلا
تخسبوه حیثاً بل ہو میتاً ولا تعبدوا میتاً و انتم تعلمون ۔ اے حضرات عیسائی صاحبان !
آپ لوگ اگر غور سے اس کتاب ازالہ اوہام کو پڑھیں گے تو آپ پر نہایت واضح وائل کے ساتھ کھل جائیگا
کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب زندہ موجود نہیں ہیں بلکہ وہ فوت ہو چکے اور اپنے فوت شدہ جڑ گیل
میں جلے۔ ہاں وہ روحانی زندگی جو ابدیم کو ملی۔ اسحاق کو ملی۔ یعقوب کو ملی۔ اسماعیل کو ملی اور بلحاظ رفع سب سحر
پرورہ کر پھرے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ وہی زندگی ملا تفاوت حضرت عیسیٰ کو بھی ملی اس
بات پر بائبل سے کوئی دلیل نہیں ملتی کہ مسیح ابن مریم کو کوئی الگھی زندگی ملی۔ بلکہ اس زندگی کے لوازم میں تمام
انبیاء و فریک مساوی ہیں۔ ہاں باعتبار رفع کے اقرب الی اللہ مقام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ سو
اے حضرات عیسائی صاحبان ! آپ لوگ اب ناحق کی ضد نہ کریں مسیح ایک عاجز و زندہ عاجز فوت ہو گیا۔ اور
فوت شدہ لوگوں میں جا ملا۔ آپ لوگوں کیلئے یہی بہتر ہے کہ خدا تعالیٰ کی سوزیں اور ایک عاجز مخلوق کو خدا کہہ کر
اپنی عاقبت خراب نہ کریں آپ لوگ ذرہ سوچیں کہ مسیح اس دور سے عالم میں اور ہل سوسے بات میں زیادہ ہو گیا تو پل
اس بات کی گواہی نہیں دیتی کہ ابراہیم زندہ ہے ؟ بلکہ عاذا ربی ؟ پھر مسیح عاذا ربی سے اپنی زندگی میں کس بات میں
زیادہ ہے۔ اگر آپ لوگ تحقیق کو فحش تو دیکھیں تو آپ کو اقرار کرنا پڑے گا کہ کسی بات میں زیادہ نہیں۔ اگر آپ لوگ
اس بارہ میں میرے ساتھ بحث کرنا چاہیں تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہو کہ میں
اس بحث میں مطلوب ہونے کی حالت میں حتی الامکان اپنے ہر ایک تاہلی کو جو آپ لوگ شہرہ کریں دیکھنے کو طیارہ ملے گا
پہلی جان بھی اس راہ میں خدا کرنے کو حاضر ہوں۔ خداوند کریم نے میرے ہر کھول دیا ہو کہ وہ حقیقت عیسیٰ ابن مریم
فوت ہو گیا اور اب فوت شدہ جمیوں کی جماعت میں داخل ہے۔ سو آؤ دین اسلام اختیار کرو۔ وہ دین
اختیار کرو جس میں حتی الامکان موت کی پریشانی ہو رہی ہے نہ کسی مروجہ کی۔ جس پر کامل طور پر چلنے کی ہر ایک
حقیقت خود مسیح ابن مریم بن سکتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ الاشتہار فلام احمد خاں صاحب دہلی

جس فی اللہ انور مولوی حکیم نور الدین صاحب کا خط ایک سال جو کج میں

عزیز می خفنگ اللہ وسلم۔ ثم اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مرزا جی کے دعاوی پر آپ نے مجھے ایک بہت بڑا المباحثہ لکھا ہے۔ بحواب اس کے گزارش ہے فلا تستعجلون (جلد باز نہ بنو) ایک الہی ارشاد ہے جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ہم اسی ارشاد کو نقلی طور پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کے نام جاری ہوا تھا۔ ہم اسی ارشاد کو نقلی طور پر مجد الوقت مرزا جی کے مخالفوں کو سناتے ہیں۔ مخالفت والو! صبری انتظار کرو جلد باز نہ بنو۔

مرزا جی نے اپنے بعض احباب کو اس خاکسار کے سامنے فرمایا ہے کہ اگر لوگ تم کو مباحثہ پیش آویں تو یہ الہی حکم اُن کو سنا دو: **وَإِنْ يَكَذِّبُنَا فَاذْبَانَا فَعَلَيْنَا كَذِبَهُ**۔ واقعاً صادقاً **يُصَبِّحُكُمْ بِقَوْلِ الَّذِي يَعِزُّكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُشْرِفٌ كَذَّابٌ** ہے۔ عزیز من سنو اور اس پر غور کرو۔ دنیا میں ایک جماعت گندی اور اب بھی ہے جنہوں نے اَنَا اللہ کہا۔ اور کہتے ہیں۔ ایسے قائلین کی تکفیر و تفسیق سے بھی محتاط رکھ لسان پسند کرتے ہیں اور اس جماعت کو صلحاء و اولیاء کی جماعت کہتے ہیں۔ پس عزیز من! **اَنَا الْمَسِيحُ اَنَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ** کہنے والے پر یہ شور و غل کیوں؟ **انصاف! انصاف! انصاف!!!**

میرے بیمارے ولی اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے الدہر الثمین میں فرمایا ہے **بَلَفَنِي عَنْ سَيِّدِ الْعَمِّ اِنَّهُ قَالَ رَاَيْتُ الْمَتَّبِي صَلَّيْتَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّوْمِ فَلَمْ يَزَلْ يَدْنِي مَنَّهُ حَتَّى صَرَفَتْ نَفْسَهُ**۔ ایسا ہی ابن حزم ظاہری کی نسبت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ نے ارقام فرمایا ہے یہ نظارہ انا محمد کہنے کا ہے۔ آہ پھر انا المسیح وانا ابن مریم الموعود پر یہ طیش و غضب کیوں!!!

عزیز من! ایمانی امور میں کسی تشدد اخفا کا ہونا ایک ضروری اور لازمی امر ہے۔ اگر کوئی معاملہ بالکل عیاں ہو جاوے تو پھر اخفا کہاں۔ عیاں و خفا میں مقابلہ ہو۔ اسی واسطے شرعیہ احکام و امور میں جسمانی شمس و قمر کا ماننا ایمانی امور میں داخل نہیں۔ اور اسی واسطے قیامت کے روز شرعیہ تکالیف علی العموم اٹھ جائیں گی پس تم پیش گوئیوں میں ایمان سے کام لا۔ ان کے فہم میں غسرفان کے مدعی نہ ہو۔ ہمارے ستید و مولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا وہ ایک واقعہ قابل غور ہے جو قرآن کریم کے پندرہ سچارہ کے آخر اور سورہ سہارہ کے ابتدائے میں مندرج ہے۔ اس واقعہ کے بیان میں ایک طرف سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کا اولاد العزم صاحب شریعت رسول و نفا یہود عیسائیوں اور محمدیوں میں مستلم ہے۔ اس مقدس نبی نے جیسے امام الحدیثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ارقام فرمایا ہے کہیں انا اعلم کہہ دیا تب الہیہ غیرت نے اپنے پیارے بند سیدنا خضر علیہ السلام کا انہیں پتہ دیا۔ جب جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عارف سے ملے تو اس کے سچے علوم و اسرار کی تہ تک نہ پہنچے۔ جناب خضر علیہ السلام نے انہیں فرمایا تھا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا اور فرمایا تھا و کیف تصبر علی ما لہ قطبہ خبیراً۔ پس منجملہ آداب الہیہ کے یا ادب ضروری تھا کہ ایسے بندوں کے معاملات میں کم سے کم خاموشی اختیار کی جاتی۔ اس وقت تک کہ لوگ مزاجی کے معاملہ میں مسیح کفر کو کچھ لیتے۔ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیمبری کو خبر درجعت نہ پکڑنا اور ہرگز جنت نہ پکڑنا کیونکہ سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لیست موسیٰ سمکت حتی یقصد اللہ علیہ۔

میسری اس بات پر کسی بد فتنی سے کام نہ لینا۔ میں محمدی ہوں اور محمدیوں کو سجدہ اللہ کچھ ایسے انعامات عطا ہوئے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی سرور میں اگر اللہ کی پاک جناب میں انت عبدی وانا دایت کہہ دے تو انشاء اللہ تعالیٰ جہنمی نہ ہو اگرچہ صحیح ہی ہے

کہ آئی انت ربی وانا عبدک :

مجھے اس وقت ایک قصہ یاد آگیا جس کو قلائد الجواہر میں محمد بن یحییٰ مادی نے ارقام فرمایا ہے اس پر غور کرو۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں جاعون ابو

العباس الخضر علیہ السلام یختفی ما امتحن به الاولیاء من قبلی فکشفنی عن

سریرتہ ففتح علی ہما خطبتہ بہ تم قلت لہ وہو مطرق ان یا خضر ان کنت

قلت لموسیٰ انک لن تستطیع معی صبراً فانک لن تستطیع معی صبراً یا خضر

ان کنت اسرائیلیا فانک اسرائیلی وانا محمدی۔ فہا انا وانت ہذا الکثرۃ

وہذا السیلان ہذا احمد وہذا الرحمن وہذا فرسی مسراج ملجم و

قوسی موترو سیفی شایہ رضی اللہ عنہ۔ سبحان اللہ کیا خوب ٹول ہے سنو!

حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوبارہ تشریف آوری کا ذکر قرآن مجید میں تو بالکل

نہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا بحسد و الحسد فری زندہ رہ کر آسمان کی طرف عروج

کرنا قرآن شریف سے ثابت نہیں۔ پھر اگر یہ پوچھو کہ یہ مسئلہ کہاں ہے شاید یہ جواب

ہو کہ احادیث میں۔ مگر وہاں تو نہیں۔ پھر کیا اناجیل میں۔ مگر وہاں نہیں۔ پھر کہاں تو وہاب

یہی ہوگا۔ کہ عیسائیوں کے بھولے بھالے خیالات میں کیونکہ متی اور یوحنا تو سائت ہیں اور

لوک اور مرک تابعی نہ صحابی یہ دیکھے انگلیں دوڑاتے ہیں۔ پھر کیا اسلام میں کی اسرائیلی

مرویات و حکایات وغیرہ میں جن کی تائید قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے نہیں ہو سکتی؟

کیونکہ قرآن کریم تو اسرائیلی مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی وفات کو مختلف جگہوں میں ذکر

فرما چکا ہے اور احادیث صحیحہ میں نزول مسیح عیسیٰ ابن مریم میں اسرائیلی نبی کا ذکر نہیں۔

اگر ہو بھی تو تثلیث میں مسیح عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ اسرائیلی کا جو شخص شیل ہو گا اس پر

بجائے مسیح ابن مریم اسرائیلی کہنا بھی جائز ہوگا۔ ہاں یسئزل ابن مریم فیکم و

اما مکم معکم بخاری کی حدیث ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ اور اس کی حقیقت

لے تشبیہ پڑھا جائے۔ شمس

مرزا جی نے اپنے رسائل میں یہ بیان فرمائی ہے۔ اس ترجمہ اور حقیقت پر اگر کسی کو طالب علمانہ بحث ہو تو اُسے یاد رہے کہ واؤ کا حرف تفسیر کے واسطے بھی ہوا کرتا ہے۔ دیکھو کلمات طیبات قرآنی جو ذیل میں درج ہیں۔ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مِّمِّنْ سُورَةٍ مُّجْمَعَةٍ

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ سُورَةٌ مُّعْتَدَةٌ

عزیز من! میری تحریرات کے سوا اندرونی تحریکوں کا ہونا ایک نا دور امر ہے یہ معاملہ جس پر یہ ضعیف اور خاکسار خط لکھ رہا ہے اب پہلیک میں آگیا ہے شخصی خطوط میں اس کا تذکرہ اب چند ماں ضروری نہیں۔ جناب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اب مرزا جی کے معاملہ میں مجھ سے خط و کتابت نہ فرماویں گے مگر جب خلاف وعدہ مولوی جی نے خاکسار کو لکھا تو خاکسار نے اُن کو یہی جواب دیا کہ کہ اب یہ معاملہ شخصی اور پرائیویٹ خطوط کے قابل نہیں رہا۔ سو تم بھی عام فیصلہ کا انتظار کرو۔ تم کو معلوم ہے کہ اس وقت تین آدمیوں کو پنجاب میں مرزا جی کی مخالفت پر بڑا جوش ہے۔ باوجود قرآن راستبازوں کی فتنہ دہی پر تاکید سے خبر دے رہا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ پس میری متانت سلامت رہی و چند روز کام لو۔

عزیز من! یاد رکھو مجھے پھر زکوٰۃ گاہ کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قصہ بدولت کسی قسم کی تاویل اور کسی قسم کے استعارہ و مجاز کے کسی قوم نے تسلیم نہیں فرمایا۔ یہ میری بات مسرری نہ سمجھو۔ نمونہ کے طور پر دیکھ لو۔ ہمارے اکثر مفسرین حضرت مسیح کے قصہ میں اِنی متوفیک و اذفعک میں کیا کچھ الٹ پھیر نہیں کرتے۔ میاں عبدالحق صاحب غزنوی اپنے دوسرے اشتہار میں پہلے ہی صفحہ کے آخری سطر میں لکھتے ہیں۔ اللہ اکبر خیرت خیر! اب غور کا مقام ہے کہ میاں عبدالحق کا خیبر حقیقی خیبر توہم گر نہیں ہو سکتا اب قادیان کو دمشق ماننے میں وہ کیوں گھبراتے اور اس پر شور و غل مچاتے ہیں !!!

مولوی عبد الرحمن لکھو کے ولے عزیز القدر عبد الواحد حفظہ اللہ کو ارقام فرماتے ہیں

کہ ”در تفسیر قرآن عظیم خلافت راہ صحابہ رضی اللہ عنہم نمودن الحسا و فضائل است و نماز را رب العالمین و راتباع ایشان است“ اور اسی خط میں وقولہ تعالیٰ ما سمعنا بهذا فی الملة الاخرة (ای الملة المحمدية) ان هذا الاختلاف فی الملة الاخرة کی تفسیر خلافت صحابہ و تابعین و جمیع مفسرین الملة المحمدية سے فرماتے ہیں: اعادیت میں مسیح علیہ السلام کا علیہ کہیں احمد و رجل الشعر اور کہیں احمد و رجل الشعر آیا ہے۔ اس کی تطبیق میں تاویل کی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور اور میں بھی الہی کلام میں تمثیلات و استعارات و کنایات کا ہونا مسلمانوں میں تسلیم ہے مگر ہر جگہ تاویلات و تمثیلات سے استعارات و کنایات سے اگر کام لیا جائے تو ہر یک متحد منافق بدعتی اپنی آراء ناقصہ اور خیالات باطلہ کے موافق الہی کلمات طہیات کو لا سکتا ہے اس لئے ظاہر معانی کے علاوہ اور معانی لینے کے واسطے اسباب قویہ اور موجبات حقہ کا ہونا ضرور ہے۔

الہی کلمات طہیات میں استعارات بکثرت ہوتے ہیں مگر اس امر کے باعث کیا ہم ہر جگہ استعارہ و مجاز لینے پر دلہر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ کیا عبادات میں معاملات میں تمدن و معاشرت کے مسائل میں اخلاق و سیاست کے احکام میں بھی ہم استعارات سے کام لیں گے؟ ہرگز نہیں! ان باتوں کو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے عملی طور پر کر کے ہمیں دکھا دیا۔ امت کے تعامل و رواج نے وہ تصویر ہم تک پہنچا دی۔ جزاء اللہ احسن الجزاء۔

مگر جو کچھ پیشگوئیوں میں مذکور ہے اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام کے مکاشفات اور روایہ صالحہ میں نظر آتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ عالم مثال میں ہوا کرتا ہے۔ ایسا ہی ان کے بعض اخبار ماضیہ اور حقائق کونیہ اور عالم مثال کے اشکال و الوان عالم جسمانی کے الوان و اشکال سے بالکل نرالے ہوا کرتے ہیں۔ پس ایسے موقعہ پر علوم ضروریہ نفسانیہ

مثلاً

الہامات صاف مشاہدات و حقائق نفس الامریہ قواعد شریعہ ان لم یؤمر بالکفر فلا یجوز
 اور معنی کی طرف لے جائیں گے۔ چنانچہ سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورج اور
 چاند اور ستاروں کو اپنے لئے سجود کرتے دیکھا۔ مگر جسمانی عالم میں وہ سورج و چاند و
 سیارے اُن کے ماں باپ اور بھائی تھے۔ قرآن کریم میں ایک بادشاہ کا قصہ لکھا
 ہے جس نے غریب چٹائیں اور بسزبائیاں دیکھیں جسمانی عالم میں وہ قحط اور زراعتی تھے ہمارے
 سید و مولیٰ نے دیوارِ صالحہ میں دیکھا کہ آپ کے کف دست مبارک میں سونے کے
 کنگن ہیں اور آپ نے اُن کو پھونک سے اڑا دیا۔ وہ جسمانی عالم میں سیلیمہ اور
 اسود غنسی اور ان کی تباہی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اپنی بیبیوں سے فرمایا
 اسر عنکم لحو قباہی اطول عن یدنا۔ لگی بیبیاں ہاتھوں کو نہ پائے۔ مگر واقعات نفس الامریہ
 نے بتلادیا اور مشاہدات نے دکھادیا کہ صحابیات کا فہم پیشینگوئی کے سمجھنے میں اس پہلو پر
 غلط تھا جس پر انہوں نے سمجھا تھا۔ پس و جبال اور مسیح علیہ السلام کی پیشینگوئی میں
 کیوں ایسا فی حد سے بڑھ کر لوگ عرفان کے مدعی ہو گئے ہیں اور سرفروغ کے
 خلاف پر اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں بڑا تعجب آتا ہے جب یہ کہتے سنتے ہیں کہ
 مرزا اجماع کے خلاف کرتا ہے۔

مثلاً

حالانکہ وہی لوگ جن کو مرزا جی سے بہت بڑا انکار ہے امام احمد غنبل کے اس
 قول کو ہمیشہ سناتے رہے کہ اجماع کا دعویٰ کذب ہے۔ اور عقل و دنیا کا نظارہ اور
 علماء کی حالت بھی کہ وہ مشرق و غرب و جبال و بحار میں پھیلے ہوئے ہیں گواہی دیتی ہے
 کہ اجماع کا دعویٰ ایک خیال سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا۔

غریب من! جیسے مرزا جی نے اپنے آپ کو ابن مریم کہا ہے ایک جگہ موسیٰ
 بھی فرمایا ہے اور اپنے بیٹے مثیل مسیح کا نام عموا نو تیل بتایا۔ یہ خود خاکسار
 نے مرزا جی کی حضور میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ایک پیغام پتھایا تو آپ نے

فرمایا میں نے تو میل سچ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ٹیل سچ بہت آدمیوں اور کوئی ظاہری طور پر بھی مصداق ان پیشینگوئیوں اور نشانات کا ہوجن کوہیں نے روحانی طور پر الہام اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔

۳۲ الہی فیضان کی کوئی حد نہیں اور نہ وہاں کوئی کمی ہے تب میں نے عرض کیا کہ ایسی صورت میں احادیث کے باعث لوگ کیوں اشکال میں پھنسے ہوئے ہیں؟ تعجب ہے۔ مگر عزیز من! احسب الناس ان یستروکوا ان یقولوا امنا و ہم لا یفتنون بہ و حیان کرو۔

سنو اور غور سے سنو! پیشینگوئیوں کے پورا ہونے کے واسطے اوقاسف مقدرہ ہوا کرتے ہیں۔ جیسے میں نے تین سوالوں کے جواب میں مفصل لکھا ہے اور وہ جواب انجمن حمایت اسلام لاہور نے طبع کرایا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کو مکہ کے کفار کہتے ہیں لن نو من لك حتی تفجرو لنا من الکلام ینسبوا۔ آپ کے منکرین نے یہ طلب کیوں کی تھی۔ صرف اسی بنا پر کہ حضور سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشینگوئی کے سمجھنے میں بالکل ظاہری الفاظ کے معنوں پر موٹی نظر کی تھی۔ وہ پیشینگوئی یسعیاہ نبی کے ۴۳ باب ۱۹ کی ہے یسعیاہ نبی نے حضرت خاتم الانبیاء کے زمانہ کی نسبت فرمایا کہ صحرا میں ندیاں بناؤں گا۔ ظاہر ہے کہ سید و مولے کے وقت زبیدہ والی ندی کہ میں اور نہر بنی زرقادین میں جاری نہیں ہوتی تھی۔ جس پر بعض نے ناواقبت اندیشی سے ٹھوکر کھائی۔

۳۳ عزیز من! ترہیب اور ترغیب میں دلوں کے بڑھانے بہمت و توجہ کی ترقی دینے کو ایسے الہامات بھی ہوتے ہیں جن کا بیان آیت ذیل میں ہے اذیریکہم اللہ فی منامک قلیلاً (حالانکہ بدر کی جنگ میں مکہ کے کفار مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے) مگر ایسا الہام کیوں ہوا اللہ تعالیٰ اسکی وجہ فرماتا ہو و انکما اللہ مسلم یسوجوہور کرو۔

عزیز من! مولوی محمد حسین صاحب پر اللہ تعالیٰ رحم فرماوے ان کو اپنے علم و فضل پر بڑا گھمنڈ ہے اور اللہ کریم کو گھمنڈ پسند نہیں۔ الہامی جامعہ کی مخالفت بھی نہیں شکر کا باعث نہ ہو۔ اذلال و فہام میں اس کا عجیب و غریب جواب موجود ہے اور نصحا کتنا ہوں کلا تمہد ہولاء و ہولاء من عطاء ربک اور تمہی پر آیت اذا تمسنى النقى الشیطان فی امنیتہ۔ آپ فکر کرتے رہیں۔

بھائی صاحب! مرزا جی اس صدی کے جھٹکڈ ہیں اور مجدد اپنے زمانہ کا مہدی اور اپنے زمانہ کے شدت مرض میں بستلام بیہوش کا مسیح ٹوا کر تاپے اور لیریا بل تشیل ہے جیسے مرزا جی اپنی الہامی رباعی میں ارقام نہ ماچکے ہیں۔

رباعی

گیا ملک ہے ماننے میں نہیں اس سچ کے	جس کی ممالک کو خدا نے رتادیا
عاذق طیب پاتے ہیں تم سب ہی عقب	خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا
میں اب اس عطا کو غم کرنا چاہتا ہوں۔ مولوی محمد حسین صاحب کی اشاعت پر اللہ تعالیٰ جو فیضان کرے گا اس کا اظہار پھر ہو رہے گا۔ یا رہا باقی صحبت باقی۔	
اتو میں خیر نہیں سنا کہ وہ ایک تحریک کر کے بس کرتا ہوں۔	
عزیز۔ ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ہمارے مخالف رائے مولوی صاحبوں کو وصلہ

خدا ایتہ تعالیٰ نے پورے طور پر جلوہ قدرت دکھلانے کیلئے ایک ایسے نامی مولوی صاحب سے ہمیں نکلوا دیا جسکی بیعت ملی جسکی طاقت فہمی جسکی طلاق اعدا سانی جسکی فصاحت بیانی شہرہ پنجاب ہندوستان ہے اور خدا نے حکیم و حکیم کی مصلحت نے اس ناکارہ کے مقابل پر ایسا انہیں جوش و خشاں اور اس درجہ کی ہلچلی میں انہیں ڈال دیا کہ کوئی دقیقہ بدگمانی اور مخالفانہ حملہ کا انہوں نے اٹھا نہیں رکھا۔ تا اس کا

وہ امر خارق عادت ظاہر ہو جو اس نے ارادہ کیا ہے۔ مولوی صاحب نور اللہ کے بچھانے کے لئے بہت زور سے پھونکیں مار رہے ہیں سو کہئے اب سچ کچھ وہ خود بخود بتا دیں گے اور اگر شرمندہ قلوب میں نہ آتا ہی وہ اپریل ۱۸۷۸ء کے خط میں جو انہوں نے میرے ایک دوست مولوی عسکریل احسن صاحب کے نام بھجوا دیا تھا بھیجا تھا عجیب طور کے فقرات حقیر کے اتھال کئے ہیں۔ آپ میرے صاحب موصوف کو لکھتے ہیں کہ آپ اس شخص پر جلدی سے کیوں ایمان لے گئے اس کو ایک دفعہ دیکھ تو لیا ہوتا۔ مولوی صاحب نے اس فقرہ اور نیز ایک عربی کے فقرے سے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ یہ شخص محض نالائق اور علمی اور عملی لیاقتوں سے بکلی ناواقف ہے اور کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر تم دیکھو تو اس سے نفرت کرو۔ مگر خود ایچ بیچ اور بالکل سچ ہے اور قسم یہ مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ درحقیقت مجھ میں کوئی علمی اور عملی خوبی یا ذوات اور دانشمندی کی لیاقت نہیں اور میں کچھ بھی نہیں۔ ایک غیب میں ہاتھ ہی جو مجھے تمام رہا ہے اور ایک پوشیدہ روشنی جو مجھے منور کر رہی ہے اور ایک آسمانی روح جو مجھے طاقت دے رہی ہے پس جس نے نفرت کرنا ہے کہے۔ تا مولوی صاحب خوش ہو جائیں بھلا میری نظر ایک ہی پر ہے جو میرے ساتھ ہے۔ اور غیر اللہ ایک مری ہوئی کیڑی کے برابر بھی میری نظر میں نہیں۔ کیا میرے لئے وہ کافی نہیں جس نے مجھے بھجوا ہے۔ میں یقیناً جاننا ہوں کہ وہ اس تبلیغ کو ضائع نہیں کرے گا جس کو لیکر میں آیا ہوں۔ مولوی صاحب جہاں تک ممکن ہے لوگوں کو نفرت دلانے کے لئے زور لگالیں اور کوئی دقیقہ کو ششش کا اٹھانہ رکھیں اور عیاں کہ وہ اپنے خطوط میں اور اپنے رسالہ میں اور اپنی تقریروں میں بار بار ظاہر کر چکے ہیں کہ یہ شخص نادان ہے جاہل ہے گمراہ ہے مفتری ہے وہ کاٹتا رہے بے دین ہے کافر ہے ایسا ہی کرتے رہیں اور مجھے ذرہ ملت نہ دیں مجھے بھی اس ذات کی عجیب قدر توں کے دیکھنے کا شوق ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ لیکن اگر کچھ تعجب ہے تو اس بات پر ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ عاجز مولوی صاحب کی نظر میں جاہل ہے بلکہ خط مذکورہ بالا میں یقینی طور پر مولوی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ یہ شخص ملمس نہیں یعنی مفتری ہے اور یہ دعویٰ جو اس عاجز نے کیا ہے مولوی صاحب کی نظر میں بدیہی السطال ہی

جس کا قرآن و حدیث میں کوئی اثر و نشان نہیں پایا جاتا۔ پھر مولوی صاحب پر ڈاس قدر غالب ہو کہ آپ ہی بحث کے لئے بلا تے اور آپ ہی کتارہ کر جاتے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہو گا کہ مولوی صاحب نے ایک بڑے کتروفر سے ۱۶ اپریل ۱۸۹۱ء کو تار بھجوا کر اس عاجز کو بحث کے لئے بلایا کہ جلد آؤ اور آکر بحث کرو ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے۔ اس وقت بڑی خوشی ہوئی کہ مولوی صاحب نے اس طرف رخ تو کیا اور شوق بٹھا کہ اب دیکھیں کہ مولوی صاحب ہنر کی جگہ ابن مریم کے زندہ مع الجسد اٹھائے جانے کا کونسا ثبوت پیش کرتے ہیں یا بعد موت کے پھر زندہ ہو جانے کا کوئی ثبوت قرآن کریم یا صحیح حدیث سے نکالتے ہیں۔ چنانچہ لدھیانہ میں ایک عام چرچا ہو گیا کہ مولوی صاحب نے بحث کے لئے بلایا ہے اور سیالکوٹ میں بھی مولوی صاحب نے اپنے ہاتھ سے خط بھیجے کہ ہم نے تار کے ذریعہ سے بلایا ہے۔ لیکن جب اس عاجز کی طرف سے بحث کے لئے طیارہ ہوئی اور مولوی صاحب کو پیغام بھیجا گیا تو آپ نے بحث کرنے سے کتارہ کیا اور یہ غدر پیش کر دیا کہ جب تک ازالہ اوہام چھپ نہ جائے ہم بحث نہیں کریں گے۔ آپ کو اس وقت یہ خیال نہ آیا کہ ہم نے تو بلانے کے لئے تار بھیجی تھی۔ اور یہ بھی ایک خط میں لکھا تھا کہ ہمیں ازالہ اوہام کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی بار بار ظاہر کر دیا تھا کہ یہ شخص باطل پر ہے۔ اب ازالہ اوہام کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔ تار کے ذریعہ سے یہ پیغام پہنچا نا کہ آؤ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے اور جی فی اللہ انویم حکیم نور الدین صاحب پر تاحق یہ الزام لگانا کہ وہ ہمارے مقابلہ سے بھاگ گئی اور پھر درخواست بحث پر ازالہ اوہام یا د آ جانا عجیب انصاف ہو مولوی صاحب دعویٰ اس عاجز کا سن چکے تھے۔ فتح اسلام اور توضیح مرام کو دیکھ چکے تھے اب صرف قرآن اور حدیث کے رو سے بحث تھی جس کو مولوی صاحب نے وعدہ کر کے پھر ٹال دیا۔

مست